Title - MUSTAFA KAMAAL AUR TAREEKH TURKI-O-FILISTEEN WAGHAIRA.

Creator - Mohd. Athar Ali Alvi.

Publisher - Sultan Barqi Press (Lucknow).

Date - 1938

Pages - 224

Subjects - Tareekh - Turki; Turki - Tareekh; Mustafa Kamaal Paasha - Sawaneh.



قال اللہ تبارک و تعالیٰ

قُلِ اللّٰھُمَّ مٰلِکَ الْمُلْکِ تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَآءُ

مُصْطفیٰ کمال

اور

تاریخ ترکی و فلسطین وغیرہ

مُصنّفہ

محمد اظہر علی علوی کاکوروی

بی، اے، ایڈوکیٹ، ایم، ایل، اے۔

مصنف

"کوآپریٹو فنانس" بزبان اردو

مطبوعہ سلطان برقی پریس نظیر آباد لکھنؤ

بار اول

۱۹۳۰ء

انتساب

میں اس حقیر خدمت کو اپنے ان چار مخلص احباب کے نام پر معنون کرتا ہوں جنکے ساتھ میری عمر کا بڑا حصہ سچی محبت سے گذرا ہے اور جنکے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں

(۱) خان بہادر شیخ محمد مقبول حسین مرحوم سی۔ آئی۔ ای سابق کمشنر و تعلقدار اگریا ضلع بارہ بنکی

(۲) خان بہادر شیخ محمد متین الزماں خاں معین الملک ڈپٹی کمشنر و ڈپٹی کلکٹر سابق معین المہام ریاست بھوپال

(۳) راے بہادر پنڈت رگھوبر دیال شکلا ڈسٹرکٹ و سیشن جج اودھ

(۴) ڈاکٹر صاحبزادہ سعید الظفر خاں سابق پرنسپل میڈیکل کالج لکھنؤ و معین المہام ریاست بھوپال

(محمد اظہر علی ایم۔ اے۔ ایل۔ ٹی)

صحت نامہ

باب اول

صفحہ	سطر	غلطی	صحت
۱	۲	اُسے	اِسے
۵	۸	کیاگیا	کیا گیا
۱۰	آخر	تیخ	تاریخ
۱۴	۸	سے	بھی
۱۶	آخر	کو	پر
۲۴	میزان اعداد	۵۸۵۶۷۸۱	۸۲۲۱۶۶

تاریخ ترکی

صفحہ	سطر	غلطی	صحت
۲	۷	بازطینوی	بازنطینوی
۳	آخر	مہر	ہر
۵	۲	فوج	فوجی
۵	۳	فوج	فوجی
۶	۱۷	ساس	طاش
۶	۳	بہت	بیت
۱۲	۲۰	یوئیوں	یونانیوں
۱۲	۱۲	سفیلیں	فصیلیں
۱۴	۱۲	چیند	چند
۱۴	آخر	کے	سے
۱۸	۱۹	ترلوں	ترکوں
۱۹	۱	ملنگ	لوگ
۲۰	آخر	امانت	امانات
۲۵	۷	بابت	مطابق
۲۵	۸	کیاہے	کیے ہیں

صفحہ	سطر	غلطی	صحت
۲۸	۴	موصفات	مراعات
۲۸	۸	تام	تمام
۲۸	۱۲	سنہ ۱۹۳۶ء	سنہ ۱۹۳۵ء
۲۹	۱۱	جھڑیں	چڑھتیں
۳۱	۱۱	جسکو	جسکے
۳۱	۲۱	مواز	مورز
۳۳	۱۸	سترہویں	سولھویں
۳۵	۱۴	جنیز	جینیسریز
۳۷	آخر	وڈنا	ویئینا
۴۳	۲۱	گئی	گیا
۵۶	۸	کو	کر
۶۸	۲۰	باسفور	باسفورس
۷۹	۷	تقریر	تقرر
۷۹	۲۱	دائیرس	ایپیرس و
۹۰	۱۷	اطلاق	الحاق
۹۱	۱۵	بھی ...	یہی وجہ
۹۱	۱۹	رکھا	بنا رکھا
۹۲	۱۰	اسکو	اسکو ب
۹۵	۹	دارالعلوم	دارالعوام
۹۵	۸	گلاڈابل	گلاڈاہل
۹۵	۱۸	ملازمت	ملامت
۹۶	۱۱	ترک	عوام ترک

صفحہ	سطر	غلطی	صحت
۹۶	۲۲	ان ایسے مجاہدی	انہیں نے مجاہد کی
۹۹	۱۲	اپنا	اپنے
۱۱۵	۲	سے	اب
		جلد دوم	
۶	۱۱	حداری	غداری
۶	۱۶	تسلاکا جاتا تھا	سلانیکا جاتا تھا
۲۵	۱۸	اسپلیو	البیو
۲۶	۸	ساسکو	ماسکو
۲۶	۱۰	اور اہل	اہل اور
۲۹	۱۲	گیا	گیا تھا مگر
۳۲	۱۰	کمرنا	اسمرنا
۳۸	۴	گویا ا	گویا انکو
۳۹	۶	بالدہ خانم	خالدہ خانم
۵۲	۷	تھی	تھی بات گئی
۵۹	۱۳	کیسا تھم	کنچلی تھا
۶۶	۳	ریچین	ایچین
۷۷	۱۸	شبارات	اخبارات
۸۶	۱۰	ترک	ترک بلکہ
۹۳	آخر	سے	سے بڑے
۱۰۰	۱۹	اسحالی	الحالی
۱۰۲	۳	کرنے	نہ کرنے
۱۰۸	۶	غذہب	تک مذہب
۱۱۴	۱۶	ایطالی	ایرانی
۱۱۹	۱۰	لڑکیا	لڑلڑا
۱۲۱	۷	اتقفو	اتبہ

صفحہ	سطر	غلطی	صحت
۱۲۱	۹	لباتیوں	تہاں
۱۳۲	۶	بوتی	ترقی
۱۳۳	۱۰	کیا گیا	کیا تھا
۱۳۴	۱۱	(الفاظ انتقال ہوا تھا	آزادی کو دوبارہ ہو جائے
۱۳۵	۴	اس	روس کی
۱۴۰	۱۸	اخباروں	اخبار نویسی
۱۴۱	۱۵	بھی ترلہ	بھی زمانہ
۱۴۳	۱۴	محلے	محلے اور
۱۴۴	۱۶	شکو	شکوہ
۱۴۶	۲۰	سے	سے تھے
۱۴۷	۵۶	ملکہ	مکہ
۱۴۷	۸	اعلان	اٹھائے
۱۴۷	۱۵	ارخان	آرچین
۱۴۷	۱۹	گرشتہ	کا گزشتہ
۱۴۸	۱۶	انور	انورہ
۱۴۸	۱۸	تھا	تھا اسی سے
۱۵۱	۱۱	ایو	ریو
۱۵۱	۱۳	سلطان نے	سلطان سے
۱۵۲	۴	۵۱	۵۰ گئے
۱۵۲	۳۰	(الفاظ تحت نہ لیا	گیا تھا دوبارہ
۱۵۳	۲۱	وجود	وجود
۱۵۴	۱۸	دسیلی	ودسیلی
۱۵۶	۲۰	نے	نے جو
۱۵۸	۲۰	کررہے	کرادیئے
۱۶۳	۳	احمدین	احمدابن
۱۶۴	آخر	۳۳ دو جگہ پر	بجائے ۵۰ کے

سطر	غلطی	صحت
١٩	کسی	کبھی
١٠	عبائی آئین	عیسائی آئین
١	اشرفیوں اور [illegible]	اشرفیوں کی نقش
٩	لفظ "مہر" زائد ہے	
٩	(لفظ "بہادر" زائد ہے)	
١٥	بیداز	بیدار
١٢	آنکہ	آنکہ سرود کا [illegible]
٢١	وفود	پاس وفود
٨	کر	کہ
٥	اس	وائی
١٢	بڑی	بڑی
١٤	دارالعوم	دارالعوام
٣	کو	سے
٩٠ صفحہ غلط ہے ١٩٠ ہونا چاہیے)		
آخر	قربانی	قربانی بھی
١٦	اسی	یہی
٦	ایرانی	زائد ایرانی
٩	تازہ	تیار ہی
آخر	وقت	اپنے آخری وقت
٩	قانون	قارن
١٩	پھر	پھر
٧	(لفظ "اہلیہ" زائد ہے)	
٨	پھار	پھلے
١٣	فوج	فوج میں
١٠	گوآنی	ادھکی
١٥	کرکے	کرنے اور

صفحہ	سطر	غلطی	صحت
٢٠٣	١٥	لیے	لیے پورا پورا
٢١٣	٣	عزت	عزت سے
٢١٤	آخر	اس	روس
٢١٥	٥	غیر کفو	غیر کفو
٢٠٩	١٦	(لفظ "مصر" زائد ہے)	

جلد اول

فہرست سلاطین ترکیہ

نمبر	اسمائے سلاطین	سن تک حکومت کی	نمبر	اسمائے سلاطین	سن تک حکومت کی
۱	سلیمان شاہ	۱۲۸۷۰۵	۲۱	ابراہیم ثانی	۱۶۴۸
۲	ارطغرل	۱۲۸۸	۲۲	محمد چہارم	۱۶۸۷
۳	آتھمن	۱۳۲۶	۲۳	سلیمان ثانی	۱۶۸۷
۴	ارخن	۱۳۵۹	۲۴	عصمت ثانی	۱۶۹۶
۵	مراد اول	۱۳۸۹	۲۵	مصطفےٰ ثانی	۱۶۹۹
۶	بایزید اول	۱۴۰۳	۲۶	عصمت ثالث	۱۷۳۰
۷	موسیٰ و محمد	۱۴۱۳	۲۷	محمود	۱۷۵۴
۸	محمد اول	۱۴۲۱	۲۸	عثمان ثانی	۱۷۵۷
۹	مراد ثانی	۱۴۵۱	۲۹	مصطفےٰ ثالث	۱۷۷۳
۱۰	محمد ثانی فاتح	۱۴۸۱	۳۰	عبدالحمید اول	۱۷۸۹
۱۱	بایزید ثانی	۱۵۱۲	۳۱	سلیم ثالث	۱۸۰۸
۱۲	سلیم اول	۱۵۲۰	۳۲	محمود ثانی	۱۸۳۹
۱۳	سلیمان ذی شان یا اعظم	۱۵۶۶	۳۳	عبدالمجید	۱۸۶۱
۱۴	سلیم دوم	۱۵۷۴	۳۴	عبدالعزیز	۱۸۷۶
۱۵	مراد ثالث	۱۵۹۵	۳۵	مراد پنجم	۱۸۷۶
۱۶	محمد ثالث	۱۶۰۳	۳۶	عبدالحمید ثانی	۱۹۰۹
۱۷	عصمت	۱۶۱۷	۳۷	محمد پنجم	۱۹۱۸
۱۸	مصطفےٰ	″	۳۸	محمد سادس	۱۹۲۲
۱۹	آتھمن ثانی	۱۶۲۰	۳۹	خلیفہ عبدالمجید	۱۹۲۴
۲۰	مراد چہارم	۱۶۴۰	۴۰	مصطفےٰ کمال اتاترک	

فہرست مضامین

جلد اوّل

بابِ اوّل

مقدمہ

وہی سُنے گا اُسے دل گداز ہے جس کا
ہو دل میں سوز تو رگ رگ پہ ساز ہے اُس کا

اے میرے اور ہر مسلم قلب کے پیارے مصطفےٰ! میں آپکے اسم پاک کا شیدا ہوں۔ آپ پہ میری جان اور مال سب قربان ہیں۔ اور جس کسی شخصیت سے آپکے اسم پاک کی ذرا سی بھی نسبت ہے وہ بھی میرے واسطے باعث محبت ہے۔ میری نسبت بوترابی کا بھی یہی اقتضا ہے۔ بوڑھاپے میں اپنی ہر قسم کی بے مائگی پر میں نے نظر ڈال کر اللہ تعالے ہی کا بھروسہ کر کے قلم ہاتھ میں لیا ہے۔ کتاب "مصطفےٰ کمال اور تاریخ ترکی" کی مقبولیت کی ذمہ داری اس صورت میں جس پر ہوگی وہی جانتا ہے۔ میں کیا اور میری تحریر و تحقیق کیا واقعات کا جمع کرنا کوشش سے متعلق تھا جو انسانیت کا فرض ہے۔ تاریخ یا واقعات نویسی آسان نہیں ہے۔ نہ میرے مان ہی کی بات تھی مجھے اپنی خامیوں کا اعتراف ہے۔ خدا سے دعا ہے کہ میری غلطیوں اور سہو کو معاف فرمائے۔ کتاب کے پڑھنے والوں سے استدعا ہے کہ میری کوشش کو رائگاں نہ جانے دیں۔ اگر حکمران و امرا کے گروہ سے ہوں تو واقعات سے سبق لے کر ایثار و حکمت عملی سے کام لیں۔ اگر رعایا و غربا یا متوسط الحال گروہ سے ہوں تو قومی ہمدردی و ملکی بہی خواہی کو اپنا معیار زندگی بنا کر ترکی قوم کی کمال و زوال کے واقعات کو پڑھ کر میدان عمل میں آجائیں۔ سچوں کی پیروی کریں اور جھوٹوں کی کبھی نہ سنیں۔ ملک قوم کے دوست و دشمن کو پہچاننے کا اب پورا وقت آگیا ہے۔ سچے دوست کی حقیقی پہچان اسی کو جانیں کہ جو ملک قوم و ملت کے واسطے واقعی طور پر ایثار، تصدق اور قربانیاں کرے اور دل میں اُن کا درد بھی رکھتا ہو۔ بس اسی کو اپنا لیڈر یا راہبر بنائیں۔ نیز مذہبی تعصبات کو موجودہ دنیا کے کاروبار میں داخل کر کے اپنا شیرازۂ ملکی گردوں کے نوچنے کے لئے حوالہ نہ کردیں۔ ہر ایشیا کے باشندے کیلئے اب وقت آگیا ہے کہ قومی و ملکی بہبود

اور اپنی ہستیوں کے قیام کیلئے آمادہ ہو جاوے۔ اگر خود نفع نہ اوٹھا سکے گا تو اولاد یا پوتے پر دوتے ہی کچھ چین و آرام کریں گے۔

مجھے ۱۹۲۷ء میں مصطفےٰ کمال پاشا و ترکی حکومت کے چند سلاطین کے کچھ حالات جاننے کا موقع اوسوقت ملا جبکہ میں حیدرآباد دکن میں نواب صدر یار جنگ بہادر مولوی حبیب الرحمن خان صاحب شیروانی کے دولتکدہ پر اعلیحضرت نظام الملک آصف جاہ حضور پُر نور نواب میر عثمان علیخان صاحب بہادر بالقابہ کے بہ تکرار فرامین شاہی کی تعمیل کے تحت میں دامن امید کو پھیلائے ہوئے ٹھہرا ہوا تھا۔ وہیں حسن اتفاق سے ہما شریف ملک شام کے ایک بزرگ پیر سید برہان الدین صاحب خلف پیر سید سیف الدین پاشا جیلانی جو حضرت غوث اعظم پیران پیر دستگیر کی اولاد سے تھے۔ وہ بھی آکر ٹھہر گئے تھے۔ اور شیروانی صاحب موصوف ہی کے مہمان تھے۔ سید برہان الدین موصوف کے نانا پیر سید ابو الہدیٰ رفاعی حلب کے نقیب الاشراف تھے۔ رفاعی صاحب سے سلطان عبد الحمید خان مرحوم کو بڑی عقیدت تھی اور شاید بیعت بھی۔ پیر سید برہان الدین اپنے نانا صاحب کے ہمراہ قصر سلطانی میں مقیم رہ کر وہاں کے حالات سے اچھی طرح واقف تھے۔ شب میں کھانے کے بعد میری گذارش پر وہ واقعات ترکی کو بیان فرماتے جنکے نوٹ لے کر میں شب ہی میں اونکو مفصل طور پر لکھ لیتا اور موقع پاکر ہر روز دن میں پیر صاحب موصوف کو سُناتا تاکہ غلطیوں کی صحت ہو جاوے۔ یہ سلسلہ اوسوقت تک جاری رہا جبتک کہ وہ بیچارے بالآخر میری طرح نا اُمید ہو کر حیدرآباد دکن کے چھوڑنے پر مجبور نہ ہو گئے۔

اس کتاب کی تحریر میں میری حیثیت نہ صرف ایک مترجم کی ہونا چاہیے بلکہ مؤلف یا مصنف کی بھی۔ بیشک کسی خاص کتاب کا ترجمہ نہیں ہے تاہم کتب۔ اخبارات و زبانی بیانات کا ماخوذ و مجموعہ ضرور ہے۔ پیر صاحب کا حافظہ بھی قیامت کا تھا میں نے جب تواریخ سے مقابلہ کیا تو یقین ہو گیا کہ اونکی معلومات نہ صرف وسیع بلکہ صحیح تھیں۔ اور کیوں نہ ہوتیں۔ گویا چشم دید و شنید واقعات تھے

اس کتاب میں مقدمہ کے بعد دیباچہ اس بنا پر لکھا گیا ہے کہ پڑھنے والوں کو ابتداہی میں کچھ ایسے جیتے جاگتے مضامین مل جاویں جنسے آئندہ انہیں تاریخ کے پڑھنے میں دلچسپی ہو

اور ہندوستان کے موجودہ حالات سے ملاکر سبق حاصل ہو۔ ترکوں کا ابتدائی زمانہ بڑا شاندار رہا ہے اور اگر اسلامی دنیا کو اُن پر فخر ہو تو بیجا نہیں۔ دوسروں کو بھی صرف تعصب کی عینک اوتارنی ہوگی۔ اور تب صاف نظر آجائے گا کہ ترک ایسے وقت میں متمدن تھے۔ جبکہ یورپ اونکے سامنے جاہل تھا۔ اونکی بہادری شجاعت اور رواداری کی داستانیں کوئی قصہ کہانی نہیں ہیں بلکہ تاریخ کے مستند واقعات ہیں۔ ع

بگڑنے پر بھی زلف اوس کی بنا کی

اب اپنی گئی گذری حالت میں بھی اونکا شمار زندہ قوموں میں ہے۔ بتیس دانتوں سے نکل کر پھر زمانہ حال کی ترقی کی راہ تک جانا بھی اونہیں کا حصہ تھا۔ بالخصوص جبکہ سب طرف سے اُن پہ یورش تھی۔ سچ تو یہ ہے کہ خود مسلمانوں تک نے اونکی بربادی میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی تو اوروں سے کیا شکایت۔ اور اب وہ یہ کہتے بھی ہیں ؎

بھاگ ان بردہ فروشوں سے کہاں کے بھائی
بیچ ہی ڈالیں جو یوسف سا برادر پائیں

ترکوں کی شہنشاہیت کی پالیسی اس کتاب سے معلوم ہوگی اور وہ انقلاب بھی جس پر دنیا نے حیرت کی۔ بلکہ بلا اپنے ہی بھائیوں کا بہت زاید خون بہائے ہوئے افلاس سے ترقی کے کئی زینے کل قوم آناً فاناً چڑھ گئی۔ اور ایسی جمہوریت بلکہ دستوری طریقہ کی سلطنت حاصل کر لی۔ کہ جو اپنے طرز میں بالکل نئی ہے۔ استبداد و شہنشاہیت کے اصولوں کا اونمیں وجود ہی نہیں رہا۔ کُل قوم اور اوس کا رہبر ہر فعل و عمل میں یک زبان و یکدل ہے۔ "ڈکٹیٹر" کی لفظ سے پوری قوم کو ننگ ہے۔ بلکہ خادم قوم کا لقب بجائے محسن قوم کے ہر ترک اپنے لئے اور اپنے پیارے "مصطفٰے کمال" کے لیے موزوں و مناسب جانتا ہے۔ اور آج بھی دنیا ترکوں کے نام کو پھر عزت سے لینے پر مجبور ہے۔ ترکوں نے تو اب مصطفٰے کمال کو "اتاترک" کا لقب دے کر اونکا صحیح مرتبہ بھی قوم میں تبلا دیا۔

میری نگاہ سے اردو زبان میں مستند کوئی بھی ایسی تاریخ ترکی جو ابتدا سے لے کر اس وقت تک کے مسلسل و مشرح حالات دکھلا سکتی ہو نہیں گذری تھی۔ اسلئے مجھے ہمت ہوئی کہ اپنی ہی زبان میں کچھ لکھ کر سپرد قرطاس کروں۔ میرا یہ بھی عقیدہ ہے کہ اب زمانہ اسی کا آگیا ہے کہ

ہندوستان میں لوگ اپنی مادری زبان ہی میں تصنیف وتالیف کریں۔

مستورات ملک جو اُردو زبان سے واقف ہوں گی اُن کے واسطے غالباً اس کتاب میں کافی مصالحہ ایسا ملے گا جس سے وہ اپنی ترکی بہنوں کی طرح ہندی بہنوں کی امداد کر سکیں۔ مثال سے دنیا میں بڑے بڑے کام بنتے ہیں۔ بس "خذ ما صفا دع ما کدر" پر عمل ہونا چاہیئے۔ مردوں کے واسطے بھی اب بیجا سختیوں سے بچنے کا وقت آگیا ہے۔ نیز دیگر اقوام کے میدان ترقی میں قدم آگے بڑھا لینے سے جو سبق کہ ہندوستان کے لوگ پڑھ رہے ہیں اس سے نتیجے نکالیں تو بہتر ہے۔ اور اپنی بہنوں و بیٹیوں کو جاہل و مجبور رکھنا و بننے سے یقین ہے کہ اب اہل ہند باز رہیں گے۔ بلکہ اصلاح بہ ضرورت زمانہ کے مطابق مستعدی و جرات سے آمادہ ہو جائیں گے۔ کیونکہ اسی میں اب خیر ہے۔ ورنہ جو روز بد کہ غلامی۔ بے علمی اور تنگ نظری سے اہل ہند دیکھ چکے ہیں وہ کافی ہیں۔ اگر اب بھی نہ چونکے تو اور بھی قعر مذلت میں گرتے چلے جانا کوئی تعجب کی بات نہ ہوگی۔ ادھر تو دنیا بھر علم اور رواداری کے جھنڈے ہاتھوں میں لئے چلی جا رہی ہے۔ مگر اہل ہند اور بالخصوص میرے مسلمان بھائی ابھی تک جائز و ناجائز کے جھگڑے نہیں طے کر چکے۔ بلکہ تعلیم اور بے تعلیمی کے فوائد و نقائص نیز کفر و الحاد کے مباحث سے چھٹکارا اگر ذرا بھی کرائے تو بہ۔

کتاب میں جستہ جستہ حال اُن ممالک و مقامات غیر اور قوموں کا بھی لکھا گیا ہے جیسے کہ ترکوں کو نہ اب سابقہ پڑا۔ نیز ایسے مباحث پر بھی کچھ روشنی ڈالی گئی ہے جیسے کہ اُن کی اصلی حالت کا کچھ کچھ پتہ چل سکے۔ کیونکہ بعض یورپین مورخین نے اُن کی اچھی باتوں کو بھی بُرے پہلوؤں سے دکھلایا ہے اور اپنی آنکھ کا شہتیر کسی کو بھی نہ نظر آیا۔ ہمیشہ سیاسی پہلوؤں سے تعصب کی عینک لگا کر تھوڑا تھوڑا اور بڑھایا ہے۔ اور وہی ہندوستان کے تواریخ بینوں کو پڑھنے کو ملا ہے۔ اس لئے ممکن ہے کہ اس کتاب سے کچھ لوگوں کو صحیح رائے قائم کرنے میں مدد ملے۔ میں نے پیشتر ہی سے معتقد یورپین تواریخ کا مطالعہ کر کے لکھنے کا ارادہ کیا۔ بعض اوقات تو ایسے ایسے نادر ثبوت یورپین مورخین کی جہالت کے اسلام کے متعلق نظر سے گذرے کہ حیرت ہو گئی۔ یہاں صرف دو واقعات کا ذکر نمونتاً کئے دیتا ہوں۔

ٹرکش امپائر مکتوبہ لارڈ ایورسلے و سر ویلینٹائن چرول ([illegible]
Empire by Lord Eversely & Sir Valentine Chirol)

طبع ثالث سنہ ۱۹۳۴ء کے صفحہ (۱۰۵) پر تحریر ہے "سُنّی و شیعوں کا اختلاف یہ ہے کہ شیعہ کہتے ہیں کہ ہر چہار خلفائے راشدین کی تحریرات کو قابل سند مانا جاوے یا صرف رسول اللہ کے احکامات زبانی کو مختتم سند قبول کیا جاوے"

(۲) اسی طرح صفحہ (۱۱۴) میں درج ہے۔

"کافر سے ایفائے وعدہ نہ کرنا چاہیئے۔ یہ قرآن پاک کا حکم ہے"۔ اَلعَظمَتُ لِلّٰہ

اس طرح کا سفید جھوٹ۔ خدا ایسے کاذب مورخین سے پناہ میں رکھے۔ اب غور کرنا چاہیئے کہ جب ایسے مشہور و معروف اور قابل و مستند مورخین کا یہ حال ہے تو غریب ترکوں کی تاریخ لکھتے وقت کیا گیا یورپین مورخین نے نہ لکھ مارا ہوگا۔ اور کس طرح یورپ نے ترکوں کی تاریخ کی گت نہ بنائی ہوگی۔ ولیکن قلم در کف دشمن است۔ میں نے جن جن تواریخ سے مدد لی ہے اونکے مصنفین کی واقعہ نگاری کی سچائی یا غلطی سے زیادہ بحث نہیں کی ہے صرف واقعات کی کڑیاں جوڑ دی ہیں اور بس۔ اُن تواریخ کے حوالے بھی حسب ذیل ہیں۔

(۱) اسٹارم سنٹر اِن نیر ایسٹ مصنفہ سر رابرٹ وندھم گریوز۔ کے۔ سی۔ ایم۔ جی سنہ ۱۹۳۳ء

(Storm Centre in Near East by Sir Robert Windham Graves K.C.M.G. 1933)

(۲) دی ٹرکش ایمپائر مصنفہ لارڈ ایورسلے و سر ویلینٹائن چرول طبع ثالث سنہ ۱۹۲۴ء

(The Turkish Empire by Lord Eversley & Sir Valentine Chirol 3rd Edition 1924)

(۳) کیمالسٹ ٹرکی اینڈ مڈل ایسٹ (Kemalist Turkey and Middle East)

(۴) دی آٹومن ایمپائر مصنفہ ملرین ابتدائے سنہ ۱۸۰۱ لغایۃ سنہ ۱۹۱۳ء (The Ottoman Empire by Miller (1801-1913))

(۵) دی ماڈرن ورلڈ ٹرکی مصنفہ اے۔ جے ٹوائن بی و کے۔ پی کرک۔ وو ڈ

جلد (۴) سنہ ۱۹۲۶ء (The Modern world Turkey by
A. J. Toynbee & K. P. Kirkwood Vol IV 1926)

(۶) دی گرے وولف مصطفیٰ کمال مولفہ آرم اسٹرانگ
طبع ششم سنہ ۱۹۳۴ء (The Grey wolff
Mustafa Kemal by Armstrong
6th Edition)

(۷) دی میکنگ آف ماڈرن ٹرکی از سر ہیری لیوک طبع ۱۹۳۶ء

The making of Modern
Turkey by Sir Harry Luke 1936

دیباچہ

آباد ہے اصل میں نہ ویرانہ ہے ۔۔۔ شادی کا یہ گھر ہے نہ عزاخانہ ہے
واللہ نہ ابتدا ہے اس کی نہ خبر ۔۔۔ دنیا ایک ناتمام افسانہ ہے

اونیسویں صدی کی ابتدا تک ترکوں کے پاس علاوہ ایشیا و افریقہ کے حصص سلطنت کے یورپ میں بھی بڑی سلطنت تھی۔ یونان۔ بلغاریہ۔ سرویا۔ باسینا۔ ہرزیگو ونیا۔ مالڈیویا۔ ول لاچیا اور مانٹینگرو وغیرہ کا بھی بڑا حصہ اونھیں کے زیرنگیں تھا جنہیں پانچ گورنریاں تھیں۔ رومیلیا باسینا۔ سائلسٹرایہ جیزیرا اور کریٹ کی سلطانی رعایا میں یونانی۔ بلغاری۔ سرب۔ البانی۔ رومانی ترک۔ عرب۔ کورد اور ارمنی وغیرہ شامل تھے۔ دراصل تو یورپ میں آسٹریا و ہنگری تک ترک حاکم تھے اور افریقہ میں ساحل مراکش تک۔ عرب و عراق عرب بھی اونھیں کے تھے۔ اسی طرح مصر و متعدد جزائر میں وہ سلطانی پھریرا لہراتا تھا جسمیں ہلال اور ستارہ بنا رہتا ہے بیشک ترکوں سے زیادہ یورپ میں اوسوقت نہ کوئی قوم بہادر تھی اور نہ انصاف پسند۔ مذہبی تعصب کا اونمیں شائبہ تک نہ تھا۔ نہ رعایا پر ٹیکس کی زیادتی سے جبر و ظلم کے وہ عادی تھے۔ اون کا اساس حکومت و تمدن بھی یورپ کی کسی سلطنت سے کم نہ تھا۔ عمال حکومت زمانے کے مطابق تھے مگر ایسے بڑے جیسے کہ زوال ٹرکی کے وقت نظر آئے۔ دنیا کے دستور کے مطابق بادشاہ کی تبعیت عمال حکومت بھی کرتے ہیں۔ چنانچہ عادل و بیدار بادشاہوں کے وقت میں سب باتیں اچھی اچھی ہوتی رہیں۔ عیش پسند یا ناقابل سلاطین کے عہد میں بیشک رشوت ستانی زیادہ بے انصافی قوم و ملک فروشی سب کا زور ہوتا گیا۔ پھر شاہزادوں کی تعلیم و تربیت کا کوئی خاص

انتظام نہ تھا بلکہ ولیعہد حکومت سے تو بادشاہ دور ہی دور رہتا۔ اور بعض اوقات اوسکو فنا کرنے یا نقصان پہونچانے تک کی کوشش کرتا۔ خاندانی دستور کے مطابق جو سب سے معمر شخص خاندان شاہی میں ہوتا وہی ولیعہد ہوتا مگر جبتک وہ بادشاہ وقت کی خود اولاد نہ ہوتا دونوں میں فطری محبت کی کوئی وجہ نہ تھی۔ نہ سلطان کو اوسکی تعلیم و تربیت ہی کی طرف توجہ ہوتی۔ اسی سے بعد کے حکمران کمزور اور سیاسیت سے دور نظر آتے ہیں۔

بعض اوقات نامور افسروں نے ایمان فروشی و ملک فروشی کو عیب تک نہ جانا۔ بلکہ خود بعض بادشاہوں نے تحائف لے کر نیز محلات کے اثر سے رعایا پر ظلم بھی کرایا۔ محکمۂ انصاف یا عدالتیں بھی بڑے ملوک وقت کی تقلید کرکے رشوت لینے میں پس و پیش نہ کرتیں گو نصف حصہ ایسی آمدنیوں کا کسی نہ کسی طرح حکومت ہی کے پھر نذر ہوجاتا یا بڑے عمال کی جان و آبرو پر وبال لاتا۔

فوجوں کی آمد و رفت و رسد رسانی کے لیئے ضرورت زمانہ کے مطابق انھیں بعد کے حکمرانوں کے وقت میں باقاعدہ سڑکوں و دیگر محکمہ جات کی درستی کی طرف تک توجہ نہیں کی گئی۔ جہاں اور جدھر اور جس وقت دل میں آیا حملے کر دیئے گئے۔ نہ اعلان جنگ کا کوئی خاص دستور تھا نہ اوسکے واسطے کوئی قانون۔ جہاں بھی فوج پہونچ گئی وہاں کی رعایا کو لوٹ لینا اوس کا کام تھا۔ اور کسی قسم کی زیادتی بھی گناہ نہ تھی۔ حقیقتاً تو تمام باتیں ترکوں کے واسطے مخصوص نہ تھیں۔ شخصی حکومتوں میں سب جگہ یہی ہوا ہے بلکہ کل یورپ و ایشیا میں اوس وقت تک یہی باتیں ہر جگہ رائج تھیں اور شاید اب بھی ہوتا ہے۔ بلکہ آخری جنگ عظیم میں کیا کچھ نہیں ہوا تاہم ترکوں کی مذہبی رواداری کا اس سے بہتر ثبوت نہیں ہو سکتا کہ اونیسویں صدی میں اسپین و روس کے یہودیوں کو اپنے یہاں پناہ دینے کے لیئے اونکا خیر مقدم ترکوں ہی نے کیا جبکہ کیتھالک اسپین اور روس تعصب کے باعث اون پر طرح طرح کا ظلم کر رہے تھے۔ باسینا کے بیگومائلس (Bagomiles) کو سلاطین ترکی کی رعایا ہوجانا قبول تھا۔ مگر یہ جبر پوپ (Pope) کا مذہب اختیار کرنا منظور نہ ہوا ایسے ہی یونانیوں نے ترکونکی رعایا ہونا قبول کیا مگر کیتھالک وینیشین (Catholic Venecian) کے مظالم کو برداشت نہ کرسکے۔ سلطان محمد ثانی نے تو یونانی پیٹریارک (Patriarch) یا مقتدا کو حقوق دے کر اپنا آلہ کار ہی بنا رکھا تھا۔ غرضکہ اونیسویں صدی کی ابتدا تک جتنی حکومتیں

بھی ترکون کے گرد و پیش تھین کوئی بھی اپنے تمدن یا اساس ملکی میں اُن سے بڑھی چڑھی نہ تھین اور سب مین تعصب مذہبی کے علاوہ ہر قسم کی بداخلاقیان بھی موجود تھین۔ بلغاریہ ۔ مجمع الجزائر (Aegean Sea) کے قزاقون نے تو سرحدون پر قلعہ بندی ہی کر رکھی تھی ۔ اور لوٹ مار اُن کا روزمرہ تھا۔ مگر اب بھی ترکون کی فتوحات وبہادری کا ہر جگہ سکہ جما ہوا تھا وہ جس طرف بھی رخ کرتے اکثر میدان اُنھین کے ہاتھ رہتا۔ عیسائی ریاستون مین اُس وقت بھی آپس میں رقابت موجود تھی۔ ایک دوسرے کے بڑھنے کو نہ دیکھ سکتا۔ حسد ورشک کی آگ کسی وقت بھی اُن کے دلون مین نہ بجھتی بلکہ منفرداً ومتفقہ کوششون سے مذہبی جوش مین لڑائیان بھی لڑی گئیں جنکے نتائج صیسوی جہاد کی شکل مین بار بار نمایان ہوئے۔ ترکون کے پاس جب تک ایسے آلات حرب و بیڑہ جہازات رہے جیسے کہ دوسرون کے پاس نہ تھے یا اگر تھے بھی تو ترکون کی سی شجاعت وہمت اُن مین نہ تھی۔ وہ یورپ کے لئے ہر طرح شایان حکمرانی رہے۔ مگر جیسے ہی کہ زمانہ کے مطابق علوم وفنون اور سائنس سے اُنھون نے بے پروائی اختیار کی۔ مستورات ملک کو محض کھلونے کی طرح گھرون کی آرائش کے واسطے چھوڑ دیا۔ زر وجواہر کی بہتات نے عیش پرستی وغیرہ کی طرف مائل کر دیا۔ استبدادیت کا دور زمانہ کی روش کے خلاف اُن پر مسلط ہی ہوتا چلا گیا۔ بالآخر جو کچھ بھی اُن کے باپ دادا نے جان بازی اور حکمت سے حاصل کیا تھا رفتہ رفتہ جاتا شروع ہو گیا اور وہ سب سے بڑی صفت مسلمانون کی یعنی اپنے لیڈر یا بادشاہ کی عزت و وقار کے قیام کے سبب موئد رہتے تھے وہ بھی جب ترکون سے فنا ہو گئی تو پھر کہنا ہی کیا تھا۔ جو کچھ نتیجے میں ہوا وہ دنیا نے دیکھ لیا۔

دوسری طرف اب یورپ کی تمام عیسائی اقوام نے بوسیدہ اصول جنگ وفرسودہ مراسم وروایات کو ترک کیا تھا نیز علمی واقتصادی ترقی سے اپنے تمدن و علوم کو جدید تحقیقاتوں سے اعلیٰ پیمانون پر رفتہ رفتہ پہونچا کر ترکون ہی کو "مرد بیمار" کا خطاب دیدیا۔ اور مسلسل اتحادون و صلحنامون و خفیہ سازشون سے ریشہ دوانیان کر کے ترکون کو نیچا دکھلانے کی سعی شروع کر دی تھی۔ ترکون کی صلاحیت اور ایمانداری سے جو نفع اُن کی محکوم ریاستوں نے اٹھایا

وہ اپنے اپنے مقام پر تاریخ میں یا دوسری سلطنتوں وغیرہ کے حال میں معلوم ہوگا۔ اس جگہ صرف اسقدر تحریر کر دینا کافی ہے کہ رفتہ رفتہ تمام ترکی رعایا کو لالچ دلاکر یا غلط امیدین بندھوا کر دیگر عیسائی دول یورپ نے نہ صرف تعصب مذہبی سے بلکہ خود ترکون کی کمزوریون غداری یا مروت سے ترکون ہی کے خلاف سازشین کرکے اُن کی تباہی کا سامان کرا دیا اور تمام حکومت مین ایک چال ہی سا سمجھانا سب نے اپنا فرض کر لیا تھا۔ بلقانی ریاستوں میں انجمنین اور خفیہ تحریکات وغیرہ اچھی طرح بنکر جاری ہوگئی تھین۔ دربار شاہی میں بھی سازشون کا زور ہوتا گیا۔ دست نا دشمن فوائد ذاتی حاصل کرنے کے لئے جُٹ پڑے۔ انگلستان۔ فرانس و روس نے قسطنطنیہ کو شطرنج کی بساط بناکر ہر قسم کی چالین چلین۔ مصر کے ملوک اور سلاطین ٹرکی میں اگر اسوقت عیسائیت کے مقابلہ مین اسلامی اتحاد کا خیال جگہ کر لیتا جیسا کے عیسائی سلطنتون نے اسلام کے مقابلہ کے واسطے کر لیا تھا تو غالبًا اسطرح بادشاہ زچ ہوکر مات نہ نصیب ہوتا۔ دراصل تو آخری دور کے ترکی سلاطین نے بعض عباسی خلفاء کی تقلید کر لی تھی یا بازنطینوی بادشاہون کے عملون کو اختیار کر لیا تھا اور حرم شاہی میں زاہد رہنے لگے تھے۔ سپاہیت کو خیرباد کہہ کر ملک کا کاروبار تمامتر وزیراعظمون کے سپرد کرکے بس "ظل اللہ" بن جاتے تھے تاہم ایسے سلاطین سے مظالم کبھی اُن بیدادون کے سامنے کوئی حقیقت نہ تھی جو رومن کیتھالک بادشاہون نے پروٹسٹنٹ فرقون کے ساتھ فرانس و انگلستان ہی مین ۱۵۷۲ء وغیرہ مین کئے تھے۔ یا جو امریکہ کی فتح کے وقت اسپین والون نے وہان کر دکھائے۔ یا حال ہی مین اٹلی نے حبشہ مین اور خود اسپین نے اپنے ہی ساتھیوں کے ساتھ کئے۔ سلاطین کے وقت میں ترکون کے یہان سنجک و بے و پاشا کا خطاب صوبیدارون وغیرہ کو اکثر دیا جاتا تھا اور کیا کام کا خطاب چند مواضعات کے نگہبان کو دیتے تھے۔ [1]

ترکون کا ستارۂ اقبال سترھوین صدی کے آخری نصف حصہ مین کمال پر اسوقت پہونچا تھا جبکہ کریٹ کو یونان نے۔ پوڈولیا (Podolia) کو شاہ پولینڈ نے بلا عذر بلکہ خوشی سے اُنکے نذر کر دیا تھا۔ ترکون کے نام سے اُسوقت تمام یورپ کانپتا تھا بلکہ بچے ڈرائے بھی جاتے تھے مگر ۱۶۷۵ء سے برابر ۱۶۹۹ء کی صلح کارلووٹیز (Karlovitz) تک جبکہ ہنگری سے ترکونکی

---

[1] دیکھو صفحات (۲۲۴-۲۳۴) کتاب تاریخ سر ولیم ونڈ ہم

حکومت اٹھ گئی اُن کا ستارہ اقبال گرتا ہی گیا۔ اور ہر سلطان کے عہد میں کچھ نہ کچھ حصہ ملک پر اثر کم ہی ہوتا گیا۔ سنہ ۱۷۷۴ء سے روس و برطانیہ دونوں اپنی چالوں میں مصروف ہی ہو گئے تھے جس سے صرف مقبوضات کا بچا لینا ہی ترک غنیمت سمجھنے لگے تھے فتوحات کا تو اب ذکر ہی نہ رہا۔ ۱۸۲۱ء سے سنہ ۱۸۳۰ء تک یونان سے ابتدا میں جنگ رہی۔ پھر سنہ ۱۸۲۹ء میں سربیا سے اور سنہ ۱۸۳۰ء میں تو الجیریس کو آزاد ہی کرا لیا گیا۔ سنہ ۱۸۸۱ء میں فرانس نے ٹیونیس (Tunis) لے لیا جب کہ ترک بلقان میں اُلجھے ہوئے تھے۔ الغرض مصر و فلسطین و عرب و شام وغیرہ رفتہ رفتہ کر کے سب ہی آزاد ہوتے گئے اور مملکت کی بساط لپٹتی ہی گئی۔

زار روس کی سلطنت تو سنہ ۱۷۷۴ء سے دن دونی اور رات چوگنی ہوتی رہی تھی اور ٹرکی کے دربار میں روس کا اثر بڑھنے لگا تھا۔ کیونکہ ترکوں کو فتوحات کے بجائے شکستیں زائد نصیب ہو رہی تھیں نیز اب دنیا میں دھواں کش جہازات کی کرامات ہی سنہ ۱۸۵۶ء سے نمایاں ہو چکی تھیں تب مجبوراً سلطان عبدالمجید مرحوم نے انگریزوں سے اپنا رسم زائد بڑھا لیا تھا۔ شاہی عمارات کی تعمیر اور سامان آسائش و عیش و نشاط کی بھی زیادتی کی اب حد نہ رہی تھی۔ پھر تو سلطان عبدالعزیز مرحوم نے اپنے وقت میں خوب ہی آرام و عیش سے بسر کرنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ جس سے وزارتوں میں خوب ہی جوتی بیزار ہو گئی۔

سنہ ۱۸۶۷ء میں رومانیا کی جدید حکومت قائم ہو گئی اور سربیا نے بھی آزادی کے بہت کچھ خواب دیکھنا شروع کر دیا۔ ادھر ایرانیوں سے بھی ترکوں سے رسم زائد ہو گیا تھا جس سے جاہ و حشم کی طرف توجہ خوب بڑھ گئی تھی۔ تب سنہ ۱۸۷۶ء تک سلاطین کے بجائے وزراء نے دراصل سلطنت کی۔ اور ملک فروشی کا خاصا دور رہا۔ خوب ہی ایک دوسرے سے مقابلے رہے ترک سلاطین بجائے سپاہی کہلانے کے دولت و عیش۔ اور سرمایہ کے نشہ میں آرام کے پتلے بنا دئے گئے۔ لیکن عبدالحمید ثانی کے تخت نشین ہوتے ہی رنگ بدل گیا اور یورپ میں ترکوں کو یورپ سے نکال دینے کے پورے پورے خواب دیکھے جانے لگے گو اب خود سلطان وقت بیدار ہو چکے و گردش سے باخبر آدمی تھے مگر زمانے کا رنگ بدل چکا تھا۔ پارلامنٹری طرز حکومت پر ترکوں کا بھی اصرار ہونے لگا تھا اور جب ہی سے خانہ جنگیاں بھی شروع ہو گئیں سنہ ۱۸۷۶ء

کے صلحنامہ برلن کے ذریعہ ٹرکی کی تقسیم کا مسئلہ دول یورپ نے بھی طے کرلیا۔

ان حالات مین قانی کیما کام نے بھی ارکیزان (Erkizan) کو ۱۸۹۲ء مین گویا آزاد ہی کرلیا یہ قانیہ کے صوبہ کا دارالسلطنت کہا جاتا تھا اور جو ۱۵۳۴ء سے ترکون کے قبضہ مین آچکا تھا۔ سلجوقی۔ کرد۔ منگول اور خوانین ترکمان وغیرہ یکے بعد دیگرے یہان حکمران رہ چکے تھے۔ اور کچھ نہ کچھ یادگارین اب بھی وہان سب کی موجود پائی جاتی ہین۔ بلکہ خلفائے بغداد اور ترکون کی حکومت کے آثار تو بکثرت پائے جاتے ہین۔ ایک قلعہ تخت سلیمان کے نام سے یہان بھی کشمیر کی طرح ہے۔ عربون کے علاوہ خلفائے بغداد نے اور نوین و دسوین صدی عیسوی مین بازنطینوی سلطنت نے بھی یہان حکومت کی تھی۔ دراصل ۱۸۹۲ء مین تو قانی ہی کی وہان حکومت بھی تھی۔

انیسوین صدی کے آخر مین جب ترکون کی حالت خراب ہو چلی اور تجارتی معاہدات وغیرہ بعد کرکے دوسری حکومتون نے حقوق حاصل کرلیے جنکو کیپی ٹولیشن (Capitulation) کہا جاتا ہے تو عیسائی رعایا ہی ٹرکی پر جا۔ ہے۔ یونانی ہوتے یا دیگر اقوام کے اُن کے ملکی قوانین بذریعہ اُن کے کانسلون ہی کے نافذ کردئے جانے لگے تب سلطان عبدالحمید ثانی ہی نے قوم کو اُسکی مرکزیت کی طرف متوجہ کیا کیونکہ بکثرت رعایا غیر مسلم اور دیگر اقوام کی ٹرکی مین آباد تھی اور کاروبار کرتی تھی۔ عربون ہی پر اثر قائم رکھنے کے لئے قسطنطنیہ سے مدینہ تک ریل بنوادی گئی شہزادسی سلطان نے ایک آزاد زبردست اسلامی شہنشاہیت کا طور پیدا کرنا چاہا تاکہ کفر کے مقابلہ مین اسلام و اسلامیت کی حفاظت ممکن ہوسکے کیونکہ مہدی سوڈانی اور وہابیت کا بھی زور اسی وقت ہو گیا تھا مگر جب نوجوان ترکون نے اپنے بھائیون کو یورپ مین [illegible] ٹرکی کی حکومت کا خیال پیدا کرایا اور ۱۹۰۸ء مین کمیٹی اتحاد و ترقی نے سلانیکا مین بغاوت کردی اور جدید دستور طلب کیا اور عبدالحمید خان نے خلاف [illegible] کیا تو ایک ہنگامہ سا کل ممالک مین ہو گیا اور ہر قوم بغاوت کا خواب دیکھنے لگی۔ عرب مین عربون نے [illegible] مین شامیون نے۔ مکہ مین شریف حسین نے وغیرہ وغیرہ۔ مگر اتحاد و ترقی والون نے سب کو اپنانا چاہا لیکن عیسائی [illegible] اُن کے یہان جال بچھ چکا تھا۔ بس الیو کے جاتے ہی کمیٹی اتحاد و ترقی تو بھاگ نکلی پھر جسطرح چودھوین صدی عیسوی مین عیسائیت مین انقلاب ہو چکا تھا اُسیطرح اسلامی چودھوین صدی مین خلافت اور مذہب [illegible]

وغیرہ سے بھی بے اثر ہو گیا - نیز جسطرح عیسائیت آز منہ متوسطہ سے زمانہ حال کی شکل میں نمایاں ہو گئی ہے ویسے ہی ۱۹۱۲ء سے اسلامی آزاد سلطنتوں مین صاف انقلاب عظیم نظر آ رہا ہے - اب دیکھنا یہ ہے کہ نتیجہ کیا ہوتا ہے - مگر دراصل تو نہ عبد الحمید کی مذہبی شہنشاہیت ہی موجودہ دنیادی حالات مین چل سکی اور نہ اتحاد و ترقی کی جمہوریت بلکہ مصطفےٰ کمال کی قومیت کے خواب و خیال نے ترکوں کو سرفروشی کا سبق دیکر دستوری طرز حکومت کی طرف قوم بھر کو رجوع کر دیا -

کہا جاتا ہے کہ دیگر یوروپین اقوام کو قسطنطنیہ کا قیام بیحد پسند تھا کیونکہ بجز ترکون کے اور کسی سے بھی وہان کوئی ٹیکس نہین لیا جاتا تھا شکار کھیلنے کے مواقع بھی وہان سب کو بکثرت حاصل تھے تجارت مین بھی سب کو بیحد آزادی تھی بلکہ وہ تو بہت کچھ بیرونی اقوام کے ہاتھ ہی مین تھی - نیز ہر قسم کے عام تجارتی حقوق (Capitulations) حاصل ہونے کے باعث وہ سب ہر طرح محفوظ تھے - ہر یوروپین سفیر ایک عالی مرتبہ پاشا کا رتبہ رکھتا تھا ؛ اور قسطنطنیہ کی سفارت کو تو ہر ملک کا آدمی ایک نعمت سمجھتا تھا اور اس کے حصول کی ہر امکانی کوشش کیجاتی تھی - یوروپین حضرات عموماً پیرا (Pera) مین رہتے تھے - استنبول مین تو حتی الامکان نہ رہتے بلکہ آخر مین سفرا کا تعلق تو زیادہ تر وزراہی سے رہنے لگا تھا -

۱۲- نومبر ۱۹۳۳ء کے اخبار اسٹیٹسمین (Statesman) کے صفحہ ۲۴ کا وہ اختصار جسمین کہ ترکی کی اپنی دس سالہ دستوری حکومت کی خوشی منانے کا کچھ کچھ ذکر کیا گیا ہے اسکا لکھا جانا یہان مناسب معلوم ہوتا ہے اور وہ حسب ذیل ہے -

" ہر گلی وکوچہ و مکان مین چراغان ہوئے اور دیہاتون تک سے رعایا و برایا نے آکر استنبول مین جشن قومی مین شرکت کی تھی - اسی لئے قومی تعطیل بھی تین دن کے لئے دی گئی تھی - ہر جگہ جلسے کر کے تقریرون مین جو جو بھی ترقی و تبدیلی ملک نے کی تھی ان سے عوام کو آگاہ کیا گیا تھا - بچون کو قومی ترانے باجون پر گیتون کے ساتھ یاد کرائے گئے تھے - اور ہر جگہ ان کے جلوس بلکہ ان کی قواعد دکھلا کر سنوائے گئے تھے - لفظ ڈکٹیٹر (Dictator) کا لقب مصطفےٰ کمال کے لئے استعمال کرنا قوم بھر کی نگاہ مین جرم معلوم ہوتا تھا باوجود اسکے کہ وہ سچا محسن قوم مانا جاتا تھا اور کل قوم کو اس سے عار تھا کہ انکو اس لقب سے یاد کیا جاوے - ہر دیکھنے والے کو قوم کے طرز عمل سے محسوس ہوتا تھا کہ ملک اور قوم

کی ہمدردی اور دلی خواہشات کے ساتھ دراصل کمال پاشا تمام ترقیات و تبدیلیان گویا عام رائے سے مطابق کر رہے تھے اور جن کو کل قوم بہ طیب خاطر منظور کرتی تھی - بلکہ کمال پاشا خود اپنی قوم کو سمجھا کر اور اُنکے اصل جوہر بتلا کر بہ رضا و رغبت اُن پر عمل کراتے تھے - اور وہ تمام خوبیان جو قوم کی فطرت مین قدرت نے ودیعت کی تھین - اب گویا پھر ظاہر ہو رہی تھین - اور قوم اونسے واقعی عرصہ سے بیخبر تھی - غازی پاشا نے گویا قوم کو بیدار کر کے ترقی کے سیدھے راستے پر لگا دیا تھا - کمال پاشا کو خود بھی لفظ ڈکٹیٹر کے خطاب سے عار ہے اور وہ اپنے ہر علم و عمل قول و فعل کو قوم سے جبراً منظور کرانے کی کسی وقت بھی کوشش نہین کرتے - بلکہ ہمیشہ سمجھا کر دلائل و براہین سے قومی رضامندی حاصل کرتے ہین - مورخین کا اسپر اجماع ہے کہ اُنھون نے فرسودہ وضع کی ترکی سلطنت کو زمانہ حال کی قومی حکومت بنا کر ایک نرالا و جدید قسم کا نمونہ خود اپنے ہی طرز کا دنیا کے سامنے پیش کیا ہے - بالخصوص صنف نازک کی تعلیم اور اُن کی سیاست مین بلکہ تمام حالات زندگی مین تو وہ انقلاب پیدا کرا دیا ہے کہ جسکا جواب ہی نہین ہو سکتا - اور جس کا اثر تمام ملک کی آئندہ زندگی پر پورا پورا پڑیگا - سول طریقہ مناکحت تعداد ازدواج کی روک اور طلاق وغیرہ کے واسطے جدید قانون بھی مرتب کر دیا ہے - مستورات ملک کو تمام محکمون مین کام کرنے کی اجازت دے رکھی ہے - ہوابازی اور تمام قسم کے کھیل اور ورزشون مین بھی ترک در آئے ہین - سیاسیات ملک مین ایک پارٹی کی حکومت کا اصول مثل روس واٹلی وغیرہ کے حسب ضرورت اختیار کر رہے ہین - اور ہر شخص کو آزادی رائے کا پورا حق دیا ہے اقتصادیات کو دیکھئے تو دس سال پہلے ڈیڑھ سو کارخانے ملک مین تھے - مگر اب دو ہزار دو سو سے زائد ہین اور اعلیٰ سے اعلیٰ قسم کا ریشم تیار کیا جاتا ہے - دنیا کی ہر قسم کی تجارت مین اب ترک حصہ لے رہے ہین بلا قرضہ لئے ہوئے اناطولیہ مین خاصی ریل جاری کر لی ہے - رعایا پر ٹیکس کی کمی سب طرح کر دی گئی ہے - ملک بھر کا طرز زندگی سادہ ہو گیا ہے - اور خود کمال پاشا اسکی مثال ہوئے ہین - اور ہر قسم کی اقتصادی تجاویز پر غور ہو کر عمل ہو رہا ہے نوے ہزار یونانی - یہود و دیگر اقلیتی رعایا بھی سب امن و عافیت سے حکومت کے برتاؤ پر مطمئن نظر آتی ہے - جس بات کے کرنے کا ارادہ پاشا موصوف کر لیتے ہین - اوس کے عمل مین دیر ہی نہین لگتی اور پھر کوئی کام ادھورے طریقہ پر نہیں کرتے - حال مین استنبول کے فرسودہ

(۲۰)
سترسالہ دارالفنون (University) کو نیا قالب پنہا کر زمانہ حال کے مطابق ایک یونیورسٹی قائم کردی ہے جسمین ہر قسم کا سامان تحقیقات و ترقی مہیا ہوگیا ہے۔ سائنس طب۔ قانون۔ اسلامی علوم۔ قومی کفایت شعاری وغیرہ وغیرہ سب کے لیے علیحدہ علیحدہ فیکلٹیز (Faculties) قائم کر دی ہین اور دوسرے ممالک کی زبانون کی تعلیم کے واسطے بھی ایک خاص مدرسہ جاری کر دیا ہے "

اسی طرح اخبار لیڈر الہ آباد مورخہ ۱۷۔ نومبر ۱۹۳۴ء کا یہ اقتباس ہے "کمال پاشا کے ور دو سے قبل ترکی اقتصادیات بالکل ہی باہر کے لوگوں کے ہاتھ مین تھے اور ایک امریکن مسٹر کلارک جو خاصکر ٹرکی کے حالات جاننے کے واسطے وہان گئے تھے تحریر کرتے ہین کہ تمام اقتصادی پروگرام مین ایک نئے ملک کے قومی محسوسات زور دن سے پائے جاتے ہین۔ اُن صنعتی کمپنیون کو جن کا سرمایہ بیرون ملک سے آیا ہے اُن کو اوسی حالت میں کام کرنے کی اجازت ہے جبکہ نصف سرمایہ خود ٹرکی حکومت کا اُن مین کر لیا جاوے اور غیر ممالک کے کاروباریون کے لیے سخت قواعد نافذ کر دیے گئے ہین۔ ترکون کی خواہش تو اب نہ صرف مقامی صنعتون کو زندہ کرکے ترقی دینے کی ہے بلکہ بیرونی اثرات تک کی روک اُنکا مقصد ہے۔ ساحل کی تجارت کو بھی حکومت اب اپنے ہی ہاتھ مین لینے والی ہے یونانیوں کے بجائے اب خود ترکون کے ہاتھ مین بیرونی تجارت بھی کھنچتا آرہی ہے "۔

دراصل ۱۹۱۴ء کی جنگ عظیم یورپ سے جسقدر نقصان ترکون کو پہونچا شاید ہی کسی کو پہونچا ہو۔ کہا جاتا ہے کہ دنیا کے تقدو کروڑ آدمی اس جنگ مین ۱۹۱۸ء تک ختم ہو گئے تھے۔ اور ملک کے ملک اُجڑ چکے تھے۔ نیز بیشمار مخلوق خدا خانمان برباد اور مصیبت میں گرفتار تھی مگر ترک بیچارے مرد بیمار کے لقب سے جنگ یونان کے باعث اب کچھ کچھ زندہ سمجھے جانے لگے تھے اور گو دو تہائی ملک قبضہ سے نکل چکا تھا تاہم قسطنطنیہ اور اناطولیہ کے اُس حصہ میں جہان وہ خود آباد تھے ان کے واسطے چھوڑ دیا گیا تھا جیسا کہ اعلان ۵ رجنوری ۱۹۱۸ء مسٹر لائڈ جارج سے پایا گیا تھا۔ اس لیئے اب دوسری سلطنتون سے جو کچھ بھی ترک حاصل کرسکے تھے وہ ہی غنیمت تھا مثلاً روس سے اتحاد کے باعث

دونونکو اپنی اپنی جگہ پر اندرونی و بیرونی پالیسیون مین [illegible] اٹلی نے بھی پچاس لاکھ پونڈ دیکر ترکوں پر گونہ اثر قائم کرنے کا خواب ہی دیکھ لیا تھا چنانچہ اوس کے بڑے بڑے بنکون کی شاخین قسطنطنیہ مین قائم ہوگئی تھین اور اجارہ دارون کو بھی روپیہ دیکر وہ خوب امداد کرنے لگا تھا۔ ترکی طلبا کی تعلیم تک میں بڑی رعایات سے وہان کی جاتی تھی۔ زرعی تعلیم کے واسطے طلبا بکثرت اٹلی ہی گئے تھے۔ کیونکہ ایشیائے کوچک کی آب و ہوا اور ارضی کیفیات اٹلی ہی سے بیحد مشابہ و مماثل تھین۔ لیکن فرانس نے سنہ ۱۹۳۰ء سے ترکی کی مالی و اقتصادی ترقی کی کسادبازاری کرانے کا کچھ بیڑہ سا اٹھا لیا ہے۔ جس کے اسباب ابھی ظاہر نہیں ہوتے ہین۔

برطانیہ سے ترکون کو جو شکایات تھین اُن سے دنیا کے مسلمان بھی متاثر ہوئے تھے بالخصوص اوس صلح نامہ سیوآریز کے باعث جس سے کہ ترکی حکومت کے ٹکڑے اور پارچے ہوگئے تھے۔ اور مسٹر گلیڈ اسٹون کے خواب کی سچی تعبیر دنیا کے مسلمانون کے سامنے آگئی تھی۔ اگر ترک یہ سمجھتے تھے کہ اُن کارروائیون سے اسلامی اتحاد پر ضرب کاری لگ گئی تھی اور مقامات مقدسہ پر بھی مسلمانون کا دراصل اثر نہین رہا تھا تو کیا بیجا تھا بلکہ وہ تو بجنبہٖ صحیح ثابت ہوکر رہا۔ عراق و فلسطین مین تو یہود۔ نیز دیگر مشرک اقوام کے معبد مثلاً منادر۔ کلیسا اور گوردوارے بلا کسی روک ٹوک کے اسلامی دنیا کے قلب و مرکزون مین بن ہی گئے اور ناقوس۔ گھنٹے و سنکھ وغیرہ کے بجانے کا حق اذان کے ساتھ ساتھ اُن مقامون پر منوایا ہی جارہا ہے جہان پیشتر کبھی ایسا نہ تھا۔ بعض سیاست دانون کا تو یہ خیال مستقل ہورہا ہے کہ جسطرح پیشتر بلقان اور یونان کی مدد سے ترکون کی سطرح خرابی کرائی گئی ویسے ہی اب کُردون۔ عربون اور یہود کو منظم کرا کے نہ صرف ترکون بلکہ بقیہ آزاد اسلامی حکومتون کو یورپ کی عیسائی حکومتین کمزور کرانے کی فکر میں ہین۔ چنانچہ سنہ ۱۹۲۵ء میں کُردون نے پھر بغاوت ہی کی تھی جس سے ترکون نے بھی سنہ ۱۹۳۴ء مین اپنے یہان صرف ایک قومی مجلس اعلیٰ ہی باقی رکھی باقی تمام سیاسی انجمنین توڑ دی ہین باوجودیکہ جمہوریت کا خیال سب طرف پھیل چکا تھا۔ اور کوئی سا سلطانی قدم کبھی روڑے اٹکانے کے واسطے ملک مین کلم تہذیب کرہ یا اتھا گر مصطفےٰ کمال نے جیسے کہ قوم کو منظم کرلیا اور فوج نے بھی دست بستہ اُن کا ہاتھ دیا اور قوم بھی نے دیگر عیسائی رعایائے سلطنت ترکیہ اگر ترکوں کی آبرو۔ جان۔ مال اور سلطنت

تینز

سب پر قابو حاصل کرنے کا عمل جان لیا بس قوم بھر کمال پاشاہی کی حکمبردار بن گئی۔ آخر سلاطین کے وقت میں تو ترکوں کو یہ نظر آچلا تھا کہ جو اقوام کل اونکی جوتیاں سیدھی کرتی تھیں وہ سب زمانہ حال کے ہتھیاروں اور ہر قسم کے آلات حرب سے آراستہ ہوکر ترکی قوم کی ہستی تک مٹانے کو تیار ہو گئی تھیں۔ ان سب باتوں کے علم سے کل ترک قوم مصطفےٰ کمال کے ماتحت مرتب ہوگئی۔ اور کمال کو اپنا دیسا ہی ہیرو مان لیا جیسا کہ آجکل اٹلی میں مسولینی۔ جرمنی میں ہٹلر آئرلینڈ کا ڈی ویلیرا۔ ایران کا رضاشاہ اور کابل کا نادرشاہ تھا۔ چنانچہ موجودہ ترکی پارلامنٹ میں جو نمائندے آتے ہیں وہ اپنے مقامات پہ واپس جاکر مصطفےٰ کمال کے چھوٹے چھوٹے نمونے بن کر جاتے ہیں اور ہر شخص کے دل میں حریت اور مساوات کی روح پھونک گئی ہے۔ اونکے دارالعوام کی کل کارروائیاں لفظاً بہ لفظ اخبارات میں شایع ہوتی ہیں اور آزادی سے اونپر جرح و قدح بھی ہوتی ہے۔ ساتھ ہی اسکے یہ ماننا پڑے گا کہ ابھی ارتقا کے حالت میں کل معاملات ہیں اور تمام شیرازے کا دارومدار صرف ایک ہی ذات پر ہے۔ اور اب بھی کل حکومت بتیس دانتوں کے درمیان مثل زبان کے ہے۔ اپنے اور غیر سب ہی بھانپ رہے ہیں۔ بہتوں کے دلوں میں بدلا لینے کا بھی خیال ہوگا۔

ترکوں کا اصلی و قدیم نعرۂ جنگ "آرہا" یعنی زمانہ حال کے انگریزی "ہرا" کے قریب قریب تھا مگر اب اوسکو بدلکر "اللہ اکبر" کی تکبیر ہوگیا ہے حال کی خبروں سے پایا جاتا ہے۔ کہ ایران۔ کابل ٹرکی اور عراق کے درمیان کسی قسم کا ایک دوسرے کی امداد کا معاہدہ بھی ہوا ہے جس کی صورت ایک اسلامی اتحاد کی بیان کی جاتی ہے۔ خدا کرے کہ یہ صحیح ہو۔ ترکوں نے ہر قسم کے تجارتی معاہدے بھی متعدد سلطنتوں سے اب کر لئے ہیں اور بلقانیوں نے بھی صلح کے ساتھ بسر کرنے کا اونسے کسی قسم کا اقرارنامہ کر لیا ہے۔

اب یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ترکی سلطنت کے حصص کا ترکوں کے ہاتھ سے نکل جانے کا اصلی سبب کون ہوا۔ موجودہ زمانہ کے ترک سلاطین کو ذمہ دار قرار دیتے ہیں۔ اور ممکن ہے کہ صحیح ہو۔ مگر خود نوجوان ترکوں کی آپس کی جنگ بھی اسکی بہت کچھ ذمہ دار ہے سنہ ۱۸۰۰ء بس خود سلاطین نے جدید طرز کے ابتدائی تعلیم کے مدارس کھلوا دیئے تھے۔ اور ان اونسے نکلے ہوئے طلبا رکا نبر ہے۔ سے تعلیم یافتہ ترکوں کا اوسی زمانہ سے یہ خیال عام طور پر معلوم ہو گیا تھا کہ اوس وقت کی اسلامی تعلیم ہی دنیاوی

ترقی میں حارج ہو رہی تھی اور سب ہی علما و مشائخ وغیرہ کے مخالف ہو چکے تھے۔ چنانچہ ان تعلیم یافتوں کا گذر اور اثر حکمران طبقہ میں زائد ہو چلا تھا۔ بلکہ حکومت کے عہدے بھی کچھ کچھ حاصل کر چکے تھے اور ہر قسم کی اصلاحات پر تُل گئے تھے۔ عوام الناس کی تعلیم بیشک ابھی تک پُرانے طرز کی تھی۔ اور یہی سبب تھا کہ جدید اصلاحات کے عام طور پر مقبول ہونے میں دقت ہو رہی تھی۔ حالانکہ سلطان سلیم و محمود کے زمانہ میں جو اصلاحیں ہو چکی تھیں اُن کو قانون و ضابطہ کی شکل میں نوجوان ترکوں نے اپنے زمانہ میں لانے کی پوری کوشش ضرور کی تھی۔ اور "تنظیمات" کے نام سے اونکو قانونی حیثیت بھی دی گئی تھی بلکہ عملی جامہ بھی پہنایا جا چکا تھا گویا جدید ترکی کی بنیاد قائم ہی ہو چکی تھی۔

دراصل تو اون تعلیمی اور سیاسی ترقیات سے جو ہو چکی تھیں پورا فائدہ عیسائی رعایائے ترکی نے سب سے پیشتر اُٹھالیا تھا یعنی "تنظیمات" سے اونھیں کو زائد بلکہ پورا اور جلد نفع ہوا تھا۔ اونھیں میں "قومیت۔ جمہوریت اور وطنیت" کے خیالات زیادہ تر پیدا ہو گئے تھے۔ نیز انفرادی آزادی کا بھی پورا نشو و نما اور رواں کے ساتھ اُنھیں زیادہ تر ہو گیا تھا۔ پھر عدالتی نظم و نسق میں بھی تبدیلیاں انھیں ارباب "تنظیمات" یعنی نوجوان نے اپنے ہی زمانہ میں بہت کچھ کرا دی تھیں۔ بلکہ فرانس کے طرز کے آئین۔ و قوانین ملک میں چلانے والے بھی وہی کہے جاتے ہیں۔ اس سب سے ترکی قوم میں اور بالخصوص عیسائی رعایا میں زمانہ حال کی پوری بیداری پیدا ہو گئی تھی مگر ان میں ابھی تک کوئی شخص تعمیری پروگرام کا موجد نہ ہو سکا تھا بس گذشتہ عمارت حکومت کے ڈھانے ہی میں سب مصروف ہو گئے تھے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دول یورپ کی امداد سے ہر جگہ بغاوت ہو گئی اور اب اسباب کا تلاش کرنا مشکل ہے۔

آخر میں تو سلطنت ترکی سے چھ بڑے نام آزاد حکومتیں اہل یورپ نے بنوا دیں۔ اگر سلاطین پر یہ الزام ہو کہ وہ خود عیش و عشرت میں پڑ گئے تھے اور ولیعہدوں کی بھی تربیت وغیرہ سے غافل ہو گئے تھے۔ تو مشاہیر ترک بھی دیگر قسم کے الزامات سے بری نہیں کئے جا سکتے۔ اونکی آپس کی مخالفتوں وغیرہ نے بھی کوئی کسر خرابی میں نہ اُٹھا رکھی۔ مذہب اور حرام و حلال کے قیود تو اونکے واسطے بھی بے اثر ہی رہے۔ اونکے وقت کے شیخ الاسلام بھی زائد پاک طینت نہ نکلے۔ دراصل ترکوں کو جب کوئی اچھا جنرل یا ہادی مل گیا تب وہ ہمیشہ من حیث القوم ایک بے نظیر سپاہی ثابت ہو گئے۔ اوسی کا تو یہ نتیجہ ہے کہ آج مصطفےٰ کمال کے ملتے ہی پوری قوم پھر زندہ ہو گئی۔ خالدہ خانم نے تو ترکوں کا حال یوں لکھا ہے کہ "ایشیائے کوچک یونانیوں

کا گہوارہ تھا۔ جنکے مذہبی پیشواؤں اور قابل افراد قوم کے اثرات دنیا بھر میں دائر و سائر ہو چکے تھے۔ اونکے تمدن میں مادیت کا زور تھا۔ جمہوریت کی بنیادیں تک انھیں نے اصول حکمرانی میں ڈالدی تھیں۔ افراد قوم کی اونکی یہاں بڑی عزت تھی سلطنت کو افراد ہی کے واسطے وہ سمجھتے تھے۔ اونکے برخلاف روما کی قومی حکومت کی بنیاد سلطنت کیواسطے تھی وہ افراد کو سلطنت کے واسطے قربان کر دینے کو آمادہ رہتے تھے۔ اونھیں نے بیرونی حملوں سے بچنے کے واسطے قسطنطنیہ ہی کو مرکز حکومت بنایا تھا کیونکہ اوس وقت بحری قوتیں ویسی زبردست نہ تھیں۔ جیسے کہ فی زمانہ ہیں اوسی وقت ایشیا کے عربوں اور یورپ کی سلافی یا سلاو اقوام نے اہل روما کو جلا وطن کر کے قسطنطنیہ میں پھر یونانی اثر بڑھوا دیا تھا۔ پھر جب بازنطینہ کی سلطنت کا زور ہوا تو اونکا بھی مرکز حکومت قسطنطنیہ ہی تھا۔ اور لاطینی زبان کی جگہ تک یونانی زبان نے لے لی تھی۔ انکے ایک طرف بلقان اور دوسری طرف اناطولیہ تھا مگر دراصل اناطولیہ میں بھی اوسوقت ایک طرح کا یونانی اثر و اقتدار تھا۔ لیکن بلقان نے جب بازنطینیوں کو پریشان کیا تو اوسی وقت سے ترک وہاں داخل ہونے لگے اور چھٹی صدی عیسوی سے اُن کا داخلہ اناطولیہ میں کچھ کچھ ہونے لگا تھا۔ مگر آٹھویں صدی سے اونکے حملوں کا زور ہو گیا۔ گیارہویں صدی میں سلجوقی ترک نے وسطی و مغربی اناطولیہ میں تو حکومت ہی قائم کر لی۔ اور اسلامی رنگ بھی اب اُن پر چڑھنے لگا۔ جب تیرھویں صدی میں سلجوقی حکومت پر زوال آیا تو ایشیائے کوچک سے عثمانی ترک بھی وارد ہونے لگے۔ ترکوں کا ذکر تاریخ میں دراصل پانچویں صدی سے آنے لگا تھا۔ چینی تواریخ میں اُن کا نام "تو کیو" اور بازنطینی تواریخ میں "ترکی" ہے۔ اُن کا قدیم تمدن مغلستان اور چین کی سرحد سے آیا تھا۔ جسمیں سب سے مشہور "طرفانہ" کا حصہ تھا اور جسکے ایک بادشاہ کا نام "گل تگین" تھا اور سب سے بہادر کا نام "بلقہ خاں" نیز سب سے ظالم کا نام "بیتو خاں" تھا اور طغرل کا دادا شامانی بھا تھا اور جو مسلمان نہ تھا۔ ترکوں نے پہلے بلقان فتح کیا۔ پھر بازنطینہ اور اوسی وقت سے نوجوان بازنطینوی خود ہی اسلام قبول کرتے گئے۔ اوسی طرح یونانی بھی گروہ کے گروہ مسلمان ہوتے گئے۔ تاتاریوں کے حملوں نے بھی مغرب کی طرف صحرائی گوبی سے اناطولیہ تک ترکوں کو نکلنے پر مجبور کر دیا تھا۔

ترکوں کی زندگی اور خیالات۔ کیا اخلاقی اور کیا معاشرتی سب مشرق و مغرب کے امتزاج کے حال کو بتلاتے ہیں۔ دراصل وہ مشرقی ہیں۔ مگر تعلیم، سفر اور یورپ کے میل جول نے مغرب سے بھی

اونکو بورا روشناس کر دیا تھا۔ اب جبکہ وہ جدید تہذیب کی بنیاد رکھہ رہے ہیں۔ حالانکہ قدیم معاشرت سے جکڑے ہوئے ہیں اونکے لئے یہ ضروری ہے کہ اپنی قدیم تہذیب کو بھی نہ بھولیں اور نہ تعصب کی عینک لگاکر دنیا کے انقلابوں سے چشم پوشی ہی کریں۔ پھر ساتھہ ہی اس سب کے اپنے حالات پر نظر کرکے اپنی ذمہ داریوں اور فرائض کو اگر سمجھتے رہیں تب تو وہ کامیاب ہوسکتے ہیں ورنہ وہ دن دور نہ ہوگا کہ اور بھی خرابیوں سے دوچار ہوتے دیکھے جائینگے۔ مغرب کی خصوصیات تو یہ ہیں۔ آزادی تنظیم علم وسائنس کی ترقی۔ اتحاد عمل۔ دوسری طرف مشرق کی خصوصیات یہ ہیں۔ سکون قلب۔ روحانی ہم آہنگی۔ کثرت کے پردے میں وحدت کا مشاہدہ محبت۔ نفرت۔ رنج سے بے پروائی اور رسوم وروایات کی زنجیروں میں جکڑے رہنا۔

اب تاریخی واقعات سے یہ ثابت ہو جائیگا۔ کہ ترکوں نے جو ۱۳۵۶ء سے یورپ میں فتوحات پائی تھیں اور ۱۹۱۸ء کے بعد سے جس طرح اپنی حالت کو پھر سنبھالا وہ دراصل اُنکی قومی عصبیت اور مذہبی قوت کا نتیجہ تھا۔ گو یہ ضرور ہے کہ ترکوں نے ابتدا ہی سے اسلام کی ترویج یا اعلائے کلمۃ اللہ کے واسطے حکومت نہیں کی۔ سلطان آرخن و مُراد اول نے جب یورپ پر فوج کشی کی تھی تو مشرقی حصہ سلطنت روما کی رعایا جو شمالی حصص ایشیائے کوچک کے باشندے تھے اونھیں سے ترکوں کی افواج زائد تر بنائی گئی تھیں اور وہ مسلمان نہ تھے۔ نیز بعد میں بھی جو ترکی افواج مرتب ہوتی رہیں اُن میں بھی عیسائی عام طور پر بھرتی ہوتے رہے۔ بالخصوص بلقان میں تو اکثر فوجیں محض عیسائی رعایا سے تیار کی گئی تھیں۔ اونکے جنرل اور کمانڈر مختلف مذاہب و اقوام کے لوگ ابتدا سے لے کر آخر تک قائم رکھے گئے۔ مثلاً یونانی۔ البانی۔ اطالوی وغیرہ ان میں مذہبی قید وتفریق کا کسی جگہ پر بھی ذکر نہ تھا۔ علاوہ بری فوج کے بحری فوجوں اور سول حکومت میں بھی یہی حال رہا کیا۔ یہودی و عیسائی اوسی طرح ملازمت حاصل کرتے جیسے کہ مسلمان۔ صوبوں کے گورنروں کے واسطے بھی اسلام کی پیروی یا ترکی ہونے تک کی قید نہ تھی۔ اسی سے کبھی کوئی مذہبی مشن تبلیغ کے واسطے ترکوں نے نہیں مرتب کیا بلکہ زبردستی مسلمان کرنیکا جھوٹا الزام محض عیسائی پادریوں کی تصنیف تھی اور اسلام سے دشمنی ہی کی بنا پر مذہبی تعصب کا الزام عیسائی اقوام اُن پر لگاتی رہیں۔ ترکوں نے جو کچھ بھی کیا وہ محض حفاظت خود اختیاری اور بدامنی کے روکنے کے واسطے کیا۔ اور جب عیسائی رعایائے حکومت ترکی کو دوسروں نے اوکسایا برانگیختہ کیا تب اونھوں نے

بغاوت کردی۔ تب ہی مجبوراً ترکوں کو اونکے استیصال کے واسطے ہاتھ اُٹھانا پڑا۔ فی الحقیقت تو عیسائیوں کی آپس کی جنگ اور ایک دوسرے سے حسد و رشک نے ترکوں کو پانچسو سال تک یورپ میں اُن پر زبردست حکومت کا موقع دیا تھا۔ مورخین اس بات کے تسلیم کرنے پر مجبور ہیں کہ ترک سلاطین کی دس نسلیں ایسی ہوئی تھیں کہ جنھوں نے ایشیا و یورپ میں بہادری کے جھنڈے گاڑ دیئے تھے اور انتظام مملکت بھی نہایت خوبی و بے تعصبی سے کر کے دنیا کو یہ دکھلا دیا تھا کہ اسلامی شریعت کی پابند حکومت کس طرح عمدگی سے دنیا پر سکہ چلا سکتی ہے۔ اور اوسمیں سب ہی امن وچین سے بسر کر سکتے تھے چنانچہ سلطان سلیمان ذیشان کے متعلق تو مورخین کی یہ رائے ہے "علاوہ ہر قسم کے تدبر۔ فوجی قابلیت اور قوت عمل سے اوصاف کے معاہدات کی پابندی بھی اُس کا خاص وصف تھا۔ اُس کی پرائیوٹ یا خانگی زندگی بھی بدنامی سے بری تھی۔ اور اپنی رعایا کے واسطے چاہے وہ کسی مذہب یا قوم کی ہوتی وہ انصاف حاصل کرنے کیلئے بیحد مشہور و معروف تھا"[1]

پھر عیسائی مجاہدین نے خود ہی ترکوں سے بار بار لڑائیاں لڑی ہیں مگر کوئی بھی ترکی مشن مذہبی نقطۂ نظر سے کبھی عیسائیت کے خلاف اونکے یہاں نہیں مرتب ہوا۔ ۱۳۶۳ء میں بمقام میرٹزا (Maritza) یا ۱۳۹۶ء میں بمقام نیکوپلس (Nikopolas) یا ۱۴۴۴ء میں بمقام وارنا (Varna) خود عیسائیوں نے مذہبی جنگ چھیڑ کر اپنی مٹی ہمیشہ کیلئے پلید کرالی تھی۔ مگر ترکوں نے کبھی مذہب کے نام پر عیسائیوں یا کسی دوسرے مذہب کے لوگوں کو برباد نہیں کیا۔ ملک گیری بیشک اُن کا مقصد تھا اور دراصل تو قسطنطنیہ ہی بن ہمیشہ عیسائی لطریق رہا کیا۔ اور سلاطین کے استبداد کو اعتدال پر رکھنے ہی کیلئے نیز شریعت اسلامیہ کی حقیقی پابندی کرانے کیلئے شیخ الاسلام کا عہدہ اوسوقت تک قائم و برقرار رکھا گیا جبتک کہ شیخ یا سلاطین [illegible] ناجائز طریقوں پر استعمال نہیں کیا۔ اب جس طرح سلطان بایزید اوّل نے ہمیشہ مذہبی بے تعصبی کا ثبوت دیا اور عیسائی گرجاؤں کے واسطے جنگ کی تھی اوسی طرح سلطان محمد فاتح کا قسطنطنیہ کی فتح کے بعد عیسائیوں کے ساتھ ہر قسم کا عمدہ برتاؤ بے تعصبی اور رواداری کا بڑا ثبوت ہے اور اوسی کے مقابلہ میں یونان کی حکومت نے ۱۸۲۱ء میں جس طرح غیر مسلم رعایا کو قتل کیا [illegible] تاریخ کے صفحے سیاہ ہیں۔

[1] دیکھو صفحہ [illegible] "لارڈ ایورسلے" [illegible] ۱۹۲۴ء

اناطولیہ کے ترک تو مذہبی پابندی کے واسطے ہمیشہ سے مشہور تھے اور رواداری و پابندیٔ معاہدات اُن کا خاص شیوہ تھا۔ پھر اُن میں صفائی، کفائت شعاری۔ بہادری۔ اور جفاکشی بھی تھی۔ اور منہیات شرعیہ نیز ظلم و ستم سے مبرا ہونے کا بھی ہر مورخ قائل ہے۔ پھر بھلا ایسے غلط الزامات کہ آرمینیا وغیرہ میں عیسائیوں کو قتل کر دیا گیا اور مذہب کی بنا پر تعصب سے ترک قوم کام لیا کرتی تھی۔ کون یقین کرنے کی بات ہے۔ اسکے واسطے آخر زمانہ میں کمیشن بھی یورپ نے بٹھلائے مگر نتیجہ میں ترکوں کو اس طرح کے الزامات سے بری ہی کیا گیا۔[۱]

بیشک وہ ترک جو ایشیا۔ یورپ اور افریقہ میں اپنی بہادری سے کامیاب ہو چکے تھے وہ آخری جنگ عظیم یورپ سنہ ۱۹۱۴ء کے نتیجے میں برباد ضرور ہو گئے۔ لیکن بالآخر جب مصطفےٰ کمال پاشا نے ہر طریقہ پر اپنے ملک کے حالات کو جان لیا اور کسی طرح بھی سلاطین اور خلیفہ یا نوجوان ترکوں کی پارٹی کو کامیاب ہوتے نہ پایا تو تن تنہا سیواس (Samsun) میں داخل ہو کر کام شروع کر دیا۔ گو کوئی بھی سامان وہاں نہ تھا اور دراصل تو جنگ بلقان ہی کے بعد ترکوں کے پاس صرف سلطان سلیم کے مقبرے ایڈریانوپل اور ثنا لجا کی بوسیدہ سرحد کے کچھ بھی باقی نہ رہا تھا اور بلقان ہی کی جنگ سے "اتحاد و ترقی" کی موت کا گجر بھی بج چکا تھا۔ اور یہی وہ جماعت تھی جو سنہ ۱۸۶۱ء میں بمقام جنیوا قائم ہوئی تھی۔ حالانکہ وہ "نوجوان ترکوں کی پارٹی" جو اوسنے قبل سنہ ۱۸۳۹ء میں قائم ہوئی تھی اور جس کے اصول "اتحاد و ترقی" والوں سے مختلف تھے یکے بعد دیگرے دونوں ختم ہو گئیں۔ اور اگر مصطفےٰ کمال ہمت مردانہ نہ باندھتے تو آج ترکی حکومت کا نشان بھی نہ باقی ہوتا۔ کیونکہ جنگ عظیم یورپ سنہ ۱۹۱۴ء نے تو نہ صرف بلقان ہی کا نقشہ بدل دیا۔ بلکہ سرویہ کا نام تک بدل کر زیکو سلو ویکیا رکھ دیا۔ اوسکے حدود سلطنت بھی اب پیشتر سے مختلف ہو گئے ہیں کیونکہ بوسنا (Bosnia) کا بڑا حصہ اب اسی میں شامل کرا دیا گیا۔ اور اسی طرح کے بڑے بڑے انقلابات پیدا کرا دیے گئے۔ آسٹریا ہنگری کے دو ٹکڑے کر کے علیحدہ علیحدہ اونکے نام بھی رکھ دیے گئے۔ ترکوں ہی سے تو عرب۔ عراق۔ عمان۔ قویت۔ بحرین۔ مسقط بلکہ کل خلیج فارس اور بحیرۂ عرب خالی کرا کے نجد اور عراق وغیرہ کے بادشاہ علیحدہ علیحدہ بنوا کر مصر کی طرح برطانیۂ عظمیٰ کے زیر سایہ قائم ہو گئے ہیں اور دیکھیئے کہ کبتک یہ حالات بھی باقی رہیں۔

---

[۱] دیکھو صفحات (۲۲۵-۲۲۴) تاریخ "دی ٹرکس ایمپائر" لارڈ ایورسلے و سر ونیٹائن چرول طبع ثالث سنہ ۱۹۲۴ء۔

آخر میں اگر یہ سوال کیا جاوے کہ ترکوں نے ۔ اپنا تمدن اپنا طرزِ حکومت بلکہ ساری خصوصیات کیوں بدل دیں تو ان تمام باتوں کا جواب آگے چل کر جلد دوم کے مصطفٰی کمال کے حصّہ کتاب میں پڑھنے والوں کو صاف صاف مل جائے گا ۔ مگر یہاں یہ بتلا دینا ضروری ہے کہ ترک قوم نے مدتوں تک مغرب میں حکومت کی ہے اور وہ مدتوں سے مغربی طرزِ زندگی و تہذیب کے عادی ہو چکے ہیں ۔ اور جب مغرب میں اب دراصل مسیحیت نہیں رہی ہے بلکہ مادیت کا پورا زور ہے ۔ معاشی اسباب کا زائد خیال ہے اور اسرارِ قدرت و فطرت کی تلاش ہو رہی ہے تو ترک بھی اوس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے تھے ۔ طرزِ حکومت میں تو ابتدا ہی سے استبداد اور حریت دونوں یکجا ہی اونکے یہاں جمع نظر پڑتے تھے بلکہ فتح قسطنطنیہ سے قبل ہی اونھوں نے ہر دو کیفیات کا مجموعہ اپنے نظام حکومت میں قایم کر کے اور چلا کر دکھلا بھی دیا تھا ۔ پھر جدید آئین میں جو دقتیں نہ پیش آئیں کم تھیں ۔ اور تمام عالم اسلام کی پستی سے جو بھی نہ خیال ہو بعید نہیں مگر تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ موجودہ کمالیہ ترکی کا رقبہ (۷۶۲۷۳۶) اسکویر کیلومیٹر ہے جسمیں ۳۱ فیصدی زیرِ کاشت (Arable) ہے ۔ ۱۹ فیصدی جنگل ۔ ۳۶ فیصدی چرائی کے لایق ہے ۱۲ فیصدی پتھریلی آراضی و چٹانیں ہیں اور صرف ۲ فیصدی زیرِ آب یا جھیل یا دلدل ہے ۔ بالفعل آمدنی کا مدار زراعت سے زائد تر ہے ۔ چنانچہ ۳۱ و ۳۲ء کا بجٹ خرچ مفصل ذیل میں درج ہے ۔

مدرت اخراجات	ترکی پونڈ ملین میں
اعلیٰ قومی اسمبلی	۴،۴
صدرِ اعظمی	۷،۰
اسٹیٹ کونسل	۲،۰
مالیہ ۔ پنشنات	۳،۱۲
قرضہ	۵،۲۶
چنگی یا (Custom)	۲،۴
داخلی	۲،۴
خارجی	۱،۳
تار و ڈاک	۱،۵

ضمانت عامہ	—	۳ر۴
جنڈارمری	—	۷ر۸
حفظانِ صحت	—	۷ر۳
تعلیمات	—	۹ر۶
عدالت	—	۱۴ر۷
عمارات عامہ	—	۱۴ر۲۶
ملکی حفاظت	—	۰ر۴۴
کارخانہ جات اسلحہ	—	۱۴ر۳
بیڑہ بحری	—	۹ر۷
بیڑہ پرواز	—	۵ر۳
پیمائش	—	۱ر۱
کفایت یا نقصان	—	۵ر۸
متفرق	—	۱ر۱
		۸۲ر۱۷۷
		~~۵۸ر۱۹۸۱~~

مگر پھر سنہ ۱۹۳۳ و ۱۹۳۴ء کے بجٹ میں بیحد کمی کر کے صرف چوکروڑ پچاس لاکھ پونڈ کا رہتا بیان کیا جاتا ہے۔ ایک ترکی پونڈ برابر ہوتا ہے۔ سو قرش کے یعنی انگریزی دو شلنگ کے۔

اب صرف اناطولیہ ہی کی آبادی ایک کروڑ چالیس لاکھ ہے جو سات لاکھ تیرسٹھ ہزار مربع کیلومیٹر میں آباد ہے۔ ایسی صورتوں میں اعتراضات کی بوچھار ایک بیجا اور بے علمی کی رائے زنی کہی جائے گی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تاریخ ٹرکی

تیرہوین صدی عیسوی کے درمیانی حصہ مین سخت امساک باران ہوا - دیوار چین سے لیکر تمام وسط ایشیا تک خشکی سے زمین چٹخ گئی - مجبوراً وہان کے قبائل اپنے گلونکو چرانے اور پانی کی ضرورت سے گہرون کو چھوڑ کر نکل کھڑے ہوے - منجملہ دیگر قبائل کے عثمانلی ترک بہی تھے - اونکا سردار سلیمان شاہ بھی اپنے جھنڈے پر سپید بھیڑئے کا سر لٹکا کر خراسان کی طرف سے ۱۲۲۴ء مین باہر نکلا - ان قبائل کا خاص جوہر اپنے سردار کی اطاعت تھا - یہ قبیلہ صدیون سے صحرائے گوبی کے کنارے سیاہ گھوڑون کے بالون سے بنائے ہوئے خیمون مین سنگاریہ کے میدانون مین بسر کرتا رہا تھا جب سلیمان شاہ دریا مین ڈوب گیا تو پھر سب واپس ہوگئے - لیکن تھوڑے ہی عرصہ بعد سلیمان شاہ کے بیٹے ارتغرل نے پھر خروج کیا - اور قبیلے کے ساتھ قونیہ پہونچا جبکہ سلطان علاء الدین سلجوقی قونیہ کا بادشاہ تھا - روایت ہے کہ اوسنے کسی جنگ مین علاء الدین کی مدد کی تھی جس سے ترکون کی بسر اوقات کے لئے سلطان نے بخوشی اوسکو کچھ حصہ ملک بخشدیا تھا - اُسکے شمال مین تاتاری قوم تھی اسلئے جنوب کیطرف رخ کرکے آرمینیا سے گذر کر ایشیائے کوچک ہی کی طرف [illegible] ارتغرل [illegible] تھا اور ۱۲۸۸ء تک وہ زندہ رہا اوسکی وفات پر قوم نے اسکے بیٹے آتھمن کو سردار بنایا - اور وہ مسلمان بھی ہوگیا -

سلطان آتھمن ۱۲۸۸ء - ۱۳۲۶ء

ایشیائے کوچک مین اسوقت اور بھی چھوٹی چھوٹی آمارتین یا ریاستین موجود تھین - آتھمن نے عیسائی بائزنطینی حکومت کے مقبوضات کی طرف توجہ کی - نیز دیگر امارتون نے بھی

اوسکی تخریب کرنا شروع کردی - چودہوین صدی کی ابتدا مین بحیرہ ایجین کے جزائر مین تو بائز نطینی سلطنت کا بالکل ہی خاتمہ کردیا گیا - اور جہان جہان آتھمن فتحیاب ہوتا گیا لوگ بخوشی اسلام بھی قبول کرتے گئے - بلکہ سلاو دیونانی اقوام ترکون سے میل بھی کہانے لگین اور اونکو بھی عموماً عثمانلی کہا جانے لگا - کیونکہ اوسوقت لفظ "ترک" کلمہ حقارت ہی سمجہا جاتا تھا - آتھمن نے اڑتیس ۳۸ سال حکومت کی - بیحد بہادر اور عقلمند امرا مین اوسکا شمار تھا - اور اوسنے سلطان کا خطاب بھی اختیار کرلیا تھا - سنہ ۱۳۲۶ مین جب اوسکی وفات ہوئی تو اوسکے بیٹے آرخن نے چونکہ باپ کی حیات ہی مین بروصہ فتح کرلیا تھا اور اوسیکو دار السلطنت بھی آتھمن نے بنا لیا تھا - اسلئے آتھمن کو وہین دفن کیا گیا -

آرخن سنہ ۱۳۲۶ع سنہ ۱۳۵۹ھ

تخت نشین ہوتے ہی سلطان آرخن نے سلطنت کا انتظام اور فوج کی درستی اپنا پہلا فرض سمجھا بلکہ ایک بہادر سپاہی کی طرح ہر وقت بیدار ہی اور انصاف سے تمام عمر کام کرتا رہا - چونکہ عرصہ دراز سے لاطینی اور بازنطینہ کی سلطنتون مین رقابت اور جنگ چلی آرہی تھی اور آخر الذکر حکومت ایک ہی وقت مین یورپ مین دریائی ڈینیوب تک اور ایشیا مین اناطولیا و شام تک پھیلی ہوئی تھی مگر سنہ ۱۲۰۴ع مین عیسائی مجاہدین نے اپنے جہاد چہارم مین قسطنطنیہ پر قبضہ کرلیا تھا اس سے بازنطینوی حکومت کے بادشاہ کو اپنا دار السلطنت قسطنطنیہ سے ہٹاکر نائسیا (Nicaea) واقع ایشیائے کوچک مین لانا پڑا تھا پھر سنہ ۱۲۶۱ع مین بازنطینوی حکومت نے قسطنطنیہ کو فتح کرلیا اور لاطینی عیسائی حکومت کا خاتمہ ہی کردیا - لیکن یونانیون مین خود جب خانہ جنگی ہوگئی اور ملکہ یونان اینا (Anna) اور اوسکے وزیر کنٹاکیوزین (Cantacuzene) کے درمیان جنگ چھڑ گئی تو سنہ ۱۳۴۵ع مین سلطان آرخن نے وزیر کی امداد کی جس سے اوسکا قبضہ قسطنطنیہ پر ہوگیا اور وزیر ملکہ دونون کی تاجپوشی اور شادی سلطان نے وہان کرادی تو اوسکے صلہ مین وزیر مذکور نے خود سب معاہدہ

اپنی نوجوان بیٹی تھی اوڈورہ (Theodora) کا نکاح سلطان کے ساتھ کرا دیا حالانکہ سلطان کی عمر اب باسٹھ سال کی تھی۔ اسکے بعد سے تو سلطان نے برابر یونانیون ہی کی امداد پر کمر باندھ لی چنانچہ ایک دوسری جنگ کے صلہ مین قلعہ زمپی (Tzympe) بھی جو یورپ کی سرحد پر تھا سلطان آرخن کے سپرد کر دیا گیا۔ مگر اتفاق وقت سے گیلیپولی (Gallipoli) مین زلزلہ آیا جو زمپی سے قریب ہے اور اوسکی شہر پناہ گر گئی مگر یہ مشہور کیا گیا کہ گیلیپولی کی شہر پناہ پر از خود آرخن نے قبضہ کر لیا اور اوسکو گرا دیا۔ اسپر یونانیون نے وزیر مذکور کو آرخن سے جنگ کرنے پر مجبور کیا۔ اب یونان مین ملکہ اینیا اوسکا شوہر نیز اوسکا لڑکا تینون تاجپوش تھے مگر یونانیون نے وزیر کو ملک فروش قرار دیکر جبکہ اوسنے سلطان کے مقابلہ مین جنگ سے انکار کیا تو ملک مین بغاوت پھیلا کر وزیر کو تخت سلطنت سے دست برداری پر مجبور کر دیا۔ مگر بھلا اب یونانیون کے اختیار کی کیا بات رہی تھی۔ اور اب کون تھا جو کسی حصہ ملک کو ترکون سے خالی کرا سکتا۔ سلطان نے بھی بیس ہزار ترکی فوج یورپ مین اب پہونچا دی اور ترک تھریس (Thrace) تک پہونچ گئے بلکہ بہت سے ایشیائی قبیلے وہان جا کر آباد بھی ہو گئے تھے۔ اور کثرت سے خلقت مسلمان بھی ہو رہی تھی۔ بالآخر ۱۳۵۹ء مین سلطان آرخن کی وفات ہو گئی۔

سلطان مراد اول ۱۳۵۹ء - ۱۳۸۹ء

آرخن کے بعد ۱۳۵۹ء مین اوسکا بیٹا مراد بہ لقب مراد اول تخت نشین ہوا۔ اوسنے اپنی تیس سالہ حکومت کے زمانہ مین آٹومن سلطنت کو پختگو نہ کر دیا۔ اور ۱۳۶۳ء مین بمقام ایسکی بابا (Eski Baba) حکومت بازنطینہ کی افواج کو شکست فاحش دیکر ایڈریانوپل (Adrianople) حاصل کر کے پورے تھریس پر قبضہ کر لیا تب شاہ یونان نے بھی مجبوراً صلح کر لی۔ مراد نے بھی اوسوقت ڈیموٹیکا (Demotika) مین جو تھریس کا مرکز تھا اپنا پایہ تخت قائم کرنیکا اعلان کر دیا اور بروصہ محض ایک صوبہ ہی رہ گیا۔ اب ترکون کے ہر سپاہی کے دلمین یورپ کے فتوحات کی خواہش زورون مین بڑھ رہی تھی اور اونکا سلطان بھی

اوسکے واسطے بقرار تھا۔ مگر تین ہی سال کے بعد بلقان پر حملون کی آسانیون کے باعث پایہ تخت نوے سال کے لئے ایڈریانوپل مین منتقل کرلیا گیا جس سے ۱۳۶۶ء مین مقدونیہ بھی ہاتھ آگیا اور پھر ۱۳۷۱ء مین بلغاریہ کا بھی بڑا حصہ سلطان مراد اول نے فتح کرلیا جو اب سے پانچسو سال تک آٹومن حکومت کے زیر نگین رہا۔ ترکون کی بڑھتی ہوئی حکومت اور طاقت کو دیکھکر ۱۳۷۲ء مین شاہ سربیا نے سلطان مراد کی شہنشاہت کو قبول کر کے اوسکے زیر سایہ بادشاہت منظور کی۔ اور بلغاریہ کے شاہ سیس مین (Sisman) کی صاحبزادی بھی سلطان کے حرم مین داخل کیگئی کیونکہ اس سلطان کا طرز حکومت ایسا تھا کہ جسمین جمہوری حکومت کے آثار ونقوش نظر آنے لگے تھے اور اوسکی آزادی خیال کا بھی اثر نمایان ہونے لگا تھا اب کیا تھا۔ ۱۳۸۱ء سے ۱۳۸۶ء تک مونیستر۔ سوفیا اور نش پر بھی سلطانی قبضہ ہوگیا۔ ۱۳۸۰ء تک ایشیائی کوچک مین بھی مراد نے دیگر امرا کی چھوٹی چھوٹی ریاستین لیکر اونکو شامل سلطنت کرلیا تھا۔ شاہزادہ بایزید نے بمقام ازناشا [?] امیر کرامانیا (Karamania) کو شکست دیکر اپنے لئے برق کا خطاب ملک سے حاصل کیا تھا اور اس کاره [?] کو اسطرح آباد کیا کہ گویا پایہ تخت معلوم ہونے لگا لیکن اب یورپ مین ترکون کا خطرہ بیٹھنے لگا اور عیسائی حکومتون مین علاوہ ہل چل پھیلنے کے خفیہ سازشین بھی ہونے لگین اور ایک خفیہ اتحاد ہو کر سرویہ بلغاریہ البانیہ وبوسنیا نے جنگ کی تیاری کرلی۔ ترکون کو جنگ مین کیا عذر ہوسکتا تھا وہ اسی لئے بنے تھے اور ہر وقت لڑنے مرنے کے واسطے آمادہ رہتے تھے۔ بلا جنگ کے ان لوگون [?] زندگی ہی وبال معلوم ہوتی تھی۔ ہر وقت کمر کسے تیار رہا کرتے تھے فتوحات کی ایسی چاٹ پڑ چکی تھی کہ ایکدن بھی گھر بیٹھنا اچھا نہ معلوم ہوتا تھا۔ یہانتک کہ بمقام کوسووا (Kosovo) میدان پڑگیا یہان سربیا کا ایک امیر مسمی میلاش (Miloseh) ترکون کی فوج مین بحیثیت ایک پیغامبر کے سلطان سے کچھ عرض معروض کرنے کی درخواست کر کے اوسکے حضور مین داخل ہوا۔ فوج نے بھی اوسے جانے دیا۔ دراصل ابھی تک ترکی بہادرون کو ان بلقانیون کی حیلہ سازی اور مکر کا بالکل ہی تجربہ نہ تھا۔ اور اوس وقت تک کے آداب شاہی کے مطابق پیغامبر وغیرہ جب سلاطین کے روبرو حاضر ہوتے تو ادب سے سر بزانو ہوتے چنانچہ میلاش بھی سر بزانو ہو کر حاضر ہوا مگر اوسنے یکبارگی خنجر نکالکر سلطان کے قلب مین پیوست کر دیا۔ فوج نے اوسے گرفتار کر لیا۔ گو مراد نے خود ہی فوج کو آخری حملہ کا حکم دیا اور فتح بھی حاصل ہوگئی مگر زخم ایسا کاری لگا تھا کہ جان بر نہ ہوسکا۔

فوج نے میلاش کو بھی قتل کرڈالا - مراد نے اسوقت تک کسی جنگ مین شکست نہ کھائی تھی اور یورپ مین جن عیسائی اقوام کو فتح کیا اونکے بچون کو لیکر ایک خاص فوج اونکی بنائی اور یہی فوج جنیسریز (Jannisaries) کہلائے - اونکی فوج تعلیم خود سلطان اپنی نگرانی مین کراتا تھا - اس فوج کے عیسائی سپاہی اکثر مواقع پہ دغا کرنے لگے تھے اور دشمن سے ملکر جاسوسی کا کام بھی کرتے اسلئے بعد مین صرف مسلمان ہی بچے اس فوج مین مجبوراً لئے جانے لگے - شاہزادہ بایزید نے جیسے ہی باپ کے مرنے کی خبر پائی - فوراً ہی برق کی طرح اپنے بھائی یعقوب کو مروا ڈالا - اوسی وقت سے گویا یہ رسم ترکون مین تخت نشینی کے واسطے پڑگئی کہ سلاطین اپنی تخت نشینی کے وقت اپنے بھائیون یا بنی اعمام کو مروا ڈالتے - اب بایزید تخت نشین ہوگیا -

بایزید اول ۱۳۸۹ء سے ۱۴۰۳ء

بایزید اول تخت نشین ہوتے ہی اپنے باپ سے بھی زائد بہادر ثابت ہوا - بلغاریہ کو تو جزو سلطنت کرہی لیا گیا تھا - مگر اب سربیا نے بھی خراج گذاری منظور کرلی - اور پانچہزار سپاہی جنگ کے وقت دینا بھی اوسکے فرائض مین داخل کیا گیا تھا - نیز شاہ سربیا یعنی شاہزادہ اسٹیفن (Stephen) کی ہمشیر ڈسپینا (Despina) بھی سلطان بایزید سے نکاح کرکے اوسکے محل مین داخل ہوگئی -

لیکن اب یونان کی سلطنت جسپر جان پیلیالوگس (John Palialogue) بامداد اپنے بیٹے مینول (Manual) حکمران تھا بالکل ہی کمزور ہوچکی تھی اور بجید حقیر طریقہ پر باجگذار و حکم بردار دولت عثمانیہ کی بنگئی تھی - اور فیلاڈلفیا (Philadelphia) کا قلعہ بھی جو صرف ایشیائے کوچک مین یونان کے قبضہ مین باقی رہ گیا تھا وہ بھی ترکون کے نذر ہوچکا تھا مگر اوسکے قلعہ دار نے ترکون کو قبضہ دینے سے انکار کردیا - تب سلطان نے خود شاہ یونان اور اوسکے بیٹے کو قلعہ پر چڑھائی کرنے پہ مجبور کیا - جو اوسکو کرنا پڑا - اسی درمیان مین شاہزادہ مینول کی بیوی اپنی سسرال جارہی تھی - ترکون نے اوسکے جہاز کو گرفتار کرلیا اور سلطانی محل مین بطور حرم کے وہ بھی داخل کردیگئی - مگر غریب یونانیون پہ اب بھی جون نہ رینگی - اور اونکو غیرت تک نہ آئی

ایشیائی کوچک کیطرف اب سلطان نے توجہ کی تو پہلا حملہ اسمرنا (Smyrna) پر کیا گیا
اسوقت شاہ یونان نے حماقت سے قسطنطنیہ کے تین گرجاؤن کے کھودنے کا حکم دیدیا تاکہ اونکے سامان
سے جدید قلعے تیار کرائے جاتے - سلطان بایزید کو جب اسکا علم ہوا تو اوسنے شاہزادے مینو ل
کی آنکھون سے نکلوا لینے کی دہمکی دی - کیونکہ اب شاہزادہ موصوف دربار سلطانی مین بطور معزز
جاروب کش (groom of the chamba) کے حاضر رہتا تھا - نیز سلطان نے قسطنطنیہ کا
محاصرہ بھی خشکی کی طرف سے کرلیا تھا اور دراصل سلطان کو عیسائی یا دیگر کسی مذہب کے معبد کی بے حرمتی گوارا
نہ تھی اسلیے سلطان نے براہ بلغاریہ ریاست ولاشیا (Yalluchia) کو فوج کشی کرکے
باجگذار بنالیا اور اسمرنا مین بھی داخل ہوگیا - یہان ہنگیرین (Hungarian) اقوام بھی سابقہ پڑ گیا تو
جنگ جو نیلگی شاہ سگسمنڈ (Sigismund) نے بھی حملے سے جواب دیا - مگر چونکہ اوسوقت کے تمام
بادشاہون کو ملک و قوم کی پرواہ اوتنی نہ تھی جتنی کہ اپنے عیش و آرام کی لہذا شاہ سگسمنڈ ڈچی آف
ہنیاڈی (Dvchy of Hunyadi) ہی سے واپس ہوگیا کیونکہ یہان وہ ایلیزبیتھ مو... نے
(Eliqaleeth moronuy) کے حسن خداداد پر لٹو ہوکر عیش کی خاطر جنگ سے موڑ موڑ بیٹھا ... اسی
تعلق سے وہ مشہور عالم حرامی لڑکا ہنیاڈی اعظم (Hunyadi the great) ہنگری کا سب سے
بڑا لیڈر پیدا ہوا تھا - جسنے کہ بعد مین ترکون ہی کے مقابلہ مین بڑے بڑے کارنامے کر دکھائے -
اب ترکون کے پاس جہاز بھی موجود تھے اور یونان کے ساحل بلکہ اونکے جزائر پر بھی ترکون نے حملے
شروع کردیے تھے - نیز ایشیائی کوچک مین سلطان کا بہنوئی امیر کرامانیا (Karamania)
علاء الدین حکمران تھا - ترکون کے صوبہ دار تیمور تاش نے ادہر پر بھی حملہ کردیا - اور علاء الدین اور
اوسکے دو بیٹون کو بھی قتل کردیا - اسکی خبر جب سلطان کو ہوئی تو سلطان نے بہت رنج و ملال کا اظہار کرتے
ہوئے یہ بھی کہا کہ "صوبہ یا ملک کے کھو بیٹھنے کے مقابلہ مین ایک حاکم ان کی موت کہ قابل افسوس ہے"
اور اظہار تسکین کردیا -

اب قونیہ بھی فتح ہوگیا تھا - لیکن ۱۳۹۳ء و ۱۳۹۴ء مین تیمور لنگ کے بھی حملے ایشیائی کوچک
مین شروع ہوگئے تھے - نیز ۱۳۹۵ء مین پوپ بانیفس نہم (Pope Bonifise the IXth) نے
یوروپ کی عیسائی حکومتون کو غیرت مذہبی دلاکر بڑے جوش و خروش کے ساتھ ترکون کے مقابلہ مین

جہاد پر آمادہ کر دیا۔ اور ڈیوک آف برگنڈی (Duke of Burgundy) کے ساتھ فرانس میں ایک جماعت مجاہدین تیار ہی کر لی۔ جسمین انگلستان اسکاٹلینڈ۔ فلینڈرس۔ جرمنی۔ لامبارڈی سیوائے (Savay) نیز بیت المقدس سے عیسائی مجاہدین شامل ہوئے اور بمقام بودا (Buda) جو ہنگری مین ہے ۱۳۹۶ء مین یہ سب مجاہدین جمع ہوئے۔ انکی تعداد ایک لاکھ ہزار کی تھی۔ مگر ترکون کی خوش قسمتی سے جسوقت یہ کل فوج مجاہدین کی ملک سرویا مین پہونچی تو اوسنے عیسائی باشندون ہی کو لوٹ مار کرنا شروع کر دیا اور آپسمین جوے و شراب کے مشغلہ مین ایسے پڑ گئے کہ کسی کو کچھہ اور نہ سوجھتا۔ اس حالت مین خود ہی لڑنے لگے اور بہت سے کھیل تماشے مین ہی پڑ گئے۔ یکایک جب یہ معلوم ہوا کہ ترکون کی افواج سر پر آ گئیں تو ایک دوسرے پر الزام دینے لگے اور ہر ایک سرگروہ بننے کا خواہشمند ہو گیا۔ بالخصوص فرانسیسی مجاہدین کے غرور نے تو پوری ستیا ناسی لگا دی نتیجہ مین صرف تین گھنٹون کی جنگ مین ترکون نے بمقام نیکوپولس (Nicopolis) فتح پائی جسمین دس ہزار سے زائد مجاہدین قید ہو گئے اور باقی مارے گئے یا بھاگ نکلے۔

اسکے بعد سلطان بایزید کو ایک سخت دشمن کا مقابلہ پڑ گیا۔ اور یہ اوسکی زندگی کے آخری دو سال کا زمانہ تھا۔ یعنی تیمور لنگ کا۔ جسکا قول تھا کہ جسطرح ایک آسمانی خدا ہے اوسیطرح دنیا مین بھی ایک بادشاہ صرف ہونا چاہیئے۔ تیمور نے اپنی پینتیس (۳۵) سالہ حکومت مین چین کی تہتھہ دیوار سے لیکر ایشیائے کوچک کی سرحد تک اور بحیرہ آرال (Sea of Aral) سے تا بہ دریائے گنگ (Ganges) و خلیج فارس ستائیس (۲۷) مختلف سلطنتون اور نو (۹) شاہی خاندانون کو ختم کر کے اپنا سکہ دنیا مین جما رکھا تھا۔ چنانچہ ۱۴۰۰ء مین تیمور اور بایزید کے درمیان سخت خط و کتابت بھی ہو گئی۔ اور چونکہ دونون کی حکومتون کی سرحد اب ملگئی تھی اور ایک دوسرے کے باغیون و دشمنون کو پناہ بھی ایک دوسرے کے یہان دی جانے لگی تھی اس سے تیمور نے بایزید کو اسطرح لکھا۔ "تیری حماقت و بدتمیزی کی بنا کیا ہے۔ تو نے چند لڑائیان اناطولیہ کے جنگلون مین فتح کر لی ہین جنکی کوئی خاص وقعت نہین ہے۔ تو نے یورپ کے عیسائیون کے مقابلہ مین بھی کچھہ فتوحات حاصل کر لی ہین اور تیری تلوار پر رسول خدا کی دعا ہے۔ قرآن پاک کی تعمیل حکم مین جو لڑائیان کفار کے مقابلہ مین تو نے لڑی ہین اونکے باعث ہم مجبور ہین کہ تیرے ملک کو جو سرحد و جائے امن دنیائے اسلام ہے تباہ نہ کرین مگر زمانہ کو دیکھکر عقل سے

کا م ہے بسوچنے اونام ہو تیری کیا مجال ہے۔ ہماری تلوار کی برق انتقام جو تیرے سر پر کھیل رہی ہے اوسکو ٹال دے تیری ہستی چیونٹی سے زائد نہین ہے - ہاتھیون کو غصہ مت دلا - افسوس ہے کہ وہ تجھکو اپنے پیرون کے تلے کچل ڈالین گے -

سلطان بایزید نے تیمور کی تحریر مذکورہ کا جواب یون دیا "مانا کہ تیری فوج بیشمار ہے مگر تاتاریون کے تیر میرے مضبوط وبہادر جینیسریز کی تلوارون و تیرون کے مقابلہ مین کچھ نہین ہین - مین اون شاہزادونکی حفاظت ضرور کرونگا جنہون نے میرے یہان پناہ لی ہے - اونکو میرے خیمون مین آکر ڈھونڈھ - شہر آذربائیجان و ارض روم میرے ہی ہین اور جبتک کہ خراج نہ ادا ہوے گا مین بقایا کی وصولی تا رس سلطانیہ کی دیوارون کے سایہ مین وصول کرونگا - اگر مین تیرے پنجے سے بھاگون میری بیویون پر تین طلاق - لیکن اگر تجھکو میدان جنگ مین ملنے کی ہمت نہین ہے تو جب تیری بیویون نے سہ بارہ غیرون سے بغلگیری کر لی ہو تو پھر اونکو اپنی بیویان بنا" بس کیا تھا اس جواب کے پاتے ہی تیمور لنگ نے ایشیائے کوچک کے حملے کا ارادہ کر لیا اور شہر سیواس کا محاصرہ کرکے شہر پناہ مین سرنگ دوڑا کر آگ لگا دی - جنگ کے چھڑتے ہی شاہزادہ ارطغرل کو جو بایزید کا ولیعہد تھا مع چار ہزار ترک فوج کے تہ تیغ کر دیا اور شہر فتح کر لیا - اب بایزید بھی فوج لیکر بڑھا - اور انگورہ کے میدان مین ۱۴۰۲ء مین دونون کا مقابلہ ہو گیا - سخت جنگ کے بعد بایزید گرفتار ہو گیا -

تیمور نے ختم جنگ پر سلطان بایزید کی سخت سے سخت ذلتین کین ایک پنجرے مین بند کرکے اوسکو گلی کوچے مین گشت کرایا - اوسکی بیویون کو برہنہ کرکے اون سے شراب کے دور چلوائے - نیز بایزید کو اپنا پائدان بنا کر بیٹھا - بالآخر آٹھ ماہ کی ذلتون کے بعد اڑتالیس سال کی عمر مین بایزید کا انتقال ہو گیا - اوسکے دو سال بعد تیمور بھی مر گیا - مگر اس درمیان مین تیمور نے اسمرنا تک فتوحات حاصل کر لی تھین - اور بہت سے اون امیرون کو جنہین بایزید نے تخت سے محروم کر دیا تھا پھر تخت و تاج واپس دیا -

افسوس کے ساتھ لکھنا پڑتا ہے کہ بایزید اور اوسکے امرائے سلطنت نے شراب خواری و لواطت کے الزامات کا دھبہ اپنے سر اوڑھ لیا اور یہی تمام مورخین نے بربادی دولت کا سبب بتایا ہے - ممکن ہے کہ بداعمالی ہی کے باعث تیمور لنگ کو غضب الٰہی کی شکل مین متعین کیا گیا ہو - حالانکہ اوس زمانہ کی تاریخ مین تیمور کو قہر خدا اور بایزید کو سایۂ خدا لکھا جاتا تھا -*

*دیکھو صفحات ۱۳۳ و ۱۳۴ کتاب سر ولیم ڈنڑہم بلڈکور ۱۲

سلطان بایزید کی گرفتاری کے بعد اسکے چار بیٹون مین خانہ جنگی شروع ہوگئی - اور دس سال تک طوائف الملوکی رہی گر رفتہ رفتہ تاتاریون کا نام ونشان بھی دولت عثمانیہ مین نہ باقی رہا - ٹیڑی دلون کی طرح آئے اور غائب ہوگئے - گر جسقدر لوٹ مار ممکن تھی وہ کر گئے - یورپ کے حصہ سلطنت مین سلطان کا بڑا بیٹا موسیٰ بمقام ایڈریانوپل سلطان بن بیٹھا - دوسرا بیٹا محمد جو ایشیائے کوچک مین ایک چھوٹی سی ریاست پر قابض ہوگیا تھا زور پکڑنے لگا اور دیگر دو بیٹے آپس ہی مین لڑ مرے - گر موسیٰ اور محمد مین بھی بالآخر جنگ ہوگئی اور موسیٰ ہی نتیجہ مین بھاگ نکلا - اور مرگیا - تب محمد نے زمام حکومت اپنے ہاتھ مین لے لی اور ہر طرف تدبر و بہادری سے صلح و آشتی سے کام لیکر اپنے کو سلطان بنا لیا -

سلطان محمد اول ۱۴۱۳ء و ۱۴۲۱ء

سلطان محمد اول نے تخت نشین ہوتے ہی بیحد منصف مزاجی اور عالی حوصلگی سے کام شروع کیا نہ کسی پر ظلم ہی کیا اور نہ کشت و خون کرکے ندیان بہائین - تاریخون مین ہے کہ دنیا نے اوسے بڑے شریف انسان (great gentleman) کا لقب دے رکھا تھا - علم دولت اور قابلیت کا قدر دان تھا - تھوڑے ہی عرصہ مین اوسکے اعلیٰ اخلاق کا اثر قوم اور فوج بلکہ ملک بھر مین ہوگیا اور خاصا مشہور ہوگیا - اور لوگ بھی متاثر ہوکر اوسکی تقلید کرنے لگے جس سے سلطنت کی بنیادین مستحکم ہونے لگین - ہر طرح سلطنت کے ہر شعبہ کو درست کیا گیا - جس خراب حالت مین کہ اوسنے سلطنت کو پایا تھا اوسکے مقابلہ مین اوسکی وفات تک ترکون کا سکہ پھر ہر جگہ جم گیا - نہ اندرون ملک نہ بیرون ملک بدنظمی ہی پھیلنے پائی اور نہ جنگ و جدال ہی ہوا - بروسا مین اوسنے ایک نیلی مسجد تعمیر کرائی تھی - چنانچہ ۱۴۲۱ء مین اوسکی وفات پر اوسی مسجد کے متصل اوسکی قبر بنائی گئی

سلطان مراد ثانی ۱۴۲۱ء و ۱۴۵۱ء

سلطان مراد ثانی جو سلطان محمد اول کا بیٹا تھا وہ اپنے باپ کے بعد ۱۴۲۱ء مین تخت پر بیٹھا - اب یونان مین بھی شاہزادہ مینول (manual) بادشاہ تھا جو کہ بایزید کے

در بار مین رہ چکا تھا۔ مینول نے ایک شخص کو جسکا نام مصطفیٰ تھا اور جو اپنے کو بایزید کا بیٹا بھی کہتا تھا اوسے اپنے یہان قید کر رکھا تھا۔ اسوقت مینول نے اوسے رہا کرکے سلطان مراد کے خلاف امداد دیکر جنگ کرا دی۔ جسمین مصطفیٰ ہلاک کردیا گیا۔ سلطان مراد نے شاہ مینول کی دغا کی سزا دینے کا پورا ارادہ اب کرلیا۔ چونکہ ترکون نے بھی اب ہر قسم کی توپون کی ساخت نیز اونکا استعمال جان لیا تھا لہذا اونھون نے قسطنطنیہ کا محاصرہ شروع کردیا۔ اور کچھ گولہ باری بھی کی۔ مگر اوسی زمانہ مین ایشیائے کوچک مین ایک دوسرا شخص مصطفیٰ ہی کے نام سے پھر دعویدار سلطنت بنکر اوٹھ کھڑا ہوا۔ اس سے سلطان نے قسطنطنیہ کا محاصرہ فی الوقت فوراً اوٹھا لیا۔ اور اس مصطفیٰ نیز دیگر جو کوئی بھی امرا اوسکے ساتھ باغی ہوگئے تھے سبکو خاصا سبق دیکر فتح حاصل کرلی لیکن اب بلقان مین نیز یورپ کے حصص مین جنگین شروع کردی گئین۔ اور ایک عیسوی جہاد بہ سرکردگی ہنیاڈی ثانی ([illegible] Secon) مسلمانون کے خلاف سنہ ۱۴۴۳ء مین مرتب ہوگیا۔ اور اوسنے پیش قدمی کرکے سرویا کو آزاد کرادیا۔ نیز ولاشیا کو ہنگری کے تصرف مین دیدیا۔ جب سلطان نے قدم بڑھایا تو قرآن پاک اور انجیل پر قسم ہوکر جسنے صلح کرلی مگر جب سلطان نے خود گوشہ نشینی کا خیال کیا۔ اور سنہ ۱۴۴۴ء مین اپنے چہاردہ سالہ لڑکے کو اپنے بجائے تخت نشین کردیا مگر جیسے ہی کہ اسکی خبر ہنگری مین پہونچی عیسائیان یورپ کا ارادہ فوراً ہی ترکون کو یورپ سے خارج کردینے کا زور پکڑ گیا۔ اور سب کے سب مذہبی جہاد کے واسطے تیار ہوگئے اور انجیل پر قسم کھانے کا بھی خیال سب نے پس پشت ڈالدیا۔ ہنیاڈی نے پیشتر تو قسم کے توڑنے سے انکار کیا مگر جب اوس سے بلغاریہ کا تخت دینے کا وعدہ کیا گیا تو وہ بھی قسم اور حلف کے توڑنے پر بخوشی آمادہ ہوگیا۔ ادھر ترکون نے یہ رنگ دیکھکر سلطان مراد سے تخت سلطنت پر واپسی کی خواہش کی چنانچہ سلطان واپس آگئے اور فوج کو آراستہ کرکے بمقام وارنا ([illegible]) مقابلہ کے لیے کھڑے ہوگئے نیز جنگ بھی شروع کردی۔ لکھا ہے کہ اس جنگ مین مراد ثانی کا قدم اوکھڑ گیا تھا۔ مگر اناطولیہ کے بگلربے (Beglar Bey) نے سلطان کے گھوڑے کی باگ پکڑ کر اوسے روکا اور ہمت دلائی اور جنگ پر جما دیا۔ یہانتک کہ سخت جنگ کے بعد ترکون کی فتح ہوئی۔ ہنگری کا شاہ لیڈس لاس ([illegible]) جس نے دراصل قسم توڑی

اور تو ڑ والی تھی گھوڑے سے جنگ مین گرا اور قتل کیا گیا - ہنیاڈی تو بھاگ نکلا - مگر اس جنگ مین بڑے بڑے پادری بھی قتل ہو گئے -

سلطان مراد نے بعد ختم جنگ واطمینان پھر تخت چھوڑا - لیکن ایڈریانوپل مین اب جینیسریز نے بلوہ کر دیا - لہذا پھر سلطان مراد واپس آگیا - اور اوسیوقت فوج بھی قابو مین آگئی - لیکن بلقان مین سرویا ہنگری و باسنیا کی متفقہ افواج نے بہ سرکردگی ہنیاڈی مذکور پھر ترکون سے جنگ چھیڑ دیا مگر کوسووا ([illegible]) کے مقام پر ترکون نے پھر شکست دیکر سرویا کو ترکی سلطنت ہی مین شامل کر لیا - مگر باسنیا نے باجگذار ہو کر جان بچائی - دراصل سلطان مراد کو ہمیشہ عیسائیون نے جنگ پر مجبور کیا - وہ خود نہ سلطنت کا حریص تھا اور نہ جاہ و دولت کا نہ کسی کے خون کا پیاسا تھا - ۱۴۵۱ء مین اوس نے وفات پائی - اور اوسکا بیٹا محمد ثانی کے نام سے اوسکے بعد تخت نشین ہوا -

سلطان محمد ثانی فاتح ۱۴۵۱ء تا ۱۴۸۱ء

۱۴۵۱ء مین اپنی عمر کے اکیسوین سال محمد ثانی اپنے باپ کی وفات پر دوبارہ تخت نشین ہوا یہ سلطان پورا ایشیائی منش تھا - اور اسوقت تک کے تمام سلاطین مین ہر طرح قابل ترین نکلا - باپ کے مرنے کی خبر پاتے ہی ایک عربی گھوڑے پر سوار ہو کر محل سے نکل کھڑا ہوا - اور آواز دی کہ جسکو مجھسے محبت ہو وہ میرے ہمراہ ہو لے - اور یہ کہکر ایڈریانوپل کا راستہ پکڑا - وہان پہونچتے ہی اوسکی سلامی ہوئی اور سلطان بنائے جانے کا اعلان کیا گیا -

قسطنطنیہ مین اسوقت شاہ کانسٹنٹائن ([illegible]) کا زمانہ تھا - محمد ثانی نے ۱۴۵۲ء مین اوس قلعہ کو جو یورپ کے جانب دریائے باسفورس پر سلطان بایزید نے بنوانا شروع کر دیا تھا تکمیل کرا دی اور ہر طرح سے قسطنطنیہ کے حملے کی تیاریون مین شب و روز مصروف ہو گیا - توپین بھی بڑی سے بڑی ڈھلوائین - نیز بحری جنگی جہازات کا ایک بیڑہ مرتب کرا لیا - اور ۱۴۵۳ء کی ابتدا ہی سے قسطنطنیہ کی دیوارون کے نیچے فوجین اکٹھا کرنا شروع کر دین - اسی کے ساتھ ساتھ اعلان ملک مین کر دیا کہ یا تو قسطنطنیہ کو ترک لیلین یا اپنی سلطنت سے قطعی دست بردار ہو جاوین -

اودھر شاہ یونان نے بھی پوری مضبوطی کے ساتھ تیاریان کررکھی تھین - اور یورپ مین یونانی ولاطینی گرجاؤن کے متحد کردینے کی تجویز طے پاگئی تھی - یہانتک کہ سینٹ سوفیا گرجے مین نماز بھی مشترک طور پر دونون فرقون نے پڑھ ہی لی - لیکن یونانی پادری اور عوام ملک اس واقعہ پر بگڑ گئے - بالخصوص گرینڈ ڈیوک نوٹیرس (Grand Duke Notaras) جو تمام یونانی افواج کا افسر تھا - اوسنے تو یہانتک اعلان کردیا کہ " وہ ترکون کی پگڑی قسطنطنیہ مین دیکھنا پسند کرے گا بجائے کارڈینل کی ٹوپی کے " جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ صرف چھ ہزار کی سپاہ تیار ہوسکی - گو جنوبی یورپ سے بھی کچھ مدد پہونچی اور مغربی یورپ سے تین ہزار کے قریب مجاہدین مسلمانون کو مارنے اور خود مرنے کے واسطے تیار ہوکر آگئے نیز اطالوی قوم بھی امداد کے واسطے آئے مگر تعجب یہ ہے اس مرتبہ جرمنی - فرانس - پولینڈ و ہنگری سے امداد نہ آئی - سلطان نے تو ۶ اپریل ۱۴۵۳ء سے قسطنطنیہ کا محاصرہ شروع ہی کردیا تھا - جانبین کی بحری فوج نے گوپیون سے پتھر پھینک کر یا آگ لگا کر بیشتر قوت آزمائی کی - پھر دونون جانب سے توپون نے گولے باری کرنا شروع کردی - مگر چونکہ قسطنطنیہ کی چہار دیواری کی سفیلین اوسوقت کافی چوڑی نہ تھین کہ اونپر توپین چڑھا کر اور کافی جگہہ لیکر کام ہوسکتا اسلئے یونانیون کو خسارہ ہی رہا - سات ہفتہ کے محاصرہ کے بعد تین مقامات پر بیرونی دیوارین توپون کے گولون سے رخنے ہوگئے - تب شاہ یونان مایوس ہوکر خود محل شاہی سے رخصت ہوا اور اپنی قوم کو ایک خطبہ دیا جسمین یونانیون کی پچھلی شاندار عظمت جاہ و جلال و بہادری یاد دلائے علاوہ اوسکے پورا مذہبی جوش ہی یہ کہکر دلایا کہ " دشمن کا ارادہ ہے کہ اونکے گرجاؤن مین جہان تثلیث کی پرستش ہوتی ہے اور پاک نائب خدا کی بندگی کی جاتی ہے وہان ایک جھوٹے پیغمبر کو بجائے عیسیٰ کے لاکر بٹھلایا جاوے گا " - جنگ تو اوسوقت جانبین مین زور ون مین جاری ہی تھی کہ ۲۹ مئی ۱۴۵۳ء کو ترکون نے پہلا حملہ تیر و کمان گوپیون سے جسنے کہ پتھر اور لوہے کے گولے برسائے جاتے تھے پھر شروع کیا - یونیون نے بھی اب چونکہ ترک بیرونی شہر پناہ سے کچھ کچھ اندر آگئے تھے دوسری یا اندرونی شہر پناہ کے دروازے بند کرلئے اور دو ہزار فوج کو لڑنے اور مرنے کے واسطے دونون شہر پناہون کے درمیان چھوڑ دیا - ترک بھی پہلی شہر پناہ کے اندر دیوار دون پر چڑھکر اور گولون سے جو رخنے ہوگئے تھے اونسے گھس کر اندر پہونچگئے

اور کئی سخت حملے اوس فوج پر جو یونانیون نے وہان چھوڑدی تھی کردئے - یہانتک کہ اطالوی اور یونانی افواج کی ہمت بھی جاتی رہی - بالخصوص جبکہ یونانی افواج کا بحری افسر گواستینیانی (Giustiniani) زخمی ہوکر بغرض علاج اپنے جہاز کو واپس ہوا - شاہ یونان نے اب اپنی تلوار کو میان سے نکال لیا اور یہ کہکر کہ "شہر تو جاچکا اور مین زندہ ہون" گھماسان جنگ مین خود پھاند پڑا اور مارا گیا تب تو اوسکی کل فوج بیدل ہوگئی اور گھرکر ختم ہوگئی - اور اوسی ۲۹ مئی کو قسطنطنیہ فتح ہوگیا - مورخین کا خیال ہے کہ کارتھج (Carthage) کی بربادی کے بعد یہ دوسرا شہر دنیا مین تھا جسکی دولت - حسن اور سامان امارت وغیرہ کی اوسوقت کوئی انتہا نہ تھی - فتح کے تین دن بعد خود سلطان محمد فاتح نے گھوڑے پر سوار ہوکر شہر کا دورہ کیا اور سینٹ سوفیا پر پہونچکر گھوڑے سے اوترا اور اندر داخل ہوا - وہان کی ہر شے کو محفوظ رکھنے کا حکم دیا نیز ایک ملا سے اذان دلوائی تب ہی سے وہ گرجا مسجد کردیا گیا! اور لوٹ مار بھی بند کردیگئی - پھر جنرل گرینڈ ڈیوک نوٹیرس کو طلب کرکے اوسکے ساتھ عزت کا برتاؤ کیا اور جب دوسرے دن قصر شاہی مین داخل ہوا تو یہ شعر پڑھا "

پردہ داری میکند بر قصر قیصر عنکبوت ؛ چغد نوبت میزند بر گنبد افراسیاب "

ظاہر ہے کہ لوٹ مار ضرور ہوئی ہوگی - مگر امن عام کے حکم ہوتے ہی فوراً سب موقوف ہوگئی - مورخین اسپر متفق ہین کہ اسوقت ویسی لوٹ مار واقعی نہین ہوئی جیسی کہ ۱۲۰۴ء مین عیسائی مجاہدین نے یہان کرڈالی تھی - نہ تو ویسی آتشزدگی ہی ہوئی نہ ویسا کشت و خون ہی ہوسکا کیونکہ فوج کے داخلے کے چند ہی گھنٹون بعد قتل عام و نوچ گھسوٹ کے بند کرنے کا حکم سلطانی نافذ ہوگیا - عمارات و معابد کو خود سلطان نے غارت سے بچالیا - بلکہ اپنے ہی کو یونانی عیسوی معابد کے محافظ ہونے کا اعلان کردیا اور یونانیون کو ہر قسم کی مذہبی آزادی دیکر مذہب عیسوی کے مطابق پرستش کی بذریعہ ایک فرمان شاہی تصدیق کردی - اونکے شادی بیاہ اور وراثت کے قانون کو بھی برقرار رکھا - بلکہ اونھین کی عدالتون کے فیصلے کو اونکے واسطے بہ تاکید پیروی کی اجازت دی - یونانیون کے پادری جنیڈراس (Gennadius) کو جو بطور غلام کے فروخت ہوکر ایڈریانوپل کے پاشا کے ہمراہ جاچکا تھا اوسکو طلب کرکے آزاد کردیا - اور یونانی گرجے کا سب سے بڑا پادری بناکر مذہبی آزادی کا پورا اطمینان دلایا - مذکورہ واقعات سے اوسکی رواداری - انصاف و

بے تعصبی سب پر ظاہر ہوگئی۔ یورپ کے سیاسی اخلاق مین اوسوقت کہین بھی اس جیسی مثال ملنا ناممکن کہا جاتا ہے۔ کیونکہ دراصل فتح قسطنطنیہ کسی مذہبی جوش سے نہین کی گئی تھی۔ سلطان نے مفتوحین کو قبول اسلام پر بھی مجبور نہین کیا۔ بلکہ قسطنطنیہ کی آبادی کی ترقی اور ہر طرح کی سیاسی و معاشی وتجارتی بہبودی ہی کا خیال کیا۔

یہ سلطان بھی یورپ و ایشیا کی متعدد جنگون مین خود شامل ہوتا رہا اور اب باسنیا و موریا (Morea) بھی سلطنت مین شامل کیے گئے۔ ونیس (Venice) کے قریب تک پہونچکر اوسکی فوجون نے وہان کی دستوری سلطنت (Republic) سے صلح کی جسکو کہ اوسوقت ایک آزاد حکومت کے اعتبار سے ایسی صلح کے کر لینے پر سخت ذلت کی نگاہ سے دنیا نے دیکھا مگر اوسوقت ترکون کی تلوار کی جھنک کے آگے یورپ کے کسی حصہ مین کوئی چارہ کار نہین سمجھا جاتا تھا۔ اسی سلسلہ مین حکومت ونیس نے بہت سے جزائر بھی ترکون کے نذر کردئے نیز اٹلی کے جنوب آسٹرینٹو (Otranto) بھی فتح ہوگیا۔ پھر اسٹیریا (Styria) اور ٹرانسلونیا (Transylvania) کو تخت وتاراج کر کے بلگریڈ (Belgrade) پر حملے کا مقصد جرمنی کی فتح کا پیش خیمہ متصور ہورہا تھا۔ لیکن وہان پھر مذہبی جوش مین مجاہدین نے بہ سرکردگی ہنیاڈی مقابلہ کیا۔ اور سلطان کے خود زخمی ہوجانے کے باعث محاصرہ اوٹھالیا گیا نیز ایشیا مین بھی کرامانیا کے آخری سلجوقی امیر کا خاتمہ کردیا گیا۔

۱۴۵۳ء مین محمد فاتح نے جنیوا سے حقوق کی توثیق کردی تھی جس سے بھی بعد مین دیگر اقوام نے خوب نفع اوٹھایا اور بلقان مین سربیا پر بھی ۱۴۵۹ء مین مکمل قبضہ ترکون کا ہوگیا۔ نیز کریمیا کے تاتاریون کا سلطان بھی محمد ثانی ہی کو مسلم طور پر مان لیا گیا۔ گو اس سے قبل ماسکو کا بادشاہ اونکا محافظ رہا کرتا تھا۔ اس سلطان نے بھی قسطنطنیہ ہی مین بہ زمانہ ولیعہدی تعلیم پائی تھی اور یونانی و لاطینی زبانین بھی سیکھی تھین۔

دراصل کبھی کبھی یہ سلطان اپنے ارادون کا حال کسی سے نہ کہتا تھا۔ بلکہ اوسکا قول تھا کہ اگر اوسکی داڑھی کے بال کو بھی خبر ہو جاتی تو اوسے فوراً اوکھاڑ کر پھینک دیتا۔ ہر سال فوجون کو ضرور جمع کرتا۔ مگر یہ پتہ کسی کو بھی نہ چلتا کہ کدھر کا قصد ہے۔ اور نہ کسی سے مشورت ہی ہوتی۔

جنگ کی کامیابی کا گُر دراز داری اور تیز رفتاری ہی اُسکے خیال مین ہمیشہ رہا - وینس کی طرف جنگ و محاصرے مین اوسکو بیشک سالہا سال لگ گئے ورنہ ہر جگہ چٹ پٹ کی لڑائی وہ لڑا - سنہ ۱۴۶۷ء مین البانیہ پر پورا قابو پا لیا تھا - دردانیال پر ساحل کے دونون جانب قلعے بھی اُسنے بنائے جس سے بحیرۂ اسود اور بحیرۂ مارمورہ مین کسی دشمن کے جنگی جہاز نہ داخل ہونے پاتے - پھر سنہ ۱۴۷۱ء مین بوسنیہ (Bosnia) کو وینس ہی سے حاصل کیا - اور بکثرت ہسپتال مدارس نیز کالج بھی بہت جگہون پر قائم کئے - مساجد بھی متعدد بنوائین - اور یہی پہلا سلطان تھا جو اپنی ہی بنوائی ہوئی مسجد مین قسطنطنیہ مین دفن ہوا - اب سے قسطنطنیہ ہی سلطنت عثمانیہ کا دار السلطنت مان لیا گیا - اور سنہ ۱۴۸۱ء مین سلطان محمد فاتح نے انتقال کیا -

اسی سلطان نے اپنے تمام قلمرو مین مذہبی آزادی بھی سب سے پہلے دی تھی -

بایزید ثانی سنہ ۱۴۸۱ء و سنہ ۱۵۱۲ء

بایزید ثانی سلطان محمد فاتح کا بڑا بیٹا تھا - باپ کی وفات پر جبکہ اوسکی عمر (۳۵) سال کی تھی تخت نشین ہوا - علاوہ مذاق شاعری کے علوم سے بھی ذوق تھا - اور اسی سبب سے علما و ماہرین فن سے صحبت رکھتا - علم دوست ہونے کے باعث بجز صلح کل رہنے کی حکمت عملی اوسنے اختیار کی تھی تھی تب ہی سنہ ۱۴۹۵ء مین روس کی پہلی سفارت قسطنطنیہ مین آئی - گو صدیون سے ترکون اور روسیون سے کسی نہ کسی جگہ جنگ ضرور ہوتی چلی آئی - مملکت ہنگری سے جھڑپین ضرور ہوئین - نیز حکومت مصریہ سے تین بڑی جنگین کرنا پڑین تاہم بالآخر صلح ہی کر لیا گیا - اب مصر کے مملوک حکمران بھی زور پکڑ رہے تھے - اسی طرح پھر حکومت وینس سے بھی کچھ قوت آزمائی ہو کر رہ گئی - یہی سبب تھا کہ بحری طاقتون سے اب مقابلہ زائد ہونے لگا - اور گو آسٹریا کے مقابلہ مین ترکون کے حملے تو پندرہوین صدی ہی سے شروع ہو گئے تھے - اور ایک صدی کے بعد تو بوڈاپیسٹ پر ترکون کا قبضہ ہی ہو گیا - نیز دیگر حصص ملک ہنگری کے ساتھ ساتھ ڈیڑھ سو (۱۵۰) سال تک آسٹریا پر بھی ترک اب قابض رہ چکے تھے - مگر حکومت وینس کی بحری فوج کو بمقام لیپانٹو (Lepanto) سنہ ۱۴۹۹ء مین شکست دیکر

اور یہی سکہ دوسرون پر جما لیا گیا تھا - لیکن اس صلح کل پالیسی سے فوج مین ایک قسم کی بددلی بڑھتی جاتی تھی - ابھی تک تو اوسکو لوٹ مار اور فتوحات کا چسکا پڑا ہوا تھا - بیکار بیٹھے بیٹھے لوگ تنگ آنے لگے - اودھر بڑے بیٹے سلیم سے بھی اسی بنا پہ ان بن رہتی - وہ بیحد منچلا اور رنگین طبیعت کا آدمی تھا اور فوج کی بیکاری کو خطرے کا باعث سمجھتا تھا - فوج کو بھی سلیم سے بیحد محبت تھی مال غنیمت کا چسکا ایسا ابھی تک ترکون کو عام طور پر پڑا ہوا تھا کہ جسکا جواب ہی نہ تہا اور چونکہ کہین بھی اپنی بہادری کے باعث نہ تو جنگ ہی سے اونہون نے موںہہ موڑا تھا اور نہ کہین سخت شکست ہی نصیب ہوئی تہی اس سے ہمتین بھی بڑہی ہوئی تہین اودھر ولیعہد بھی اونکا ہمخیال ہمدرد تہا چنانچہ جب باپ بیٹون مین کسی طرح نہ بنی تو سلیم بھاگ کر کریمیا (Crimea) مین جا ٹھہرا - اسپر جنیسریز نے قصر سلطانی ہی مین سلیم کے واسطے احتجاج کیا اور دربار سلطانی مین ایک وفد کی حاضری کی درخواست کی - سلطان نے وفد کے پیش ہونے کی اجازت دی - اور تخت پہ بیٹھکر اونکا مقصد دریافت کیا - وفد نے بڑی دلیری سے اظہار اطاعت کرکے عرض کیا کہ "اعلیحضرت اب بوڑہے ہوگئے ہین اور بیمار ہی رہتے ہین - اونکی خواہش تھی کہ شاہزادہ سلیم تخت نشین ہوتے" سلطان نے بلا عذر فوراً وفد کی درخواست منظور کرلی اور تخت سے نیچے اوتر آئے اور فرمایا کہ "مین تخت سے دستبردار ہوا - سلیم کو تخت سلطنت مبارک ہو - اور خداوند کریم کامیابی عطا فرماوے" اب فوراً سلیم نے آکر عنان حکومت اپنے ہاتھ مین لی اور خوشی خوشی اوسکو تخت نشین کیا گیا - اور باپ کو شہر کے باہر عزت سے پہونچا دیا گیا - تاریخ مین ہے کہ اسی کے تین دن بعد بایزید ثانی کی وفات سنہ ۱۵۱۲ء مین ہوگئی - دراصل اوسکو اپنے بہائی جیم (Jem Sultan) جیم کے باعث بڑی دقتین بہی رہا کرتی تھین کیونکہ یورپ کی حکمتون نے جیم کو اپنا آلہ کار بنا رکہا تھا اور سلطان سے اوسکی حفاظت اور گرفتاری کے لئے برابر نقد رقومات حاصل کیا کرتی تھین بلکہ بعض اوقات اوسکی طرفداری مین دہمکی بہی دیجاتی - نیز اسی صلح کل پالیسی کی بدولت ممالیک ان مصر نے تین قلعون پر قبضہ کرلیا تھا اور جنوبی حصہ اٹلی سے بھی ترک دست بردار ہوگئے تھے - اسی عہد مین گو سفیر روس کو پہلی مرتبہ دربار سلطانی مین حاضری کی اجازت دیگئی تھی مگر زار روس آئیوان سوم (Ivan III)

نے اپنے سفیر کو سلطان ترکی کے سامنے زانو توڑ کر جھکنے اور دیگر سفراسے پیچھے بیٹھنے کی ممانعت بھی کردی تھی جیساکہ اسوقت تک تمام سفرا کا دستور تھا۔ لیکن بایزید نے اپنی نیکی سے اس برتاؤ کو بھی منظور کر لیا اور گویا بیرونی اثرات کے بڑھنے کا موقع دیدیا۔

باپ بیٹون کے جھگڑے بھی انہین واقعات سے بڑھ گئے تھے۔ شاہزادہ سلیم کو باپ کی تمام حکمت عملی سے اختلاف تھا اور اوسکو سلطنت کی کمزوری محسوس ہونے لگی تھی۔ نیز اس سب کا باعث وہ باپ ہی کو سمجھتا تھا کیونکہ نہ فوج ہی مین کسی قسم کی کمزوری تھی نہ ملک کی عام رائے خلاف تھی۔ سیر برہان الدین نے ایک روایت اور بھی باپ بیٹون کے برتاوے اور بایزید کی انتہائی نیکی کے متعلق مجھسے بیان کی تھی جو سلطان سلیم کے حالات مین ملیگی۔ اوس سے گو سلیم کی سخت بیدردی وغیرہ ظاہر ہوگی مگر اوسکی قومی و ملکی ترقی کے خیالات کا بھی اندازہ ہوگا کیونکہ اوسوقت تک ترکون مین کسی خاص شخصیت کی وقعت کا خیال بالکل ہی نہین پیدا ہوا تھا بلکہ وہ ملک و قوم کی بہتری کو باپ اور بیٹے کے مقابلہ مین بھی عزیز جانتے تھے۔ یہ نہین کہا جاسکتا کہ وہ روایت کہانتک صحیح ہے۔ تاہم قصر سلطانی مین اوسکو صحیح مان کر ہر ایک سے نسلاً بعد نسل بیان کیا جایا کرتا تھا جس سے پیر صاحب موصوف تک بھی وہ بطور روایت ہی کے پہونچی تھی۔ اب ۱۵۱۲ء مین سلیم تخت نشین ہوچکا تھا۔

سلطان سلیم اول ۱۵۱۲ء ۱۵۲۰ء

(SeLim THe Grim)

سلطان سلیم اول نے دولت عثمانیہ کو اپنے ہشت سالہ زمانہ حکومت مین تقریباً دوگنا کردیا۔ دیار بکر اور کوردستان کو ایران سے۔ شام۔ مصر اور عرب کو مملوکی حکومت سے بذریعہ فتوحات ایکے شامل سلطنت عثمانیہ کرلیا۔ اس بادشاہ کو بھی علم سے ذوق تھا۔ شب کو بجائے عیش و نشاط کے کتب بینی کرتا۔ تخت سلطنت عثمانیہ پر اوسکو بڑا قابل اور ہوشمند سلطان بتایا جاتا ہے۔ موت بھی اوسکے نزدیک ایک کھیل تماشہ تھی۔ کسی سے کبھی اختلاف ہوا بس بیدھڑک اوسے موت کے گھاٹ سے کم نہ اوتارتا۔ چنانچہ اپنے زمانہ حکومت مین نہ صرف سات وزیر اعظمون کے سر قلم کرادیے بلکہ بکثرت جنرلان فوج و عمالان سلطنت کو مروادیا۔ اسی سے اوسکے عہد مین

رشوت - بے ایمانی - غداری - دغا بازی - یا ظلم وستم وغیرہ کہین بھی نہ سنا گیا - اوسکے پاس ایک خاص گروہ محض سفاکی کی خدمت گذاری کے واسطے متعین تھا۔ سلیم نے سب سے پہلے اندرون ملک کی کمزوری کو محسوس کیا یعنی اوسکی رعایا مین عیسائی رعایا مسلمانون سے بہت زائد تھی - اسی بنا پر وہ مغرب کی فتوحات چھوڑکر مشرق کی طرف جھک پڑا تھا - اوسکا خیال عالم اسلام کے اتحاد کی طرف بھی تھا - فتح تبریز کے بعد مصر وشام پر لشکرکشی کی - کل عرب ریاستون کو سلطنت مین شامل کیا - اور تمام سلطنت مین ترکی زبان کے رائج کرنے کا حکم بھی دیا تھا - اور اپنی کل رعایا کو جبر قبول اسلام کرانے کا اوسنے قصد کیا تو شیخ الاسلام نے اوسکی مخالفت کی کیونکہ حکومت ترکیہ کے اصولون کے یہ پالیسی بالکل ہی مغائر تھی | اوسوقت کے شاہ ایران سے اور سلیم سے کسی طرح نہ بنی کیونکہ شاہ ایران نے سلطان سلیم کے بھتیجے مراد پسر احمد کو پناہ دی تھی نیز ایران کی طرف سے سلطان سلیم پر یہ الزام بھی لگایا گیا تھا کہ اوسنے ہزارہا شیعون کو یا تو بلا وجہ قتل کرا دیا یا اپنی سلطنت سے خارج کرا دیا اسی قسم کے واقعات سے ترکون اور ایرانیون مین سخت جنگ بھی ہوگئی - بلکہ دونون طرف سے خط وکتابت ہوکر معاملہ طول پکڑ گیا - ہر دو بادشاہ اپنی اپنی افواج لیکر ایک دوسرے پر چڑھ دوڑے ترکون نے بڑی تیزی سے - کوردستان - بصرہ اور بغداد کو فتح کر لیا اور ایرانی افواج نے کسی مقام پر بھی مقابلہ نہ کیا - لیکن بمقام چلدران شاہ ایران شاہ اسمٰعیل صفوی نے بھی اپنی دو لاکھ فوج کو صف آرا کیا اور ۱۵۱۴ء مین جنگ چھڑ ہی گئی مگر شاہ خود - تبریز کی طرف فوج کے ہمراہ تھے - ترکی افواج بھی تبریز ہی کی طرف ایکسو سولہ (۱۱۶) دن کا برابر سفر اور بارہ سو (۱۲۰۰) میل کے قریب فاصلہ طے کر کے وہان ایرانی فوجون سے ہم آہنگ ہوگئی - ترکون کے پاس توپین تھین اور وہ اونکے سایہ مین پناہ گزین ہوکر آگے بڑھتے تھے - اون کی زد مین جب جب ایرانی آجاتے تو ماہی بے آب کی طرح بھن جاتے شاہ خود بھی زخمی ہوے اور گھوڑے سے گر کر نیچے آگئے - دراصل تو اب دست بدست جنگ ہو رہی تھی کہ شاہ کے گرتے ہی ایک ترک نے بڑھ کر چاہا کہ ہلاک کر ڈالے مگر وزیر سلطنت نے جو شاہ کے پاس ہی کھڑا تھا اپنے کو شاہ ظاہر کر کے اور للکار کر اپنا سر قلم کرا دیا اور اس عرصہ مین شاہ کی جان بچ گئی - شاہ اوسیوقت وہان سے دار السلطنت کو روانہ ہوگئے نیز جنگ بھی ختم ہوگئی - ترک تبریز مین داخل ہوگئے اور سلطان نے فتح کے بعد وہان داخل ہوکر

تیمور لنگ کے پوتے بدیع الزمان کو جو وہان مقید تھا۔ رہا کرایا اور شاہ اسمٰعیل صفوی کی اوس ملکہ سے جو قید مین آگئی تہی بدیع الزمان کا نکاح بھی کرادیا۔ در اصل تو وہان پر خدا کی شان نظر آگئی کہ اوس تیمور لنگ کے پوتے کے ساتھ سلیم نے یہ برتاؤ کیا جسنے ترکون کے ساتھ کوئی ظلم باقی نہ رکہا تھا۔ مگر اس ترکی و ایران کی جنگ ہی کے زمانہ مین مصریون نے ایرانیون سے میل کر کے کوردستان کی سرحد پر جبکہ ترک و ایرانی لڑ رہے تھے تو ایرانیونکی امداد کی۔ اور ترکون پر پیچھے سے حملہ کا ارادہ کیا تھا۔ چنانچہ ۱۲/ اپریل ۱۵۱۶ء کو قاہرہ مین مصری افواج بہی جمع ہوگئین تہین نیز شام و فلسطین کے لوگ بہی اون مین شامل ہوگئے تھے۔

اسوقت مصر مین سلطان قانسوہ الغوری (Kansova Algari) کی حکومت تہی۔ اور اوسکی عمر اسی سال کے اوپر تہی۔ تب ایران کے مقابلہ مین فتح پانے کے بعد سلطان سلیم نے مصر ہی کی طرف رخ کیا۔ تو سلطان قانسوہ الغوری کے پاس ایک ایرانی امیر کا سر صرف اسلئے بہیجدیا کہ اسکی فتح و موجودگی تبریز سلطان مصر پر ظاہر ہو جاوے نیز یہ بہی مطلب تھا کہ جو کوئی سلیم کی راہ مین مداخلت کرے یا اوسکا مقابلہ کریگا تو اوسکا بہی یہی حشر ہوگا۔ اس موقع کے متعلق تواریخ مین تین واقعہ بیان کئے جاتے ہین۔ ایک یہ کہ فتح تبریز کے بعد سلطان سلیم قسطنطنیہ واپس ہوگیا۔ دوسری یہ کہ چونکہ سلطان مصر کی ہمت شام و فلسطین کی افواج کے آجانے سے بڑہ گئی تہی اسلئے وہ سفید پوشاک پہنکر سونے کے تمام زرق برق سامانون سے مضبوط ہوکر مع ڈیڑھ سو (۱۵۰) اونٹون کے جنپر شاہی خزانہ و دفاتر لدے ہوئے تھے ایک مرصع جلوس بناکر جیساکہ کسی نے بہی جنگ کے واسطے خواب مین نہ دیکھا ہو سلطان سلیم سے جنگ کرنے کے لئے چلا۔ صحرائے سینا ئے سے گذر کر غازہ۔ سفید اور دمشق ہوتا ہوا نیز ہر جگہہ دعوتین کہاتا ہوا۔ خوشیان و تعطیل مناتا ہوا اور اپنے ساتھ تمام لشکر کو بہی جشن و عیش و طرب مین شریک کرتا ہوا بڑہتا چلا گیا۔ سلطان سلیم نے خبر پاتے ہی پھر ایک دوسرا سر پہلے کی طرح قانسوہ کو پاس بہیجا۔ جسکے جواب مین قانسوہ نے صلح کی سفارت اس مقصد سے بہیجی کہ ایران کے فتوحات سے ترک دست بردار ہو جاوین اور تبریز وغیرہ سے بہی ہٹ جائین۔ مگر سلیم نے جواب مین یہ لکھکر کہ ابتو ترکی فوج نیز مصری افواج دونون میدان جنگ مین آگئی ہین صلح سے

انکار کر دیا - اور خود البیپو تک پہونچگیا - ۲۴ر اگست ۱۵۱۶ء کو جنگ شروع ہو گئی - اور
ایک دن وایک رات مین مشرق قریب کی قسمت کا فیصلہ ہو گیا - ترک جیتے اور مصری ہارے
قانسوہ پر فالج گرا اور وہ اسی درمیان مین مرگیا - مگر قاہرہ مین خبر پہونچتے ہی فوراً وزرا نے
طومان بای کو سلطان مصر بنا لیا - جس سے ۲۱ر دسمبر ۱۵۱۶ء کو پھر ترکون اور ممیلوکون مین جنگ
چھڑ گئی - ابکی بار ترکون نے انکا بالکل ہی خاتمہ کر دیا اور سلطان سلیم مصر مین داخل ہو گیا -
ابتو مشرق قریب مین بھی ترکون کا پھریرا ہر مقام پر لہرانے لگا - اس جنگ مین پہلی بار شام مین
ترکون ہی نے توپون کا استعمال کیا - دراصل ان فتوحات نے پندرھوین صدی کی ترکونکی
فتوحات کو بھی مات کر دیا تھا کیونکہ ممیلو کی حکومت نے جو مشرقی حصہ دنیا پر قابض تھی اور
جس نے بایزید ثانی کو ۱۴۹۳ء مین شکست دے کر مشرق کی طرف اوسے بڑھنے ہی سے
روک دیا تھا - اب وہ بھی ترکون کے ہاتھ ختم ہو گئی - تیسری روایت یہ ہے کہ تبریز سے
سلطان سلیم حلب کو واپس ہوا - اور جون ۱۵۱۶ء کو قونیہ مین داخل ہو کر شام مین پھر ایک
خاندان کے امیرون سے جنگ کرتا ہوا جو مسلم ملوک تھے - شام کو فتح کر کے اور چند دن
البیپو مین قیام کر کے دمشق کو فتح کرتا ہوا مصر کے حملہ کے لئے تیار ہو گیا - غازہ کے مقام پر
جنگ ہوئی - ۳۱ر دسمبر ۱۵۱۶ء کو سلیم قاہرہ سے چند میل فاصلہ پر پہونچ گیا - یہان ریدانیہ
(Rendania) کے مقام پر مصریون سے جنگ ہوئی - ترک فتحیاب ہوئے
اور مصر بھی چند دنون کے قبضہ مین آگیا - قاہرہ پہونچکر سلطان سلیم اور المتوکل علی اللہ عباسی
آخری خلیفہ اسلام سے ملاقات ہوئی - گو متوکل کی بادشاہت نہ تھی مگر خلافت اسلامی
اوسیکے ہاتھ مین تھی - چنانچہ وقت ملاقات المتوکل نے سلطان سے کہا کہ خلافت بھی اب
سلطان ہی کے لئے سزاوار ہے اور یہ کہکر ۱۵۱۷ء مین سلطان سلیم کے ہاتھ پر بیعت خلافت
خود ہی کرلی - گو یہ حق صرف قریش ہی کو اوسوقت تک حاصل تھا مگر چونکہ بظاہر اثر خلافت کا
کچھ بھی باقی نہ رہا تھا اسلئے خلیفہ المتوکل نے بیعت بھی درست سمجھی - ایسا یہ کہ سلیم نے جبر خلافت چھین لی
یا المتوکل نے بخوشی بدی اسکا فیصلہ کرنا ویسا ہی مشکل ہے جیسے خلافت کبریٰ کا بہرحال یہ فقرہ [illegible] یہان
کیا جاتا ہے المتوکل نے سلیم کے ہاتھ پر بیعت کرلی اور امانت [illegible] سلطان سلیم کے سپرد کر دیا جیسے [illegible]

خبر امیر مکہ کو پہونچی اوسنے بھی حرمین شریفین کی کنجیان سلیم کے پاس بھیدین اور سلطان کی خلافت کو تسلیم کر لیا سلطان نے پھر کنجیان واپس کین اور طبل و علم کے ساتھ خلعت امارت بھی امیر مکہ کو بھیجا - اب حجاز بھی بہ صلح دولت عثمانیہ کے زیر سیادت آگیا اور ترکی سلاطین ہمیشہ حرمین کی خدمت اپنی سعادت سمجھتے رہے - خلافت کے حصول کے متعلق یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جب سلطان سلیم حلب مین تھا تو شریف مکہ نے اپنے بیٹے کے ہاتھ کنجیان کعبہ مکرمہ کی بھیجدین - اور مسجد مین پہلی بار "صاحب الحرمین الشریفین" کے الفاظ کہے گئے اوسپر سلطان سلیم نے "خادم الحرمین" ہونا کہا - اوسیوقت سے سلاطین ترکی کے القاب کا جزو اہم "خادم الحرمین الشریفین" ہو گیا - خود سلیم نے اپنے اوس فتحنامہ مین جو اوسنے وینس (venice) وایران مین سنہ ۱۵۱۷ء مین بھیجا تھا کوئی بھی ذکر حصول خلافت کے بابتہ نہین کیا ہے - اور اگر خلافت حاصل کرنے کا واقعہ ہوا ہوتا تو سلطان سلیم ضرور اپنے کو اوس فتحنامہ مین خلیفۃ المسلمین لکھتا - نیز سلطان سلیم نے علمائے مصر کو جمع کرکے دریافت کیا کہ کیا مسلمان بادشاہ کے لئے یہ ضروری ہے کہ خلیفۂ وقت اوسکو اختیار و اجازت بادشاہت دے - جسپر علمانے جواب دیا کہ یہ ضروری نہین ہے - اسپر سلطان خلیفہ سے ملنے بھی نہین گیا ؛

کہا جاتا ہے کہ اسیوقت سلطان نے عربی کو سلطنت کی زبان کرنا چاہا مگر شیخ الاسلام نے اوسکا فتوی نہین دیا - تبریز مین جسوقت ترک داخل ہوئے تو وہ تخت ایران جسکی قیمت اوسوقت تقریباً بیس (۲۰) ملین ترکی پونڈ تشخیص کیگئی تھی اور جسمین بجز سونے وغیرہ کے جواہرات کے کچھ نہ تھا ترکون کے ہاتھ آیا اور وہ قسطنطنیہ پہونچا دیا گیا - اور جو ابتک وہان محفوظ ہے - اس جنگ مین سلیم کا ایکسو چالیس (۱۴۰) ہزار فوج مع اسی (۸۰) ہزار گھوڑون اور تین سو (۳۰۰) توپون کے اتنا بڑا سفر کرکے جنگ مین فتحیاب ہونا اوسوقت کے اعتبار سے ایک بڑا کارنامہ تاریخ مین اوسکی جوانمردی - ہمت - اور شجاعت وغیرہ کا کہا جاتا ہے - اسی جنگ مین دونون طرف سے مسلمانون کی خون کی ندیان بہ گئین اور چالیس ہزار ایرانی قتل ہوئے - نیز یورپ و ایشیا کی فوجی تیاریون اور آلات حرب نیز ترتیب فوجی وغیرہ کا بہت بڑا فرق دنیا کو معلوم ہوگیا کیونکہ ترک افواج کی ترتیب وغیرہ سب یورپ کے اصولون پر اب بھی مگر ایران کے حالات ابھی تک بالکل قدیم زمانہ کے طور پر تھے - سپر سید برہان الدین کو دے جدید آباد

ﷺ صفحہ ۲۵۰ - لکچرز [illegible] انگریزی - جامعہ ملیہ دہلی —

کے مقام پر راقم الحروف سے جنگ کی دایران کے متعلق جو روایت بیان کی تھی وہ بھی دلچسپ ہے
اس سے ذیل مین اوسکا درج کرنا بھی غالباً بے موقع نہ ہوگا۔ وہ یہ ہے "ایک روز سلطان سلیم کو
اطلاع ملی کہ طریقت بکتاشیعہ کا رواج ملک مین بڑھ رہا ہے۔ سلطان کو تعجب ہوا کہ یہ کیا شئے ہے
اور اوسکے اصول کیا تھے۔ چنانچہ تحقیقات کا حکم ہوا۔ دریافت سے معلوم ہوا کہ کوئی صاحب حاجی
بکتاش صوبہ البانیہ مین ولی اللہ مانے جاتے تھے۔ اور اونکے انتقال کے بعد اونکے مریدون نے
ایک خاص مذہب جاری کر رکھا تھا اور جو اپنے عقیدون کو بجز اپنے پیر کے سلسلہ مریدین یا پیر
بھائیون کے کسی پر ظاہر نہ کرتے تھے۔ اور ہر عقیدت کو راز رکھتے۔ لیکن عام طور پر ہر قسم کی بدکاری
شراب خواری۔ جوا۔ جھوٹ۔ فریب۔ قتل و غارت وغیرہ مین بلا خوف و خطر مبتلا پائے جاتے۔ کسی
عیب و بدچلنی کو اونکے یہان عقیدتاً برا نہ مانا جاتا۔ اور مشہور یہ تھا کہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو
اللہ جل شانہ کی ذات پاک کا ایک جزو مانتے یا اوسکا اوتار سمجھتے۔ نماز روزہ وغیرہ کو بیکار
ظاہر کرتے تھے کیونکہ جناب امیر رضی اللہ عنہ نے تمام امت محمدی کے عوض گویا عبادت کرلی تھی۔
سلطان سلیم نے اونکے مشائخ کو طلب کرکے اونکے راز کو دریافت کرنا چاہا۔ سب نے باادب
عرض کیا کہ اس سے اونھین معافی دیجاوے کیونکہ اونھین اپنے مذہبی اصولون اور رازون کے
بیان کرنے کی اجازت نہ تھی۔ جب سلطان کو اونکی سخت ترین بداخلاقیون کا حال پورا پورا بلاکسی
استثنا کے معلوم ہوا تو اوس نے صدر اعظم کو طلب کرکے حکم دیا کہ پھر مکمل تحقیقات کرکے اوسکو مطلع
کیا جاوے۔ صدر اعظم نے حسب الحکم ہر طرح کی تحقیقات کی مگر یہی پایا گیا کہ وہ لوگ کسی سے
اپنا مذہبی راز نہین ظاہر کرتے مگر عجیب برے لوگ اوس گروہ مین عام طور پر پائے جاتے ہین سلطان نے
صدر اعظم کو بہت لعنت ملامت کی بلکہ وزیر کے ہاتھ کو اوسکے مونھ پر اولٹ کر مار دیا اور کہا کہ اتنی
بڑی سلطنت کا وزیر اعظم ہوکر اوسکو اتنے بڑے معاملہ کی اسوقت تک نہ اطلاع ہی ہوئی اور نہ
تحقیقات سے کچھ پتہ چلا۔ اب سلطان کے غصہ و غضب کی کوئی حد نہ رہی۔ اور وزیر اعظم کو دربار
شاہی کی حاضری کی بھی اوسوقت تک ممانعت رہی جبتک کہ راز کو دریافت نہ کرے۔ نیز
صرف تین یوم کی مہلت دریافت راز کے واسطے دیگئی۔ اور یہ بھی اعلان کردیا کہ اگر تین یوم کے
اندر راز کا انکشاف صحیح طور پر نہ ہوسکا تو وزیر کا سر قلم ہوگا اور بکتاشی طریقت کے لوگون کو بھی

پوری سزا دیجائیگی لہذا اب وزیر خود بکتاشی درگاہ پر حاضر ہوا - اور دریافت راز کے لئے اوسنے بکتاشی طریقت لیلی - اور وہان بیعت بھی کرلی - جب تین یوم کے بعد دربار سلطانی مین طلب ہوا تو عرض کیا کہ وہ بھی انکشاف راز نہ کرنے پر مجبور تھا - ابتو سلطان سلیم کے غیض وغضب کی کوئی حد ہی نہ رہی - تاہم پھر بھی اوسنے وزیر کو نصیحت کی - اوسپر وزیر نے عرض کیا کہ وہ ایک کاغذ پر راز کو لکھد یگا اور اوسے کہالیگا - اور اوسکے قتل کے بعد کاغذ کو پیٹ سے نکلوا کر پڑھ لیا جاوے - راز کھل جائے گا - چنانچہ وزیر نے ایسا ہی کیا - اور جب اوسکا سر قلم ہوکر اوسکے پیٹ سے کاغذ نکالا گیا تو اوسمین صرف یہ لکھا ہوا ملا - کہ "مین نے سر دیا مگر سر نہ دیا" سلطان کو اب بیحد غصہ آگیا اور اپنی مایوسی مین اوسنے عام حکم جاری کردیا کہ جتنے بھی بکتاشی عقیدت کے لوگ جہان بھی حدود سلطنت عثمانیہ مین ہون سب تین یوم کے اندر باہر چلے جاوین ورنہ قتل ہون - الغرض جسقدر بکتاشیعہ فرقہ کے لوگ بہاگ سکے بھاگ نکلے - باقی جہان بھی ملے قتل کئے گئے - لیکن بکثرت اونمین سے سلطنت ایران ہی مین جاکر پناہ گزین ہوئے اور وہان جاکر اپنے کو شیعہ ظاہر کیا -

شاہ اسمٰعیل صفوی شاہ ایران کو اصلی حالات کی اطلاع نہین کیگئی بلکہ سلطان ٹرکی کے شیعہ فرقہ پر مظالم کی داستان سنا کر اور دہوکہ دیکر ہمدرد بنا لیا گیا - اوسوقت شاہ کی ہمت اور شجاعت بھی بڑھی ہوئی تھی کیونکہ تیمورلنگ کے نواسے بدیع الزمان کو جو خراسان کا بادشاہ تھا شاہ نے شکست دیکر تبریز مین مقید کر رکہا تھا نیز گرجستان بصرہ وبغداد کو بھی فتح کر لیا تھا جس سے اور بھی شاہ کا جوش فتوحات بڑھا ہوا تھا - اوسی جوش مین شاہ نے سلطان کو یون لکھا "آپکے یہان شیعون پر سخت ظلم ہونا بیان کیا جاتا ہے اگر یہ امر واقعہ ہے تو جنگ کے سوا کوئی چارہ نہین ہے" سلطان نے اوسکے جواب مین لکھا کہ "بکتاشی عقیدت کے لوگ شیعہ نہین ہین ورنہ اظہار عقیدت مین کیون عذر کرتے اور اوسے راز کیون رکھتے - میرے یہان شیعہ وسنی کی کوئی بھی تفریق نہین ہے - شاہ کو دہوکا دیا گیا ہے - اگر وہ لوگ اپنے عقائد کا اظہار کردیتے تو اخراج کا حکم ہرگز نہ دیا جاتا - شاہ کو صحیح واقعات کی اطلاع نہین ہے نہ اونکے افعال واعمال قبیحہ کی" - اسپر شاہ ایران نے جواب مین پھر لکھا کہ "اونہون نے تحقیق کرلی ہے - وہ لوگ شیعہ ہین اور حکومت ترکیہ نے اونپر سخت ظلم کیا ہے - اب بکتا شیعون کو واپسی کی اجازت دیجا دے اور مناسب ہے کہ فرمان

سلطانی اسواسطے جاری ہوئے" اسکے جواب مین سلطان نے ایک سونے کا عصا - ایک جبہ - ایک عمامہ - ایک مسواک اور ایک زرد رنگ کے چمڑے کا موزہ اپنے خط کے ہمراہ شاہ کو بھیجا اور خط مین یہ تحریر کیا کہ "مین نوین پشت آل عثمان سے ہون - مجھے اجازت دیجیے کہ آپ کو نصیحت کردن - آپ کے والد ماجد بھی ایک پیر تھے اور شیخ وقت - آپ بھی سلسلہ مشائخ سے ہین - آپ کو چاہیے کہ کسی خانقاہ مین بیٹھیے - آپ بادشاہی نہین جانتے" اس تحریر کو پڑھکر شاہ کو بیحد غصہ آیا اور جواب مین سلطان کو ایک سونے کی ڈبیہ جسمین افیون اور ناس رکھی تھی بھیجی اور لکھا کہ "آپکے تحائف و تحریرات سے اسکا پتہ چلتا ہے کہ صرف ایک افیونی ہی ایسی تحریرات وغیرہ بھیج سکتا ہے اور وہ دن قریب ہے کہ آپکے بجائے ہماری سلطنت ہوگی"۔ اس جواب کے پہونچتے ہی سلطان نے فوج کی تیاری کا حکم دیدیا اور خود بھی فوج کے ہمراہ روانہ ہوگیا - کوردستان - بصرہ و بغداد کو فتح کرتا ہوا آگے بڑھتا چلا - ایرانی افواج برابر پیچھے ہٹتی گئین - تب سلطان نے ایک رقعہ شاہ کے پاس بھیجا اور کہلا یا کہ "تم عورت ہو تب ہی تو مقابلہ نہین کرتے"۔ اسپر شاہ اپنی دو لاکھ فوج کے ساتھ بمقام چلدران مقابلہ کے واسطے صف آرا ہوگئے - اور جنگ ہوکر ایرانیون کو شکست ہوئی -

اس حکایت کے ساتھ ہی پیر صاحب موصوف نے سلطان بایزید اور سلیم کے تعلقات کا بھی ذکر یون کیا تھا "سلطان بایزید ثانی کے عہد مین یاووز خان سلیم اوسکا بڑا بیٹا - بوسنا کا گورنر تھا اور چونکہ بایزید بیحد حلیم الطبع اور نیک آدمی تھا وزرا و فوج پوری طرح اطاعت نہ کرتے - شاہزادہ سلیم نے کئی بار اپنے باپ کو اصلی حالت سے مطلع کیا مگر کچھ شنوائی نہ ہوئی تب وہ یکبارگی استنبول پہونچگیا - اور باپ سے پوچھا کہ اگر چوپان گلہ کی حفاظت ٹھیک طور پر نہ کرسکے تو اوسکی کیا سزا ہے - باپ نے جواب دیا کہ اوسے علیحدہ کردینا چاہیے - چنانچہ اسی مضمون کا ایک فرمان بھی جاری کرالیا - اور اوسے اپنی جیب مین رکھکر ایک پیالہ مین ایسا شربت جسمین زہر ملا ہوا تھا باپ کے پاس بھیجا - سلطان بایزید نے پیالہ نوکر کے ہاتھ سے لیکر بلا عذر پی لیا کیونکہ اوسوقت اتفاق سے سلطان کو شربت کی خواہش بھی تھی - اور وہ اوسے محض شربت ہی سمجھا - جب نہر سے تکلیف شروع ہوئی تو دریافت کیا - سلیم نے صاف بتلا دیا کہ شربت مین زہر تھا اور یہ بھی کہا کہ آپکی سزا یہی تھی - آپنے ہاتھہ اوٹھا کر بد دعا کی کہ سلیم کا زمانہ سلطنت کم ہو اور مرتے وقت

وہ خود اپنا دل وجگر دیکھے“۔

چنانچہ مرنے سے قبل سلطان سلیم کے پھوڑے نکلے اور پشت پر شیر پنجہ کا مرض ہوگیا۔ دس ماہ تک کسی سے بھی ذکر او سنے نہ کیا۔ بلکہ کیڑے کے کاٹنے کا بہانہ کرتا رہا۔ بالآخر آئینے منگوا کر اور بالمقابل رکھوا کر دیکھا تو اپنا دل وجگر صاف نظر آگیا۔ کھال اور گوشت بالکل ہی گل گئے تھے۔ باپ کی بددعا یاد آگئی۔ زخم کے دیکھنے کے دو گھنٹہ بعد ۱۵۲۰ء میں جان بحق تسلیم ہوا۔ اور باپ کی بددعا بے اثر نہ رہی۔

پیر صاحب موصوف کے بیان فرقہ بکتاشیہ کے بابت کچھ معلومات ۳۱ اگست ۱۹۳۶ء کے اخبار ”ہندوستان ٹائمس دہلی کے نامہ نگار خصوصی نے بھی کچھ شائع کیا ہے جسکا خلاصہ درج ذیل ہے ”البانیہ کے جدید دار السلطنت تیرانہ (Tirana) سے گذر کر اونکا موٹر ایک کچی سڑک پر چلا۔ اور ایک چشمہ کو پار کر کے نہایت سرسبز وشاداب پہاڑیوں کے نیچے پہونچا۔ تب اون کے البانی سفر کے عیسائی ساتھی نے بکتاشیوں کے بابت یہ کہنا شروع کیا کہ ”جسطرح عیسائیوں میں پروٹسٹنٹ فرقہ ہے اوسی طرح مسلمانوں میں نہایت آزاد خیال فرقہ بکتاشیہ ہے۔ البانیہ میں اس فرقہ کو آئندہ بڑی کامیابی کی توقع ہے۔ اور ممکن ہے کہ کل قوم کا یہی مذہب ہو جاوے جو بکتاشیوں کا ہے۔ اونکا مذہب ایک راز ہے دو ایک عیسائی مشنری بھی صرف راز کے دریافت کرنے کے لئے بکتاشی ہوئے مگر جب خفیہ عبادت خانہ کے کمرے سے باہر آئے تو پھر عیسائی نہیں ہوئے“۔ جب ایک شاداب گھاٹی میں نامہ نگار وغیرہ پہونچے تو ایک نہایت ہی خاموشی کے عالم کا سماں نظر آیا اور کچھ درویش نظر پڑے۔ اونکا ہمسفر اور ترجمان بھی تب ایک درویش سب کو ایک مکان میں جو آراستہ و پیراستہ تھا لیگیا۔ یہ لوگ جیٹھ گئے کہ تھوڑی دیر بعد سب کا بڑا بابا آیا۔ وہ لمبا سفید کرتا اور اوسپر ایک سیاہ عبا مع سفید فرتوپی کے پہنے ہوئے تھا اون سے آکر عربوں اور مصریوں کی طرح ملا۔ یعنی سینہ پر اپنا داہنا ہاتھ رکھ لیا۔ سب کا کل درویش سفید فرہی سر پہ پہنتے ہیں اور اوسکے گرد سبز پٹکا سا بندھا ہوتا ہے۔ ان لوگوں سے ہاتھ ملا کر بابا صاحب نے جسکا نام کر صالح نیازی دیدے تھا اپنا کارڈ دیا۔ اور کہا کہ ”وہ دنیا کے بکتاشیوں کے اعلیٰ پیر تھے جو تمام دنیا میں پھیلے ہوئے تھے

ادنکی تعداد ٹرکی - ایران - ہنگری - چین - یوگوسلاویہ - زیگوسلوویکیا وغیرہ سب جگہ
ملاکر تقریباً سات ملین تھی - ہماری عبادت گاہین یا ٹیکیس (tekkes) سب جگہ ہین
ہم ٹرکی مین بہت زبردست تھے جہان مین ہی تھا - اور ہماری وہان بڑی جائداد تھی مگر اب
سب گئی - ہم غلط تجویز کے شکار ہوئے - یہین اونکے مدرسہ و مذہبی تعلیم گاہین تھین -
اور یہ لوگ بڑے مہمان نواز ہین - بابا نے پھر مختلف کمرے اور بھی دکھلائے اور اوس کمرے
مین بھی لیگئے جہان خاص اس مذہب کا راز بتلایا جاتا ہے - اور کہا کہ حضرت علیؓ جو پیغمبر صاحب کے
چچیرے بھائی اور فاطمہؓ کے شوہر تھے وہ ہمارے پیر تھے - حاجی بکتاشؒ ہمارے بانی
مذہب حضرت علیؓ کی نسل کے ساتوین امام موسیٰ کاظمؓ کی اولاد مین ہین - ہم سب مسلمانون کے ساتھ
نماز پڑھ سکتے ہین - مگر دیگر مسلمانون سے ایک بات ہم مین زائد ہے وہ یہ کہ ہمارا ہی مذہب سچا
حضرت علیؓ باطنی ([illegible]) تھے اور حاجی بکتاشؒ بھی - ہم قرآن پاک کو مانتے ہین
مگر اوسکے اصلی معنون کو نہ کہ ظاہری - ہم باطنی مفسر اسلام ہین - اور اسی سے آزاد خیال -
ظاہر اعمال کو ہم ضروری نہین سمجھتے - بلکہ حقیقت کے راز کو جانتے ہین جو حضرت علیؓ جانتے تھے
اور اونہین نے اوسے تعلیم بھی دیا ہے - حضرات امام حسنؓ و حسینؓ کے ذریعہ سے - کمرون مین
پنجتن پاک کے نام لکھے ہوئے فریمون مین لگے تھے مگر جہان محمدؐ کا اسم پاک بھی تھا تو وہ بھی
علیؓ سے زائد نمایان نہ تھا - اور ہمہ اوست بھی ایک جگہ آویزان تھا یعنی ہمہ از اوست -
۱۵۱۸ء مین بعد فتوحات مصر وغیرہ سلطان سلیم نے بڑی زبردست بحری فوج تیار کر لی تھی -
کارسیئر خیر الدین باربروسا نے بھی اپنے خوف سے اپنی حفاظت کے لئے الجیریا کو سلطان کے
حوالہ از خود کر دیا تھا - مصر و شام کی فتح کے زمانہ مین سلطان سلیم دمشق بھی گیا تھا - اور
سید محمد یٰسین آفندی الجیلانی کے مکان پر فروکش ہوا اور وہان ایک قصیدہ بھی
لکھا جسکا ایک شعر یہ ہے -

حَمَاةُ الْبَلَدَةِ مَا مِثْلُهَا بَلْدَة ۔ كَأَنَّهَا جَنَّةٌ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَار

٭ درویش مرد ہو یا عورت شادی نہین کرتے - اور البانیہ مین ۱۰ لاکھ بکتاشی ہین اور چالیس ٹیکیس
(TeKKa) ترکی مین اندر اندر زمین ہماری مسجد نما ٹیکس ہین -

عربی مین شاعری کا ذوق سلطان کو بیحد تھا اور خود علوم دینی کا خاص طرح ماہر تھا - ایک دن وزرا کو جمع کرکے ملک کی زبان عربی کر دینے کا خیال بھی اوس نے ظاہر کیا تھا مگر پھر موقع نہ ملا -

سلطان سلیمان ذی شان (THE MAGNIFICIENT) سنہ ۱۵۲۰ء؛ سنہ ۱۵۶۶ء

سلطان سلیمان ذی شان اپنے باپ سلطان سلیم کی وفات پر تخت نشین ہوا - دراصل اس سلطان کے عہد حکومت مین آل عثمان یا ترکون کی سلطنت کا ستارہ اقبال کامل عروج پر پہونچگیا - اوسکے فتوحات کی فہرست ہی سے اوسکی ہر طرح کی قابلیت فراست حسن انتظام - عدل و انصاف - بہادری و شجاعت بلکہ رواداری اور ہوشمندی وغیرہ کا پتہ بخوبی چل سکتا ہے - اوس نے تیرہ میدان خود ہی سر کئے - کبھی ہنگری و آسٹریا سے جنگ مین ہنسا رہا اور کبھی اسپین و ایران سے مگر جب سنہ ۱۵۲۱ء مین بلغراد فتح کیا تو دریائے ڈینیوب پر ایک بہت بڑا قلعہ تعمیر کرایا اور وہین سے ہنگری کے حملون کا دروازہ ترکون کے واسطے کھول دیا - فہرست فتوحات یہ ہے - ہنگری - بلغراد - رہوڈس - کریمیا - موصل - بغداد - بصرہ - یمن - عدن - الجیریہ - اودن - طرابلس نیز جزو آرمینیا و جزو افریقہ سنہ ۱۵۲۰ء مین برطانیہ کا سب سے پہلا کانسل بمقام کریٹ مقرر ہونے کی منظوری اسی سلطان نے عطا کی اور سنہ ۱۵۲۳ء مین ترکون نے رہوڈس فتح کیا - اور وہین سے بم کے گولون کا استعمال ترکون نے بھی شروع کیا - پھر سنہ ۱۵۲۶ء مین ہنگری پر سلطان نے حملہ کیا اور ۱۰ ستمبر کو بودا پہونچگیا - اور موہیکس (Mohacs) کے مقام پر بڑی فتح حاصل کی بوداہی مین کونٹ زیپولیا (Zepolya) کو اپنی طرف سے تاج پوشی کی اور خود واپس ہوگیا - مگر شاہ فرڈیننڈ (Ferdinand) نے کونٹ سے جنگ کرکے اوسے شکست دی اور پھر خود بادشاہ بن بیٹھا - ادسیر کونٹ نے سلطان سے پھر مدد مانگی اور سنہ ۱۵۲۹ء مین سلطان سلیمان نے دوسری مرتبہ ہنگری پر حملہ کرکے فتح پائی اور کونٹ ہی کو پھر تخت

نشین کیا۔ نیز وئینا (Vienna) کا محاصرہ بھی کیا مگر بارش کے باعث ترک اپنی
بھاری توپون کو وہان نہ پہونچا سکے۔ اس سے محاصرہ اوٹھا لیا گیا۔ سنہ ۱۵۳۳ء مین قاضہ
(Kaffa) کا صوبہ ترکون کے ہاتھ آگیا۔ سنہ ۱۵۳۴ء مین فرانسیسی سفیر کو بھی دربار سلطانی
کی حاضری کی اجازت دیگئی کیونکہ سلاطین ترکی کو فرانس کی قدیم دوستی و مواضعات پر پورا
اعتماد تھا مگر شاہ فرانسس اول (Francis I) ہی نے اونکی توقعات کے خلاف تقسیم ترکی کا
یورپ مین سنگ بنیاد رکھا۔ حالانکہ سلیمان ذی شان نے آسٹریا کے مقابلہ مین اوسکی پوری
مدد کی تھی جبکہ نائس (Nice) کے حملے مین ترکی اور فرانسیسی بحری افواج نے ایک دوسرے کا
ساتھ دیا تھا۔ نیز سنہ ۱۵۳۵ء سے اپنے عام سواحل پر فرانسیسی تجار کو تجارت کی عام اجازت
بھی دیدی تھی۔ مگر آئندہ زمانہ مین جب ترکون کو شکست ہونے لگی تو فاتح اقوام نے
سلطان محمد فاتح اور سلیمان ذی شان کے دئے ہوئے حقوق ہی مین اضافہ کرا لیا اور تجارتی
رعایات کے بہ حیلہ وجبر حاصل کرنے مین کوئی کوشش خود فرانسیسیون نے نہ اوٹھا رکھی
بلکہ دوسرون کی بھی امداد کی۔ سنہ ۱۹۳۶ء مین پہلا معاہدہ شاہ فرانسس اول شاہ فرانس سے
اور ترکون سے تجارتی وغیرہ حقوق دینے کے بابت ہو گیا تھا اور پھر تو برابر ایسے معاہدات
دوسری سلطنتون سے بھی شروع ہو گئے۔ ترکی بیڑہ جہازات اب ہر طرح اسپین و اٹلی
وغیرہ سے زبردست تھا۔ اور اوسی کی امداد سے وینس کے قبضہ کے بعد بحیرہ ایجین کے
تمام جزائر و طرابلس وغیرہ شامل سلطنت ترکیہ کئے گئے تھے۔ خیر الدین باربروسا جو بحر
میڈیٹرینین مین ایک ڈاکو کی حیثیت رکھتا تھا اور لوٹ مار بھی سمندر مین کرتا رہتا تھا۔ اوسکو
سلطان سلیمان نے اپنا امیر البحر مقرر کیا۔ اب سلطان نے براہ تبریز موصل و بغداد کو بھی
پھر فتح کیا۔ سنہ ۱۵۳۸ء مین اینڈریا ڈوریہ (Andrea Doria) کے زیر کمان متحدہ
وینس و دیگر یورپ کی حکومتون کے بیڑہ جہازات نے خیر الدین سے بحری جنگ کا ٹکراؤ کیا اونکی
شکست ہوئی اور ترکون نے عدن تک فتح کر لیا جس سے بحر احمر (Red Sea)
کے بھی اب وہ مالک ہو گئے۔ پھر سنہ ۱۵۵۵ء مین آرمینیا و جارجیا کو فتح کر کے شامل سلطنت
کر لیا۔ سنہ ۱۵۶۶ء مین جبکہ محاصرہ سزگیتھ (Szigeth) مین سلطان سلیمان مصروف تھا

توخیمہ ہی مین اوسپر فالج گرا اور بہتر (۴۲) سال کی عمر مین اوس نے وفات پائی - یہ اوسکا تیرھوان اور آخری حملہ تھا - اوسکی فوجی قابلیت بالخصوص دور دراز کے حملون - فوجون کی نقل و حرکت اونکی رسد کا انتظام اور یہ سب کفائت اخراجات کے ساتھ اوسکا حصہ تھا اور اسکی بڑی تعریف تواریخ مین مذکور ہے - ملازمین اور فوجی جنرلون وغیرہ کے انتخاب کا بھی خاص ملکہ تھا - وہ نہ صرف ایک مضبوط رائے و ارادے کا آدمی تھا بلکہ اپنی تمام سیاسی وغیرہ حکمت عملیون مین ہمدردی و انصاف سے کام لیتا تھا - رعایا پروری و عدل گستری مین تو اوسکا ثانی ہی نہین کہا جاتا - اپنے داماد فراد پادشاہی کو صوبہ کی گورنری سے اونکے حرکات کے باعث فوراً موقوف کردینے مین دریغ نہین کیا - گو محلات کی سفارش وغیرہ سے اوسکی خطا کو ایک بار معاف بھی کردیا تھا لیکن دوسری بار باوجود فہمائشات جب وہ راہ راست پر نہ آیا تو اوسکے ظلم و بدچلنی کے باعث اوسکو قتل ہی کرادیا - اوسکے وقت مین خزانہ شاہی بھی پُر تھا - ٹیکس بھی تقریباً ہر حصہ ملک مین موقوف کردیا تھا - فوج وسول کی تنخواہین بھی کبھی نہ چڑھتین بلکہ وقت سے بیباق ہوجاتین - سخاوت و رفاہ عام کے کامون مین ہی اپنے ہم عصرون یا اپنے بزرگون سے پیچھے نہ رہا - اوسکے معاصرین یورپ ہی نے اوسے ذیشان کا خطاب دیا تھا اور تمام تحریرات مین سلطان کو اوسی طرح مخاطب کیا جاتا تھا اسی سلطان نے قوانین فوجداری و آراضی و تجارت بھی مدون کراکے ملک مین نافذ کئے تھے - بلکہ ترکی رعایا کو ہر طرح کا امن و امان حاصل دیکھکر ہنگری وغیرہ سے کاشتکار و ہر قسم کے لوگ سلطانی رعایا بننے کے لئے جوق جوق آنے لگے تھے - اور بیس (۴۵) طرح کی متعدد اقوام رعایائی دولت عثمانیہ اسوقت شمار کیگئی تھین جو سب مطمئن و خوشحال - مامون و محفوظ ہی تھین - کسی پر ظلم و جبر نہ ہوسکتا - سبکی دادرسی کو ایسے دروازہ انصاف کھلا تھا - اسکا بہت بڑا ثبوت یہ ہے کہ باوجود دور دراز سفرون و جنگون کے اور خود سلطان کے ملک سے باہر اکثر قیام کرنیکے کسی جگہ بھی اوسکے عہد سلطنت مین بلوہ - بدامنی یا کشت و خون نہ ہوا - یورپ کے مورخین اوسکے امن انصاف پر دو تین دھبے ضرور بیان کرتے ہین - اور جنکو حرم شاہی کے اثرات کا نتیجہ کہا جاتا ہے - مگر یہ خیال اوسکی تمام عمر کی چھیالیس (۴۶) سالہ حکومت کے طرز و انداز نیز مزاج و فراست کے واقعات کے خلاف سمجھا گیا ہے - مثلاً اپنی روسی ملکہ سلطانہ عزّم ([illegible]) یا خرم سلطانہ جنکا اصلی نام راکسیلانہ (Ranikama)

تھا۔ اوسکے اثر سے اپنے ہی دو بیٹون کو محض سلیم کو بادشاہت دلانے کے واسطے قتل کرا دیا۔ یا اپنے تیرہ (۱۳) سالہ محبوب رفیق ابراہیم وزیر اعظم کے خون کا الزام اپنے سر لیا۔ تاہم مورخین اسپر متفق ہین کہ سلیمان ذی شان ہر طرح قابل ستائش و بہت ہی بڑا بادشاہ دنیا مین ہوا ہے۔ اور اوسکے بعد سے ترکی سلطنت کا ستارہ اقبال گرتا ہی گیا۔ اوسکا ولیعہد شاہزادہ مصطفےٰ تھا مگر مورخین کہتے ہین کہ وہ خورم سلطانہ کی سازش سے قتل کیا گیا۔ اور اوسی سلطانہ نے شاہزادون کو محل مین رکھنے اور تعلیم دینے کا طریقہ بھی جاری کرا دیا تھا جہان وہ مقید رہتے۔ حالانکہ فتح قسطنطنیہ سے قبل ترکی شاہزادے قسطنطنیہ ہی کو تعلیم کے واسطے بھیجے جاتے تھے اور یونانی و لاطینی دونون زبانین سیکھتے بلکہ ہر طرح پر تعلیم و تربیت سے آراستہ کرائے جاتے۔ بعض کا تو یہ خیال ہے کہ خرم سلطانہ نے باارادہ محل سلطانی مین داخل ہوکر روسیت کا پورا ثبوت دیا تھا۔ اور اوسکے شاہی محل مین داخل کرائے جانے کا قومی منشا ہی یہ تھا کہ ترکون کے سب سے بڑے شہنشاہ کے ہاتھون ہر قسم کی بربادی ترکی قوم ونسل کی کرائی جاوے۔ اور اسکو بھی ایک قومی قربانی سمجھا گیا تھا۔ اوسکی کوششون کا نتیجہ یہ تو بیشک ہوگیا کہ ترکی شاہزادون کو آئندہ محل شاہی مین رکھے جانے کا دستور قائم ہوگیا جس سے ولیعہد و دیگر شاہزادے ناکارے نکلنے لگے۔ آرام طلبی عیش پسندی۔ اور سیاہیت سے دوری اونکا خمیر ہوگیا۔ بجاے بہادر حکمران اور فاتحین کے سولہوین صدی کے آخری حصہ سے بازنطینی طرز کے عیش پسند سلاطین ہی زائد تر ہونے لگے۔ اسی لئے نہ اپنی موت سے مرتے اور نہ اپنے ہی ہاتھون زندہ رہتے۔ بلکہ مروا دیے جاتے۔ خود سلیمان ذی شان ہی نے ایک محکمہ خاص جسکو دیوان کہتے تھے محض سلاطین کے کامون کی جانچ اور اونکے احکامات کی روک تھام کے لیے قائم کردیا تھا اور خود سلطان ہی اوسکی صدارت بھی کرتا تھا۔ دراصل تو یہ اسقدر فراست کا خیال سلطان نے کیا تھا جسکی نظیر ہی مشکل سے تاریخ مین ملیگی کیونکہ آئندہ چلکر اسکے نتائج معلوم ہونگے۔ دیوان مین چار و زیر نشست کرتے تھے۔ ہفتہ مین ایک یا دو بار اوسکا اجلاس ہوتا۔ اور بحث و مباحثہ کے بعد معاملات کا جو فیصلہ ہوتا اوسکی تعمیل بذریعہ جنیسریز کرائی جاتی۔ یعنے کونسل کے طرز حکومت کی گویا بنیاد اسے ڈالدی گئی تھی۔

سلطان سلیم دوم ۱۵۶۶ء لغایت ۱۵۷۴ء

۱۵۶۶ء مین سلیمان ذیشان کی وفات پر اوسکا بیٹا سلیم دویم تخت نشین ہوا۔ اوسکو سلطنت کیا ملی گویا عیش و عشرت کا ذریعہ ہاتھ آیا۔ سلطنت کے کام سے مطلق دلچسپی نہ لیتا۔ وزیر اعظم کو بالکل ہی مالک و مختار بنا کر عیش و نشاط مین پڑ گیا۔ اور شراب و لہو و لعب مین وقت گذارتا۔ حافظ شیرازی نے اسی زمانہ مین شراب کی تعریف یون لکھی تھی "دوشیزہ لڑکیون کے بوسون سے بھی زائد لطف شراب مین ہے" اسپر مفتی وقت کو توجہ دلائی گئی تو اوسنے یہ جواب دیا کہ "جب خود سلطان وقت شراب پیئے تو سب کے واسطے شراب حلال ہو گئی اور شاعرون کو اوسکی مدح بھی حلال ہے"

اب تک تین صدیون سے باپ سے بیٹے ہی کو تاج سلطنت پہونچتا رہا تھا اور ایسے دس سلاطین نسلاً بعد نسلٍ ابتک ہو چکے تھے۔ مگر بعض مورخین کی رائے ہے کہ یہ سلطان شاہی خون سے نہ تھا بلکہ کسی یہودی کا نطفہ تھا۔ اور یہی سبب تھا کہ اوسمین کسی قسم کے شاہانہ جوہر نہ تھے۔ اب وزیر اعظم سوکولی (Sokolli) کے ہاتھ مین حقیقتاً عنان حکومت تھی جسکو حماقت سے بیٹھے بٹھلائے ۱۵۶۸ء مین روس سے جنگ ہو گئی۔ اور ترکی کو شکست بھی ہوئی۔ ۱۵۶۹ء سے اب کل دول یورپ کا روسیون سے بھی تقاضا رہا کہ ترکون کو یورپ سے باہر نکال دیا جاوے۔ مگر اونکو اسکا اندازہ نہ تھا کہ دراصل خود روس ہی یورپ کے واسطے سب سے بڑا دشمن ثابت ہوگا لیکن اوسوقت تو کل عیسائی دنیا روس ہی کو مسلمانون بلکہ ترکون کے مقابلہ مین اپنا محافظ حقیقی سمجھ رہی تھی۔ مگر اوسی زمانہ مین یمن کو شامل سلطنت کیا گیا نیز ۱۵۷۰ء مین مفتی حکومت سے فتویٰ لیکر سائپرس (Cyprus) کے دارالسلطنت نامی کوسیا (Nicosia) پر بھی حملہ کیا گیا۔ اور کرڈا مصطفےٰ پاشا نے اوسے فتح بھی کرلیا۔ پھر فماگوسٹا (Famagos) کو بھی لیکر ترکون نے کل حکومت سائپرس پر قبضہ کرلیا۔ لیکن اسی زمانہ مین پوپ کے حکم سے اسپین و وینس مین معاہدہ ہو کر ایک زبردست بحری فوج زیر کمان ڈان جان آسٹروی (Don John of Austria) جسکے مسلم مور کو اسپین سے خارج کیا تھا۔ تیار کرائی گئی۔ اور ۱۵۷۱ء مین بمقام لیپانٹو (Lepanto) ترکی بحری فوج سے ایک سخت جنگ کی گئی جسمین ترکون کو شکست ہوئی۔ گو ۱۵۷۳ء

مین پھر ترکون نے ٹیونس (سنہ ۱۵۷۳ء) پر حملہ کرکے اوسے بھی جزو سلطنت کرلیا - دراصل اب
سلطان خانہ نشین تھا اور عمال حکومت کے ہاتھ مین سب کام آکر ابتر ہونے لگا تھا - پھر جب
۱۵۷۴ء مین سلیم دویم کی وفات ہوگئی تو اوسکا بیٹا مراد ثالث تخت نشین کیا گیا -

مراد ثالث ۱۵۷۴ء و ۱۵۹۵ء

سلیم دویم ہی کے وقت سے وزیر اعظم سکولی اور مفتی سلطنت کے احکامات چلنے لگے تھے اور سلطان وقت بھی فوج کے ہمراہ جانے سے گریز کرنے لگا تھا - نیز آرام طلبی کی زندگی بسر کرنا اوسکا کام ہوگیا تھا تاہم ۱۵۷۸ء مین ایران سے جنگ ہوگئی اور کرنیل مصطفےٰ پاشا نے جارجیا - آذربائیجان لورستان و شیروان کو باسانی فتح کرلیا اور ایران کی طرف نواب ترکی داغستان تک بھی پہونچ گئے تھے تب ایران سے صلح ہوکر ۱۵۹۰ء مین کل مذکورہ صوبہ ترکون کی سلطنت مین شامل کئے گئے - ۱۵۷۸ء ہی مین وزیر اعظم سکولی کی وزارت بھی ختم ہوگئی تھی - اور مذکورہ فتوحات کے بعد تقریباً تیس ۳۰ لیین سے زائد اب ترکی رعایا کا شمار کیا گیا تھا - ادھر یورپ مین بھی ۱۵۸۰ء مین ملکہ الیزبیتھ (Queen Elizabeth) نے تاجران لیوانت کی کمپنی کو بذریعہ فرمان شاہی تجارت کی اجازت دیدی تھی اور سلطان وقت نے بھی حکومت ترکیہ مین ملکہ مذکور کو تجارت کرانے کا حق دے رکھا تھا اسلئے ۱۵۸۳ء مین پہلا سفیر دربار سلطانی مین بھی حاضر ہوا اوسکا نام ولیم ہیربون (William Harebone) تھا اور ترکی تجارت کے سلسلے مین اب دنیا کے بہت سے حصص مین برطانیہ کے سفرا و قونصل پہونچ چکے تھے اور اسپین کا مشہور بحری آرمیڈا (SPANISH ARMEDA) یا جنگی جہازون کی فوج حملون کیواسطے تیار ہوچکی تھی - اسی واسطے برطانیہ کو ترکون سے مواخات اور اونکی امداد کی سخت ضرورت معلوم ہوئی تھی - برطانیہ کی طرف سے جو سفرا یا قونصل سلطنت ترکی کے متعدد مقامات پر متعین تھے اون کے سپرد علاوہ تجارتی حقوق کی حفاظت کے اسپینی بیڑے کے حملہ پر ترکون کے مذہبی جوش کے اوبھارنے کی بھی خدمت تھی - ۱۵۸۹ء مین سفیر برطانیہ کو دربار شاہی مین پھر حاضری کی اجازت ملی اور جبکہ اسکو مذکور ہوا کہ برطانیہ کو دو اصل فلپ دویم ([illegible])

شاہ اسپین کے مقابلہ کے لئے ترکون سے دوستانہ میل اور معاہدہ کی سخت ضرورت لاحق ہوگئی تھی لہذا برطانیہ کی خواہش پر سفارت منظور کیگئی - اور اب ترکی قوم کو سلاطین کی کمزوری سے اونکے معزول کرنے کی بھی ضرورت محسوس ہونے لگی تھی - مفتی سلطنت کے اختیارات بھی زائد ہوگئے تھے - کیونکہ سلطنت سے معزول کرنے کے وجوہات قوم کے سامنے پیش کرنے کی ضرورت ہوتی تھی - بلکہ ترکی قانون کے مطابق سلاطین کے احکامات پر اور اونکے عزل و نصب کے واسطے مفتی سلطنت کا فتوی لیا جانا ضروری تھا - مفتی کے فتاوون کی تعمیل جنیسریز کے سپرد تھی - سلیمان ذی شان کے بعد کے تمام پچیس(۲۵) سلاطین مین سے جن مین گیارہ(۱۱) کو تخت سے معزول کیا گیا ہر ایک کے بابتہ مفتی سلطنت کا فتوی ضرور حاصل کیا گیا - اور دیوان کا بھی زور زائد ہونے لگا ہے سلیمان ذی شان کے بعد دیوان کی بھی صدارت وزیر اعظم ہی کو تفویض ہوگئی تھی - سلطان مراد ثالث کے ایکسو تین(۱۰۳) اولادین ہوئین تھین جنمین سے ۱۵۹۵ء مین اوسکی وفات کے وقت سینتالیس(۴۷) زندہ موجود تھین - مراد نے کچھ فوجی اصلاح ضرور کی تھی اور ہر معاملہ مین فوجی امداد لی جانے لگی تھی - لہذا سیاسیات مین بھی فوج کو پورا اقتدار حاصل ہو چلا تھا - اسیطرح طبقہ علما جو مذہب اور قانون کا محافظ تھا اوسکو غیر مسلم ملتون کی حفاظت کا بھی حق تھا - نیز سلاطین کے عزل و نصب مین شیخ الاسلام اور دیگر علما بھی مداخلت کرنے لگے تھے اس سے انکو افواج کے کامون مین بھی اقتدار حاصل ہونے لگا جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ فوج اور علما دونون اچھی طرح سیاسی حلقون مین مداخلت کرنے لگے - اب مدرسہ سلیمانیہ و مدرسہ فاتح قائم تھے جن مین مروجہ علوم و فنون کی تعلیم بھی ہوتی تھی - اور اس سترھوین صدی مین جہان اور خرابیان نمایان ہونے لگین وہین عیسائیون کو فوجی خدمت سے بری و باز رکھدیا گیا -

سلطان محمد ثالث ۱۵۹۵ء تا ۱۶۰۳ء

سلطان محمد ثالث سب سے بڑا بیٹا سلطان مراد ثالث کا تھا - تخت نشین ہوتے ہی اوسنے اپنے اونیس(۱۹) بھائیونکو قتل کرا دیا اور ولیعہد سلطنت کو سیریگلیو (Serag leo)

یا زنان خانہ مین محبوس کر دیا اور آئیندہ کے واسطے گویا یہی دستور ہو گیا۔ اور سلطنت کے کامون سے بالکل ہی نابلد رکہا نہ تو اونکی تعلیم ہی کا بندوبست ہوتا اور نہ اونکو کسی سے بہی ملنے کا موقع دیا جاتا۔

یکایک ۱۵۹۳ء مین اسٹریا و ہنگری نے اعلان جنگ ترکون کے مقابلہ مین کر دیا۔ اور بعض صوبون مین بغاوت بہی ہو گئی۔ اس جنگ کی مہم پر جانے کے واسطے سلطان وقت کو مجبور کیا گیا اور چونکہ دشمن برابر بڑہتے آتے تھے اسلئے ترکون نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا جبہ و ردائے مبارک باہر نکالا اور بڑی شان و شوکت سے فوج مقابلہ کے واسطے چلی ۱۵۹۶ء مین تین دن سخت جنگ رہی۔ مگر ہر روز سلطان محمد ثالث میدان جنگ سے واپسی ہی پر تیار ہو جاتا۔ مگر جب واپسی کا مسئلہ پیش ہوتا تو سلطان کا استاد سعد الدین مورخ اوسکو واپسی کے ارادے سے باز رکہتا۔ اس سے جنگ تو برابر جاری رہی۔ بالآخر آٹھ سال تک حکومت کر کے سلطان کی وفات ہو گئی اور ۱۶۰۳ء مین سلطان عصمت تخت نشین ہوا۔ مگر اب چونکہ فوج مین مسلمان ہی زائد بہرتی کئے جانے لگے اس سے عیسائی خود ہی کم بہرتی ہوئے۔

سلطان عصمت ۱۰۲۳ھ ۱۶۱۷ء

سلطان عصمت کے وقت مین رول پادریون کا بہت کچھ زور قسطنطنیہ مین ہو گیا۔ اور اندرونی معاملات تک مین اونکا قابو چلنے لگا۔ آسٹریا و ہنگری کی جنگ بہی برابر ۱۶۰۶ء تک ترکون سے جاری رہی۔ بالآخر صلح ہو گئی مگر ٹرانسلوینیا (Transylvania) ترکون کے ہاتھ سے نکل گیا۔ چودہ سال تک اس سلطان نے حکومت کی مگر وصرف زنون کے ہاتھ مین کل کام رہا ۱۶۱۷ء مین اوسکی وفات ہوئی۔

سلطان مصطفیٰ ۱۶۱۸ء

سلطان عصمت کی وفات پر اوسکے بہائی مصطفیٰ کو تخت نشین کیا گیا۔ سو قسمت سے

خاندان کے بڑے ہی فرد کو ولی عہد بنایا جانے لگا۔ بڑے لڑکے کی قید مٹا دیگئی۔ اور اسکی وجہ صرف یہ تھی کہ اکثر سلاطین خاندان کے افراد کو بالخصوص ولی عہد کو قتل کرا دینے لگے تھے لہذا یہ رواج قرار پا گیا کہ جو بھی فرد خاندان شاہی کا سلطان وقت کی وفات پر عمر میں سب سے بڑا ہوگا اوسکو بادشاہت دیجا یا کریگی۔ اور ایسا ولی عہد بجائے قتل کئے جانے کے نظر بند میں ہی رکھا جانے لگا۔ تاکہ سلطان وقت کے خلاف سازش نہ کر سکے۔

اس سلطان نے چند ماہ سلطنت کی اور اوسکو معزول کر دیا گیا۔ سلطان عصمت کے لڑکے آتھمن ثانی کو اوسکے باپ کے بعد سلطان نہیں بنایا گیا تھا مگر جب چند ماہ کے بعد مصطفٰی بالکل بیکار اور برا ثابت ہوا تو مجبوراً اوسکی معزولی کا فتویٰ دیا گیا۔ اور اوسکے بجائے آتھمن ثانی کو تخت نشین کیا گیا جسمیں سلطان مصطفٰی نے مطلق عذر نہیں کیا۔

سلطان آتھمن ثانی ۱۶۱۷ء تا ۱۶۲۳ء

آتھمن ثانی نے چار سال تک بادشاہت کی اور اوسکے بعد پھر سلطان مصطفٰی کو تخت نشین کر لیا گیا۔ یکے بعد دیگرے دیوان کے احکامات اور مفتی سلطنت کے فتوؤں نے ایک کھیل سا کرنا شروع کر دیا۔ خود سلاطین میں کسے قسم کا مادہ نہ باقی رہا۔ اور بجز اطاعت وزراء و جینیسریز کے اونہیں کوئی چارہ کار بھی نہ تھا۔ سلطان مصطفٰی کو پھر معزول کیا گیا۔ نیز مراد چہارم کو اوسکی ماں کی ولایت میں ۱۶۲۳ء میں جبکہ اوسکی عمر صرف بارہ سال کی تھی تخت نشین کیا گیا۔

سلطان مراد چہارم ۱۶۲۳ء تا ۱۶۴۰ء

مراد چہارم کو ۱۶۲۳ء میں جبکہ وہ نابالغ بارہ سال کا لڑکا تھا تخت نشین کرایا گیا اوسکی ماں سلطانہ والدہ اپنے وزراء کے مشورہ سے سلطنت کا کاروبار بحیثیت ولیہ کے انجام دیتی تھیں ۱۶۲۲ء میں جب سر ٹامس رو (Sir Thomas Roe) جو زمانہ شاہ جیمس اول (James I) انگلستان کے سفیر ترکی مقرر ہو کر گئے تھے تو اونہوں نے

اوسوقت اپنی ایک تحریر مین لکھا تھا کہ" اسوقت جو کوئی چاہے سلطنت عثمانیہ کو فتح کرلے"
مگر ترکون کی بھی کچھ خوش قسمتی سے اسوقت اسپین کی حالت ترکی سے بدتر تہی۔ جرمنی
مین خانہ جنگیان ہورہی تہین۔ ترکون کے فتوحات سابقہ اور اونکے جبروت کے باعث کسی
بادشاہ کی ہمت نہ پڑتی تہی کہ قدم آگے بڑھا سکے۔ ایک تو عورت کی حکومت۔ دوسرے وزرا
خود راشی اور بے اعتبار ہوگئے تھے۔ غرضکہ حکومت اب ہر قسم کی بدنظمی کی برابر شکار ہورہی
تہی۔ حقیقتاً تو ۱۵۶۰ء سے لیکر ۱۶۵۶ء تک حرم کا اثر بیحد حکومت پر پڑچکا تھا۔ جینیسریز
اور حرمون مین سازش الگ ہوتی اور وزرا سے لیکر تمام اعلیٰ وادنیٰ ملازمین نمک حرامی پر
تیار ہوگئے تھے۔ سات سلاطین ان اٹھتر (۷۸) سالون مین یکے بعد دیگرے ایسے تخت نشین ہوئے
کہ جنہنے تمام ملک مین ہر قسم کی خرابی پیدا کردی۔ بس سلطان محمد چہارم کے زمانہ مین کچھ انسداد
ہوسکا۔ گو ۱۶۳۲ء مین جبکہ سلطان مراد چہارم بالغ ہوا تو اوسنے ملک وقوم کی حالت کو
کچھ محسوس کیا اور سب سے پہلے جینیسریز کے آمادون کو خاصی سزائین دین اور بہتون کو قتل بہی
کرادیا۔ حتی الامکان رشوت وسازشون کا بھی انسداد کیا۔ فوج نیز انتظام سلطنت کی
درستی کی طرف بھی مشغول ہوا۔ اور ایران کے مقابلہ مین پھر جنگ کرکے بغداد وایروان
([illegible]) کے جو دو صوبے اوس کے بلوغ کے قبل کے زمانہ مین بدنظمی وغیرہ سے
نکل گئے تھے اونکو پھر حاصل کرلیا۔ ملک کو اوسکے زمانہ مین پھر کچھ امن وچین ملنے لگا تھا کہ
۱۶۴۰ء مین اوسکی وفات ہوگئی اور اوسکے بجائے اوسکے بھائی ابراہیم ثانی کو سلطان بنایا گیا
دراصل مراد چہارم نے بیحد آزادانہ طریقہ پر حکومت کی مگر اوسکی عمر ہی نے وفا نہ کی۔ اُسی کے
زمانہ مین کوچی بے (CoiRiBey) نے اصلاحات کا بل پیش کرکے حکومت کو زوال کیطرف
گویا ڈہیل ہی دیا۔

سلطان ابراہیم ثانی ۱۶۴۰ء تا ۱۶۴۸ء

سلطان ابراہیم ثانی ۱۶۴۰ء مین تخت نشین ہوا۔ یہ کمینہ خصائل اور بزدل شخص تھا۔
ظلم وستم کے سوا اوسے کچھ بھی معلوم نہ تھا۔ بدکاری کے باعث اوسے قوم نے قتل بہی

کردیا۔ اوسکی ہشت سالہ حکومت مین اوس نے وہ سب اچھائیان ملیامیٹ کردین جو اوسکے بھائی مراد چہارم نے کر دکھائی تھین۔

سلطان محمد چہارم ۱۶۴۸ء تا ۱۶۸۷ء

سلطان محمد چہارم کو ابراہیم کے قتل کے بعد تخت نشین کیا گیا اوسنے فوراً کیوپرلی (Kiuprili) خاندان مین وزارت عظمی کو منتقل کیا۔ اب وزراہی اتفاق سے ایماندار اور سپاہی ملگئے۔ نیز یہ سلطان بھی توجہ سے کام کرنے لگا۔ ۱۶۶۳ء و ۱۶۶۴ء مین دو لڑائیان آسٹریا سے ہوئین اٰین فرانس نے بھی محض تعصب کے باعث ۱۶۶۴ء مین بمقام سینٹ گوتھرڈ (ST. gothard) آسٹریا کی شرکت مین ترکون سے جنگ کی مگر ہر دو مین ترک فتحیاب ہوے لیکن اب پھر وزراہی سے سلطنت کا تمام کام سلطان قت لینے لگا اور جنگون مین بھی دہی جانے ۱۶۶۴ء کی جنگ کے بعد ٹرنسیلونیا پر پھر ترکون کا قبضہ ضرور ہوگیا مگر اوسے اب شاہزادہ اے پافی (Apafy) کو دیدیا گیا۔ ان جنگون کا سہرہ بیشک احمد کیوپرلی کے سر رہا تھا اسکے بعد ۱۶۶۹ء مین ترکون نے کینڈیا (Candia) کا محاصرہ کامیابی سے کیا اور کریٹ (Crete) پر بھی قبضہ حاصل ہوگیا۔ مگر اب جمہوریہ وینس سے ترکون سے صلح ہوگئی۔ احمد نے ۱۶۷۲ء مین پولینڈ کے خلاف یوکرین کے کاسکون کی امداد کے لئے فوج روانہ کی اور گو زار روس پولینڈ کا شریک ہوگیا مگر ترک ہی فتحیاب ہوئے اور اوسیوقت ترکون نے پوڈولیا (Podolia) کا صوبہ بھی لے لیا۔ مگر ۱۶۷۵ء مین پھر شاہ پولینڈ جان سابلیسکی (john. Sablaski) نے ترکون سے بمقام لمبرگ (Limbrg) جنگ ٹھان لی اور ترکون کو شکست ہوئی۔ اسکے بعد وزیر احمد کی وفات ہوگئی۔ کیوپرلی خاندان مین اب اٹھائیس (۲۸) سال وزارت رہ چکی تھی اور ہر طرح کی قابلیت۔ دیانت و بہادری سے وزرا نے کام کرکے ملک و قوم کی خدمت کر دکھائی تھی۔ مگر سلطان نے احمد کے بعد کالا مصطفی کو قلمدان وزارت عطا کرنا اب مناسب سمجھا جس نے فوراً ہی ویانا (Vienna) پر حملہ کر دیا۔ مگر راستہ ہی مین بعد شکست اوسے قتل کر دیا گیا۔ اور یہ ویانا کا محاصرہ بھی ۱۶۸۳ء مین

ترکون کو اوٹھا لینا پڑا - اس شکست کے بعد پھر پوپ نے ۱۶۸۴ء میں ترکون کے خلاف اب
پھر دھوان جہاد مذہبی تیار کر لیا اور شاہزادہ لورین (Lorraine) آسٹریا نے ترکون کے
خلاف اس جنگ میں بڑا نام پیدا کر لیا - اور کروشیا (Crotia) ترکون کے ہاتھ سے
نکل گیا - بوڈاپسٹ بھی ۱۶۸۶ء میں ہنگری کے محاصرہ کر لینے سے لورین کے ہاتھ لگ گیا -
اگرچہ وزرا ہی جنگ کرتے تھے اور سلطنت کے انتظام کے ذمہ دار تھے تاہم سلطان محمد چہارم
کچھ نگرانی رکھتے تھے مگر اب وہ بھی سیر و شکار میں نیز عیش و آرام میں ایسے پڑ کر غافل ہو گئے
تھے کہ جو شکستوں پر شکستیں ہونے لگیں - حالانکہ ۱۶۸۲ء سے یہ مشغلے زیادہ بڑھ گئے تھے -
چنانچہ اوسی سال کے شکار میں تیس (۳۰) ہزار کاشتکار ہانکے کے واسطے پکڑ کر بلائے گئے تھے
یہ شکار ایڈریانوپل اور ٹرنووا (Tirnova) کے درمیان جنگل میں کھیلا گیا تھا جسکے واسطے
ایک لاکھ پارکس کا ٹیکس اوس ضلع پر لگایا گیا - کہا جاتا ہے کہ پانچ ہزار کاشتکار اسکے واسطے
پکڑ کر آئے تھے - اور اس شکار میں بکثرت [illegible] جانیں بھی گئیں - ۱۶۸۷ء میں [illegible]

سلطان سلیمان ثانی ۱۰۹۹ھ ۱۶۹۰ء

۱۶۸۷ء میں سلطان سلیمان ثانی [illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible] ہونے لگے [illegible]
اور [illegible] افسروں کو قتل کرانا شروع کر دیا جس سے پھر امن کی صورت
کچھ نظر آئی - اسوقت پھر وزارت عظمی اچھے ہاتھوں میں تھی لیکن سلطان نے ۱۶۹۰ء
میں ایک باقاعدہ فوج [illegible] کی کیونکہ [illegible] اور ڈالمیشیا (Dalmatea)
بھی قبضے سے نکل گئے تھے - [illegible]
(Crimea) کے مقام پر ترکون نے [illegible]
نے ایسی شکست دی کہ جس سے [illegible] اور یونان پر [illegible] کر لیا اور [illegible]

بحیرہ میڈیٹرینین سے ترکی بیڑہ جہازات کو بھی دبا کر خارج کرادیا گیا۔ تب ۱۶۸۹ء مین ایک عام کونسل کل سلطنت کی بمقام ایڈریانوپل طلب کیگئی اور زادے کیوپریلی کو سلطان نے وزیر اعظم مقرر کردیا۔ اوسنے جلد سے جلد ہر طرح کا انتظام نہایت ہی خوش اسلوبی سے کرکے خزانہ شاہی کو پُر کرلیا۔ اور فوج و بیڑہ جہازات کو خاصے طور پہ آراستہ کرکے ملک مین تجارتی و مذہبی آزادی کا بھی اعلان کرکے رعایا کو پھر ہموار کرلیا۔ اور جنگ کا بھی اعلان کرکے بلغراڈ تک کل قبضہ کرلیا۔ اب ۱۶۹۱ء مین سلیمان ثانی کی وفات ہوگئی اور عصمت ثانی تخت نشین ہوا۔

سلطان عصمت ثانی ۱۶۹۱ء سے ۱۶۹۶ء

سلطان عصمت ثانی نے صرف پانچ سال سے کچھ زائد سلطنت کی اور زادے ہی کو وزیر اعظم مقرر رکھا۔ مگر ایک جنگ مین جب وہ مارا گیا اور ترکون کی ہار ہوگئی تو سلطان بھی بیحد دلشکستہ ہوگئے۔ انکو گویا لا الہ باعتبار عینک کا مضمون تھا محض وزرا کے اچھے بُرے ہونے پر سلطنت کا دارومدار رہ گیا تھا۔ سلطان مین کسی قسم کی قابلیت نہ تھی ۱۶۹۶ء مین سلطان عصمت ثانی کی بھی وفات ہوگئی۔ اور اوسکے بعد مصطفٰے ثانی تخت نشین ہوا۔

سلطان مصطفٰے ثانی ۱۶۹۶ء سے ۱۶۹۸ء

مصطفٰے ثانی نے تخت نشین ہوتے ہی آسٹریا پہ چڑھائی کردی۔ اور فتح بھی حاصل کرلی مگر شاہزادہ یوجین سیوائی (Eugine Savoy) نے پھر بمقام زینٹا (Zenta) ترکون سے جنگ کی اور اوسکو فتح حاصل ہوئی۔ اس شکست مین چھتیس (۳۶) ہزار ترکی فوج قتل ہوگئی۔ اسکے بعد ایک صلح کی کانفرنس بمقام کارلووٹز (Karlowitz) منعقد ہوئی اور ترکون۔ آسٹریا۔ وینس و پولینڈ کے درمیان پچیس (۲۵) سال کے واسطے صلح ہوگئی یہامروا قعہ ہے کہ اس سترہوین صدی کے ختم کے قریب بیشک ترکون کو ہنگری خالی کرنا پڑا جبکہ بمقام وئینا انہین شکست ہوئی۔ اہل آسٹریا نے واقعی باسنیا۔ وائڈن (Widdin)

اور نِش پر حملے بھی کر دئے تھے اور اوسکب (uskub) تک مقدونیہ مین پہونچگئے تھے اور ٹرنسلوینیا بھی آسٹریا کے نذر ہو گیا تھا - اب روس مین زار پیٹر اعظم (Peter the great) کا زمانہ تھا اور ہر طرف اوسکی شہ ترکون کے خلاف پڑ رہی تھی - لیکن سلطان مصطفےٰ ثانی نے از خود تخت سلطنت چھوڑ دیا - اور سلطان عصمت ثالث بادشاہ بنایا گیا - جو سلطان مصطفےٰ ثانی کا بھائی تھا -

سلطان عصمت ثالث ۱۶۹۸ء و ۱۷۳۰ء

سلطان عصمت ثالث کی تخت نشینی کے بعد زار روس نے شاہ سویڈن چارلس دوازدہم (Charles XII) کو بمقام پلٹووا (Pultowa) جنگ مین شکست دی جسپر شاہ چارلس بھاگ کر سلطان ترکی کی عملداری مین پناہ گزین ہوا - اور زار روس نے اوسکی واپسی کا سلطان عصمت سے مطالبہ چاہا - مگر سلطان نے انکار کیا - اسپر زار روس نے ۱۷۱۱ء مین اعلان جنگ کر دیا - اور بمقام پرتھ (Punth) ترکی افواج نے خود زار روس کو گھیر لیا مگر اوسکی ملکہ کیتھارائن (Catharine) نے رشوت وغیرہ دیکر اور خدا جانے کن کن قبیح حرکات سے فوج کو مع زار روس کے قتل و غارت سے بچا لیا - اور صلح بھی کر لی گئی - دراصل روس سے ۱۶۹۸ء ہی سے بلکہ اوس سے بھی قبل سے بہت زیادہ مخالفت بڑھنے لگی تھی کیونکہ زار روس کی حرص و طمع اور خود غرضی کے باعث ہر طرف سے اوسکی نیت خراب ہو رہی تھی - اب پیٹر اعظم کی یورپ بھر بڑی قدر کر رہا تھا اور اوسکا سکہ بھی ہر جگہہ جما ہوا تھا - بلکہ شاہ پیٹر اعظم نے جب اپنا اختلاف ترکون سے ظاہر کر دیا تھا تو یونانیون تک کو اسکا یقین ہو گیا تھا کہ اونکی کھوئی ہوئی بازنطینیہ کی حکومت بھی پھر اوسکے ہاتھون یونانیون کو ملجاویگی - حالانکہ اس صلح پرتھ سے روس کی حکومت کی انتہائی ذلت بھی دنیا مین ہو گئی تھی -

ترکون کا جبروت اب بھی اونکی بہادری کے باعث اتنا قائم تھا کہ تنہا کوئی سلطنت انکی طرف قدم نہ بڑھا سکتی - چنانچہ ۱۷۱۵ء مین ترکون نے کارنتھ (Carinth) کا محاصرہ کر کے اوسے فتح بھی کر لیا - اور وینس کی کسی قسم کی امداد یونان تک نے ترکون کے ڈر کر مارے

نہ کی۔ اسی محاصرہ کے سلسلہ مین ترکون نے موریہ (MOREA) پر بھی حملہ کرکے قبضہ حاصل کرلیا تھا۔ محاصرہ کارنتھ کا ذکر انگلستان کے مشہور شاعر لارڈ بائرن نے اپنی ایک نظم مین کیا ہے۔ کیونکہ لارڈ مذکور یونانیون کے بڑے ہمدرد تھے۔ دراصل اس وقت یونانیون کو وینس والون سے سخت نفرت تھی۔ اور اسی سے وہ کسی قسم کی اُن کی مدد کے لیے تیار نہ ہوے۔

ٹرکی مین اب وزرا بھی دیوان کی ذمہ داریون کو محسوس کرکے خاص خاص کامون مین صلاح مشورت سے ایک دوسرے کا ہاتھ بٹا رہے تھے جس کا نتیجہ یہ تھا کہ جنگون مین بھی کامیابی ہوئی اور ملک مین کسی قسم کی بد امنی بھی نہ ہوئی۔ مگر خود سلطان کے حملون مین بہ شرکت کرنے سے شکست ہی کا منہ بعض اوقات دیکھنا پڑتا۔ مثلاً اسی وقت جبکہ ترکون نے کارفیو (CORFU) و دیگر جزائر کو فتح کیا تو شاہ آسٹریا چارلس چہارم (CHARLES IV) باوجود صلح کارلووٹز بدعہدی پر تل گیا اور بارسج ہونے لگا۔ اس پر ترکون سے اور آسٹریا سے دیوان کی منظوری سے ۱۷۱۶ء مین جنگ ہوگئی لیکن ترکون کو اس مین شکست ہوئی۔ تب تو ۱۷۱۷ء مین پرنس یوجین سوائے۔ نے بھی موقع پاکر بلغراڈ پر قبضہ کرلیا۔ بارے انگلستان و ہالینڈ نے درمیان مین پڑکر صلح پسیروو چ (PISSOROWITCH) ۱۷۱۸ء مین اس طرح کرادی کہ ٹرکی کو کل ہنگری سے دست بردار ہونا پڑا اور وینس و آسٹریا کو نہ صرف مغربی حصص حکومت ترکیہ دینا پڑے بلکہ لوی پندرہ (LOIS XV) شاہ فرانس کے حق مین فرمان شاہی ہوکر کیتھالک عیسائیون کو بیت المقدس کے مزار مقدس کا بھی قبضہ دیا گیا۔ دراصل اب ترکون کا اصلی زوال شروع ہوگیا تھا۔ اور اُسوقت سے ترکی فوج کا وہ جبروت وقہر آلود دبدبہ جو یورپ کے بچے بچے کے دل مین تھا اور جنکے نام سے بچون کو دہشت دلاکر بلکہ یہ کہکر کہ ترک آگئے ڈرایا کرتے تھے وہ سب فنا ہونے لگا۔ اب تو دراصل ترک محض اپنے بچاؤ کے واسطے صرف جنگ کرنے پر مجبور ہوجاتے تھے۔ آگے بڑھکر اور حملے کرکے فتوحات کا زمانہ اب نہ رہا تھا۔

روس ٹرکی میں اب گو نہ میل تھا چنانچہ ۱۷۲۳ء میں روس نے ترکوں کو مجبور کرکے شمالی حصہ سلطنت ایران کی تقسیم آپس مین کرلی۔ جس سے ترکون کو صرف جارجیہ۔ اریوان۔ تبریز و باکو ہی پر صرف قناعت کرنا پڑی۔ اس کے بعد پیٹر اعظم کی وفات ہوگئی اور ملکہ آینا (ANNE) روس مینا

تخت نشین ہوئی مگر اب سلطنت عثمانیہ مین بھی پھر گڑبڑ شروع ہوگئی۔ اور جنیسریز نے بغاوت کی نیز ملک وقوم نے چند وزراء کے قتل کیے جانے کا مطالبہ کیا جس مین سے کپتان پاشا سلطان کا ایک داماد بھی تھا۔ سلطان کے تخت سے دستبردار ہونے کی بھی خواہش کی گئی۔ اس پر سلطان نے تخت سے دست برداری کے مطالبہ کو فوراً منظور کرلیا۔ اور اپنے بھتیجے محمود کو ۱۷۳۰ء مین بادشاہت سپرد کردی اور خود علیحدہ ہوگیا۔ یہ محمود سلطان مصطفےٰ ثانی کا بیٹا تھا۔

سلطان محمود ۱۷۳۰ء سے ۱۷۵۴ء

سلطان محمود نے چوبیس سال حکومت کی اور ۱۲ وزیر اعظم اس کے زمانہ سلطنت مین تبدیل کیئے گئے یہ سلطان اپنے خواجہ سرا بشیر کے ہاتھ مین تھا جو بھی وہ چاہتا کرالیتا۔ اب ایران مین نادر شاہ کا زمانہ آگیا تھا چنانچہ اس نے ترکون سے ۱۷۳۳ء سے ۱۷۳۵ء تک جنگ جاری رکھکر تمام وہ صوبے جو ایران سے نکل گئے تھے سب واپس لے لیئے اور ترک صلح ہی پر مجبور ہوئے۔ کیونکہ ۱۷۳۵ء ہی مین روسیون نے بھی کریمیا (CREMIA) پر حملہ کردیا تھا۔ دراصل تو تجارتی حقوق کے حصول کے لیئے کچھ عرصہ سے جنگون کی ابتدا اب ہونا شروع ہوگئی تھی۔ مگر مذہبی پٹ بھی کچھ نہ کچھ نکال لی جاتی تھی۔ اور روسی تجار کی ترقی کا خطرہ انگریزی لیوانٹ (LEVANT) کو جس کے ہاتھ مین اس وقت مشرق قریب کی تجارت بہت کچھ تھی اٹھارہوین صدی کی ابتدا ہی سے نظر آگیا تھا۔ بلکہ سلطان وقت پر بھی برطانیہ کے سفیر نے روس کے تجارتی و مذہبی دونون اثرون کے عیسائی رعایائے سلطانی پر تیزی سے بڑھنے کا خطرہ ظاہر کردیا تھا۔

۱۷۳۶ء سے لیکر ۱۷۳۹ء تک روس اور آسٹریا نے ملکر کچھ حصے سرویا نیز بوکوونیا (BOKOVINE) اور باسینا کے حاصل ہی کرلیئے۔ گو شاہ جوزف ثانی (OSEPH II) آسٹریا کی موت نے ترکون کو جنھین اب یورپ مین "مرد بیمار" کا خطاب مل چکا تھا کچھ موقع ضرور زندگی کا دیدیا کیونکہ آسٹریا کی توجہ اب مشرق سے مغرب کی طرف منعطف ہوگئی تھی۔ اور اسی اٹھارہوین صدی مین بلقان کی کارروائیان بھی بہت گرم ہوگئی تھین۔ حالانکہ ۱۷۳۶ء سے ۱۷۳۹ء تک روسیون و آسٹریا

ہی نے شرکت کرکے ترکون پر حملے پر حملے بھی کرنا شروع کر دیئے تھے۔ جس سے ملک میں بدامنی پھر پھیلنا شروع ہوگئی تھی۔ دیگر عیسائی سلاطین یورپ کے پاس روس و آسٹریا نے ترکون کے خلاف ایلچی و پیغامبر بھیجکر اُن کو بھی ورغلانے کی کوشش شروع کردی تھی اور خود ترکی کی عیسائی رعایا کو بھی خفیہ طریقون پر بھڑکانے و بلوون پر آمادہ کرانے مین کوئی کسر باقی رکھی تھی جس سے لوٹ مار بھی ملک مین ہونے لگی۔ ان حالات کو دیکھکر ترک پھر مرنے و مارنے کے لیے دل وجان سے تیار ہوگئے۔ جب بمقام کروٹزکا (KROTZKA) پر ترکون نے آسٹریا کو سخت شکست دی۔ اور بلغراد۔ و حصص سرویا۔ باسنیا اور بڑا حصہ ولاشیا پھر فتح کرلیا اور ان پر قبضہ بھی کرلیا تو زارینہ روس نے بھی کریمیا۔ مالڈیویا اور آکسزیکاف (OCZAKOFF) سے شہر ترکون کو خاموشی سے نذر کرنے مین عذر نہین کیا اور کرتی بھی تو کیا کیونکہ یہ ایسی شکست آسٹریا و روس کو ہوئی تھی کہ جس سے اُس کی بحری فوج نہ بحیرۂ اسود مین ترکون نے باقی رکھی اور نہ بحیرۂ ازاف (AZOFF) مین بلکہ شہر ازاف کو ویران کرکے ایک جنگل کے طور پر ترکی و روسی حکومتون کے لیے حد فاصل بنا دیا گیا۔ اس وقت دراصل یورپ نے ترکون کی بہادری اُن کی شرافت اور بے تعصبانہ برتاؤ کو مان تو لیا لیکن اُن اوصاف سے خاصہ نفع بھی اٹھایا۔ اگر عیسائی حکومتون کی طرح اس وقت ترک بھی متعصب ہوجاتے اور جوش مذہبی دکھلاتے تو یورپ کا نقشہ وہ نہ ہوتا جو اس کے بعد قائم رہا۔ مگر پورٹی یعنی حکومت عثمانیہ اور اُس کے سلطان نے دوسرون کی کمزوری سے کوئی بھی نفع کبھی نہ اٹھایا اور کمینہ پن کو دوسرون کی طرح دخل نہ دیا۔ ورنہ جس طرح ترک چاہتے شرائط صلح پر روس و آسٹریا سے دستخط کرا لیتے اور جہانتک اپنی سلطنت بڑھانا چاہتے بڑھا لیتے۔ نیز اپنے دونون دشمنون کی افواج اور اُن کی سلطنتون کو بالکل برباد کردیتے کیونکہ سنہ ۱۷۴۰ء سے سنہ ۱۷۴۸ء تک آسٹریا مین پورے طور پر پھر خانہ جنگی بھی رہی تا آنکہ صلحنامہ ایلاسپیل (AIXLA-CHAPELLE) نہ ہوگئی۔ اور اب ملکہ میریا تھریسیا (MAREA THRESA) ہی سنہ ۱۷۴۲ء مین آسٹریا کے تخت پر تھی نیز یورپ کی آپس کی جنگ ہفت سالہ (SEVEN YEARS WAR) وغیرہ نے کل یورپ کو کمزور بھی کر دیا تھا حالانکہ اسی ہفت سالہ جنگ کا یہ نتیجہ ضرور رہا کہ

برطانیہ کی بحری قوت اس قدر کامیاب ہوگئی اور بڑھ گئی کہ سب مُنہ دیکھتے رہ گئے اور جس کا اثر تمام دنیا پر پڑا اور آئندہ کے واسطے بھی برطانیہ کا ستارۂ اقبال اُسی کی بدولت دنیا نے دیکھ لیا کہ کہاں سے کہاں پہونچا۔ شمالی امریکہ و ہندوستان سے فرانس کا اخراج کیا گیا۔ پرشیا نے بھی فرانس کی مالی حالت کو برباد کر دیا۔ اس ہفت سالا جنگ میں انگریز۔ ملکہ روس اور پرشیا جہاں فرڈرک اعظم کی حکومت تھی ایک طرف تھے اور آسٹریا و فرانس دوسری طرف۔ چنانچہ ۱۶ر جنوری ۱۷۵۶ء کو اس جنگ کی صلح ویسٹ منسٹر (WESTMINISTER) کے نام سے ہوگئی تھی مگر ترکون نے کچھ بھی ان واقعات سے نفع نہ اُٹھایا اور اپنے تمام معاہدون کی عزت کی اور بادشاہ کی زبان و قلم کی عزت ہی ہمیشہ مدنظر رکھی۔ کسی معاہدہ کو توڑنا یا کمزور دشمن پر حملہ کرنا ترک جیسی بہادر قوم کے لیے سخت باعث ننگ تصور کیا گیا تھا۔ اب یہ کہ کوئی اس وقت بیٹھکر اُن کو بے عقل یا غلط کار سے کہے اس کا بیشک اُسے پورا اختیار ہے مگر مسلمان ترکون کو اس کے بعد بھی اگر متعصب و ظالم کہا جائے تو کون صحیح مان سکتا ہے اس کا فیصلہ دنیا خود ہی بخوبی کر سکتی ہے۔ اب ترکی وزارتون کا بھی یہ حال تھا کہ ۱۷۵۰ء میں قاہرہ کے پاشا نے وہان کی صوبہ داری دو لاکھ کی تھیلیان نذر دیکر وزیر اعظم سے خرید کرلی تھی پھر ۱۷۵۴ء میں جب سلطان محمود کی وفات ہوگئی تو سلطان عثمان ثانی کو تخت پر بیٹھا لا گیا۔

سلطان عثمان ثانی ۱۷۵۴ء تا ۱۷۵۷ء

عثمان ثانی نے صرف تین سال تک سلطنت کی۔ حرم کی زندگی کا ایسا بُرا اثر اب سلاطین پر ہو رہا تھا کہ نہ رعایا ہی اُن سے واقف ہوتی اور نہ وہ ملک و قوم کے حالات سے زائد دلچسپی لیتے بس دیوان ہی اب پوری حکومت ہوگئی۔ اور اُس میں بھی وزیر اعظم کی رائے سے کے سب تابع ہوتے۔ قلمدان وزارت کے حاصل کرنے کے واسطے بھی حرم میں اثر پیدا کرنے کی ضرورت تھی اور اس میں بڑی بڑی سازشین ہوجاتین اُدھر یورپ کی ہفت سالا (SEVEN YEARS WAR) جنگ کے بعد پھر وہان سب حکومتون نے کروٹ لی اور اپنا اپنا جال دربار سلطانی نیز حرم شاہی میں پھیلانا شروع کر دیا۔ مگر سلاطین ترکی میں جو بھی اب تخت نشین ہوتے

وہ محض ناتجربہ کار ہوتے اور گویا قید کے پنجرے سے نکل کر ایسی دنیا مین آتے کہ ہاتھ پیر ہلانے مین بھی وہ دوسرون کے محتاج ہوتے۔ نہ وزرا سے اختلاف کی قابلیت ہوتی۔ نہ فوج کی ترتیب یا اُس کی کمان کا سلیقہ معلوم ہوتا۔ نہ عوام ملک ہی سے کسی موقع پر دوچار ہونے کی گنجائش نکلتی۔ بس جو کچھ وزیر اعظم کہتا اُس مین کچھ بھی چون وچرا نہ کر سکتے وزیر اعظم ہی تمام پروگرام زندگی کا بنا دیتا اور اُس سے اختلاف کرنا ہر طرح سلطان کے واسطے خطرناک ہوتا۔ سلطان عثمان ثانی تو اوروں سے بھی زائد نابلد محض اور کمزور تھا۔ اور کوئی بھی واقعہ اُس کے عہد مین ایسا نہ ہوا کہ جس کا ذکر تاریخ مین تحریر کے قابل ہو۔ بس صرف یہ ضرور ہوا کہ یورپ کی کمزوری سے کسی قسم کے حملے وغیرہ دوسرون نے بھی اس کے عہد مین نہین کیے۔ حالانکہ اگر ترک اور اس کا سلطان اُس وقت چاہتا تو بہت کچھ فتوحات کی بھی آسانی تھی۔ مگر وہ کس طرح ہوتی جبکہ عیش وعشرت سے فرصت نہ تھی اور وزرا بھی سپاہیانہ اوصاف سے متصف نہ چھنے جاتے۔ اُن کا کھینچنے والا ہی جب غافل اور نااہل ہوتا تو کسی بہتری کی کیا امید ہو سکتی تھی۔ تاہم اس سکون وخاموشی کے زمانہ مین روس اور انگلستان نے پھر اپنی حالت کو بہت کچھ سنبھال لیا تھا۔ اور اب اُن کے کھیلون کا وقت قریب تھا۔ دراصل نہ ملک ہی مین نہ باہر کسی لیے عثمان ثانی کی ہستی محسوس کی اور اُس کی وفات پر ۱۷۵۷ء مین مصطفیٰ ثالث تخت نشین ہوا۔

سلطان مصطفیٰ ثالث ۱۷۵۷ء–۱۷۷۳ء

مصطفیٰ ثالث بھی اپنے چند اسلاف کی طرح دماغی جمود لیکر دنیا مین آیا تھا اور حرم کے تمام قیود کے باعث ہر قسم کی تعلیم وحکمرانی کی تربیت سے محروم ہو کر محض ایک کاٹھ کا پتلا ہی دکھلائی پڑتا تھا۔ پھر سلطنت کی صلح کُل اور محض بچاؤ کی پالیسی سے دوسری حکومتون کی ہمتین اب بہت بڑھ رہی تھین۔ جبتک ترک اپنی بہادری اور فوری حملہ آوریون سے اپنے ہمسایون کی سرکوبی کرتے رہتے تھے اُس وقت تک معاملات درست رہتے تھے۔ مگر جبکہ صرف وقتی بچاؤ کے واسطے فوج طلب ہوتی تو اُس مین بھی جمود اور آرام طلبی کی تمام برائیان پورے طور پر نظر آجاتین۔ اب اٹھاروین صدی کے درمیانی حصہ مین جبکہ روسی تجارت وسیاسیات کا

حدسفہ برطانیہ کو کم ہونے لگا تو فرانس اُس کا حریف مقابل بننے لگا۔ ۱۷۷۰ء میں روس کی وہ بحری فوج جس نے کہ ترکی کی بحری فوج کا تقریباً خاتمہ کردیا تھا وہ بھی بہت کچھ برطانوی افسرون کی نگرانی مین آگئی تھی۔ بدقسمتی سے اسی سال ایران کے حصص جو ترکون کے قبضہ مین تھے وہ بھی نکل گئے۔ نیز مصر مین بلوے ہوگئے اور کریمیا مین روس کی امداد سے تاتاری آزاد ہوتے گئے۔ اور اب گویا زوال حکومت کے سب سامان نظر آنے لگے۔ اور نئے نئے دوست دشمن بننے لگے۔ اور بیرون ملک ہی سے ترکی سیاسیات کا خاکہ ڈھلنے لگا۔ اُدھر روس مین اب ملکہ کیتھرائن ثانی اور پرشیا مین فریڈرک اعظم سے زبردست حکمرانی کرنے والے تخت سلطنت پر آگئے تھے۔ ان دونون نے ایک دوسرے کی امداد کا بھی معاہدہ کرلیا تھا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دونون نے ملکر پولینڈ پر حملہ کردیا۔ اور گویا صلحنامہ بلغراد کو پورتی کے نزدیک توڑ دیا گیا۔ تب ترکون نے پھر اپنا دیوان ۱۷۶۹ء مین منعقد کیا تاکہ حالات موجودہ کے لحاظ سے قومی و ملکی حالات پر غور کیا جاوے اور جواب کی ... خاص طرف کے حملے کے متعدد مقامات پر افواج کو بغرض حفاظت روانہ کیا گیا۔ برطانون بیڑہ جہازات بھی اب زور پکڑنے لگا تھا۔ اور اس سے روسیون وغیرہ کو خاصی امداد پہونچنے لگی تھی۔ چنانچہ روسیون نے اب سب طرف فتوحات پر کمر باندھ لی۔ اور ۱۷۷۴ء تک اُن کی فتوحات خاصی طرح نمایان ہوگئین۔ کہین کہین ترکون سے مقابلے ہوتے اور بند بھی ہوجاتے۔ بالآخر بمقام کوراسن (KORASON) ۱۷۷۴ء مین بہت بڑی جنگ ہوئی اور اسمین ترکون کو سخت شکست ہوگئی۔ اسی سال سلطان مصطفےٰ ثالث کی وفات ہوئی اور عبدالحمید اول کو تخت نشین کیا گیا۔

سلطان عبدالحمید اول ۱۷۷۴ء–۱۷۸۹ء

عبدالحمید اول کی تخت نشینی کے بعد جب روسیون نے تاتاریون کی خاصی مدد کرنا شروع کردی تو ۱۷۷۴ء مین ترکون نے روس سے صلح کنیارڈجی (KANARD JI) کرلی مگر روس نے پھر بھی تاتاریون کو ترکون سے آزاد کرادیا۔ اور قسطنطنیہ مین بھی عیسائیون اور اُن کے معابد کے متعلق روسی سفیر متعینہ قسطنطنیہ کو یہ حق حاصل ہوگیا کہ باب عالی یعنی پورٹی کے

حضور مین معروضات یا عذرات وغیرہ کر سکے نیز روس کا اثر بحیرۂ اسود مین بڑھ گیا۔ فرانس نے بھی اس صدی مین دوستانہ تعلقات کی تجدید کی کوشش تو کی مگر سفیر فرانس نے سرویہ کی بغاوت پر اُسے بین بشلتون تک کے لیئے ترکون کے قبضے مین جانے سے بچا لیا تھا نیز آسٹریا کو بھی شہ بات دی تھی اسی پر ۱۷۷۴ء مین روس نے دربار سلطانی مین فرانس کی جگہ تو لے لی اور روس و ترکی مین پھر دوستانہ تعلقات بڑھنے لگے۔ اور اب گو عرصہ سے تمام یورپین حکومتون کو کچھ کچھ تجارتی حقوق سلطنت مین حاصل ہو رہے تھے اور وہ بھی محض وزرا کی رشوت ستانی اور سلطان کی کمزوریون سے مگر یہ حق جو روس کے سفیر کو دیا گیا اُس نے تو اب سے ستم ہی ڈھانا شروع کر دیا۔ دراصل تو کسی قسم کے تجارتی و مذہبی حقوق کا حاصل ہونا جنکو کیپی ٹولیشن (CAPITULATIONS) کہتے ہین اکثر کر کے باعث بد مزگی ہی ہوتا ہے اور جھگڑے بڑھنے ہی لگتے ہین۔ تاہم اب فرانس۔ انگلستان اور روس کو بہت قسم کے حقوق سلطنت ترکیہ مین حاصل ہو چکے تھے اس سے اندرون ملک ہر طرح کی ریشہ دوانیان بھی اُن کے لیئے آسان ہو گئی تھین اور مختلف ممالک کے مذہبی مشن اور تجارتی کمپنیان بھی قائم ہو کر ترک گویا ایک طرح پر اخلاقاً پابند ہو چکے تھے اور اُنکو ابتدا مین اندیشہ کے کوئی خاص اسباب بھی نہ معلوم ہوئے تھے۔ لیکن ان سب کا جال اندرون ملک اب اچھی طرح پختہ ہو چکا تھا اور معاہدون کے باعث زیادہ جانچ و پرتال بھی ہوتی تھی مگر اس وقت تک سی آئی۔ ڈی یعنی خفیہ کا محکمہ پورے زور دون مین کام نہین کر رہا تھا جس سے حالات معلوم ہوتے رہتے اور دراصل تو ۱۷۷۴ء ہی سے زوال سلطنت کے آثار پورے طور سے نمایان ہو چلے تھے

بیرون ملک ملکہ کیتھرائن روس سی منچلی شخصیت سے بھی یہ ممکن نہ تھا کہ وہ نچلی بیٹھتی اُسنے پہلے تو تاتاری خوانین کے آپس مین جنگ کرا دی اور آزاد بھی کرا دیا تھا۔ پھر شورش و فسادات کے بہانے سے کریمیا پر قبضہ بھی کر لیا تھا حقیقتاً اب یورپ مین پیشتر سی بہادری اور شجاعت و مردانگی کے اوصاف کم ہو رہے تھے۔ کیونکہ آلات حرب مین توپ وغیرہ کے اضافہ سے شجاعت اور مردانگی وغیرہ کی گنجائش کم ہو گئی تھی۔ اور دماغی ذہانت کے سبب جنگون مین فریب و چالاکی نیز دھوکا دھڑی اور چکمہ بازی کی طرف رجحان زائد ہونے لگا تھا بلکہ دو کو لڑا کر نفع اُٹھانے کا سبق بڑے سے چھوٹے تک پڑھنے لگ گئے تھے اور اپنے سے کم متمدن اقوام و ملکون مین

پہونچکر بجائے اُن کی تعلیم و تربیت کو بہتر بنانے کے اُنھین آپس مین لڑوانے کی طرف ابتدا ہی سے متوجہ ہو جاتے اور اپنے تجارتی حقوق کے حصول کی طرف بھی زائد کوشش کرتے۔ جیسے ہی ایسے حقوق حاصل ہوتے اُس ملک مین اپنی دولت کے زور سے نیز چالاکی و ہوشیاری سے اہل ملک کو آپس ہی مین لڑا دیتے۔ جب مقامی لوگ لڑ بھڑ کر کمزور ہونے لگتے تو اپنا سکہ جما کر اور چھکی وغیرہ دیکر بڑے سے بڑے حقوق حاصل کر لیتے۔ رفتہ رفتہ اہل ملک بلکہ حکومتون کو اُنھین کی دولت گھسیٹ کر اور اُنھین کے آدمیون و رعایا کی مدد سے قابو میں لے آتے۔ اور اسی طرح کی دیگر کارروائیان کرکے مقامی لوگون کی تمام بہادری وغیرہ جو آزادی کی بدولت اُن کو نصیب تھی اُس کو فنا کرا دیتے۔ اور جہان بھی بے ہتھیار کر پاتے وہان تو پھر کچھ کہنا ہی نہین سب کچھ کر گزرتے۔ چنانچہ ایسی پالیسی ترکون کے ساتھ بھی دیگر اہل یورپ نے اس وقت عمل مین لانا شروع کر دی اور تاتاری خوانین کے ساتھ تو روس یہ عمل کر ہی چکا تھا تب تو ١٧٨٣ء مین شاہ جارجیہ ہیریکلیس ثانی (HERAKLIUSⅡ) اور ملکہ کیتھرائن روس کی آشنائی و میل جول سے روس نے گورجستان کو بھی اپنا محفوظہ بنا لیا۔ اور کریمیا پر قبضہ کر کے آسٹریا سے سازش کی تھی اور سلطنت عثمانیہ کی تقسیم کا بھی ایک نیا خاکہ تیار کیا۔ جس کی اطلاع ترکون کو ہو گئی تو ١٧٨٧ء مین روس و ترکی سے پھر جنگ چھڑ گئی۔ مگر سرف شاہ فریڈرک اعظم جرمنی نے آپس کے رشک و حسد سے اپنی شروع حکومت سے ترکون سے ظاہرا دوستی کر رکھی تھی اور آسٹریا کے خلاف ترکون ہی کو اپنا آلۂ کار بنا رکھا تھا۔ بلکہ فریڈرک ولیم ثانی نے ہالینڈ۔ برطانیہ و جرمنی کا ایک اتحاد ثلاثہ بھی بنوا دیا تھا جو ١٧٨٨ء سے لیکر ١٧٩١ء تک قائم رہا تاکہ روس و آسٹریا کے اتحاد سے یہ دونون تنہا ترکی مین پورا اثر نہ پھیلا سکین جس سے ایک طرح پر ترکون کو وہ نقصان نہ پہونچ سکا جس کا کہ روس نے خواب دیکھا تھا۔ حالانکہ اُسی لیے ١٧٨٨ء مین آسٹریا نے بھی جنگ مین ترکون کے خلاف شرکت ہی کر لی تھی۔ تاہم بمقام مینڈیا (MENDIA) بمقابلہ روس و آسٹریا ترک فتحیاب ہو گئے۔ اب ١٧٨٩ء مین سلطان عبد الحمید اول کی وفات ہو گئی اور سلیم ثالث جو مصطفےٰ ثالث کا بیٹا تھا اور خاندان مین سب سے بڑا تھا اُسکو تخت نشین کیا گیا۔

سلطان سلیم ثالث

۱۷۸۹ء - ۱۸۰۸ء

سلیم ثالث کے والد مصطفےٰ ثالث نے ایک تحریر چھوڑی تھی جسکو سلیم نے اپنی سرگلیو (Seraglio) کی قید میں محض اتفاق ہی سے پاکر خوب اچھی طرح خفیہ طور پر پڑھا تھا۔ اور حسن اتفاق سے زمانہ ولیعہدی میں اُسپر اوس طرح کی سختیان وبیجا زیادتیاں بھی نہ ہونے پائی تھیں جیسے کہ اوس سے بیشتر کے ولیعہدون کو نصیب ہوچکی تھیں۔ نیز یہ خود بھی فطرتًا بہادر واقع ہوا تھا۔ سلیم ثالث کو باپ کی تحریر میں کچھ ہدایات بھی لکھی ہوئی ملی تھیں۔ چنانچہ تخت نشین ہوتے ہی اوسنے فوج کی طرف سب سے پہلے توجہ کی اور تھوڑے عرصہ مین اوس کی درستی کرلی۔ خزانہ شاہی کے پُر کرنے کی طرف جب خیال کیا تو مشکلات نظر آئین مگر علاوہ معمولی ومخصوص دیگر صورتون کے اختیار کرنے کے اوسنے سونے وچاندی کے تمام سامانوں کو جن پر اوس کا دسترس ہوسکا سکہ خانہ میں پہونچا دیا۔ مستورات محل سے بھی قیمتی سامان وجواہر حاصل کرکے خزانہ شاہی کو بھرلیا۔

آسٹریا نے اس سلطان کے ابتدائی زمانہ میں کچھ اور فتوحات حاصل کرلی تھیں۔ جن سے روس اور آسٹریا کے آپس میں کچھ اَن بن بھی ہوگئی تھی۔ پھر عام طور پر یورپ میں حسد ورشک آپس میں بڑھ بھی چلا تھا اور یہی دراصل ہمیشہ ترکوں کی بہت کچھ بچت کا باعث ہوتا رہا۔ انگلستان کے دارالعوام میں مسٹر ولیم پٹ (Mr William Pitt) اور چارلس فاکس (Charles Fox) کی آپس کی مخالفت بھی ترکوں کے واسطے کچھ نہ کچھ معاون ہوگئی ولیم پٹ تو ترکوں کے موافق تھا اور فاکس روس کے۔ فاکس کی دلیل یہ تھی کہ روس سے مخالفت میں انگلستان کا بھی بھلا نہ ہوگا۔ اور پٹ اس پر مصر تھا کہ صوبہ اوکزیکاف (Ukzekaf) جسپر روس نے خلاف معاہدات قبضہ کرلیا تھا۔ فورًا ٹرکی کو روس سے واپس کرا دینا چاہیے

اور ٹرکی ہی سے دوستی میں انگلستان کا نفع ہے۔ چنانچہ پٹ کو اپنی پالیسی کی تائید میں دارالعوام (Parliament) انگلستان میں کامیابی بھی ہوئی۔ اور ۱۷۹۰ء میں ولیم پٹ کا تو مستقل ارادہ بھی ہو گیا تھا کہ اگر عام رائے ملک کی اوس کا ساتھ دیتی تو وہ ٹرکی کو اپنا دوست بناکر روس پر حملہ بھی کر دیتا۔ مگر فرانس کے حملۂ مصر نے روس۔ برطانیہ و ٹرکی کو فی الوقت ملا دیا۔ اور گو ۱۷۹۱ء میں ترکی و روس سے پھر جنگ ہو گئی اور بمقام باباٹاگ (Babatagh) ترک ہار بھی گئے تاہم ۱۷۹۲ء میں بمقام جیسی (Jassy) دونوں میں صلح ہو گئی۔ اور ڈینسٹر (Deniester) تک روس کو قبضہ بھی دیدیا گیا۔ جو سب اس کا ثبوت ہے کہ خفیہ معاہدات سے عیسائی حکومتیں یکدل تھیں اور ہر طرح ٹرکی کے نقصان پر آمادہ جب موقع ہوتا کچھ نہ کچھ ایک دوسرے کو دلوا ہی کر رہتیں۔ دراصل تو روس عرصہ سے اس فکر میں تھا کہ قسطنطنیہ میں ترکوں کے بجائے یونانیوں کی حکومت کرا دے اور اسی لئے ترکوں کو سب طرح سے تنگ کر رہا تھا۔ مگر اب یورپ میں نپولین فرانسیسی (French Napolaan) کے خطرے اور جنگوں نے ایک نیا انقلاب ہی رونما کر دیا جس سے سلطان سلیم ثالث کو بھی اپنی سلطنت میں اپنی مرضی کے مطابق انتظامات وغیرہ کا پورا موقع مل گیا۔ فرسودہ پرانے طرز کی افواج پر سلطان ٹرکی کو بھی اب بھروسہ نہیں رہا تھا۔ لہٰذا ایک نئی فوج "نظام جدید" کے نام سے اوسنے تیار کر لی۔ بلکہ فوجی تعلیمات کے لئے مدارس بھی مختلف قسم کے اوس نے کھلوا دیئے۔ جس میں ایک انجینیری کا بھی مدرسہ تھا اور اوس میں وہ خود بھی پڑھاتا تھا۔ صوبہ جات میں انتخابی طریقہ پر کونسل وغیرہ کے قیام کی بھی اوسنے کچھ کوشش کی۔ مگر ان امور سے پرانی فوج کے افسر وغیرہ اور صوبہ کے گورنر اوس سے ناراض ہو گئے لیکن ایسا ایک مدت کے لئے سکون بھی ترکوں کو نصیب ہوا۔ خود نپولین نے سفرا بھیجکر ہر جگہ ترکوں کے خلاف بھی عیسائیوں کو اوکسانے اور امداد کا وعدہ کر کے فائدہ اوٹھا [illegible] کوئی کسر نہ باقی رکھی تھی بلکہ جزائر آیونین (Jonian)

پر ۱۷۹۸ء میں فرانس نے قبضہ کرلیا۔ اور خود نپولین نے مصر پر حملہ کر دیا تھا۔ مگر ترکوں کی خوش قسمتی سے خلیج ابوکر (Abou Kar Bay) پر نلسن (Nelson) کی بحری فوج نے جب یکم اگست ۱۷۹۸ء کو فرانس کو وہ یادگار شکست دیدی جس سے کہ انگلستان کی قسمت کا ستارہ چمک اوٹھا اور فرانس کچھ عرصہ کے لئے ذلیل ہوگیا تو ترکی کی جان پھر کچھ دنوں کے لئے بچ گئی۔ اسکے بعد روس انگلستان و ترکی میں ایک معاہدہ ہوگیا اور سب مل کر فرانس ہی سے جنگ میں جٹ پڑے۔ یورپ میں اب سلطنت ترکی کی تقسیم کا خاکہ نپولین ہی نے اپنی ایک ملاقات میں جو اوسنے زار روس الیگزینڈر اول (Alexander I) سے بمقام ٹلسٹ کی تھی بیان کیا تھا۔ اوسکے ذریعہ سے بس اربیہ (Bas Arabia) مولڈیویا (maldavia) ولاشیا (vallachia) اور شمالی بلغاریہ تو روس کو ملتے تھسلی (Thessaly) و البانیہ فرانس کو اور کچھ حصہ بوسینا و سرویا کا آسٹریا کے نذر کیا جاتا۔ لیکن زار روس نے قسطنطنیہ ہی کے لینے پر اصرار کیا۔ جس پر نپولین نے نقشہ میں قسطنطنیہ پر اونگلی رکھ کر غصہ میں کہا کہ "قیامت تک یہ نہیں ہوسکتا یہ جسکے پاس ہو وہ دنیا کی سلطنت کا مالک ہوگا" اور معاملت ختم ہوگئی۔ پھر نپولین ہی نے شاہ آسٹریا سے ایک معاہدہ راز میں کیا جس سے کم از کم کل حصہ یوروپین ترکی کا بجز قسطنطنیہ و رومیلیا کے آزاد کرا دینا طے پاگیا۔ کہا جاتا ہے کہ قاہرہ میں نپولین نے اپنے کو ۱۷۹۸ء میں مسلمان ظاہر کیا اور کلمہ توحید سے فرامین و احکامات کی سرخی کو مزین بھی کیا تھا۔ حالانکہ وہاں اوسوقت اوس کی خوانگی زندگی و چلن بیحد خراب مشہور ہوگیا تقشف و اوجد بداطواری کی کوئی انتہا نہ رہی تھی۔ اور جس طرح ملکہ کیتھرائن و آرلاف (orlaff) سے عشق و محبت و ناجائز تعلقات کے قصص مشہور ہوچکے تھے ویسے ہی نپولین کے قصے بھی زبان زد عوام تھے یا پیرس میں اوس کی بیوی ملکہ جوزفائین (Josephine) کی زندگی ہر اخلاقی نقطہ نظر سے بدترین بیان کی جاتی تھی۔ تاہم نپولین کی روزانہ ظاہری و پبلک زندگی اوسکی بیوی کی زندگی سے بدرجہا بہتر سمجھی جاتی تھی۔ چنانچہ یوروبین سلاطین کے حالات دیکھتے ہوئے پھر بھی ترکی سلاطین کی اوسوقت کی زندگی غنیمت تھی۔ اودھر ملتقانی ریاستوں

میں سب سے پہلے اپ سربیا سے ترکوں کے خلاف باغیانہ کارروائیاں شروع ہوگئیں اور یہی ریاست
دیگر بلقانی ریاستوں کے لیے گویا نمونہ بغاوت بن گئی۔ ترکوں کی جینیسیر فوج سے درحال سرب لوگوں
کو سخت شکایات رہتی تھیں۔ اونکے سرگروہ یعنی ڈاہی کے مظالم۔ زیادتیوں و لوٹ مار سے
تمام عوام و خواص بیحد عاجز و پریشان رہا کرتے۔ گو حاجی مصطفیٰ پاشا کی پاشالک یعنی
گورنری کے زمانہ میں رعایا کو کچھ نہ کچھ اونسے نجات ملی تھی۔ مصطفیٰ پاشا کو سرب لوگ اپنی
ماں (mother [illegible]) کے خطاب سے یاد کیا کرتے تھے۔ اونکے انصاف و نرمی برتاؤ و
ہمدردی سے عرصہ تک سرب قوم بیحد اونسے راضی رہی۔ مصطفیٰ پاشا کے سبب مدتوں
سلطانی حکومت کی پھر قدر ہوگئی تھی۔ اوںھوں نے ڈاہوں کا زور بھی کم کرا دیا تھا۔
نیز اونکی بغاوت کے وقت سرویہ کی رعایا کو مصطفیٰ نے مسلح بھی کرا دیا تھا۔ لیکن جب سنہ ۱۸۰۱ء
میں پسیں وانوگلو (Pasvanoglu) نے سرویہ پر حملہ کیا اور اوسوقت بلغراد میں
شاہی فوج بھی نہ تھی۔ تو جینیسیرز نے پاشا مذکور کو قتل کر دیا اور کل صوبہ کو چار حصوں میں
تقسیم کرکے ہر جگہ اپنے ڈاہوں کو سردار مقرر کر دیا۔ اور چونکہ افواج سلطانی فرانس
سے جنگ میں مصروف تھیں تو جو بھی گورنر سلطان کی طرف سے وہاں سربیا میں مقرر ہوتا
وہ کسی نہ کسی طرح جینیسیرز کا کپتان ہی نکلتا۔ پھر کیا تھا اونکے مظالم کی وہاں کوئی حد ہی نہ
رہی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان رعایا میں سے جو زمیندار سپاہی تھے وہ بھی عیسائی سرب
کے ساتھ ہوگئے۔ اور دربار سلطانی میں اپنی مصیبتوں کے دادخواہ ہوئے۔ اوسی
سنہ ۱۸۰۱ء میں شاہ الگزینڈر اول (Alexander I) روس نے بھی گرجستان
کے بادشاہ جارج ہفتم (George XII) کو تخت سے معزول کرکے اوس کا مشرقی حصہ
لیلیا۔ مگر مصر کو انگلستان کی امداد سے جب فرانس سے خالی کرالیا گیا اور جزائر آیونین
بھی واپس ہوگئے۔ تو مصر پر ٹرکی کی سیادت پھر قایم ہوگئی اور سنہ ۱۸۰۲ء
میں سب میں صلح ہوگئی۔ مگر جس طرح کہ اوپر ذکر ہوچکا ہے کہ کل حصہ ریاست
سربیا میں عرصہ سے جینیسیرز کے ظلم نے رعایا کو عاجز کر رکھا تھا اور اب ڈھائی سو سال
کی غلامی کے بعد رعایا بھی بار بار بلووں جنگوں اور انقلابات سے آزادی کا سبق بہت

کچھ حاصل کر چکی تھی یہاں تک کہ ۱۸۰۴ء میں کرا جارج کی سر کردگی میں سربیا نے علم بغاوت بلند ہی کر دیا۔ اور کشت و خون ہونے لگا۔ سلطان سلیم نے رعایا کا ساتھ دیا۔ ڈاہی جو جینیسریز کے افسر کہلاتے تھے اون کو چن چن کر قتل کیا گیا اور تقریباً جینیسریز فوج کا وہاں خاتمہ ہی کر دیا گیا۔ مگر بغاوت کسی طرح نہ فرو ہوئی۔ رعایا نے اب مجبوراً فوج سلطانی کا مقابلہ کر دیا۔ اور کرا جارج (Kara George) نے ملک کے سامنے ایک آزاد حکومت کا خاکہ بھی پیش کر دیا۔ کرا جارج ایک معمولی کسان کا لڑکا تھا۔ اور ۱۷۶۶ء میں پیدا ہوا تھا۔ اوس نے بغاوت ہی کے وقت شاہ آسٹریا کو سربیا کی سلطنت کا تاج تک نذر کیا مگر شاہ کی ہمت ترکوں کے خوف سے اب بھی تخت و تاج سلطنت سربیا کے قبول کرنے کی طرف نہ بڑھی۔ تاہم آسٹریا کا اثر پورا پورا سربیا میں اس وجہ سے پھیل گیا کہ باشندگان و سلطنت آسٹریا نے سرویہ کے لوگوں کی روپیہ و اسلحہ سے پوری پوری امداد کی نیز ہنگری کے جو سرب باشندے تھے وہ بھی اپنے بھائیوں کے شریک ہو گئے جس سے سربیا میں ہر جگہ علم بغاوت بلند ہو گیا تھا۔ تب سلطان نے باسنیا کے گورنر کو اس بغاوت کے فرو کرنے کا حکم دیا اور جینیسریز سرویہ سے بھاگ نکلے اور قتل بھی ہوئے اس پہ بھی سرب لوگوں نے یہ خواہش کی کہ آسٹریا ہی کے کسی باشندہ کو وہاں کا کمشنر مقرر کیا جاوے جو سلطانی معاہدوں کی وہاں پابندی کرائے مگر وزیر یا گورنر باسنیا نے اس کو قبول نہیں کیا تب سرب لوگ روس سے داد خواہ ہوئے۔ مگر وہاں سے بھی ناامید ہوئے جس پر سلطان نے گورنر نش (Nish) کو وزیر بلغراد بنا کر بھیجا مگر بغاوت نہ فرو ہوئی۔ تب ۱۸۰۶ء میں سرویہ پر ترکوں نے پھر حملہ کر دیا۔ حالانکہ اب روس و ترکوں سے بھی جنگ ہو رہی تھی ۱۸۰۸ء میں سلیم نے نظام حکومت کو بدلنا چاہا۔ اصول جمہوریت کی بھی بنیاد ڈالی۔ صوبوں کی رعایا کو کونسلوں کے انتخاب کے لئے حق بھی دیا۔ ادھر ۱۸۰۷ء میں روس و فرانس سے بمقام ٹلسٹ (Tilsit) صلح ہو گئی تھی مگر ۱۸۰۸ء میں جب پھر زار روس اور نپولین سے بمقام ایرفرٹ (Erfurt) ملاقات ہوئی تو سابقہ تقسیم پر جو بمقام ٹلسٹ طے ہو رہی تھی نظر ثانی

کی گئی جس کی اطلاع پر ٹرکی و برطانیہ نے جو آپس میں لڑ رہے تھے جنگ کو ختم کر دیا اور ۱۸۰۹ء میں صلح در دانیال کر لی نپولین کے حرکات سے زار روس کو اب یہ پتہ چل گیا تھا کہ اوس کا اور اوس کی حکومت کا اعتبار نہ تھا۔ اور یہی آیندہ جنگ عظیم یورپ کے زمانہ میں نیز اوسکے بعد ہی اتحادیوں کا بھی تجربہ ہو گیا بلکہ نپولین کے روس ہی پر حملہ کرنے کی خواہش کا علم زار کو ہو گیا تھا۔ اس سے ٹرکی کی جان اوسوقت بچ گئی۔

اب تو روس و انگلستان کی وہ سیاسی بساط جو عرصہ سے قسطنطنیہ میں بچھی ہوئی تھی خوب بر دست چالیں اوس میں چلی جانے لگیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ محل شاہی میں بھی ہنگامے ہونے لگے۔ وہ جینیسریز فوج جو قسطنطنیہ میں تھی اوسنے زور دکھلایا اور شیخ الاسلام سے سلیم کے خلاف فتوے بھی لئے جانے لگے تب سلیم نے تخت سے دستبرداری کا اعلان تو کر دیا مگر پھر سلیم ثالث و مصطفےٰ چہارم میں خانہ جنگی ہو گئی۔ .. اپنی جدید فوج جس کا نام "نظام جدید تھا" اوس سے سلیم نے مدد لی جبکہ اوس ... فوج کا سردار علمدار مصطفےٰ پاشا تھا۔ تب ہی ایک روایت ... ظاہر ہے کہ پرانی فوج ... سلیم کو قتل کر ڈالا۔ اور دوسری روایت سے آپس کی خانہ جنگی میں ۱۸۰۸ء میں سلیم ... مصطفےٰ چہارم دونوں جان بحق تسلیم ہوے۔ تب محمود ثانی کو تخت نشین کیا گیا۔

سلطان محمود ثانی

۱۸۰۸ء سے ۱۸۳۹ء

محمود ثانی نے تخت نشین ہوتے ہی سلیم ثالث کے زمانہ کی تمام ترقیات و ترمیمات کو بذریعہ فرمان شاہی بدلدیا تاکہ شورش رفع ہو۔ لیکن اس سے جینیسریز کے ہاتھوں میں زار لو تک کا بھی بخشنا پھر آ گیا اور سفرائے برطانیہ و روس نے علانیہ خود ... ترکوں کو شطرنج کے پیادوں کی طرح کھلانا شروع کر دیا۔ اور ٹرکی کی کمزوری سے ۱۸۱۰ء میں روس نے گورجستان کا مغربی حصہ بھی اپنی سلطنت میں ملحق کر لیا۔ لیکن اوس کا ساحل بحر ابھی تک ترکوں ہی کے ہاتھ میں رہا کیونکہ ملک جارجیہ پر ترکوں کی سیادت عرصہ سے

چلی آئی تھی۔ روس و ٹرکی کی جنگیں کچھ تو ۱۸۱۲ء میں صلحنامہ بوخیرسٹ (Bucharest)
ہو جانے سے ختم ہو گئی تھیں جس سے بس اربیہ (Bessarabia) اور کچھ حصہ مالڈیویہ
(Maldavia) بھی روس نے حاصل ہی کر لیا تھا لیکن اسی وقت سے رومانیہ
و روس کے درمیان بھی سخت دشمنی کا بیج بو گیا تھا نیز اس صلح کے ایک ہی ماہ بعد نپولین
نے سلطان وقت کی مرضی کے خلاف روس سے بالآخر جنگ شروع کر دی جسمیں مجبوراً
ٹرکی کو بھی شریک ہونا ہی پڑا۔ مگر نپولین کی شکست اور ویننا کی کانگریس ہو کر سب قضیے
ختم ہو گئے (محمود ثانی ٹرکی کا پیٹر اعظم کہلاتا تھا کیونکہ اوسنے گورنروں کے غیر محدود اختیارات
کو ختم کر دیا تھا۔ اور جدید اصلاحات بھی استنبول کی رضامندی سے ہر شعبۂ حکومت میں
جاری کر دیئے تھے۔ اور ۲۵ نفر ترک یورپ کے مختلف ممالک میں تعلیم کے واسطے
بھیجے تھے جدید مدارس بھی قائم کیے۔ ملک کی تعلیم کیواسطے باہر سے پروفیسر بلوا کر رکھے۔ اور فوج
میں مغربی لباس اور فیز ٹوپی بھی اوسی نے جاری کی۔ مگر موریا کے مسلمانوں کا قتل
عام بھی اوسکے زمانے میں ہوا جس سے یونانیوں کی جدید سلطنت کی بنیاد بھی اسی عہد میں پڑی
اوسنے علما کو بھی اسی پر مجبور کیا کہ اُس کی اصلاحات کو مذہب اسلام کے منشا و تعلیم کے
مطابق بتلائیں۔ مگر اب مصر میں محمد علی پاشا نے انگریزوں کی مدد سے گو نہ آزادی بھی حاصل
کر لی۔ نیز عرب میں وہابیوں نے زور باندھ لیا تھا۔ لہذا سلطان محمود ثانی کو کچھ غیرت آئی۔
اور حرم میں پڑے رہنے کے بجائے سلطنت کی باگ ہاتھ میں یکبارگی نہایت تیزی
کے ساتھ لے لی۔ اور جینسیریز کا بالکل ہی قلع قمع کر دیا (یہ ینی چیری یا جینسیریز حاجی
بکتاش کو اپنا پیر و مرشد مانتے تھے اور ہمیشہ حکومت کے استبداد و شریعت اسلامی کے
پیچیدہ نظام کے مخالف رہتے تھے)۔ اوسنے اب وہابیوں کا استیصال عرب میں کرا دیا۔ نیز
محمد علی پاشا کو بھی سلطان کے اقتدار و قوت کا کچھ ایسا احساس ہوا کہ وقتاً فوقتاً سلطان کی امداد
میں اوسنے بھی دریغ نہیں کیا۔ اور تعمیل حکم کی۔ ولاشیا و مالڈیویا تو تقریباً آزاد ہو چکے
تھے تاہم سربیا کے معاملات میں سلطان کو دقتیں بھی پیش آنے لگیں۔ صلح بوخیرسٹ
سے سربیا کو حکومت خود اختیاری ضرور عطا ہو چکی تھی مگر سلطانی فوج کو بلغراد و

دیگر مقامات کے قلعوں میں رہنا بھی طے ہوا تھا اور بعد میں سبز قوم نے جب کسی حصہ معاہدہ
کے پورا کرنے سے انکار کر دیا۔ تو مجبوراً ترکوں نے جنگ چھیڑ دی۔ سرویہ میں روس
کا ابھی تک خاصہ اثر ضرور تھا اور سرویہ تو روس و آسٹریا کے درمیان ایک حد فاصل اب
نظر آنے لگا تھا۔ بلکہ سیاسیات مقامی میں سرویہ ہی کو حسب موقع استعمال کرنے کا ایک
دوسرے کو بہانہ ہاتھ لگ جاتا تھا۔ لیکن ترکوں کے خوف سے اب بھی کسی کو پوری مداخلت
کی ہمت نہ پڑتی۔ نتیجہ میں ۱۸۱۳ء میں ترکوں نے از سر نو سرویہ کو فتح کر لیا۔ مگر اب ترک
و فرانس بھی دوست نہ رہے تھے۔ تاہم جن ریاستوں میں ترکوں کی حکومت تھی وہاں
امن وامان قایم تھا۔ یونانیوں کو تو خاص طور پر ہر طرح آزادی تھی۔ قسطنطنیہ وغیرہ
میں تو کل تجارت و دولت کے حصول کے ذرایع اونھیں کے ہاتھ میں تھے بلکہ
اونکے جزائر سیاس (Saiaoi) و پسارا (Psara) کو تو ایک طرح
کی حکومت خود اختیاری ہی حاصل تھی۔ خود یونان کے ساتھ ہر طرح کی رعایت سلاطین
کرتے چلے آتے تھے۔ اور وہاں تعلیم کا بھی خوب چرچا ہو گیا تھا۔ مدارس و کالج
قایم ہو گئے تھے۔ اور کہا جاتا ہے کہ تعلیم ہی کے باعث مکمل آزادی و
بغاوت کا تخم بھی بو گیا تھا۔ اور یونان کی گذشتہ شاندار تاریخ کے پڑھنے
و پڑھانے نے کل قوم کو ایک حد تک بیدار کر دیا تھا۔ جس سے قوم بھر کی نگاہ میں اُن کا
سیاسی و قومی نصب العین ترقی کر گیا نیز اون کی ذرگی مصیبتوں نے اون کو اپنی
حالت کو سنبھالنے کی طرف پورا پورا متوجہ کر دیا۔ گو عیسائی یورپ کے تو وہ ابتدا ہی سے
آلہ کار بنے رہتے تھے۔ بالخصوص مذہبی جوش کی تو وہاں کبھی کمی نہ ہوتی۔ اور پھر
آل عثمان کے مقابلے کے واسطے یہاں تک کہ کل شاہان اور عیسائی اقوام یورپ
ہر طرح کی اون کی امداد پر آمادہ رہتے۔ انھیں قوتوں کے زور پر ۱۸۲۱ء میں یونان
نے بھی ترکوں سے بغاوت کی اور جسقدر بھی مسلم رعایا یونان میں تھی اوس کو ایکدم سے
قتل و برباد کر دیا۔ نیز سلطانی قلعوں کے لینے کی بھی آرزو کی۔ جب اس طرح کی زیادتیاں
کی خبر قسطنطنیہ میں پہونچی تو وہاں بھی آگ لگ گئی۔ اور ترکوں نے بھی بدلا لینا شروع

کردیا۔ یونان میں اب قومی حکومت کے قایم کرنے کا خیال زور پکڑ گیا تھا۔ یہاں تک کہ ۱۸۲۲ء میں نمایندگی کے اصول پر اسمبلی کے نام سے قومی حکومت قایم کرہی لی گئی۔ اور ترکوں کو خشکی و پانی میں جہاں بھی وہ مل جاتے تباہ کردینے لگے۔ انگلستان و فرانس نے بھی نہ صرف یونانیوں سے ہمدردی کی بلکہ ہر طرح سے اُن کی امداد کی۔ لارڈ بائرن (Lord Byron) تو خود بھی یونانی فوج میں جا کر لڑائی میں شامل ہوئے۔ اس بغاوت کے وقت سلطان نے محمد علی پاشا مصر سے امداد کی خواہش کی۔ اور اس نے اپنے بیٹے ابراہیم پاشا کو فوج کی سرکردگی بخش کر یونان کی سرکوبی کے واسطے روانہ کیا اور سلطان نے محمد علی کو شام۔ دمشق اور طرابلس وغیرہ کی پاشائی دینے کا وعدہ کرلیا۔ چنانچہ ابراہیم نے قلعہ نیوارینو (Navarino) کو فتح کرکے ۱۸۲۶ء تک موریہ (Morea) کو اپنے قابو میں کرلیا۔ جس سے گویا کل یونان اُسکے قدموں کے نیچے آگیا۔

ابراہیم کی فتوحات کے باعث نیز خود سلطان کی توجہ سے ترکوں کو بھی اپنی معاشرت و فوج میں یوروپین اصولوں کے اب اختیار کرنے کی طرف مائل ہونا پڑا۔ اور بہت ہی کم عرصہ میں یوروپ ہی کے مثل [illegible] وغیرہ سے فوج آراستہ کرلی گئی۔ اوقاف اسلامی بھی اب حکومت کے [illegible] سے متعلق کردیئے گئے۔ اور ترکوں کے سر سے پگڑی اُتروا کر اُسکے بجائے ترکی ٹوپی یا فزکلہ پہنوادی گئی۔ بلکہ اب سے ترک قوم یوروپین پوشاک [illegible] طور پر اختیار کرنے لگے۔ پھر عدالتی اصلاحات میں سب سے بڑا کارنامہ [illegible] کا یہ تھا کہ عدالتوں میں مقدمہ دائر ہوکر اور کامل تحقیقات [illegible] ارسی کے مقدمات طے ہونے لگے۔ جس سے حکم قتل وغیرہ بھی بلا تحقیق ہوکے جاری نہ ہوتا۔ اور زمانہ کے مطابق دیوانی وغیرہ کے قوانین و ضوابط و قواعد بلکہ کل آئین میں ترمیمات کردی گئیں۔ یہی وہ زمانہ

تھا کہ یورپ کے درباروں وغیرہ کی طرح ٹرکی میں بھی قاصدوں، سفرا اور کانسلوں کو مع اُن کی بیویوں کے دربار شاہی میں اور دعوتوں میں آنے کی اجازت ہو گئی تھی۔

یونان سے جنگ تو ہو ہی رہی تھی۔ اور ہر طرف سے اُس کی خاصی بربادی کا سامان مہیا ہو چکا تھا کہ انگلستان و روس نے اوس کے واسطے وقتی امان کی خواہش کی مگر سلطان نے اپنی رعایا میں غیروں کی مداخلت کا عذر کر کے اُن کی خواہشات کو ناپسند کیا اور اس طرح اعلان کر دیا کہ "سلطنت عثمانیہ نے کسی قسم کا فرق یونانیوں اور دیگر رعایائے سلطانی میں ابتک نہیں کیا ہے۔ اُن کو ہر طرح کی آزادی حاصل ہے جیسے کہ اسلامی رعایا کو پھر کیا وجہ ہے کسی غیر کی مداخلت ترک قبول کریں" اور اپنے یہاں بھی یونانی گرجا کے بڑے پادری کو حقوق دے کر اوس کو اپنے موافق کر لیا۔ مگر چونکہ برطانیہ و روس نے خفیہ معاہدات یونان کی شرکت میں کر لئے تھے اس سے اُن کی فوج بحری خلیج نوارینو کے باہر تک پہونچا دی گئی۔ تب اُدھر سلطان نے اور مصری فوج بھی تیار ہو گئی۔ اور سب میں جنگ ہو گئی۔ مگر جب ۲۰ اکتوبر ۱۸۲۷ء کو ترکوں ہی کو شکست ہو گئی تو ابراہیم اپنی بچی کھوچی فوج لے کر واپس ہو گیا۔ اور روس نے ۱۸۲۸ء میں موقع دیکھ کر بحیرہ اسود میں حملہ کر دیا اور بلقان کو طے کر کے ترکیہ اندر ([illegible]) سے ہوتا ہوا ایڈریانوپل پر قابض ہو گیا۔ اور ایران کی طرف بھی آذر بائیجان کے ہضم کرنے کے لئے شہر باکو پر جس میں پٹرول کے کنوئیں تھے قبضہ کر لیا۔۔ اب چونکہ ترکوں کو قسطنطنیہ پر حملے کا ڈر ہو گیا تھا اور باوجودیکہ ہر جگہ کی مسلم رعایا نے کیا بلغراد اور کیا دارنا ہر جگہ سے افواج سلطان کا ساتھ دیا تاہم سلطان نے ایڈریانوپل پر روس سے صلح ہی کر لی۔ فی الحقیقت اسوقت ترک دھوکا کھا گئے۔ روس کی فوجی قوت کے بابت اُن کو اصلی پتہ نہ چلا۔ اور اسی صلح نے تو گویا ترکی سلطنت کے جبروت و اثرات کا خاتمہ ہی کر دیا۔ مالڈیویا اور ولاشیا تو تقریباً آزاد ہی ہو گئے۔ بلکہ دریائے ڈینیوب پر ترکی کے جو قلعے تھے سب چھن گئے یونان میں بھی ایک عیسائی بادشاہ کا تخت پر بٹھانا ترکوں کو منظور کرنا پڑا جو ٹرکی کا باجگذار

تو رہتا مگر اُسکے انتخاب کا حق فرانس۔ روس اور انگلستان کو دیا گیا۔ اس صلحنامہ ایڈریانوپل سے جو ۱۸۲۹ء میں ہوا تھا۔ بکثرت ارمنی اقوام بھی روس کے زیر حفاظت کردی گئی تھیں۔ بلکہ اونکے قاعد اعظم کو بھی روس کے ماتحت کرادیا گیا جس سے ارمنیوں کو بھی اب ترکوں کے خلاف بآسانی سازشوں کا پورا موقع مل گیا۔ آگے چل کر ترکوں اور ارمنی قوم کے مفصل حالات "اناطولیہ وارمنی اقوام" کے باب میں دیکھینگے جس میں کافی ثبوت بھی ارمنیوں کی سازش کے بابت بہم پہونچایا گیا ہے۔ گو اس صلحنامہ ایڈریانوپل سے فرانس و برطانیہ نے اختلاف تو کیا مگر جب سلطان نے محمد علی پاشا مصر سے وعدہ خلافی کی یعنی صرف کریٹ کی پاشائی دینے کو کہا تو محمد علے بھی بالکل ہی فرنٹ ہوگیا۔ اور ۱۸۳۲ء میں شام کے پاشا اور محمد علی سے کریٹ کی پاشائی پر بھی جھگڑا ہوگیا تو ابراہیم پھر فوج لے کر شام میں داخل ہوگیا۔ نیز غازہ و بیت المقدس تک قبضہ کرلیا۔ اور ایکری۔ الیپو و دمشق کو فتح کرتا ہوا پہاڑوں کو طے کرکے ایشیائی کوچک پہنچکر بمقام قونیہ ترکوں کو شکست دے کر بروسا بھی لیلیا۔ اب مجبوراً سلطان نے انگریزوں سے امداد چاہی مگر انکار ہوا تب روس نے موقع پاکر اپنی بحری فوج سے ۱۸۳۳ء میں سلطان کی مدد کردی۔ جس سے روسی اثر دربار سلطانی میں پھر پڑنے لگا اور جسکو فرانس و انگلستان کسی طرح گوارا نہ کرسکتے تھے تب دونوں کے سفرا نے خود سلطان سے کہا کہ وہ محمد علی پاشا کو مجبور کرینگے کہ ابراہیم کو مع افواج کے واپس طلب کرلیا جاوے لیکن جو وعدے سلطان نے محمد علی سے کئے تھے اون کا ایفاء لازمی ہے۔ سلطان نے اسے منظور کرلیا۔ اور ابراہیم واپس ہوگیا محمد علی کی ہمت کا اب کیا کہنا تھا۔ اوسنے بھی آزاد بادشاہت کا پورا خواب دیکھنا شروع کردیا۔ اور جس طرح سلطانی افواج کی ترتیب کرنل مالٹکی (Col maltke) کے سپرد تھی اوسی طرح مصری افواج کی قواعد و ترتیب فرانسیسی افسروں کے سپرد تھی بالآخر محمد علی نے ۱۸۳۸ء میں سلطانی خراج کے ادا کرنے سے بھی انکار کردیا اور شام پر قبضہ کرکے قسطنطنیہ پر حملہ کردیا اسپر ترکوں نے ۱۸۳۹ء میں مصر سے جنگ کا اعلان کردیا۔ شام پر بھی حملہ کا حکم ہوا اور مصر کی طرف بھی

فوجیں بڑھیں [illegible] شکست ہوتی گئی۔ اُن کی بحری افواج کا افسر کپتان عصمت پاشا تو محمد علی سے ساز کر گیا۔ جس سے کل بیڑہ جہازات کو سکندریہ کی بندرگاہ میں داخل کر کے خود [illegible] اپنا محمد علی کی طرف چلا گیا۔ جب ۱۸۳۹ء میں سلطان محمود ثانی کا انتقال ہوگیا [illegible] عبدالمجید کو تخت نشیں کیا گیا۔

واقعی سلطان [illegible] لیت۔ استقلال۔ لفقت آرائی اور تدبیر کی داد تمام مورخین نے دی ہے [illegible] نقائص کہ سلاطین میں آچکے تھے اور جو اُس زمانے کے ہر بادشاہ میں موجود تھے۔ اُنسے نیز حکومت کی ہر طرح کی خرابی سے اب ستارۂ اقبال بھی ترکوں کا گھٹ رہا تھا۔ اور اسی سبب سے جو کچھ ہونا تھا وہ ہو کر رہا۔ مگر یہ اُنھیں کے واسطے کوئی خاص بات نہ تھی۔ تمام بڑی بڑی سلطنتوں کو دنیا میں ایسا ہی ایک دن کسی نہ کسی وقت ضرور دیکھنا پڑا ہے اور دیکھنا پڑے گا۔ بڑھنا و گھٹنا۔ بننا و ٹوٹنا سب کے لئے مقدر رہا ہے۔ جو ایک نہ ایک دن ہو کر ہی رہتا ہے۔ ایسی صورت میں غلطیاں۔ چوک اور بے تدبیری کوئی تعجب کی بات نہ تھی۔ اب وہ کارتھیج کی حکومت یا سکندر و دارا یا چنگیز خاں و نادر شاہ کی سلطنت کہاں رہی۔؟

سلطان عبدالمجید

۱۸۳۹ء - ۱۸۶۱ء

سلطان عبدالمجید اپنی سترہ سال کی عمر میں تخت نشیں کئے گئے۔ صلاحیت مزاج و سلامت روی اُن کا حصہ تھا۔ دول یورپ کے سفرا کا اُنکے عہد میں بڑا زور رہا۔ مگر سلطنت کو نقصانات ظاہری زاید نہیں ہوئے۔ محمد علی پاشا مصر کی یہ خواہش کہ اُن کو شام وغیرہ کی پاشاہی نسلاً بعد نسلٍ مل جاتی کسی طرح اُسکے دل سے نہ جاتی تھی۔ اور سلطان محمود نے جس طرح جبراً و قہراً دول یورپ کے کہنے سے اُن کو گورنری اُسوقت دینا منظور کیا تھا وہ اوپر مذکور بھی ہو چکا ہے چنانچہ دولت عثمانیہ [illegible] نے بھی فی الوقت محمد علی کی خواہش کی منظوری دیدی

تھی۔ مگر اب اپنی مصلحتوں سے سفراے دیگر دول یورپ نے بھی اس نسلاً بعد نسلٍ کی خواہش کی مخالفت کی۔ اور اسی کے واسطے لندن میں ایک کانفرنس بھی ہوئی۔ جس میں یہ طے ہوا کہ محمد علی کو الٹی میٹم (Ultimatum) دیدیا جائے کہ اگر وہ سلطان کے حکم کی تعمیل کرے اور وہ بیڑہ جہازات سلطنت ٹرکی جو اوسنے گرفتار کر رکھے تھے واپس کردے نیز شام سے اپنی فوجیں ہٹالے تو مصر کی پاشائی نسلاً بعد نسلٍ اور شام کی پاشائی اوس کی زندگی کیواسطے اوسکو دیدی جائے گی۔ ورنہ مصر کی پاشائی بھی صرف اوس کی زندگی بھر کے لئے اوسے ملے گی۔ دراصل اس سلطان نے سفراے غیر کی بجز سفیر فرانس کے اسقدر خاطر و مدارات کرنا شروع کردی تھی کہ جس سے سب خوش تھے اور جو کچھ وہ کرانا چاہتا تھا وہ سب ہی بخوشی منظور کرلیتے تھے لیکن اس تمام کارروائی میں فی الحقیقت برطانیہ نے سلطان کی بڑی امداد کی۔ پھر جب محمد علی نے شرائط کو نامنظور کیا۔ اور فرانس نے بھی اوس کا ساتھ دیا۔ تو ترکوں کی امداد کے واسطے اب انگریزی فوج جو بڑھی تو فرانس نے گو اسکو اپنی توہین تو سمجھا۔ مگر جنگ سے گریز کیا۔ حالانکہ اب شاہ لوی فلپ (Louis Philip) فرانس کا بادشاہ تھا۔ برٹش بیڑہ جہازات نے بیروت اور ایکری کے قلعوں کو تباہ کرکے ابراہیم کی فوجوں کو شکست دی۔ دراصل اب انگریزوں کے پاس دھواں کش جہازات تھے۔ اور اسیوقت دنیا نے گویا پہلی بار اُنکی قوت اور کرامات سمندر میں دیکھی سلطان نے بھی بذریعہ فرمان شاہی محمد علی کو معزول کردیا۔ تب محمد علی نے مجبوراً ۲۰ ستمبر ۱۸۴۱ء کو اوس۔ انگلستان و آسٹریا سے یہ عہد کرلیا کہ وہ شرائط مذکورۂ بالا پر مصر ہی کا پاشا رہے گا اور سلطان کو چار لاکھ پونڈ سالانہ خراج دیا کرے گا۔ نیز مصر میں صرف اٹھارہ ہزار سے زائد فوج نہ رکھ سکے گا۔ لیکن اُسی وقت یہ بھی طے ہوا کہ کسی دول غیر کا کوئی جنگی جہاز بجز ٹرکی کے بحیرہ اسود سے یا بحیرۂ اسود کو آبناے (Dardanelles) سے نہ جاسکے گا۔ اس معاہدہ سے تقریباً بارہ سال کیلئے ترکی کو گونہ چین بھی اب نصیب ہوا۔ درحقیقت برطانیہ کی ترکوں سے دوستی بلکہ اوس کا خوف سلطان

عبدالمجید پر اسقدر تاری ہوگیا تھا کہ جس کی حد ہی نہیں۔ برطانوی سفیر کیننگ (Canning) جو کچھ چاہتا وہ کرالیتا۔ رشید پاشا وزیر اعظم اور سفیر مذکور سے بیحد میل تھا یہی کیننگ تھا جب بعد میں لارڈ اسٹریٹ فورڈ (Lord stratford) ہوگئے تھے انھیں کے اثر سے روس کی وہ عمر بھر کی خواہشات کہ بیت المقدس کے روضۂ مقدس پر روسی قبضہ کرا دیا جائے نیز دولت عثمانیہ کی عیسائی رعایا روس ہی کے احکامات کی مذہبی پابندی کرے کسی طرح نہ پوری ہوسکیں۔ ان دو باتوں کے پورا کرنے کیلئے ہر روسی تاجدار جان تک دینے کو تیار رہا کرتا تھا اور اُس وقت بھی تھا۔

روس میں اب شاہ نیکولس (Nicholas) کا زمانہ تھا۔ اور وہ بھی سلطنت ترکیہ کے حصے بخرے کرانے کا خواب دیکھا تھا مگر پھر وہی یورپ کے آپس کے رشک و حسد نے نیز اب تو انگریزوں کی پوزیشن در ہندوستانی حکمت عملیوں نے کسی طرح روس کو آگے نہ بڑھنے دیا فی الحقیقت تو اب سلطان وقت بہت کچھ برطانیہ کی شہ پر مگن تھے۔ اور ۱۸۵۳ء میں روس کی ہر خواہش کو ٹھکرانے لگے۔ اس سے شاہ نیکولس بیحد مخالف ہوگیا۔ اور اُس نے دربار سلطانی سے سفیر کو واپس طلب کرلیا۔ بلکہ مالڈیویا اور ولاشیا میں فوجیں بھی اوتار دیں اور اس کارروائی کے واسطے ترکوں کے مظالم عیسائی رعایائے سلطانی بہ بطور بہانے کے ڈھونڈھ لئے گئے۔ سلطان نے دیگر دول یورپ کے ذریعہ معاملات کے سلجھانے کی ہر طرح کوشش کی مگر جب کسی طریقہ سے کام نہ چلا تو عمر پاشا کی زیر کمان روس سے جنگ پھر چھڑ گئی۔ اس جنگ کا نام جنگ کریمیا (Creamea) ہے جو ۱۸۵۳ء سے لیکر ۱۸۵۶ء تک جاری رہی۔ اس میں روس کو شکست تو ہوئی مگر بالآخر روسی سلطنت کا استحکام بھی زیادہ ہوگیا۔ کیونکہ ترکستان میں اوسکے فتوحات بڑھ گئے۔ اور افغانستان و ہندوستان تک درمیانی خوانین سے اور روس سے میل جول بڑھنے لگا نیز امام شامل کی بغاوت اور شرکیشیا (Circassia) کیوبا (Kuba) اور سیپوروجیا (saporozgia) کے کاسکوں کی باہمی جنگ و جدال نے بحیرہ اسود کے کل ساحل کو بھی بالآخر ترکوں کے ہاتھ سے نکلوا ہی دیا

فرانس و برطانیہ کو بھی ۱۸۵۴ء میں کریمیا کی جنگ میں پھانڈنا ہی پڑا تھا جس میں بالک لاروا (Balaklava) اور انکرمین (Inkerman) وغیرہ کی سی مشہور لڑائیاں ہو گئیں۔ اور ترکوں نے بمقام یوپیٹوریا (Eupatoria) ۱۸۵۵ء میں روسیوں کو سخت شکست دی۔ مورخین کا خیال ہے کہ یہ شکست ہی شاہ نیکولس روس کی موت کا باعث ہوئی۔ اور گویا حکومت روس کی دنیا میں بیحد ذلت و توہین ہو گئی۔ کیونکہ فرانس نے سیبیسٹوپول (Sebastopol) پر قبضہ کر کے اور روسی بحری فوج کو جی کھول کر تباہ کر کے مدتوں کا بخار نکالا۔ مگر اب روس نے مجبوراً فرانس سے خفیہ مصالحت کر لی۔ دراصل شاہ الیگزینڈر (King Alexander) روس نے جو اب تخت نشین ہوا تھا مصالحت ہی کو مصلحت سمجھا اور چونکہ برطانیہ کو بھی جنگ کریمیا (Cremea) کے باعث سخت دقتیں پیش آ گئی تھیں۔ اس سے بمقام پیرس ۱۸۵۶ء میں سب سے صلح ہو گئی۔ لیکن اب برطانیہ کی ہمدردی کا یونان کے ساتھ تو کچھ کہنا ہی نہ تھا۔ ۱۸۵۶ء میں مسٹر گلیڈ اسٹون تو خود یونان گئے اور واپسی پر جزائر آیونین بھی انہیں دلوا ہی چھوڑے۔ پھر جس طرح لارڈ بائرن (Lord Byron) کی ہمدردی جو ہیلینک (Hellence) تہذیب کی شیدائیت میں ڈوبی ہوئی تھی اور یونانیوں کی آزادی کے لئے ہر وقت و ہر طرح ضرب المثل تھی اسی طرح لارڈ روزبری (Lord Roseburry) کا وہ فقرہ جو دوران جنگ عظیم انھوں نے یونان کے بابت فرمایا تھا یعنی یہ کہ "انگلستان نے غلط گھوڑے پر داؤں لگایا ہے" بالآخر دنیا نے دیکھ لیا کہ سب صحیح ثابت ہو کر رہے اور کس طرح ترکوں نے یونان کی خبر لے لی۔

اس صلح کے بعد سلطان عبدالمجید خان نے بھی ایک فرمان شاہی جسے ترکی میں "ہتی ہمایوں" کہا جاتا ہے جاری کیا۔ اور اُس کے ذریعہ سے اپنی عیسائی و مسلم رعایا کو برابری کے حقوق عطا کر دیئے جس کا نتیجہ یورپ میں یہ نکالا گیا کہ ایسے فرمان شاہی کے بعد روس یا کسی عیسائی سلطنت کو یہ حق نہیں باقی رہا کہ عیسائی رعایائی حکومت ترکی کے کسی قسم کے حقوق کی نگرانی آیندہ کسی دوسرے کے سپرد رہے گی۔ حالانکہ تمام یورپ کو تو ہمہ وقت

ایسی فکر یا کرتی تھی کہ جو بھی فساد یا بلوہ مسلمان رعایا کے علاوہ دوسرے مذاہب کی طرف سے ٹرکی میں ظاہر ہوگا وہ یقیناً یورپ کے واسطے موقع مداخلت بھی ہوگا۔ مگر اب خود رعایا کو اُنکے حقوق کی حفاظت کے سپرد کر دینے سے گویا ترکی حکومت تمام ذمہ داریوں سے بری ہو جائے گی۔ اور جب فتنہ و فساد بھی نہ ہوگا تو ایسی حالت کا قیام ترکوں کے واسطے تو ایک نعمت غیر مترقبہ ہی ہو جائے گا اور وہ چین سے بسر کر سکینگے۔

بھلا سیاست دانان یورپ اس خاموشی اور صلح کے حالات کو ٹرکی کے واسطے کس طرح جائز رکھ سکتے تھے۔ ا۔ اُنکے نزدیک تو جب تک ترکوں کے مظالم کی داستانیں دنیا میں نہ مشہور ہوتیں تب تک اُنھیں چین ہی نہ نصیب ہوتا اور عیسائیوں کے حقوق کی حفاظت ہی کا حق تو دراصل اُنکے لئے تمام مداخلتوں کا موقع تھا۔

ملک میں بھی سلطان عبدالمجید خاں کی فطری صلاحیت، نیکی، رحمدلی، اور امن امان قائم رکھنے کی آرزو و حکمت عملی نے اُن کو ہر دل عزیز کر دیا تھا مگر اُنکے اصراف نے بھی یورپ کے مہاجنوں کو پورے طور پر ترکوں کے دروازے پر لا کر بٹھال دیا تھا جس سے قرض کی بھی کوئی حد نہ رہی تھی لیکن ۱۸۶۱ء میں سلطان کی وفات ہو گئی۔

عبدالمجید خاں کی اخلاقی جرأت اور مہمان نوازی کے قصے تو تاریخوں میں لکھے گئے ہیں اور اُنکے لکھنے کی یہاں گنجایش نہیں ہے۔ تاہم سر ایڈورڈ کریسی صاحب (Edward Creasy) نے جو لکھا ہے وہ یہاں درج کیا جاتا ہے "یوں تو سلطان اپنے عام برتاوے میں دول غیر کے ساتھ بہت عقلمندی سے صلح و آشتی کا اصول برتتے تھے مگر ۱۸۴۹ء میں بھی اونھوں نے جو کر دکھایا وہ ایسا شریفانہ ثبوت ہے کہ جس کا جواب ہی نہیں ہو سکتا۔ یعنی جبکہ روس و آسٹریا کی افواج نے ہنگری کی قوم کی جنگ آزادی کو ختم کر دیا تو بہت سے ہنگری کے امراء جو میگیار (Magyar) اقوام کی آزادی کے حامی تھے۔ ٹرکی حکومت میں آکر پناہ گزیں ہوئے۔ تب آسٹریا اور روس کی حکومتوں نے اُنکو واپس کر دیئے جانے اور اخراج کی سلطان سے خواہش کی [illegible] نے یہ کہکر کہ وہ لوگ اُنکے مہمان تھے۔ آسٹریا و روس دونوں کی دھمکی

کی پرواہ نہ کی اور یہ لکھ کر انکار کر دیا کہ مہمان سے کے ساتھ ایسا برتاؤ او نکی مذہبی و قومی عادتوں کے خلاف تھا۔[1]

سلطان عبدالمجید کے وقت میں سنوسیوں۔ وہابیوں اور بابیوں کا بھی بہت زور ہو گیا تھا اور سلطان کے وزرا بھی بڑے قابل اور ہوشیار تھے۔ بالخصوص مصطفیٰ رشید اور سب ہی نے ہوشمندی اور ایمانداری سے کام چلایا تھا عبدالمجید کے بعد اوسکے بھائی عبدالعزیز کو تخت نشین کیا گیا۔

سلطان عبدالعزیز

۱۸۶۱ء سے ۱۸۷۶ء

سلطان عبدالعزیز کو عمارات کا بیحد شوق تھا۔ قصر دولما باغچہ اونہیں کا تعمیر کردہ ہے اوسکے فرش اور زینے وغیرہ جوز کی لکڑی سے بنے ہوئے کہے جاتے ہیں۔ بلکہ ایک زینہ تو خالص چاندی ہی کا اوسمیں بنایا گیا تھا۔ جسکے دونوں کناروں کے ستونوں پر لٹوؤں کی طرح کے دو بڑے بڑے ہیرے جڑے ہوئے تھے لیکن فی الحقیقت اب ملک میں یوروپین پالیسی کا پورا تسلط تھا۔ اور یورپ کے سرمایہ داروں نے جی کھول کر اس سلطان کو بھی قرض دینا شروع کر دیا تھا جسکی تعداد دو سو ملین اسٹرلنگ تک پہونچ گئی تھی۔ اب روس۔ برطانیہ۔ فرانس اور اٹلی بیرونی انقلابات کی بھرمار یاستوں کو آزاد کرا دینے میں بہمہ وجوہ معروف ہو گئے تھے۔ کیونکہ پیشتر ہی سے ہر قسم کے مراعات اونکے واسطے حاصل کرا دیئے گئے تھے اور خود دولت عثمانیہ ہی میں جمہوریت کی بنیاد بھی پڑ گئی تھی۔ مدحت پاشا اوسکے اصلی بانی مبانی سمجھے جانے لگے تھے۔ اس لئے سلطان انسے بیحد مشکوک تھے۔ مگر چونکہ وہ بغداد کے گورنر تھے اور دار السلطنت سے دور تھے اسلئے زیادہ بازپرس نہ تھی۔ بغداد میں مدحت ہی نے کاظمین تک ٹریم گاڑی چلوادی تھی اونکے تعلقات دوستانہ برطانوی حکومت اور اوسکے سفرا سے بیحد گہرے تھے۔

---

[1] دیکھو تاریخ آٹومن ترک (The History of Ottoman Turk) صفحات (۵۳۳-۵۳۴)

اور اونکی آخر زندگی تک رہے - اونپر سلطانی خفیہ بھی متعین رہتا تھا - وزیر اعظم محمود
ندیم پاشا سے اور مدحت سے سخت عداوت رہتی تھی - مگر چونکہ استنبول اور یورپ میں
مدحت نے اخباری دنیا کو تمام و کمال اپنے ہاتھوں میں لے رکھا تھا - اسی لئے محمود ندیم
کے خلاف مضامین بھی لکھے جاتے اور اونکی خیانت و اسراف کی داستانوں سے اخبارات
بھرے رہتے - جس کا نتیجہ آخرکار نکل کر رہا - برطانیہ کی پالیسی بھی کامیاب ہوئی اور محمود ندیم
علیحدہ کئے گئے نیز برطانیہ کے زور دینے پر مدحت ہی کو وزیر اعظم کرنا پڑا - جو کچھ بھی
اخراجات ان تمام کوششوں میں ہوے کہا جاتا تھا کہ برطانوی احباب کی جیب سے
یا اونکے ہاتھوں ہوے - اور یہ مشہور ہوگیا کہ مدحت کو قلمدان وزارت انگریزوں ہی نے
روس کے مقابلہ میں دلواکر چھوڑا - چنانچہ محمود ندیم کا اخراج بھی ملک سے کرادیا گیا - اور
دباؤ ڈالکر سلطان کے بھی اختیارات کم کرادیئے گئے - نیز اونکے ذاتی اخراجات کے
واسطے صرف ڈیڑھ لاکھ پونڈ ماہوار دینے کی تجویز بھی کرلی گئی - لیکن خود سلطان نے وزارت
کا رنگ دیکھکر صرف ایک لاکھ پونڈ پر اکتفا کرلی - اور محل شاہی کا عملہ بھی
کم کردیا -

اسوقت جنرل اغنایف (General agnatiff) روسی سفیر استنبول میں متعین
تھا جس کے اور مدحت کے درمیان صفائی نہ تھی - جنرل مذکور روسی سفارتخانہ میں
عیسائی تھا مگر محل سلطانی میں لوگ اوسے مسلمان سمجھتے تھے - سلطان سے اور اوسکے
بیحد مراسم دوستانہ ضرور تھے - اور وقتاً فوقتاً بہت کچھ زر و جواہر نیز تحائف بھی اوس نے
سلطان سے حاصل کئے تھے - چنانچہ مدحت نے اوس کی رسائی بھی کم کرانے کا سامان
مہیا کرلیا - جنرل صاحب نے اب مدحت کے قدم بہ قدم چلکر اخباری دنیا میں صرف
کثیر کرنا شروع کردیا - اور مدحت کی بھی خاصی مذمت اخباروں وغیرہ میں شروع ہوگئی -
یہانتک کہ ایک ہی سال کے اندر مدحت علیحدہ کئے گئے اور معزول محمود ندیم ابن نجیب
پاشا روسی اثر سے پھر وزارت عظمیٰ پر واپس آگئے - سنہ ۱۸۶۷ء میں ادھر رومانیا (Romania)
کی ایک جدید ریاست قائم کرادی گئی تھی - اور یورپ کی چال بازی سے بلغراد سے

سلطانی فوج ہٹوا دی گئی جس سے گویا سربیا کو آزاد ہی کرا دیا گیا۔ اب مدحت کا بھی اخراج ہوا۔ اور ترکوں و روسیوں میں ایک دوستانہ معاہدہ بھی ہو گیا۔ جس سے یہ طے ہوا کہ دشمن کے مقابلہ میں دونوں ایک دوسرے کا ساتھ دیا کرینگے۔ نیز تجارت بھی آزادی سے مساوی حقوق کے ساتھ ایک دوسرے سے کرے گا۔ اور کسی غیر سے کوئی فریق قرض نہ لے گا۔ یہاں تک کہ اجنبی کو استنبول میں بھی لوگ محمو ڈاف (Mahmudoff) کہنے لگے۔ محمود ندیم کی وزارت ہی کے زمانے میں ناصرالدین شاہ قاچار شاہ ایران سلطان وقت کے مہمان ہو کر قسطنطنیہ تشریف لائے اور ترکوں نے بڑی شان و شوکت سے اون کا استقبال کیا۔ اور شاہ کی ایسی شاہانہ خاطر و مدارات کی کہ جس کی کوئی انتہا ہی نہیں کہی جاتی ہے۔ کسی بادشاہ کی آمد پر دولت عثمانیہ نے اتنی خوشی و مسرت کا ہر جانب سے اظہار نہیں کرایا تھا اور شاہ خود بھی اس خیر مقدم وغیرہ سے بیحد مسرور نظر آئے۔ مگر ایک واقعہ ایسا پیش آیا جو نہ صرف شاہ کی عالی ظرفی سے بعید تھا۔ بلکہ جس کا افسوس سلطان عبدالعزیز مرحوم کو بھی بیحد ہوا۔ ایک شب میں شاہ نے ایسا لباس زیب تن فرمایا جو جواہر سے پُر تھا۔ اور جسکے ہیروں کی چمک سے نگاہ نہ ٹھہر سکتی تھی۔ دربار سلطان کے وزرا کہ جو فوجی لباسوں کے عادی تھے۔ جواہرات کی نمائش کچھ بھلی نہ معلوم ہوئی اور یہ خیال ہو گیا کہ میزبانوں کی توہین کرنے کے واسطے نیز اظہار دولت کے خیال سے شاہ نے ایسا کیا۔ حالانکہ خود سلطان ترکی تو سادہ فوجی لباس ہی عموماً زیب تن کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ ایک شب کی دعوت میں جو صدر اعظم کے محل میں شاہ کو دی گئی۔ اور شاہ نے محمود ندیم پاشا کی عزت افزائی کے واسطے شب کا قیام بھی وہیں منظور فرمایا۔ جو مکان کہ باسفورس کے کنارے ہی پر تھا۔ جب کھانے کی میز پر مہمان جمع ہوئے تو سب کی آنکھیں کھل گئیں۔ جسقدر ظروف اور کانٹے چھری وغیرہ سامنے میز پر آئے سب خالص سونے کے اور سب پر جواہر کے جڑاؤ کے اور کچھ بھی نظر نہ آتا گویا سب بالکل ہیروں کے بنے نظر آتے تھے۔ جسقدر ملازمین میز پر کام کے واسطے

آئے وہ سب بھی ہیروں سے جڑی ہوئی پوشاکوں سے لدے پھندے جس سے شاہ کے لباس اور اونکے لباسوں میں تمیز مشکل ہوگئی۔ غسل خانہ کی کھڑاؤں تک میں اسقدر بڑے بڑے ہیرے جڑے ہوئے تھے کہ جنکے دیکھنے سے نگاہ خیرہ ہوتی اور عقل حیران۔ اور اتفاق سے شاہ کے تاج میں بھی اوتنے ہی بڑے ہیرے لگے تھے۔ یہ حال دیکھکر شاہ نے اپنے وزیر سے کہا کہ اونکی سخت تحقیر کی گئی۔ وزیر نے مشورہ دیا کہ صبح سے شاہ بھی ترکوں کی طرح سادہ لباس پہنیں اور اس کل واقعہ کے نسبت اپنا ہی قصور ظاہر کرکے کل الزام اپنے سر اوڑھ لیا۔ اور عرض کی کہ در اصل اوسی کا فرض تھا کہ شاہ کو زمانہ کے مطابق اور یورپ کے رواج کے موافق لباس پہنے کا مشورہ دیتا۔ کیونکہ اب عموماً یورپ میں جواہرات کا پہننا مستورات کے واسطے مخصوص ہو چلا تھا۔ مرد عموماً سپاہیانہ وضع میں رہنے لگے تھے۔ اور مہمان ہوکر سلاطین و شاہان یورپ تو تاج وغیرہ بھی نہیں پہنتے تھے۔ تاہم دوسرے دن وزیر ایران نے محمود ندیم پاشا سے اس توہین آمیز حرکت کا سبب بھی دریافت کیا۔ اور شکایت کی۔ اس کا جواب صدر اعظم ٹرکی نے یہ دیا کہ "ابتدا تو شاہ ہی کی طرف سے کی گئی۔ ترک قوم تو سپاہی ہے اور سادہ لباس کی عادی۔ زر و جواہر کی اوس کی نگاہ میں کوئی بھی وقعت نہیں تھی۔ اور نمایش سے کل قوم کی قوم مبرا ہے۔ اور چونکہ اوکو علم بھی ہو چکا تھا یہ کہ دیگر سلطنتوں کی طرح ایران کی نظر بھی دولت عثمانیہ کی جانب اچھی نہ تھی لہذا یہ بھی ظاہر کردینا مقصود تھا کہ جہاں سادگی ترکوں کا زیور ہے وہاں دولت بھی ترکوں کے پاس ابھی تک کافی موجود تھی۔ جو جنگ کے واسطے سب سے بڑا لوازمہ ہے۔ محل شاہی کی دولت کا اندازہ وزرا کی منفرداً آسودگی سے بھی کرنا مشکل ہے۔ ہاتھی گو لٹ گیا ہے مگر اب بھی سوا لاکھ ٹکے کا ہے"۔

روس و برطانیہ کی چالوں سے اب ایکدن بھی ٹرکی کو نجات نہ تھی۔ چنانچہ پھر برطانیہ کی شہ پڑ گئی۔ عام رائے کو ندیم کے خلاف کرا دیا گیا۔ اور اب عام رائے کا ملک میں اثر ہو چلا تھا۔ اوسی سے سلطان وقت مجبور ہو جاتے تھے۔ نیز اب بلووں اور

بدنظمیوں کا ڈر بھی پیدا ہو چلا تھا۔ جس سے پھر محمود ندیم کو ہٹا دیا گیا۔ اور سعید والی رشدی
پاشا صدر اعظم کر دیئے گئے۔ مگر نو ماہ کی وزارت کے بعد وہ بھی علیحدہ ہو گئے تب
مترجم پاشا کو قلمدان وزارت دیا گیا۔ اونھوں نے آتے ہی کل اخراج شدہ ترکوں کو
استنبول کی واپسی کی اجازت دلوا دی۔ اور ندیم و مدحت کے درمیان متوسل بن کر
مدحت کو وزیر خارجہ کر لیا۔ نیز حسین عونی وزیر جنگ ہوئے۔ مگر ندیم نے اب کوئی وزارت
قبول نہیں کی۔ اور خود ہی ملک سے باہر چلے گئے۔ مترجم رشدی بحد نیک اور مسمر
آدمی تھے جس سے مدحت نے فائدے اوٹھانا شروع کر دیئے۔ اور حسین عونی کے
ساتھ سازش کر کے سلطان کو تخت سے اوتارنے کی کوشش شروع کر دی۔ اور اسی
ضرورت سے ایک روز عونی کے مکان پر بھی وزرا کو جمع کر کے ایک محضر نامہ بھی دستخطوں
کے واسطے مدحت نے پیش کر دیا۔ اور سب کے دستخط بھی کرا لئے۔ شیخ الاسلام اور
وزارت کی مہر بھی محضر پر لگا دی گئی۔ لیکن اس پر مترجم نے یہ کہا کہ اگر سلطان خود اسی
نصیحت سے وزارت کے حسب لخواہ کام کرنے پر راضی ہوں تو اون کو علیحدہ نہ کیا جائے
چنانچہ سب نے اس پر بھی رضامند ہو کر قسم کھائی۔ اور خود مترجم ہی کو سلطان سے اس
گفتگو کے واسطے تیار کیا گیا۔ لیکن اوسی شب میں کسی ضرورت سے سلطان نے عونی
کو طلب فرمایا۔ جس پر اوسے یہ خیال گذرا کہ غالباً مترجم نے سازشوں کا بھانڈا پھوڑ دیا۔
اور اوسی وقت وہ مترجم کے مکان پر گیا۔ اور ظاہر کیا کہ شاید سلطان کو سب خبر پہونچ گئی۔ اور اگر
اوسی شب میں سلطان کو تخت سے محروم نہ کر دیا گیا تو صبح کو کسی کی خیر نہیں ہے۔ چنانچہ
اوسی وقت جلسہ وزرا طلب ہو گیا۔ عونی نے فوج تیار کرائی۔ اور محل شاہی کا محاصرہ بھی
ہو گیا۔ اب عونی تو سلطان کی خدمت میں حاضر ہوا اور اودھر مدحت ولیعہد سلطنت شاہزادہ
مراد کے پاس پہونچا تاکہ اوس کو قبول تاج و تخت پر تیار کر لے۔ ردیف پاشا جو محل
شاہی کی فوج کے جنرل تھے اون کو بھی محضر دکھلایا گیا اور انھیں کے ذریعہ سلطنت
کی دست برداری کیلئے سلطان سے خواہش کی گئی۔ چنانچہ وہ سلطان کے پاس گئے
اور عرض حال کی۔ سلطان نے دریافت کیا کہ کس کا حکم ہے۔ ردیف نے جواب میں عرض

کیا کہ غصہ نہ کیجئے۔ جھروکے سے باہر ملاحظہ فرمائیے۔ اوسی وقت وہاں عونی بھی داخل ہوا۔ اور محضر کو پیشگاہ سلطانی میں رکھدیا۔ اب سلطان خاموش ہوگئے اور تعمیل میں عذر نہیں کیا۔ ساحل پر جنگی جہازات تیار تھے۔ اور باوجودیکہ شب میں سخت بارش ہورہی تھی۔ سردی بھی خوب تھی تاہم بلاعذر سلطان محل سے باہر ہوگئے اور اون کو اوسکی سرائے فوراً پہونچادیا گیا۔ اوسی شب میں مدحت نے جاکر مراد کو تخت وتاج سلطنت کی مبارکباد پیش کی۔ مگر سلطان مراد کی ماں نے اس کل کارروائی کو دھوکا سمجھا۔ اور مراد ایک صندوق میں جاکر چھپ گیا۔ جہاں سے زبردستی کے ساتھ اوس کو نکالا گیا۔ تاہم اوس نے تخت کے قبول کرنے سے انکار ہی کیا۔ بلکہ یہی کہتا رہا کہ چچا عبدالعزیز زندہ ہے اوسی کا حکم مانا جائے گا۔ اور مدحت کو بھی جھوٹا بناتا رہا۔ مگر مدحت نے اچھی طرح سمجھالیا اور صبحکو سلطان مراد کی تخت نشینی کی توپیں بھی سر ہوگئیں اور اوسے قصر دولما باغچہ میں بطور سلطان وقت لایا بھی گیا۔ تب جاکر اوسے پورا یقین ہوا۔ اب عام ملک کی حالت یہ تھی کہ چونکہ سنہ [illegible]ء سے قبل ہی شیخ جمال الدین افغانی نے ٹرکی میں ایک عظیم انقلاب پیدا کرادیا تھا۔ اور بہت کچھ تعلیمی اصلاحات کرادی تھیں۔ کیونکہ مجلس تعلیم کا اُنکو ایک رکن بنایا گیا تھا۔ اور ملک میں تقریروں کا رواج زائد ہوگیا تھا۔ گو اون کی تقریروں کے باعث اونکو خود کو بھاگنا پڑا تھا تاہم ملک میں بیداری بکثرت بڑھ گئی تھی۔ اور عام رعایا سیاست پر متوجہ ہوگئی تھی۔ اب ٹرکی سے غلہ ومویشی وغیرہ بیحد باہر جایا کرتا تھا اور ہر ترک بچہ مرد وعورت کوئی نہ کوئی صنعت یا پیشہ ضرور سیکھتا تھا اور بجز چاندی کے تمام خام اشیا ملک میں پائی جاتی تھیں کھیتی باڑی بھی خوب ہوتی تھی۔ غیر مسلم بیوپاری برآمد کی تجارت عموماً کرتے تھے۔ مثلاً یونانی وارمنی لیکن جب سے کہ مشین سے بنا ہوا مال ملک میں زائد آنے لگا تھا مسلمانوں پر افلاس کا بھی اثر زائد ہونے لگا تھا فوجی خدمت سے مستثنیٰ ہونے کے باعث عیسائی آبادی بڑھنے لگی تھی اور مسلمان جنگوں کے سبب کم بھی ہونے لگے تھے۔ نیز غیر ممالک واقوام کے خاص حقوق بھی روز بروز ترقی پذیر تھے۔ اسی زمانہ میں طرفِ حکومت سے مخالف خیالات کے لوگ جلاوطن بھی کئے گئے اور اب نوجوان ترکون کی انجمن نے زور پکڑ لیا تھا۔

جب ۱۸۷۴ء میں بوجہ قرض کے سلطنت کا اعتبار بجد گھٹ گیا تھا سود تک دینے سے بھی حکومت نے معذوری ظاہر کر دی تھی تب ہی ایک بین الاقوامی کمیشن بھی مقرر کیا گیا تھا اور کچھ مالیہ حصہ ملک قرض کی ادائی کے واسطے اوس کمیشن کے اختیار میں دیدیا گیا نیز عبدالعزیز ہی سے بلغاریہ کو ایک فرمان شاہی کے ذریعہ سے آزاد بھی کرا دیا گیا تھا۔ الغرض ۲۹ مئی ۱۸۷۶ء کو سلطان عبدالعزیز کو شیخ الاسلام کے فتوے سے اوتارا گیا۔ اور سلطان مراد تخت نشین ہوے۔

سلطان عبدالعزیز مرحوم کے آخری زمانہ میں پیر ابوالہدی رفاعی بھی جبکہ مترجم کی وزارت تھی استنبول گئے تھے۔ کیونکہ اون سے اور کامل پاشا گورنر بغداد سے سخت اختلاف ہو گیا تھا۔ وہاں مدحت پاشا نے اُن کی امداد کی اور جو اوقاف وجاگیر وغیرہ کامل پاشا نے ضبط کر لی تھی وہ بفرمان وزارت واپس دلوا دیئے گئے۔ اور حالت پاشا جو اوس وقت سلطان کے پرائیوٹ سکریٹری تھے۔ وہ رفاعی صاحب کے مرید ہو گئے اور ہر طرح کی خاطر اپنے پیر کی کرنے پر تیار ہو گئے۔ چنانچہ اونھیں کے اثرات سے رفاعی صاحب کو سب طرح کامیابی ہوئی تھی۔ اونھیں نے شاہزادہ عبدالحمید خان سے بھی رفاعی صاحب کو ملایا۔ اور شاہزادہ مذکور نے رفاعی صاحب سے استنبول کے آیندہ کے متعلق کچھ دریافت کیا تو پیر صاحب نے جواب میں فرمایا کہ دوسرے دن بتلائیں گے۔ اور جب دوسرے روز شاہزادہ سے ملاقات ہوئی تو پیر صاحب نے فرمایا کہ اوسی سال شاہزادہ صاحب کو سلطان ٹرکی ہونا پڑے گا۔ اور اونھیں یہ بشارت ہوئی ہے۔ چنانچہ محل کی دیوار پر یہ بشارت لکھ بھی دی گئی۔ اس بشارت کے پندرہ یوم کے اندر ہی سلطان عبدالعزیز تخت سے اوتارے گئے۔ سلطان عبدالعزیز کی عمر اوس وقت پچاس سال سے کچھ کم تھی۔ اور رفاعی صاحب کی پیشین گوئی واقعی صحیح ہوئی۔

مشہور تھا کہ سلطان عبدالعزیز اور مدحت پاشا کے درمیان گو وجوہ اختلاف بہت تھے مگر ایک خاص واقعہ اور بھی پیش آ گیا تھا۔ ایک روز اپنی صدر اعظمی کے زمانہ میں مدحت پاشا محل شاہی پر حاضر ہوے اور نیچے کے اوس کمرے میں جہاں بادشاہ کے

اوترنے کا زینہ تھا ٹہل ٹہل کر کچھ سوچ رہے تھے۔ اور اونکے جوتے سے خوب چرمراہٹ کی آواز بھی نکل رہی تھی۔ جسکے باعث سلطان کے نیچے اوترنے کی مدحت کو خبر نہ ہوئی۔ یہانتک کہ سلطان نیچے آگئے اور مدحت اوسی وقت ٹہلتا ہوا وہاں پہونچا جہاں کہ سلطان نیچے اوترے تھے۔ مدحت کی پشت سلطان کی طرف ہو گئی تھی۔ چنانچہ اس غفلت اور بے ادبی پر سلطان نے مدحت کے ایک ایسی لات ماری کہ جس سے وہ گرا اور لونڈھک گیا۔ مگر فوراً جھاڑ پونچھ کر اوٹھا اور گھر واپس چلا گیا۔ سلطان عبد العزیز نے سراے بگلر بیگ اور قصر چراغاں کو تو ضرور تعمیر کرا لیا تھا۔ لیکن ۱۸۷۵ء میں کاشتکاروں تک نے بوجہ خرابی پیداوار بلوے اور ہنگامے وغیرہ بھی برپا کر دیے تھے۔ اون کی دیکھا دیکھی بلغاریہ کی رعایا نے بھی بمقام باٹک (Batak) ۱۸۷۶ء میں بلوہ کر دیا۔ کیونکہ باشی بزوقوں نے جو کریمیا کی تاتاری قوم سے تھے بقول اوسوقت کے انگریزمورخوں کے بلغاریہ کے ساٹھ مواضعات جلاکر اون پر بیحد مظالم کیے تھے اور جس کو لندن کے اخبار ڈیلی نیوز (Daily News) نے بڑے چم و خم سے شایع کرکے خوب شہرت دے دی تھی۔ اوس میں یہ بھی لکھا گیا تھا کہ "بارہ سو زندہ مرد و عورت و بچے جو گرجے میں پناہ گزیں تھے۔ اون کو جلاکر خاک کر دیا اور جس پر سلطان ترکی نے عصمت پاشا کو بڑا انعام بھی دیا" حالانکہ ایسے جھوٹے بیانات کی تردید بھی مسٹر ڈزریلی (Disraeli) نے ایوان عام انگلستان میں مجبوراً کی مگر یورپ کی بالقصد فتنہ انگیزیوں اور ترکوں کے خلاف سازش کا علاج ہی کیا تھا۔ وہاں ترکوں کے موافق بیانات سننے کیلئے کوئی بھی تیار نہ تھا۔ اول تو مذہبی تعصب اور دوسرے لوٹ مار اور تجارتی حقوق لینے کے لیے سب کی رال ٹپک رہی تھی۔ اوسی وقت اتفاق سے سلانیکا میں فرانس اور جرمنی کے کانسلوں کا بھی قتل واقع ہو گیا جس سے آگ اور بھی بھڑک اوٹھی۔

سلطان مراد پنجم

سنہ ۱۸۷۶ء

سلطان مراد عبدالمجید خاں مرحوم کا لڑکا تھا۔ قصر دلما باغچہ میں داخل ہوتے ہی اوسنے دریافت کیا کہ چچا عبدالعزیز کہاں گئے؟ تو بتلایا گیا کہ اوسکی بستر بھیجدئے گئے بس اوسی وقت سلطان مراد نے ایک آدمی چچا کے پاس اس پیغام سے بھیجا کہ جو کچھ حکم ہو وہ تعمیل کے واسطے حاضر تھا۔ عبدالعزیز نے تحریری جواب بھیجا کہ "آپ کو تخت سلطنت مبارک ہو مگر میری یہ نصیحت ہو کہ فوج پر کبھی بھروسہ نہ سمجھئےگا۔ باوجودیکہ میں نے فوج کو بہت کچھ دیا مگر پھر بھی میری نہ ہوئی۔ مجھے اب قصر چراغاں میں رہنے کی اجازت ہو"۔ چنانچہ خط دیکھتے ہی سلطان نے اجازت دیدی اور یہ بھی حکم دیدیا کہ جو کچھ خدم و حشم چچا طلب کریں سب دیا جاوے۔ مدحت اور عونی نے جب یہ رنگ دیکھا کہ سلطان اپنے چچا کی ہر خاطر کو تیار ہے تو اون کو یہ اندیشہ ہوا کہ ممکن ہے کہ کسی دن تخت سلطنت بھی حوالہ کر دے۔ یا وزراکیساتھ بدسلوکی کرنے پر آمادہ ہو جاوے۔ اور جبتک عبدالعزیز زندہ رہینگے نہ وزرا محفوظ رہینگے نہ ملک ہی کو سکھ نصیب ہوگا۔ نیز عبدالعزیز کے استنبول پہونچانے سے کل وزارت مخالف ہوگئی۔ تب مدحت و عونی نے دوسری سازش کی۔ مگر حالت یہ تھا اب بھی پرائیویٹ سکریٹری تھے اور وفادار۔

عبدالعزیز خاں کو پہلوانی کا بیحد شوق تھا۔ اور خاصا زوراب بھی وہ مصروف چار پہلوانوں سے کیا کرتے تھے۔ جو اونکے ملازم تھے۔ جب عبدالعزیز کو قصر چراغاں میں آئے ہوئے صرف تین ہی دن گذرے تھے کہ جمعہ کے دن حسب عادت اونھوں نے داڑھی درست کرنے کے واسطے اپنی ایک بیوی سے جو چرکس حسن کی بہن تھی ایک قینچی مانگی جو بیوی لے آئی اور شوہر کے پاس بیٹھ گئی۔ کہ یکایک چاروں پہلوان محل کے اندر گھس آئے۔ ملکہ فوراً ہی کوچ کے پیچھے چھپ گئی۔ جسکو پہلوانوں میں سے کسی نے بھی نہیں دیکھا۔ اب عبدالعزیز خود گھبرا کر کھڑے ہو گئے اور سبب دریافت کیا۔ پہلوانوں نے بجائے معذرت

نے گستاخانہ کہا کہ کچھ زرد ہو جاوے۔ عبد العزیز نے غصہ سے کہا کہ "اس وقت نہیں۔ ابھی جاؤ۔ میں خود طلب کر لوں گا" اور یہ کہہ کر ٹہلنے لگے۔ کہ یکایک ایک نے ٹانگ پکڑ لی دوسرے نے ہاتھ سے زور شروع کر دیا۔ تیسرا چمٹ گیا۔ اور چوتھے نے قینچی کو اٹھا لیا اور سب نے گرا کر دونوں بازوؤں کی رگیں کاٹ دیں۔ جس سے خون جاری ہو گیا۔ اور منہ میں رومال دیکر چیخنے سے بھی مجبور کر دیا۔ اسی وقت مدحت و عونی بھی پہونچ گئے۔ اور جیسے ہی کہ دونوں کو اطمینان ہو گیا کہ عبد العزیز کا دم نکل گیا۔ وہ دونوں دریا کے راستے سے شہر میں داخل ہو گئے۔ اور جنازے میں بھی شامل ہوئے۔ اس تمام کارروائی کے درمیان عبد العزیز کی بیوی ایک کوچ ہی کے پیچھے سے تمام تماشہ صبر و استقلال کیساتھ دیکھتی رہی تھی جب سب واقعہ ہو گیا اور لوگ چلے گئے تو وہ باہر آئی اور اپنے بھائی کو بلا کر سب واقعہ کہدیا۔

سلطان مراد کو چچا کے قتل کے واقعہ سے سخت صدمہ ہوا اور وہ بیمار ہو گیا۔ اور دماغ جو پہلے سے پورا صحیح نہیں تھا اور بھی اوس پر اثر پڑ گیا۔ جب سلطان عبد العزیز کا جنازہ اوٹھایا گیا تو چرکس حسن۔ اور دیگر وزرا بھی ہمراہ ہوئے۔ بد قسمتی سے عونی پاشا نے دفن کے وقت طنزاً چرکس حسن سے کہا کہ "اب تمہارے سرکار کی کیا حالت ہے" کیونکہ چرکس حسن علاوہ سلطان عبد العزیز کے سالے ہونے کے سلطانی یاور یا ایڈیکانگ بھی تھا۔ جن کے پاس خاص تمغے رہتے تھے اور جنکی بدولت وہ ہر جگہ پہچان لئے جاتے اور آجا سکتے تھے۔ سلاطین ترکی کی ایک بیوی چرکس خاندان سے اکثر ضرور ہوتی تھی۔ یہ قوم بہادر اور حسین سمجھی جاتی تھی۔ چرکس حسن نے عونی سے جواب میں پوچھا کہ "کیا تمکو بہت خوشی ہوئی" اور کہا "تمکو بھی انشاء اللہ اسی کے ساتھ دفن کرینگے" اور فوراً طپنچہ نکالا۔ مگر اوس کو اوسیوقت گرفتار کر لیا گیا۔ اور بغداد چلے جانے کا حکم دیا گیا۔ اس پر چرکس حسن نے ایک ہفتہ کی مہلت مانگی جو ناچار دی گئی تاکہ اپنا سب کاروبار سمیٹ لے۔ اب وہ سیدھا اپنی ہمشیر کے پاس گیا اور صبر و تحمل کی تلقین کر کے یہ بھی ہدایت کی کہ کسی شخص سے بھی کچھ نہ کہا جاوے کیونکہ سلطان مراد علاوہ پاگل ہونے کے بیحد کمزور طبیعت انسان تھا۔ اگر چرکس حسن زندہ رہا۔ تو افشائے راز کا وقت اور اوسکی تدبیر بتلائے گا۔ اگر وہ مر جائے تو اس سلطان کے بعد

جو بھی سلطان ہو اوس سے کل واقعہ کہدیا جاوے" اب ظاہری طور پر چرکس حسن اپنے
کاروبار وغیرہ کی سمیٹ میں مصروف ہوا مگر ایک دن اوسنے متعدد پستول خنجر اور تلوار وغیرہ
یعنی ضروری ہتھیار تمام اپنے کپڑوں میں مختلف ترکیبوں اور طریقوں سے رکھ لئے
اور سب کے اوپر ایک سیاہ باتی عبا پہن لی اور یکبارگی مدحت پاشا کے مکان کے بالائی حصہ میں جہاں
مجلس وزرا کا جلسہ مشورہ ہورہا تھا پہنچ گیا نیز پہرے والوں کو تمغہ یاوری دکھلا کر بیخوف اندر
داخل ہوگیا۔ نیچے کے حصہ مکان میں جو چپراسی وغیرہ بیٹھے تھے وہ اتفاق سے تاش کے
کھیلنے میں مصروف تھے۔ چرکس حسن کو دیکھتے ہی وہ خوف سے گھبرا گئے اور تاشوں کے
چھپانے میں پڑ گئے۔ چرکس حسن اسوجہ سے بلا روک وجہ با کانہ اندر چلا گیا اور زینے پر
چڑھ گیا۔ بالاخانہ پر سنتری نے روکا۔ چرکس حسن نے کہا کہ "سلطان نے بھیجا ہے"۔ اس پر
سنتری نے کہا کہ اچھا ٹھہرئیے دریافت کر لیا جاوے۔ یہ کہتے ہی وہ آگے بڑھا چرکس حسن
بھی اوس کے پیچھے ہو لیا۔ جیسے ہی کہ سنتری نے دروازہ کھولا وہ بھی اوسکے ہمراہ
دروازہ کھولنے پر اندر داخل ہوگیا۔ عونی پاشا نے غلطی سے قبل اسکے کہ سنتری کچھ کہے
چرکس حسن کو دیکھ کر دریافت کیا کہ "تم ابھی تک بغداد نہیں گئے اور کیا کوئی فرمان لائے
ہو"۔ اس پر سنتری فورًا واپس ہوگیا۔ چرکس حسن نے جواب میں کہا کہ "عبدالعزیز نے تمکو بلایا ہے"
اور فورًا ہی تپنچہ سے دو فیر عونی پر کر دیے۔ اب کیا تھا بھگدڑ مچ گئی۔ مدحت مکان کے
زنانہ حصہ کی طرف بھاگا۔ عونی تو وہیں گر گیا۔ اس پر سنتری فورًا ہی گولیوں کی آواز
سن کر لوٹ پڑا اور چرکس حسن کو پیچھے سے پکڑ لیا۔ موقع پاکر شیخ الاسلام اور محمد رشدی پاشا
بھی مدحت کے پیچھے اندر گھس گئے۔ اور دروازہ بند کر کے جو کچھ بھی فرنیچر کمرے میں تھا
اوس کو دروازہ میں رکھ کر ڈھیر کر دیا۔ چرکس حسن نے سنتری سے کہا کہ "اوس کو کون ایسی
عداوت ہے جو اوسکو روکتا ہے" اور اوس سے ہاتھا پائی بھی شروع ہوگئی۔ چرکس حسن نے
سنتری کی گردن میں خنجر مارا جس سے وہ فورًا ہی گر گیا۔ اور مر گیا۔ اب جو وزرا کہ
مدحت کے ساتھ اندر نہ داخل ہو سکے تھے اون کو چرکس حسن نے تلاش کر کے شہید کیا۔
یعنی حسن پاشا وزیر بحری اور راشد پاشا وزیر داخلہ اور اور بھی دیگر جو وہاں مل گئے۔ مگر

اتفاق سے سین عونی ابھی زندہ تھا۔ اوسنے کسی نہ کسی طرح اٹھ کر کھڑکی سے پولیس کو آواز دی چرکس حسن نے دیکھتے ہی اوسکے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے اور زنانہ دروازہ کے پاس جاکر مترجم محمد رشدی پاشا کو آواز دے کر کہا کہ "آپ مت ڈریئے۔ میں صرف مدحت کی تلاش میں ہوں۔ کواڑ کھول دیجئے"۔ جب جواب نہ ملا تو اوسنے پردوں وغیرہ میں اور فرش میں آگ لگا دی۔ اس اثنا میں پولیس اور فوج بھی پہونچ گئی۔ کرنل شکری بے نے چرکس حسن کو تسلیم کرنے کا حکم دیا یعنی ہتھیار ڈالنے کو۔ مگر چرکس حسن نے تعمیل نہیں کی۔ اور جنگ شروع کر دی۔ جب اوسکے کارتوسوں کا خزانہ ختم ہو گیا۔ اور فوج نے سنگینوں پر دھر لیا تو گرفتار ہو گیا۔ شکری بک نے اوس پر تھوکا اور پشت تلوار کو اوس کی گردن پر رکھ دیا۔ اوسی وقت چرکس حسن کو خیال آگیا کہ ایک تمنچہ اوسکے چمڑے کے موزے میں پیر میں محفوظ تھا۔ اوسنے فوراً جھک کر پستول نکال کر شکری بے پر چلا دیا۔ اس پر فوج نے سنگینوں سے چرکس کے بھی ٹکڑے ٹکڑے کر دیے۔

اس واقعہ کے بعد ہی مدحت اور شیخ الاسلام صدر اعظم کے ہمراہ سلطان مراد کے پاس حاضر ہوے اور چرکس حسن کی بچی کھوچی نعش کیواسطے پھانسی کا حکم حاصل کیا جو محض عبرت دلانے کیواسطے منظور کیا گیا سلطان تو اب تخت چھوڑنے پر ہر لحظہ تیار ہوتا مگر سمجھا بجھا کر اوسے پھر روکا جاتا۔ ایک مرتبہ سفرائے دول غیر کی موجودگی میں محل کی ایک حوض میں پھاند پڑا اور باوجود خوشامد کے دیر تک باہر نہ نکلا۔ اسی طرح دو ماہ تک نماز جمعہ کیواسطے بھی نہیں گیا۔ ان حالات میں جنرل اغناٹیف کو پورا موقع پھر سازش کا مل گیا۔ اور تحریک جمہوریت بھی تقریباً پچاس سال پیچھے ہٹتی معلوم ہو لی۔ ورنہ مدحت پاشا اوسی وقت اعلان کر چکے ہوتے۔ مگر قوم کو ایسی تحریک سے اب نفرت سی معلوم ہونے لگی اور سلطان مراد کی دیوانگی کے چرچے بھی عام طور ہونے لگے۔ چنانچہ تبدیل تاج سلطنت ہی کو ذرائے طے کیا۔ اور ردلیف پاشا کو وزیر جنگ کیا گیا۔

مراد کی حالت کے لحاظ سے مدحت و مترجم فوراً ہی شاہزادہ عبدالحمید خاں کے پاس حاضر ہوے اور سلطنت کی باگ ہاتھ میں لینے کی درخواست کی لیکن یہ شرط بھی پیش کی کہ

سلطان مراد کی حیات تک وہ بطور ایجنٹ یا وکیل کے کام کریں اور اگر مراد کا دماغ صحیح ہو جاوے گا تو پھر ولیعہدی پر واپس ہو جاوینگے۔ عبدالحمید خاں نے جواب میں کہا کہ "اس طرح کی کوئی نظیر اگر دولت عثمانیہ میں اب تک ہوئی ہو تو انھیں عذر نہ ہوگا"۔ چنانچہ وزرا نے پھر مشورہ کیا اور تحقیقات سے جب کوئی نظیر نہ ملی تو پھر جاکر عرض کیا کہ "آپ اسوقت با اختیار سلطان ہوں مگر مراد کی صحت پر خود ہی علیحدہ ہو جاویں"۔ اس کو بھی شاہزادہ نے نامنظور کیا۔ اور صاف کہدیا کہ "وہ اس طرح کے وعدے نہیں کر سکتے۔ اون کی خوشی پر سب موقوف ہوگا اور بیشک بلا شرائط کے وزرا کی خواہش کو قبول کر سکتے تھے"۔ اب وزرا بالکل ہی مجبور ہو گئے۔ اور فوراً ہی سلطان مراد کو قصر چراغاں میں منتقل کیا گیا اور شاہزادہ عبدالحمید خاں کے نام پر بطور سلطان عبدالحمید خان ثانی ۳۱ اگست ۱۸۷۶ء سلامی دغوا دی گئی۔ سلطان مراد اسکے بعد بھی پچیس سال تک زندہ رہے۔ اسکے زمانہ سلطنت میں بلقانی ریاستوں میں آگ سلگ رہی تھی مگر کوئی خاص واقعہ نہیں ہوا۔

سلطان عبدالحمید ثانی

۱۸۷۶ء - ۱۹۰۹ء

سلطان عبدالحمید کی والدہ آرمنی تھیں۔ اونکے دربار میں صفر آگیا یعنی کسی کو بھی اختیار و رسوخ نہ تھا۔ تخت نشین ہوتے ہی تدبر، محنت اور انصاف سے کام کرنا شروع کر دیا۔ مگر جو ہنگامے کہ پیشتر سے برپا ہو چکے تھے یا جو رعایات و دخل در معقولات کے حقوق دولتہائے یورپ کو سلاطین گذشتہ کی کمزوریوں یا وزرا کی غداریوں وغیرہ کے باعث حاصل ہو چکے تھے اون کا دفعیہ اور مٹانا دراصل ایک ٹیڑھی کھیر تھی۔ دنیا واقف ہے کہ یورپ کی سلطنتوں کو کسی قسم کا حق حاصل ہونے کے بعد بجز جنگ کے اور کسی طرح بھی کوئی مٹا نہیں سکتا۔ بس اسی سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ کیا کیا مشکلات اور مصیبتیں سلطان عبدالحمید کو نہ پیش آئی ہوں گی۔ قرضہ ہی سلطنت کے ذمہ اتنا تھا کہ جس کا ادا

کرنا آسان نہ تھا۔ اور جس طرف بھی اصلاح کا خیال بادشاہ کرتا تھا اوسی طرف وزرا اور سفرائے غیر ہر قسم کے مذہبی۔ تمدنی مالی اور اقتصادی وغیرہ مشکلات کو آگے لا کر رکھ دیتے۔ وزرا کی عادت تو مطلق العنانی کی پڑ ہی چکی تھی۔ سفرا سے سازش اون کی روزانہ زندگی کا جزو ہو چکا تھا۔ رشوت اور فوجی مظالم سے بھی رعایا عاجز تھی۔ اب انگلستان میں مسٹر گلیڈاسٹون (Mr Gladstone) نے بھی عثمانی عیسائی رعایا کی ہمدردی کا اظہار کر دیا اور اپنی آرامگاہ سے نہایت جوش و خروش کیساتھ قلم ہاتھ میں لے کر اپنا رسالہ "بلغاریہ کے ہولناک حالات" ستمبر ۱۸۷۶ء میں لکھ کر شائع کر دیا۔ جسمیں وہ مشہور فقرہ کہ "ترکوں کو یورپ سے بوریا بدھنا باندھ کر نکل جانے کا" حکم یا مشورہ دیا گیا تھا۔ درج تھا۔ اور جس سے واقعی برطانیہ میں بڑا شور مچگیا۔ روس و آسٹریا کے اوس تحریر کا نہ صرف اثر ہی لیا۔ بلکہ ترکوں سے اظہار خفگی بھی کیا اور نہ مذہبی جوش ہی کی کوئی حد ترکوں کے خلاف رہ گئی۔ سربیا و مانٹی نیگرو نے ترکوں کے خلاف جنگ بھی چھیڑ دی درصل تو باسنیا و ہرزیگونیا نے اوسوقت بغاوت ہی شروع کر دی تھی اور اوسی میں دونوں شامل بھی ہو گئے تھے۔ مگر ترکوں نے دونوں جانب سے گھیر کر بمقام ایلکسینیاٹیز۔ (Alek- sinaz) سربیا کی فوجوں کو شکست دی تب زار روس بھی درمیان میں پھاند پڑا اور جنرل اغنائیف نے صلح کی خواہش پیش کرا کے سلطان کو مجبور کیا کہ سربیہ و مانٹی نیگرو سے دو ماہ کی وقتی صلح ہو جاوے۔ چنانچہ مجبوراً صلح کر لی گئی۔ مگر لارڈ ڈربی نے ۳۰ر اکتوبر ۱۸۷۶ء کو روس کو یہ لکھا کہ "باوجود ترکوں سے ناراضگی کے اگر برطانوی رعایا کو یہ معلوم ہو گیا کہ قسطنطنیہ خطرے میں ہے یا برطانوی حقوق کو نہر سویز۔ (Suez Canal) میں کسی قسم کے نقصان کا اندیشہ تک ہو تو کل ملک کی رائے ترکوں کے موافق ہو جائے گی۔" اس پر زار روس نے فوراً ہی جواب میں اطمینان دلایا کہ اوس کا ارادہ نہ قسطنطنیہ اور نہ مصر کے خلاف ہے اور نہ بلغاریہ کے الحاق کا۔ تاہم انگلستان میں روس کا اعتبار نہیں کیا گیا۔ تب مجبوراً زار روس نے اعلان کیا کہ وہ تنہا عیسائی رعایائے سلطانی کی حفاظت کے واسطے تلوار ضرور اوٹھائے گا۔ جس پہ سفرا کی ایک کانفرنس ۲۳ر دسمبر

کے واسطے قسطنطنیہ میں قرار پائی۔ مگر ۲۲ر دسمبر ہی کو سلطان عبدالحمید ثانی نے مدحت
پاشا کی صلاح پر اصلاحات آئینی نیز وہ قومی مجلس جو عام انتخابات کے ذریعہ جمع ہوتی
اوس کی طلبی کا اعلان کر دیا۔ کیونکہ مجلس اتحاد و ترقی اب قایم ہی تھی اور درصل سلطان
نے تخت نشینی سے قبل ہی مدحت پاشا سے وعدہ کر لیا تھا کہ آئینی طرز حکومت کی مضبوط
بنیاد وہ قایم کر دینگے۔ چنانچہ طے ہوا کہ مجلس مبعوثین یعنی منتخب شدہ نمایندوں کی کونسل
کے ممبر ہر حصہ ملک سے بلا تفریق مذہب۔ قوم اور رنگ طلب ہو کر سلطنت کو جمہوریت
کے اصول پر چلائیں۔ سلطان وقت کو صرف صدر اعظم اور شیخ الاسلام کے تقرر کا حق حاصل
ہوگا باقی تمام اختیارات مجلس اور صدر اعظم و وزارتوں کو تفویض کر دیئے جائیں گے۔
مدحت نے بھی اوسی وقت اپنے واسطے صدر اعظمی کی شرط کر لی تھی۔ لہذا حسب وعدہ
مدحت کو صدر اعظمی بھی دی گئی اور مجلس بھی طلب ہو گئی۔ مدحت نے فوراً جنرل اغنائیف
سفیر روس کی سفارت کے متعلق اعتراضات کئے جس کو روس نے اغنائیف کو اپنا وزیر
خارجہ بنا کر واپس طلب کر لیا۔ اور یہی سب سے بڑی غلطی ناتجربہ کار سلطان اور غدار مدحت
سے ہوئے۔ دوسرا سفیر اوسکے بجائے آ تو گیا مگر اغنائیف کو پورا موقع عبدالحمید ثانی
کے خلاف سازشوں اور کارروائیوں کا مل گیا۔ جسکے نتائج ہمیشہ کے لئے خراب ہوئے
وزرا کی ایسی ذاتی عداوتوں اور خود غرضیوں کا شکار بادشاہ کو ہونا پڑا۔ گو سلطان نے
آئینی طریقوں پر نہایت ہوشمندی۔ محنت اور ایثار سے کام کرنا شروع کر دیا نیز مدحت کو
بھی ملک کی ترقی اور قومی اصلاح کا پورا موقع دیا جس سے برطانوی سیاست مدحت کے
ہاتھوں خوب کامیاب ہو گئی۔ اور مجلس مبعوثین بھی کامیابی سے صدر اعظم کے ذریعہ سے
کاروبار میں مصروف ہو گئی۔ مگر اغنائیف نے جاتے ہی ادھر بلقان کے عیسائیوں کے
معاملات کو اُبھارنا شروع کر دیا اور جسقدر بھی تدبیریں بلقان کی عیسائی رعایا کے سلطان نے
کی بہبودی کیواسطے ترک قوم کرتے گئے وہ سب روس نامنظور کرتا گیا۔ اغنائیف کو تو
سلطنت عثمانیہ کا کل کچا چٹھا بھی معلوم تھا۔ وہاں کی خانہ جنگیوں اور وزرا کی نااہلیت
وغداری کا بھی اوسے بخوبی اندازہ تھا نیز ترکی قوم میں اوسوقت اندرونی آگ نوجوان

ترکوں کے عملدرآمد سے سلگ رہی تھی اور مجلس اتحاد و ترقی کی خفیہ ریشہ دوانیوں سے جو عام رائے پر اثر پڑ رہا تھا اوس سے بھی وہ بخوبی واقف تھا اور انھیں تمام باتوں سے اوسنے نفع اوٹھانے کا ارادہ ترکوں کے خلاف کرلیا۔ بلکہ اوسی زمانہ میں بمقام استنبول ایک بین الاقوامی مجلس باسینا۔ سربیا اور بلغاریہ کے مسائل پر غور کرنے اور اصلاحات پر عمل درآمد کرانے کیواسطے منعقد ہوئی تھی جسمیں تمام دول مغربی نے شرکت کی اور جسمیں یہ طے ہوا کہ ایک کمیشن تحقیقاتی ترکی کی عیسائی رعایا کی تکالیف اور اونکے اصلی حالات کے دریافت کرنے کے واسطے مقرر کیا جاوے اور ایک گورنر جنرل بھی مقرر ہو۔ اور اوسی وقت قسطنطنیہ میں سلطانی اعلانات جو بھی جمہوریت سے متعلق پیش کیے گئے تھے اونکے خلاف سفرائے دول یورپ نے شرائط پیش کیے۔ سلطان نے اون کو اپنے شہنشاہی حقوق کے خلاف کہہ کر نامنظور کیا۔ پھر ۱۸۷۷ء میں روس نے مشرقی معاملات کے طے کرنے کے واسطے ایک مشن لندن روانہ کیا اور دول یورپ نے ایک متحدہ مراسلہ سلطان کو بھیجا اوسکو بھی ۱۰ اپریل کو سلطان نے اس عذر پر نامنظور کیا کہ معاہدہ پیرس کے خلاف تھا۔ اس پر روس نے اعلان جنگ کردیا۔ اور یورپ و ایشیا دونوں مقامات پر افواج روانہ کردیں رومانیا بھی روس کا شریک ہوگیا اوسیوقت آسٹریا کو روس نے یہ اطمینان دلایا کہ اوس کی غیرجانبداری پر باسینا و ہرزیگوینا اوس کو دلوائے گا۔ اب مدحت نے برطانیہ سے جو اوس کا قدیم دوست تھا مشورہ کیا اور اعلان جنگ منظور کرلیا۔ حالانکہ سلطان بجید خلاف تھے مگر مدحت نے جب استعفیٰ کی دھمکی دی اور برطانیہ کی امداد کا بھی سہارا دیا۔ تو ترک لڑائی پر مجبور ہوگئے اُدھر روس نے بلغاریہ میں داخل ہوکر بلقان کی ریاستوں کو اپنا موافق پایا۔ ہر قدم پر اب جنگ ہونے لگی اور ترکی افواج کو شکست۔ یہاں تک کہ ترنووو ([illegible]) لیکر روس نے بمقام پلونا ([illegible]) عثمان پاشا سے مٹ بھیڑ کی اور سخت جنگ جاری ہوگئی۔ اس جنگ میں اسی ہزار روسی کام آئے مگر بلغاریہ کو روس نے ترکی سے آزاد ہی کرا چھوڑا۔ اور سب طرف سے ترکوں کی شکست کی خبریں بھی آنے لگیں۔

خاص قسطنطنیہ میں عام رائے اب مدحت کے خلاف ہوگئی اور مجلس اتحاد و ترقی بھی

بدنام ہوگئی ۔ مجبوراً ۵ مئی ۱۸۷۷ء کو سلطان نے مدحت کو موقوف کیا۔ سعید پاشا نے قانون اساسی کی اوس دفعہ کی رو سے جس سے کہ بادشاہ وقت کو ایسے شخص کے اخراج کا حق دیا گیا تھا جو باعث فتنہ و فساد اور ملک کے نقصان کا ہوا ہو اوسی وقت مدحت کے اخراج کا حکم بھی حاصل کرلیا - اور یہ الزام لگایا کہ چونکہ مدحت ہی تبلیغ جمہوریت کا باعث ہوا جسکے سبب استنے سخت نتایج اور اہم واقعات پیش آرہے جیسے کہ ابتک قوم و ملک کو پیش نہ آئے تھے۔ اور ترک شکست پر شکست کھا رہے تھے مدحت کیواسطے اخراج کا حکم ضروری ہوگیا - اور ۱۴ر فروری ۱۸۷۸ء کو وہ قومی مجلس جو مدحت نے ۲۳ر دسمبر ۱۸۷۶ء کو پہلے پہل بٹھائی تھی - اوس کو ۲۴ر جولائی ۱۹۰۸ء تک کیلئے ملتوی کرکے جمہوریت کے دستور کو تعویق میں ڈلوادیا گیا - نمایندوں کو بھی برخاست کیا گیا - نیز اب سلطان نے مدحت پر عبدالعزیز مرحوم کے قتل کا الزام لگایا اور باضابطہ عدالت میں مقدمہ پیش ہوکر چرکس حسن کی ہمشیر کی شہادت اور پہلوانوں کے اقبال جرم کی بنا پر جرم ثابت کرایا گیا - فیصلہ میں عدالت نے یہ بھی لکھا کہ مدحت کا یہ بیان کہ سلطان عبدالعزیز نے خودکشی کرلی - صحیح نہیں ہوسکتا کیونکہ اگر ایک ہاتھ کی رگیں کوئی خود کاٹ لے تو دوسرے ہاتھ کی رگیں کاٹنا اوسکے لئے محال ہو - اور عبدالعزیز مرحوم کے دونوں ہاتھ کی رگیں کٹی تھیں - لہذا خودکشی کا الزام مرحوم پر ثابت نہیں ہوسکا - نہ صفائی کی بحث قبول کی گئی - دول یورپ کے وزرا و سفرا نے بھی عدالت کی بحثوں کو اوسوقت معقول سمجھا اور صحیح مانا - لیکن حکومت برطانیہ کے اثر سے مدحت کیلئے وقتی حالات پر نظر رکھتے ہوئے سزائے موت کے بجائے سلطان نے اخراج ہی پر اکتفا کی -

اُدھر روس کو رومانیا نے جب اپنی ریاست سے گذرنے کی اجازت دیدی تھی تب ترکوں نے اوس پر بھی حملہ کردیا تھا اور اوس سے بھی لڑائی شروع ہوگئی تھی روس سے بھی پانچ ماہ جنگ رہی تھی غازی عثمان پاشا نے ۶ر جنوری ۱۸۷۸ء کو ہتھیار ڈالدیئے تھے کیونکہ محاصرہ کی تاب اوسوقت نہ رہی تھی - اور روسی افواج نے سوفیا سے گذر کر شینووا (Shinova) کے مقام پر پھر ترکوں کو شکست دی تھی اور ایڈریانوپل پر بھی ۲۸ر جنوری کو قابض ہوگئی تھی سرویا نے نش ([illegible]) اور رومانیٹی نیگر دے نے اسپرزا ([illegible]) پر قبضہ کرلیا تھا روسی افواج

کی کمان یورپ میں گرینڈ ڈیوک نیکولس کے ہاتھ میں تھی۔ ایشیا میں بھی روسی فوج کارس۔ اردھان اور ارض روم (Arzeroum) کے قلعوں پر قابض ہوگئی تھی جہاں کہ ارمنی اقوام زاید تر آباد تھیں۔ لہٰذا اب ترکوں کو عارضی صلح ۳۱ جنوری ۱۸۷۸ء کو روس سے کرنا پڑی۔ اور انگلستان کو اب یہ خوف ہوگیا تھا کہ کہیں روس قسطنطنیہ پر قبضہ نہ کرلے اسی لئے برطانوی جنگی بیڑہ جہازات کو دردانیال میں داخلہ کا بھی حکم دیدیا گیا تھا۔ مگر ۳ مارچ ۱۸۷۸ء کو بمقام سین اسٹیفانو (san stifano) روس و ترکی میں پوری صلح ہوگئی تھی جس سے بلغاریہ کو آزادی ضرور دی گئی مگر سلطانی شہنشاہیت اوس پر قایم رکھی گئی تھی بلغاریہ تو اوسوقت سے بالکل ہی روس کا حکم بردار ہوگیا۔ مگر برطانیہ اور آسٹریا کو اس واقعہ سے اطمینان نہ ہوا۔ سربیا و مانٹی نیگرو کو نہ صرف آزادی کرایا گیا۔ بلکہ مانٹی نیگرو کی وسعت بھی سہ گونہ کرادی گئی۔ باسینا و ہرزیگوینا کے بھی حقوق مثل بلغاریہ کے منظور کرائے گئے۔ اور بقیہ ریاستہائے بلقان کے آئین میں اصلاحات قبول کی گئیں۔ تھسلی۔ ایپیرس۔ اور کریٹ کے قانون اساسی میں بھی اصلاحات منظور کرائی گئیں۔ رومانیا کو آزادی تو ملی مگر بس عربیبہ کو خود روس ہضم کر گیا۔ حالانکہ رومانیا ہی نے روس کو پلونا میں کامیاب کرایا تھا۔ ایشیا میں تو روس نے کارس۔ اردھان۔ بایزید اور باتوم سب ہی حاصل کرلئے صرف ارض روم ترکوں کو واپس کردیا گیا۔ نیز بارہ ملین اسٹرلنگ خرچہ جنگ ترکوں نے روس کو دینے کا وعدہ کرلیا۔ مگر اس صلح سے تمام بلقان میں اب آپس میں ایک دوسرے سے رشک و حسد کا تخم بھی بو گیا۔ اور بقول بسمارک "سب نے روس کی امداد سے ترکوں سے گلوخلاصی تو ضرور حاصل کرلی۔ مگر زار روس کو سلطان کا قایم مقام بنانا منظور نہیں کیا" اور ظاہر ہے کہ ترکوں کی سی رواداری اور بے تعصبی دنیا کی کسی قوم سے ناممکن تھی۔ جسقدر رعایات و مراعات ترکوں نے اپنی عیسائی رعایا کے ساتھ برتے تھے اور اون میں اور اپنے میں کوئی فرق نہیں کیا تھا۔ یہ بھلا روس سے کہاں ممکن تھا باوجودیکہ روس خود ایک عیسائی سلطنت تھی۔ مگر انگلستان میں بلغاریہ وغیرہ کی اتنی وسعت بھی ناپسند کی گئی بلکہ یہ بھی اس صلح کا نتیجہ نکالا گیا کہ گویا صلحنامہ پیرس کو مسترد کیا گیا تھا۔

اور روس کو گویا دریائے ڈینیوب تک رسائی حاصل کرنا نصیب ہوگیا تھا اور قسطنطنیہ لے لینے کا
موقع اب اوسے مشکل نہ رہا تھا اس پر فوراً ہی روس نے خفیہ معاہدہ کرکے بلغاریہ کے تین
حصے کرادینا طے کرلیا۔ لہٰذا صلحنامہ سین اسٹفانو کو قایم رکھا گیا۔ تاہم ۱۳ر جون ۱۸۷۸ء
کو بمقام برلن دول یورپ کی ایک کانگریس کی گئی۔ جس پر شاہزادہ بسمارک نے ایک ماہ
تک صدارت کی اور محمد علی پاشا کو بطور نمایندہ سلطنت ٹرکی شامل کیا گیا! در صلحنامہ سین اسٹفانو
کو بھی ترمیم کیا گیا۔ بلغاریہ کے تین حصے کئے گئے۔ باسینا و ہرزیگوینا آسٹریا کو دلوادیئے
گئے۔ جزیرہ سائپرس پر بعوض ادائے قرضہ جنگ برطانیہ کا قبضہ کرایا گیا۔ کہا جاتا ہے
کہ اسی وقت روس و برطانیہ میں رقابت کا زور ہوگیا۔ اور ۱۳ر جولائی کو سب کے دستخط
صلحنامہ برلن پر ہوگئے۔ اسی صلح سے ایک مشرقی صوبہ رومیلیا (Rumalia) کا
بن گیا اور آرمینیا کے معاملات کو پہلی بار گویا خاص اہمیت دی گئی جس سے ارمنوں کی قومیت
علیحدہ قایم کرا کے اون کی قومیت کی جنگ کی بنیاد اناطولیہ میں مثل مقدونیہ کے ڈالدی
گئی۔ مگر یہ ضرور ہوا کہ ۲۳ سال کیواسطے ہر طرف جنگ گویا بند کردی گئی۔ نتیجہ میں ۴/۵ حصہ
ملک یورپ میں ترکوں سے کہنے کو گویا نکل گیا! اور آٹھ ملین رعایا بھی دولت عثمانیہ سے باہر ہوگئی
اور روس۔ فرانس۔ برطانیہ۔ جرمنی و آسٹریا نے ٹرکی کی تقسیم کا مسئلہ گویا طے کردیا بلقان کو
آزادی کا پروانہ بھی دیدیا اور سلطان کو صلحناموں کی تعمیل و پابندی پر بھی مجبور کیا
جانے لگا۔ مسٹر گلیڈاسٹون نے مانٹی نیگرو تک کو ۱۸۸۰ء میں بحیرۂ ایڈریا ٹوپل میں ایک
بندرگاہ دلواہی کر چھوڑا۔ بلکہ ساحل ایڈریاٹوپل کا محاصرہ اوسوقت تک نہ اوٹھا لیا گیا
جبتک کہ بندرگاہ پر اون کا قبضہ نہ کرادیا گیا۔ اسکے بعد پھر برلن میں ایک دوسری کانگریس
ہوئی جسمیں یہ طے کیا گیا کہ یونان کو محض اس صلہ میں کہ اوسنے جنگ بلقان کے درمیان
میں خاموشی اختیار کی تھی تھسلی (Thessaly) و اپیرس (Epeiros)
دیا جاوے۔ اس تجویز کی سلطان نے دوسال تک مخالفت کی مگر بالآخر وہ بھی ماننا پڑی
کیونکہ برطانوی سفیر مسٹر گوشن اوسی پر اڑ گئے۔ تاہم سلطان نے باوجود یورپ بھر کے
شدید اصرار کے مقدونیا اور بلقان میں بجز کریٹ کے اور کہیں بھی اصلاحات پر عمل کرادینا

جائز نہ ہونے دیا۔ عبدالحمید کی ہر پالیسی صاف ومعین تھی۔ اون کا یقین تھا کہ یورپ کا جس بات پر اصرار ہوگا اوس سے ٹرکی کا نقصان ضرور ہوگا۔ اور کوئی بھی غیر جانبدار شخص اون کی اس رائے سے اختلاف نہیں کرسکتا۔ چنانچہ سر رابرٹ ونڈہم کی رائے میں بھی سلطان عبدالحمید بیحد محتاط اور صلح پسند آدمی تھے۔ اور یہ اونھوں نے اپنی کتاب میں بھی لکھدیا ہی[1] بیشک اب جنگ اور قوت سی جو کچھ لیا جا سکا۔ اوس کو سلطان دینے پر مجبور تھے ورنہ ملک کی حالت اور یورپ کی وہ پالیسی جوکہ عرصہ سی ظاہر ہوچکی تھی۔ اوسی کی مقتضی تھی جوکہ وہ کر رہے تھے نیز اب حکومت کا مرکز پھر قصر سلطانی ہوگیا تھا۔ نہ کہ "باب عالی" یعنی پارلامنٹ۔ مدحت پاشا کے متعلق کہا جاتا ہی کہ اون کو طائف بھیجکر مقید کرا دیا گیا تھا۔ اور وہیں قتل بھی کیے گئے۔ اگر واقعی ایسا ہوا بھی تو کچھ بیجا نہیں ہوا۔ اوسکے گناہ کی پاداش اسی کی مقتضی تھی۔ اور اوسی کی پالیسی کا یہ سب نتیجہ ہوا۔

نوجوان ترک عبدالحمید کے مخالف ضرور تھے اور سلطان پر بہت سی الزامات اونکے وقت میں لگائے جاتے تھے مثلاً یہ کہ "اونکے عہد میں بہت سی لوگ جلاوطن ہوئے یا تنظیمات کے وہ اسقدر سخت مخالف تھے کہ لغت سی 'دستور'، 'حب وطن' ایسے الفاظ تک کے اخراج کا حکم سلطان نے دیدیا تھا۔ اور جسکے پاس 'تنظیمات' کا لٹریچر یا ادب تک نکل آتا اوس کو باغی سمجھا جاتا اور سزا دی جاتی۔ بلکہ اوس کا کل ذخیرہ بھی جہاں ملا اونھوں نے غارت کرا دیا۔ نیز کورد۔ البانی۔ اور عرب امرا و رئیسوں پر وہ بہت مہربان تھے۔ اور ترکوں پر سختیاں کیں۔ خلافت اسلامی کے مسئلہ کو بھی اونھوں نے خوب چمکایا اور پین اسلامزم (Pan Islamism) کو دنیا میں پھیلا دینا اون کا مقصد زندگی تھا۔ تاکہ دنیا بھر کے مسلمان اون کی طرف متوجہ ہوجائیں۔ ارمنیوں کو زیر کرنے کیلئے کردوں کو خوب بڑھایا۔" ممکن ہی بعض کی نگاہ میں یہ الزامات صحیح ہوں۔ مگر دوسری طرف اگر اوس وقت کی مجبوریوں کو غور کیا جاوے۔ اور یورپ کے ارادوں کو نیز ترکی قوم کی اوس حالت کو کہ بمبازی دوغا تک اپنی قوم کیواسطے وہ جائز سمجھ رہی تھی خوب سمجھ لیا جائے تو جو کچھ بھی سلطان نہ

[1] تاریخ سر رابرٹ ونڈہم

کرتے کم تھا۔ چنانچہ یورپ اور نوجوانوں کی اعانات ہی کا نتیجہ یہ نکلا تھا کہ صلح برلن کے بعد بلغاریہ نے دول یورپ کی منظوری سے شاہزادہ الیگزینڈر بیٹنبرگ (Alexander of Batenberg) کو اپنا بادشاہ بھی بنالیا۔ اور برطانیہ نے بلغاریہ کی پوری امداد کی جس سے روس سے کچھ کاغذی جنگ تک کی بھی نوبت آگئی۔ مگر معاملہ کچھ پھنسا کر رہ گیا۔ دراصل تو اوسوقت جو کوئی بھی ترکوں کے خلاف کچھ کر بیٹھتا یورپ میں وہ سب کچھ جائز تھا۔ نیز سفرائے مشرقی رومیلیا میں ایک عیسائی گورنر کی منظوری بھی سلطان کو مجبور کرکے کرالی۔ مگر جب بلگر قوم کو خود اپنی یہ تفریق پسند نہ آئے اور دونوں جگہوں کے نمایندوں نے اپنی اپنی ملکی مجلس میں اس پر احتجاج کیا۔ کیونکہ ہر طرح کی مالی و جنگی مشکلات سے اب سامنا پڑ گیا۔ پس بلغاریہ کی کل رعایا نے خود ہی پھر ایک ہو جانے پر اتحاد کرلیا۔ لیکن روس نے پھر اونکے اس میل سے اختلاف کیا۔ تب برطانیہ نے اپنی سابقہ تجویز یعنی بلغاریہ کی تفریق کو تبدیل کردیا اور روس کے مقابلہ کیواسطے ایک متحدہ بلغاری قومی حکومت کی تائید بھی کی۔ سلطان نے بھی اس میل کی تجویز سے اتفاق کیا۔ چنانچہ ۱۸۸۵ء میں بلغاریہ کی فوج نے بیدھڑک مشرقی رومیلیا پر قبضہ کرلیا۔ اور سلطان نے بھی اب شاہزادہ الیگزینڈر ہی کو ۱۸۸۶ء میں اپنی طرف سے وہاں کا گورنر مقرر کردیا۔ نیز بمقام سوفیا دونوں مقام کی مجلسوں کو اکٹھا کراکے اون کا متفقہ اجلاس بھی کرادیا گیا۔ اب اگر پھر کوئی شخص غور سے ان حکمت عملیوں پر نظر ڈالے تو پتہ چلیگا کہ عبدالحمید کس دماغ کا بادشاہ تھا۔ اور کس طرح یورپ کی چالوں کا جواب دیتا تھا۔ مذکورہ واقعہ کے بعد ہی سرویا میں بلغاریہ کی اس کارروائی سے سخت جراحت پھیل گئی اور دونوں میں جنگ کی ٹھہر گئی۔ تین یوم کی جنگ کے بعد بلغاریہ کی فتح ہوئی مگر روس اب شاہزادہ الیگزینڈر سے سخت ناراض ہوگیا۔ اور تخت سے دستبرداری پر نیز روس ہی کو واپس جانے پر اوسے مجبور کیا۔ اور ادھر بلغاریہ نے اوس کو وہیں رہنے پر اصرار کیا۔ جس سے شاہزادہ تخت چھوڑ کر آسٹریا کی فوج میں داخل ہوگیا۔ تب [illegible] نے شاہزادہ فرڈیننڈ سیکس کوبرگ (Ferdinand of Sancoburg) کا انتخاب اپنی شہنشاہیت

کے تحت میں کردیا۔ کاش اس وقت تو نوجوان ترک سلطان کی قدر کرتے اور سنبھل جاتے۔ صلح برلن کے وقت سلطان نے ارمنوں کے بابتہ بھی وعدہ کیا تھا کہ کردوں اور سرکیشین اقوام کے مقابلہ میں ان کی حفاظت کرینگے نیز ان صوبوں میں کہ جہاں ارمنی لوگ آباد تھے وہاں ایسی اصلاحات کردینگے کہ جنسے وہ آرام سے زندگی بسر کرسکیں اور انھیں وعدوں کی بنا پر ارض روم وغیرہ روس سے سنہ ۱۸۷۸ء میں سلطان کو واپس بھی دلوا دیئے گئے تھے۔ بلکہ بعد میں سنہ ۱۸۸۰ء میں لارڈ سالسبری نے ترکوں سے سخت گفت و شنید کرکے فوجی مظاہروں کی دھمکی بھی ارمنیوں کی خاطر ترکوں کو دے ہی تھی۔ حالانکہ سنہ ۱۸۵۶ء کے معاہدہ روس و فرانس نے برطانیہ و روس کی رقابت کو بہت چمکا دیا تھا جس پر روس نے ارمنیوں کو آزاد کرانے کی جو پوری کوشش شروع کردی تھی نیز مر سینا (Marmara) و دردانیال (Dardanelles) میں راستہ نکالنے کی مزید کوشش۔ روس نے قرار واقعی جاری کردی جس سے روس و جرمنوں میں کاوش کا پورا تخم بو گیا۔

سنہ ۱۸۸۲ء میں فلسطین (Palastine) میں کچھ عربوں نے عیسائی رعایا پر جہاد کے بہانے لوٹ مار کرنے کا ارادہ کیا مگر رؤف پاشا نے سلطانی وعدوں کی بنا پر پوری روک تھام کردی۔ دوسری طرف سے ملکی فوج کے بھی کچھ لوگ پہونچے تھے مگر کانسل نے انکا بھی اخراج کرادیا۔ اسی زمانہ میں مسیح کے ورود کا بھی بہت سے عیسائیوں کو وہاں انتظار تھا۔ چنانچہ امریکہ کے بہت سے حضرات اسی انتظار میں فلسطین کے دمشقی دروازہ کے قریب بود و باش اختیار کئے ہوئے تھے۔ بلکہ ایک عیسائی عورت تو ہر روز صبحکو آفتاب نکلنے سے قبل جبل آلیو (Mount Olive) پر پہونچا کرتی تاکہ سب سے پہلے وہی مسیح کو چائے پلا دے۔ اور اس طرح فلسطین میں بڑے عیسائی مجمع ہونے لگے۔ اور سلطان کی رواداری سے خوب ہی فائدے اوٹھائے گئے۔

اب پھر انگلستان و فرانس نے بھی جارحانہ کارروائیاں شروع کردیں۔ اور دول یورپ کی سازش سے سنہ ۱۸۷۹ء میں مصر کے خدیو اسمٰعیل پر بطور بدنظمی و قرضداری کے الزامات لگاکر تخت سے معزول کرانے کی تجویز کی اس سے گویا سلطانی اقتدار

جو کچھ بھی وہاں بچا کھچا رہ گیا تھا اوس کو مٹانا ہی مقصود تھا۔ مگر ۱۸۷۹ء میں خود مصری قوم نے انگریزی و فرانسیسی چالوں سے تنگ آکر باغیانہ احتجاج کیا۔ اور عربی پاشا کی سرگردہی میں بغاوت کی تو برطانوی افواج نے ۱۸۸۲ء میں عربی کو شکست دی اور توفیق پاشا کو خدیو بنا دیا۔ اور اب سے گویا برطانیہ ہی کی نگرانی میں مصر آگیا۔ ۱۹ جون ۱۸۸۲ء کو برطانیہ کی بحری فوج بھی ایلگزینڈریا پہونچی جہاں کہ بلوہ ہو گیا تھا۔ نیز دیگر دول یورپ کے بھی جنگی جہازات وہاں پہونچ گئے۔ مگر ۱۳ ستمبر کو قاہرہ میں بھی انگریزی فوج داخل ہوگئی۔ اوسی زمانہ میں ایک خفیہ مشن بھی انگلستان کے فوجی حلقوں سے سینائے کو روانہ ہوا تاکہ اونٹوں پر فوج کے واسطے رسد پہونچائے۔ اور اوس زیر زمین تاربرقی کو بھی کاٹے جو سلطان ٹرکی اور عربی پاشا کے سلسلہ گفتگو کے لئے بنی ہوئی تھی۔ اس مشن کا نام پامرس مشن (Palmer mission) تھا نیز دوسرا مشن کپتان گل (Gill) کا کثیر تعداد میں سونا لیکر بھی مصر گیا۔ تاکہ زرپاشی سے مصری قوم کو برطانیہ کے موافق بنالے اور سلطان ٹرکی کے خلاف کرسکے۔ جو دونوں کامیاب ہوئے [1]

مصر کی تقلید میں فرانس نے بھی ۱۸۸۱ء سے ۱۸۸۳ء تک ٹیونس میں کارروائیاں کراکے بازی جیت لی اور قبضہ کرلیا۔ پھر ۱۸ ستمبر ۱۸۸۵ء کو مشرقی رومیلیا میں بلوہ ہوگیا اور بلغاریہ کے ساتھ اوس کی آزادی کا بھی اعلان کرادیا گیا۔ جسکے معنی صاف طور پر یہ تھے کہ صلحنامہ برلن کو یورپ نے خود ہی رد کردیا اور سلطان کی شہنشاہیت کو بھی بالائے طاق رکھدیا گیا۔ درحقیقت تو ۱۸۷۸ء سے سلطان ٹرکی سے جنگ ختم ہوچکی تھی اور بلقان آزاد ہوچکا تھا۔ اور ترک اب کسی سے لڑتے نہ تھے۔ مگر اونکے باجگذاروں پر پیچھے بعد دیگرے یورپ کی بڑی بڑی سلطنتیں حملہ کراکے وہاں کی اقوام ہی سے جنگ کرا رہی تھیں یا سونا تقسیم کراکے اونھیں خرید کر رہی تھیں لیکن اس درمیان میں سلطان کو بیرونی حملوں سے نجات مل گئی تھی اور عام طور پر بھی ترکوں کو سانس لینے کا کچھ موقع ضرور حاصل ہوگیا تھا تب اون ترکوں میں جنکو قومی درد تھا اور جنکو ملکی حالت نیز ممالک غیر کی نیتوں کا

---

[1] دیکھو صفحہ (۴۷) کتاب سر ولیم ونڈہم

پورا اندازہ اور احساس و علم ہو چکا تھا۔ آئینی طرز حکومت کو شخصی حکومت و استبدادیت پر ترجیح دینے کا خیال پیدا ہوا اور اسکے عمل کیلئے سنہ ۱۸۹۱ء میں ایک کمیٹی اتحاد و ترقی کے نام سے بمقام جنیوا ([illegible]) بھی قائم کی گئی۔ مگر درصل اس کا کاروبار پیرس سے کیا جاتا تھا۔ اسکے بڑے حامی فری میسن حضرات اور یہودیان ساحل مقدونیا بھی بن گئے تھے۔ اسکے ممبران کو نوجوان ترکوں کے لقب سے پکارا جانے لگا۔ اس میں وہ بہت سے ترک بھی شریک تھے جو جلاوطن کئے گئے تھے۔ درصل تو خفیہ طریقہ پر ان سب نے ترکی فوج میں اپنا اثر بڑھانا شروع کیا تھا۔ مگر سلطان عبدالحمید نے اپنی طرف سے جاسوسی کا بھی زبردست جال حکومت میں پھیلا رکھا تھا اور سچ پوچھو تو کہاں اور کس سلطنت میں اب بھی یہ نہیں ہے۔ کیونکہ اسکے بغیر کوئی شخصی حکومت چل ہی نہیں سکتی۔ بلکہ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ آئینی حکومتیں آجکل بھی جاسوسیت ہی پورا کام کرتی ہے اور گو نوجوان ترکوں کو اس سے بعید نفرت تھی کیونکہ ان کی کل کارروائیاں سلطان کو اکثر معلوم ہو جاتی تھیں تاہم وہ اپنی کوششوں سے غافل نہ رہتے تھے۔

اندرون ملک نوجوانوں میں بیشک بے چینی تھی۔ اور فرزندان ملک اب یورپ کے جدید آئینوں سے متاثر ہو کر بلکہ فرانس وغیرہ کی بغاوت و بلووں کے سبق حاصل کرکے اپنے ملک میں بھی پوری آزاد حکومت کے خواہشمند تھے لیکن درصل کل قوم نہ اسکے واسطے تیار تھی اور نہ اس میں قابلیت ہی تھی۔ بڑے سے بڑے ترکوں میں سے ایک میں بھی وہ ایثار و قربانی کا مادہ نہ تھا جو آزادی کے حصول کیلئے ضروری تھا بلکہ استبداد پر عمل کرنے سے خود بھی باز نہ رہتا تھا۔ بس صرف سلطان وقت پر حملوں کیلئے تمام ریفارمر تیار رہتے تھے۔ اگر پارلامنٹری اختیارات بھی ملے تھے تو سمجھداری سے مل کر آپس ہی میں صلح و آشتی سے کام تک نہ کر سکتے تھے اور درصل تو یہ حالت مدتوں قائم رہی تا آنکہ خود قوم بیدار نہ ہوگئی اور یورپ پھر اپنی مصیبتوں میں مبتلا نہ ہو گیا۔ حالانکہ سلطان عبدالحمید کی کوششوں سے یورپ پھر عاجز ضرور تھا اور خود ترکی سلطنت میں سب آرام سے ضرور بسر کرنے لگے تھے۔ لیکن عیسائی دول یورپ کا پورا داؤں بھی چل چکا تھا۔ عبدالحمید کے تخت پر آنے سے پہلے

ہی سب خرابی لگ چکے تھے۔ اب صرف یہ ہو گیا تھا کہ نوجوان ترک بھی آزادی کا سبق پڑھ گئے تھے اور یورپ کی تقلید پر آمادہ تھے۔

۱۸۹۲ء میں مسٹر گلیڈ اسٹون نے ارمنیوں پر ترکوں کے مظالم کے متعلق پھر زور دینا شروع کیا مگر کچھ زیادہ اثر نہ ہوا لیکن روس نے اپنی سرحد پر مسلمانوں اور ارمنی عیسائی رعایائے سلطان میں ایک خاصی جنگ کرا دی اور ارمنیوں نے ہر جگہ بغاوت بھی کر دی نیز باہر سے روپیہ و ہتھیار سے ان کی کافی امداد بھی ہوئی جس پر یورپ میں پھر خاصا چرچا ترکوں کے مظالم کا ہونے لگا کہ مسٹر گلیڈ اسٹون نے اپنا اپیل "عبدل سب سے بڑا قاتل" کی سرخی سے شایع کرا دیا مگر اس پر بھی یورپ نے سانس نہ لی جس کا سبب محض یہ تھا کہ ہر سلطنت کو روس کی اندرونی سازش کی اطلاع تھی جو اس نے ارمنیوں سے کر رکھی تھی اور بکثرت ایماندار ارمنی بھی ترکوں کی بے تعصبی سے واقف تھے نیز کسی دوسری حکومت کے دراصل خواہشمند نہ تھے۔ انکو بھلا ایسی آزادی کہاں نصیب ہو سکتی تھی کہ فوج سے سب مستثنیٰ رہیں اور دل کھولکر تجارت کریں اور ہر قسم کا پیشہ بھی بلکہ مذہبی تعصب ہی کو تمام بلووں کی جڑ ارمنی خود سمجھنے لگے تھے تاہم ۱۸۹۵ء میں تمام یورپ میں اس کی شہرت ہو گئی تھی کہ ترکوں نے ہزاروں ارمنیوں کو قتل کر ڈالا حالانکہ بعد میں تمام مورخین نے اس پر اتفاق کیا کہ اوسوقت سلطانی حکومت میں کہیں بھی مسلم و عیسائی کا فرق تک نہ تھا۔ اب قسطنطنیہ سے انگورہ تک سلطان نے ریل بھی بنوا دی تھی۔ اور تقریباً تیس ہزار کی آبادی انگورہ میں ہی ہو گئی تھی۔

اتفاق سے ۱۸۹۶ء میں جزیرہ کریٹ میں بجائے ایک عیسائی کے سلطان نے ایک مسلمان گورنر مقرر کر دیا اور فوجی مجلس کو ضرورتاً وہاں موقوف کیا۔ جس سے فوراً یونانیوں نے بلوا کر دیا مگر ترکوں نے جب ۱۸۹۷ء میں وہاں بلوا فرو کرنا چاہا تو خاصی جنگ کی ٹھہر گئی۔ حالانکہ تیس ہی دن کے اندر ترکوں کی فتح ہو گئی بلکہ یہ کہنا صحیح ہو گا کہ مغربی حکومتوں کو ترکوں کی فوجی قوت کا ابھی تک ڈر لگا ہوا تھا اسی سے ترک پھر وایپیرس کھلی پر بھی قابض ہو گئے کیونکہ اسوقت جرمن جنرلوں سے ترکی فوج کی تعلیم وغیرہ کرائی جانے لگی تھی۔ مگر دول یورپ نے پھر مداخلت کر کے جھگڑے کا تصفیہ کیا۔ یونان و ترکی کے درمیان

کرادیا اور صرف چار ملین اسٹرلینگ ترکون کو دلواکر سب کچھ یونانیون کو واپس کرادیا۔ اور صلح کرادی۔ ترکون نے تھسلی تو خالی کر دیا مگر اوسوقت بکثرت مسلم امرا وہان سے باہر چلے گئے اور پھر کریٹ بھی اُن سے خالی کرا دیا گیا نیز شاہ یونان کے لڑکے ہی کو سنہ ۱۸۹۷ء مین وہان کا گورنر بھی سلطان ہی سے مقرر کردا دیا۔ بلکہ مقامی اسمبلی کے طلب ہونے کی پھر اجازت سلطان سے دلوادی لیکن وہان پھر بلوا ہوگیا اور بمقام کینڈیا (Candia) خوب ہی کشت خون ہوا۔ مسلم بلوائیون نے انگریزی فوج کے سپاہیون کو بھی ختم کردیا جسپر ایڈمیرل نیول (Admiral Neol) جنگی جہازات لیکر ساحل پر پہونچگیٔ اور ٹرکی کی فوج سے شہر خالی کرا لیا اور کریٹ کی آزادی کا اعلان فرانس۔ انگلستان۔ روس و اٹلی نے اپنے زیر سایہ لیکر یونانی شاہزادہ جارج کو ہائی کمشنر مقرر کردیا گویا کریٹ کے چارون کونون کو ہر ایک نے حفاظت کے واسطے آپسمین تقسیم کرلیا۔ یعنی صوبہ کینڈیا پر برطانیہ کو اختیار دیا گیا۔ کینیا (Canea) پر اٹلی کو ریتھی مو (Reythymo) پر فرانس کو اور سیٹیا (Sitea) پر روس کو مگر سلطان کی شہنشاہیت (Suzerainty) پھر بھی قائم رکھی گئی۔ لیکن محاصل و اخراجات قابض حکومتون ہی کے ہاتھ مین رہے پھر جب پرنس جارج نے کریٹ کو شامل سلطنت یونان کرنا چاہا تو شاہ جرمنی کے باعث یہ نہ ہوسکا اور مجبوراً جب دول یورپ نے انکار کیا تو وزیر یونان وینزیلاس (Venzelos) سے اور شاہ سے اختلاف ہوگیا۔ جس سے وزیر کو موقوف کیا گیا۔ مگر یکم جون سنہ ۱۹۰۰ء کو کریٹ ہی کی کونسل نے اپنا الحاق یونان سے طے کر دیا۔ اور سنہ ۱۹۰۱ء سے لغایت سنہ محدودینا وتھریس مین پھر بلوے کرادئے۔

سنہ ۱۹۰۳ء مین روس نے ارمنی و انخیرون کو خوب روپیہ دیکر اسلحہ سے بھی پُر کردیا۔ جس سے اندرونی لیڈرون کے ساتھ ساتھ ترکی افسرون کی جان خطرے مین ہونے لگی اور ارمنیون نے پھر فسادات زاید شروع کردئے۔ تب سلطان نے پھر مجبور ہو کر ارمنیون کی سرکوبی کا کام مسلمان کردون سے لینا شروع کر دیا۔ لیکن اسی سال سنہ ۱۹۰۳ء مین سلانیکا کے قریب رکھی

طلعت - جمال - جاوید - اور حاجی عادل جو آئندہ چلکر پانچ سال مین ترکی بغاوت کے بڑے رکن ہونگے - جمع ہوئے تاکہ موجودہ حالات پر غور و فکر کرکے کسی مناسب نتیجے پر پہونچین اور بلغاریہ نے جو مقدونیہ و تھریس مین ۱۹۰۲ء مین خوب بلوے کرائے تھے ان کو دبایا بھی گیا۔

سنہ ۱۹۰۴ء مین سلطان مراد کا انتقال ہوگیا۔ اور جن محبان وطن نے ابتک ناسازئ روزگار و بخت سے ہجرت کی یا جلاوطن ہوئے تھے سب کے نامون پر آزادی اور ترقی ملک کے حامی ہونے کی تہمت پھر بھی ثبت ہونے لگی مگر ادھر یورپ میں بھی انگلستان فرانس و روس نے ترکی حکومت کو "مرد بیمار" کہکر پھر حصے بخرے کرنے کا مصمم ارادہ کرلیا - جرمنی تو صرف مشرق ادنیٰ مین اپنی تجارت ہی کو ترقی دینا چاہتا تھا - خلافت اور پین اسلامزم کی تحریکات کے بھی وہ خلاف نہ تھا۔ مگر ڈیڑھ کروڑ عرب رعایا مین قومیت کے خیال کو پھیلا دینے کا ذمہ برطانیہ نے ضرور اپنے ہی سر لے لیا - جیسا کہ آگے چلکر ظاہر ہوگیا - اُن کے دیکھا دیکھی مغربی سلطنتون نے ترکون کے ہاتھ پیر کاٹنے کے لئے اُن مین قومیت کا جذبہ ہر جگہ پھیلا دینے مین گونہ امداد کرنا شروع کردی - حالانکہ ۱۸۹۷ء کی جنگ یونان و ترکی نے یہ بھی دکھلا دیا تھا کہ سلطان نے فوج کو اچھی طرح درست کر لیا تھا اور ترکی فوج پر فتح حاصل کرنا آسان کام نہ تھا - گو پیرس کے نوجوان ترکون کی کمیٹی اور کچھ دنون کی شرکت سے غیرون کو بڑی امیدین بندھی ہوئی تھین - مجبوری یہ تھی کہ خاص ترکی حکومت میں کسی جگہ بھی سلطانی جاسوسی کے کوئی انجمن نوجوانون کی نہین قائم ہو سکتی تھی - اور نہ مطلب عامہ مین انقلاب پیدا کرنے کے لئے اخبارات ہی ان کے پاس تھے - تاہم نوجوانون کے خیال مین ابھی تک تمام ترکی مین سیاسی اور مذہبی جذبات مین ہم آہنگی تھی اور سب کا مقصد بھی ایک ہی تھا گو سلطان وقت کے برتاؤ نے قدیم تہذیب کو ایک قسم کی بلا ہی ان کے نزدیک رکھا تھا - جس سے نوجوان مصلحان قوم بغاوت ہی کی طرف دوڑتے تھے - اور آپس کی جنگ سوا اب کوئی چارہ کار نہین سمجھتے تھے نتیجہ مین خود اہل ملک ہی غدار ہوگئے - جس سے وہ ترکی جمہوریہ جو آیندہ کے لئے خیال کیا جاتا تھا وہ پھر سلطان کے کل استبداد کی بدولت استبداد ہی پر مجبور سمجھا گیا - اور یہ بھی طے کر لیا گیا کہ

مذہب کو حکومت کے احاطہ اثر مین دیکر منضبط کردیا جانا ضروری تھا جس سے شیخ الاسلام کو یہ قدرت نہ ہو کہ جسکو وہ چاہے حکومت بخشے یا اُسے محروم کردے غرض کہ مذکورہ اصولون پر بحث ومباحثے بھی ملک مین ہونے لگے اور نوجوانون کا زاویہ نظر خوب ظاہر ہونے لگا چنانچہ رفتہ رفتہ حکومت اور نوجوانون کی رائے مین اختلاف بڑھتا گیا۔ مگر سنہ ۱۸۳۹ء کی نوجوان پارٹی اور سنہ ۱۹۰۸ء کی "اتحاد ترقی" کی پارٹی کے اصولون مین ہی بیحد فرق پایا گیا تھا۔ آخر الذکر چھوٹے درجے کے لوگ تھے اور ملازمت پیشہ بھی اُن میں شامل تھے اول الذکر عموماً امرا کے طبقہ سے تھے۔ اور اُن کا نصب العین بہت بلند تھا۔ وہ تعلیم وتلقین سے کام لینا چاہتے تھے یعنی آئینی و تدریجاً انقلاب کو پسند کرتے تھے لیکن بعد کے "اتحاد و ترقی والے" عوام ملک سے یک گونہ وابستہ تھے۔ اور اُنمین زیادہ تر مخدونیہ کے باشندے تھے اُن کو خود بھی سختی۔ ظلم۔ اور بے رحمی مین کبھی عذر نہ تھا۔ مراعات تو وہ جانتے ہی نہ تھے۔ نیز مغربی اقوام سے انھین ہر طرح کی ہمدردی کی امید تھی۔ کیونکہ سلطان عبد الحمید سے مغرب مین بیحد نفرت پھیلائی جا چکی تھی۔ اور خود سلطان بھی مغرب کی چال بازیون سے نفرت ہی کرنے لگے تھے۔ اور قدیم زمانہ کے ترک بھی جدید عالمون کے مخالف ہو گئے تھے بس آپس کی جنگ کے پورے سامان مہیا ہو گئے۔ جب ہی سنہ ۱۹۰۷ء کی زار روس و شاہ ایڈورڈ ہفتم انگلستان کی ملاقات سے بھی یہ نتیجہ ہر جگہ نکالا جانے لگا کہ ٹرکی کی تقسیم کا مسئلہ پھر ابھارا جائیگا۔ اور جو ترک کہ جلا وطن بھی ہو گئے تھے وہ بھی گویا زبان حال سے یہ کہہ رہے تھے۔ شعر

ہوئے قفس سے رہا بھی تو کس مصیبت میں　　اندھیری رات ہے اور آشیان نہین ملتا

اب نوجوان ترکون کی اُمید کے خلاف انگلستان سے بھی اُن کی مخالفت دکھلائی پڑتی تب اُن کو بھی کچھ اندیشہ زاید ہو گیا۔ اور ۲۳۔ جولائی سنہ ۱۹۰۸ء کو انور بے نے "کمیٹی اتحاد و ترقی" کی جانب سے "انقلاب" کا اعلان کر دیا۔ اور اُسی دن دوسرا و تیسرا فوجی دستہ آرمی کا جو سلانیکا مین تھا اوسنے قسطنطنیہ پر چڑھائی کا ارادہ کر لیا تاکہ سلطان کو پھر اصلاحات آئینی پہ مجبور کرے۔ اور دراصل تو ۲۳ جولائی ہی کو میجر نیازی بے نے فوجی خزانہ اور خاص تعداد اسلحہ

وغیرہ سلطانی فوج سے چھین کر پہاڑ مین اپنے کو مع اپنے ساتھیون کے جا چھپایا جب کہ
حکومت کی طرف سے شمسی پاشا جوان کی سرکوبی کے واسطے بھیجے گئے تھے اُن کو انھین
کی فوج نے بمقام موناستر (Monastir) قتل کر دیا۔ اور فوج مین بھی بغاوت کے
پورے آثار نمایان ہو گئے سلطان کو بھی اب کسی کا اعتبار نہ رہا۔ وزرا افسران فوج
بھی ایک دوسرے سے بدظن ہو گئے۔ بلکہ یورپ کی چال بازیون کے سبب ہی خنکار ہو گئے
قسطنطنیہ مین اب بھی بات کا زبان سے نکالنا مشکل تھا کیونکہ جاسوسی ابھی تک قیامت ڈھا رہی تھی
خود ولیعہد ہی قید میں رکھے گئے تھے۔ غرضکہ ہر طرف سازشون کا زور ہو گیا۔ دول
یورپ ہی روپیہ بچھا کر جسکو پاتین اپنانے کی پوری کوشش کر رہی تھین کہ
مقدونیہ مین نوجوانون نے دستوری حکومت کا اعلان کر دیا۔ درصل تو لبنا ریہ کی بغاوت
ہی کے بعد اسکو۔ موناستر و سلانیکا۔ تینوں صوبون مین سلطان نے اصلاحات منظور ہی
کر لی تھین۔ اور انقلابی انجمن تو وہان قائم ہی تھی۔ "چنانچہ" اتحاد و ترقی " کی انجمن کے
قیام کی کوئی دقت نہ تھی اور فوجی افسران اوس مین زائد شامل ہو چکے تھے۔ کیونکہ
فوج اور سفرا کی تنخواہین بھی اب چڑھ گئی تھین۔ اس سے ۲۳ جولائی ۱۹۰۸ء کو سلطان
کو بھی دستور کی منظوری دینا ہی پڑی۔ اور ۱۸۷۶ء کے قانون اساسی کا پھر اجرا
فرما دیا گیا مطابع و اخبارات پر جو بندش لگائی گئی تھی وہ بھی ہٹائی گئی۔ لیکن انقلابیون
نے اب اور منھ پھیلایا۔ عثمان پاشا کے ہٹائے جانے کی درخواست دی سعید پاشا
پر خلاف ورزی اساس کا الزام یون لگایا کہ وزرائے جنگ و بحری کے تقرر
کو سلطان پر کیون محول کیا۔ اسپر سعید نے کامل پاشا کے واسطے جگہ خالی
کر دی جس نے فوراً ہی ایک یونانی اور ایک ارمنی کو بھی وزارت مین لے لیا۔ مگر
ابھی تک سلطنت کی وسعت مین باضابطہ کمی نہ ہونے پائی تھی کیسی نہ کسی طرح سلطان
کی شہنشاہیت سب جگہ قائم تھی۔ اور ہر چال کو سلطان وقت اپنی خوش تدبیری
سے مٹا دیتے تھے۔ اور اسی باعث ترکون کا رعب اُن کی عزت اور فوجی دبدبہ بھی ہر
جگہ قائم و برقرار تھا۔ بلکہ سلطان عبدالحمید کے نام سے تو یورپ کے بچے ابھی تک ڈرائے جاتے تھے

اگر اُن سے قبل کے سلاطین اور وزرا نے سلطنت کے معاملات مین دوسری دول یورپ کو دخل نہ دینے دیا ہوتا تو پھر بھی سلطان عبدالحمید ثانی بہت کچھ کر کے دکھلا دیتے۔ مگر اب پیالہ لبریز ضرور ہو چکا تھا۔ جمہوریت کے خیالات ایسے پھیل چکے تھے کہ اون کا روکنا مشکل ہی تھا۔ تمام یورپ کو ترکون ہی کے آپس کے اختلاف کی پوری خبر بھی لگ گئی تھی اور اُس سے اونھون نے نفع بھی اوٹھا لیا۔ چنانچہ اس درمیان مین یہ واقعہ بھی پیش آیا کہ کسی سرکاری کھانے پر بلغاریہ کے قائم مقام کو قسطنطنیہ مین دعوت نہین دی گئی۔ اس پر حکومت بلغاریہ کے شاہزادہ فرڈینینڈ نے فوراً شاہ اسٹریا سے ملاقات کی اور مشورہ ہو کر ۵ اکتوبر ۱۹۰۸ء کو بمقام ٹرنووو (Tirnovo) تاربلغاریا سے بادشاہت کا خطاب خود ہی لیکر اوس کا اعلان کر دیا۔ ادھر شاہ آسٹریا نے باسنیا و ہرزیگو ینا کو اپنی سلطنت مین الحاق کرنے کا اور کریٹ نے یونان کے ساتھ اپنے الحاق کا اعلان دے دیا۔ اِن پر سلطان نے احتجاج کیا۔ اور آسٹریا کے مال کا ترکی مین آنا بھی بند کر دیا نیز ۱۰ دسمبر ۱۹۰۸ء کو مجلس مبعوثین کو طلب کر کے اُس کا افتتاح بھی کر دیا اور اپنی تقریر مین آسٹریا کی بے جا حرکت کا بھی ذکر کیا۔ اسی وقت الوزیر نے اعلان کیا کہ اب نہ کوئی بلگیرین ہے۔ نہ یہودی۔ نہ یونانی۔ نہ رومن۔ نہ عیسائی۔ اور نہ مسلم۔ بلکہ ترکی مین سب برابر ہین۔ شخصی حکومت اب نہین رہی اور کل رعایا۔ دولت عثمانیہ (Ottomans) ہین۔ اس کا فوری اثر یہ ہوگیا کہ ترک یہودی اور بلگر وغیرہ سب ایک دوسرے کے ساتھ دعاؤن وغیرہ مین شرکت کرنے لگے۔ نیز ہر حصہ ملک مین عید و بڑے دن کا لطف آگیا۔ اور نوجوان پارٹی نے سلطان عبدالحمید کو جمہوریت کی کا باقاعدہ سلطان بھی تسلیم کر لیا۔ یونانی و ترکی متحدہ ہین ایک ساتھ پارلامنٹ مین بیٹھے اور "ترقی و اتحاد" کی حکومت آرائی سے سب کو پھر بڑی امیدین بندھ ہین۔ مگر بھلا یورپ کی سازشین اس چپ چاپ بلا چون و چرا بلکہ بلا خون و خنجر انقلاب کو کس طرح ٹھنڈے دل سے شربت کے گھونٹ کی طرح اُتار سکتی تھین اُن کے یہان تو ترکون کی ذرا سی بھی غلطی قابل معافی نہ تھی اور پھر جب کہ نوجوان ترک اُنگون مین اندھے ہو رہے تھے۔

ان کو اس کی خبر ہی نہ تھی کہ کون کون ہاتھ اُن کی خرابی کے واسطے کوشاں تھا اور کیوں وہ صرف سلطان وقت ہی کو تنہا تمام خرابیوں کا ذمہ دار سمجھتے تھے۔ سلطان وقت کی زندگی کے واقعات تو ایسے نہ تھے کہ وہ غافل کہے جاتے یا حکومت کے بعد دلدادہ اور وہ اپنی قوم و ملک کے دشمن تھے۔ نہ کسی کا خاص اُن پر اثر ہی تھا۔ سلطان کی پین اسلامزم کی پالیسی جس سے کہ اب تک یورپ گھبراتا ہے۔ اسکو بھی نوجوانوں نے پس پشت ڈال رکھا تھا اور کبھی بھی اسپر اُس وقت غور ہی نہ کیا۔ لیکن اسوقت سلطنت اور فوج پر اب چونکہ ان کا پورا اثر ہو چکا تھا لہذا سلانیکا میں "اتحاد و ترقی" کا مرکز مستقل طور پر قائم ہو گیا۔ اور سلطان پھر اب بلا خوف و خطر گلاٹا پل کے اوپر سے استنبول کو محل شاہی سے آنے جانے لگے۔ اور دارالعلوم میں رنگ برنگی نمائندے جن کو ڈیپوٹی کہا جاتا تھا بیٹھنے لگے۔ عرب۔ ترک۔ یونانی۔ ہوبجے اور بیت المقدس وغیرہ کے نمائندے سب ایک ہی ساتھ بیٹھے ہوے کام کرتے دکھلائی پڑتے تھے۔

سلطان پر یہ الزام کہ "ان کا محکمہ جاسوسی بڑا زبردست تھا اور اسی کے زور سے وہ سلطنت کرتے تھے نیز اُس کا جال تمام ملک میں اور بیرون ملک خوب قوت کے ساتھ پھیلائے ہوئے تھے۔ جس سے نوجوان ترکوں کی کوئی تحریک پوشیدہ طور پر کامیاب نہ ہونے پاتی تھی۔ اور اسی کے ذریعہ سے وہ تمام استبدادی کارروائیاں کیا کرتے تھے" کس طرح صحیح مانا جاسکتا ہے۔ آج پھر ہم دیکھتے ہیں کہ حکومت برطانیہ کے وزیر سر سیموئل ہور Sir Samuel Hoare نے ۲۷ جنوری ۱۹۳۷ء کو دارالعوام کے اجلاس میں جبکہ پانچ گودی کے ملازمین کی موقوفی پر حکومت کے خلاف ملازمت کا ووٹ پاس کرنے کی تحریک پیش ہوئی تھی تو جواب میں فرمایا تھا کہ "خفیہ ملازمتوں یا گوئندوں کی تعداد میں تیزی سے اضافہ کی خطا کے ہم مجرم نہیں کہے جاسکتے۔ دس پندرہ سال کی ناجائز کارروائیوں کا یہی نتیجہ ہے" وغیرہ وغیرہ[1] اسے جبکہ برطانیہ عظمیٰ کو خود برطانیہ میں اور ہندوستان میں ہر قسم کا سی آئی ڈی کا محکمہ زور شور سے قائم کئے اور اس کی اطلاعوں پر بے دریغ عمل کرنے کا ۱۹۳۷ء میں عقلاً حق حاصل ہے تو ٹرکی کی حکومت کو جو کہ تیس چالیس برس پہلے تھی اُس وقت کیوں حق حاصل نہ تھا

---

[1] دیکھو اخبار ہندوستان ٹائمز۔ دہلی مورخہ ۲۸ جنوری ۱۹۳۷ء (صفحہ ۳ کالم ۲)

ترکون نے اپنی اسوقت کی سلطنت مین کہا جاتا ہے کہ بازنطینی حکومت کی تمام برائیان تقریبًا اختیار کرلی تھین یعنی ترکی ٹوپی۔ نقاب۔ حرم سرا۔ پردہ۔ خواجہ سرائی کا رواج کاہلی اور علم سے دوری اور اُن کی کوئی بھی اچھائی نہین لی تھی۔ بلکہ جسوقت سے کہ قسطنطنیہ کو ترکون نے دارالسلطنت بنایا تھا اسوقت سے برابر ہر قسم کی اخلاقی اور تمدنی وغیرہ حیثیتون مین پستی مین جاکر گرتے ہی گئے۔

انور اور طلعت نے مستورات ملک کو بھی اب اپنے سیاسی پروگرام مین جگہ دے رکھی تھی صنعت و حرفت کی ترقی کا بھی خیال انھین لوگون کو پیدا ہوا۔ کیونکہ ملک ہی کی بنی ہوئی اشیاء کے استعمال پر بڑا زور بھی دیا جانے لگا یعنی سودیشی تحریک ہی ترمیمی پروگرام مین شریک کرلی گئی تھی۔ لیکن جرمنی کے مشن کو قسطنطنیہ لانے اور جرمنی مین طلبا کی تعلیم اور اوس سے دوستانہ معاہد نیز مستورات ملک کی آزادی اور تعلیم عام کی تحریک نے انور۔ جمال و طلعت کو ملاؤن اور ترک بلکہ سلطان کی نگاہ مین بھی سخت کانٹا بنا دیا تھا کیونکہ مستورات قسطنطنیہ اکثر تفریح گاہون مین بے نقاب مردون کے ساتھ گھومنے و پھرنے لگی تھین ترکی سفرا بھی اپنی بیویون کو باجازت سیر و سفر مین ہمراہ لیجانے لگے تھے۔ اس سے کمیٹی "اتحاد ترقی" کا ایک حیثیت مقابل بھی ایک بڑا گروہ ملک مین ہوگیا جس نے اپنے کو لبرل یونین کے نام سے مشہور کیا اور اسکی کامل بے لوث کے رہنما شہزادہ کا مقصد حکومت کی غیر مرکزیت (Decent ralization) کا مٹانا تھا بلکہ لوگون کا خیال ہوگیا تھا کہ یہ انجمن خود سلطان نے بنوائی تھی مگر خیراب ترکی کی جواتحاد کا کام بخوبی چلنے لگا تھا کہ یکایک البانیہ مین "کمیٹی اتحاد" کے خلاف احتجاج ہوا۔ بوسنیا کی فوج نے ترکی توپین گرعرصہ ہوا ۱۹۰۸ء ہی مین اُتار دیا تھا۔ جس سے ترکون مین ہیجان موجود ہی تھا۔ مگر سلطان نے اوسوقت آسٹریا کی حرکتون سے بہت کچھ چشم پوشی اس بنا پر کی تھی کہ اوس نے سنجک نووی بازار سے اپنا قبضہ اُٹھا لیا تھا۔ اور ترکی قرضہ کا کچھ بار بھی اپنے ذمہ اوڑھ لیا تھا۔ لیکن رجعت پسندون کی طرف سے جوابی انقلاب کے آثار بھی نمایان ہونے یونانی بطریق کے پروپیگنڈا اور مذہبی جوش کی شورش جو یورپ مین طبقون کے خلاف ان دنون پھیلا دی تھی سب نے ملک مین پھر ہیجان پیدا کر دیا دراصل تو یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ سوائے دول یورپ نے بھی اس شورش سے نفع اٹھایا اور انہی حکومتون کی نگاہ مین یہ شورش دبے ہنگامہ انقلاب سخت کھٹک رہی تھا اور انکی بیتابی بغیر پورے اٹھا لینے کی آرزو

خون بہتا نظر آتا تھا۔ مدتوں کی وہ کوشش جو ترکوں کی تخریب کیلئے سوچی گئی تھی سب ملیامیٹ ہوتی دکھلائی پڑ رہی تھی اور بھلا اس رہی سہی زبردست مسلم سلطنت کا بیداری اور جمہوریت کی طرف بلا قتل و غارت میلان عیسائی دنیا کس طرح دیکھ سکتی تھی۔ اور جو کچھ بھی حقوق اسوقت تک عیسائی اقوام ترکوں سے حاصل کر چکی تھیں نوجوان ترکوں کے اعلان سے اونکے ہاتھ سے گویا نکل جانے کا پھر سب کو اندیشہ نمودار ہو چلا تھا۔ چنانچہ دوسری طرف نوجوان ترکوں کی ناتجربہ کاری، سلطان سے بے اعتباری اور تعجیلِ خواہشِ انقلاب نے عیسائی دنیا کو پھر پورا موقع دیدیا۔ اور خفیہ تار برقی سے دوڑ جانے والی خبروں نے اپنا کام پورا کر لیا۔ نیز زرپاشی کر کے بغاوتیں بھی کرا ہی دی گئیں۔

۱۹۰۹ء کا شروع ہونا گویا قیامت کا آنا تھا بھلا یہ کون ماننے کی بات ہے کہ ایک طرف تو پارلامنٹ میں ہر قوم۔ فرقہ و مذہب کی خوشی خوشی نمایندگی ہو، خود سلطان کو سب بادشاہ تسلیم کریں اور دوسری طرف سلطانی باڈی گارڈ اور قسطنطنیہ کے باشندے بلوں پر تیار ہو جاویں۔ مورخین کا خیال ہے کہ نوجوان ترک بڑی قابلیتوں سے اپنی مجلسوں میں تقریریں اور کام کرنے لگے تھے۔ مگر یہ ضرور ماننا جاوے گا کہ موقوف شدہ وزرا اور سپاہیوں یا سلطانی مخبروں کے جو سکے پنچے پیشتر سے تھے وہ چونکہ اب نہیں رہے تھے۔ نیز علما و موجودین کو نوجوانوں سے جو عداوت تھی۔ اون ہی سب نے شرارتوں پر کمر ضرور باندھی ہو گی اور ہنگاموں کو پیدا کیا ہوگا۔ لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ سلطان وقت خود ہی تمام خرابیوں کے باعث ہو رہے تھے صحیح نہ ہوگا۔ چنانچہ ۱۳ اپریل ۱۹۰۹ء کو دارالسلطنت میں ایک نیا انقلاب یہ ہوا کہ ایک لبانی کی سرکردگی میں سپاہیوں نے دارالعوام پر قبضہ کر لیا اور "اتحاد و ترقی" کے دو افسروں کو قتل کر دیا۔ کامل پاشا کی وزارت تو ختم ہی ہو چکی تھی اور حسین حلمی جو وزیر اعظم تھے وہ بھی توفیق پاشا کے لیے ہٹ گئے تھے اور سلطان نے مجبوراً فوج کی دار و گیر اوس وقت جائز نہیں کی تھی نیز سائیلیشیا میں بمقام ادانا (Adana) ارمنوں کا بھی قتل ہو گیا تھا اور جو محراب کہ جدید آئین کی یادگار میں تعمیر کی گئی تھی اوس کو بھی منہدم کر دیا گیا تھا بلکہ دفتر رجسٹری تک جلا دیا گیا تھا اور والی یا فوج نے اس بلوہ کے روکنے کی ذرا بھی کوشش نہیں کی تھی ان تمام بلووں کی خبر ۱۴ اپریل ۱۹۰۹ء کو سلانیکا

میں اس طرح پہونچائی گئی کہ قسطنطنیہ میں بلوہ ہوگیا - اور نوجوان ترکوں کے نمایندوں کو جب کہ وہ کونسل سے نکل رہے تھے تو عوام نے اون پر حملہ کر دیا اور سب کو ختم کر دیا اس پر وہاں کی مجلس "اتحاد و ترقی" نے کوئی بیان بھی سننا منظور نہیں کیا اور نہ کوئی صلح بلکہ محمود شفقت پاشا مخدونیہ کی فوج لے کر قسطنطنیہ پر چڑھ دوڑے - اور تشتالجا پہونچگئے تاکہ قانون اساسی کی پابندی کرالیں مجلس مبعوثین نے بھی اوس کی رائے سے موافقت کی - اور بمقام استفانو مارشل لا کا اعلان ہوا جس سے چالیس فوجی سرداروں کو پھانسی دی گئی اور ۲۴ راپریل ۱۹۰۹ء کو قسطنطنیہ میں فوج نے داخل ہوکر بلووں کو فرو کیا - نیز ۲۷ راپریل کو سلطان عبدالحمید ثانی کو تخت سے اوتارنے کا تصفیہ کیا گیا جس میں پارلامنٹ اور شیخ الاسلام کی رائے میں موافقت معلوم ہوئی تب ہی خود عبدالحمید خاں بلا کسی قسم کا کشت و خون کرائے تخت سے اوتر گئے اور اونھیں ۲۸ راپریل کو سلانیکا بلا کسی سامان کے پہونچا دیا گیا - کیونکہ مجلس کی رائے میں وہ بلووں وغیرہ کے بانی و شریک قرار دیئے گئے تھے - اور اوس کی تفصیل بھی فتوی میں کی گئی - ساتھی اس کے اونکے چھوٹے بھائی محمد رشاد کو محمد پنجم کے نام سے سلطان بنایا گیا اور اب چونکہ اوس ترکی قوم کا جو اس وقت برسر حکومت تھی فیصلہ یہ تھا کہ عبدالحمید خان ثانی ہی تمام خرابی کے ذمہ دار تھے اور اونھیں نے بلوے وغیرہ کرائے تو اس کی تردید کا حق کس کو ہو سکتا ہے - مگر ہر تاریخ کا پڑھنے والا یہ حق رکھتا ہے کہ انصاف سے غور کرے اور اپنا فیصلہ بھی کرے - اس لئے یہ چند سطور راقم الحروف لکھنے کی جرأت کرتا ہے -

وہ سلطان کہ جس نے یورپ کو اپنے دبدبے و جبروت سے ہلا دیا ہو جس کی خود مختاری کے وقت میں ایک چپہ بھر بھی زمین سلطنت سے بلا حقوق شہنشاہی قایم کرائے یورپ کو لینے کی ہمت نہ پڑی ہو - اور تخت سے اوترتے وقت کسی ترک کے خون کا ایک قطرہ بھی گرانا جسنے جائز نہ رکھا ہو - نیز سلانیکا جاتے وقت ایک حبہ بھی قوم کا نہ لے گیا ہو - اور بغاوت کے وقت بھی کسی قسم کا فائدہ نہ اوٹھایا ہو - بلکہ قوم نے جس جس وقت جو کہا وہ منظور کیا ہو - نیز شہنشاہ جرمنی کی دوستی سے بھی فوجی نفع اپنے قیام کے واسطے نہ حاصل کیا ہو - اوس پر ایسے الزام لگانا قرین عقل تو نہیں ہے - قومی مصلحت دوسری شئے ہے - اب یہ امر کہ استبدادیت کے

واسطے بلوے کرا دیئے۔ یہ کسی کی عقل میں نہ آئے گا۔ جب اپنے تاج وتخت کے واسطے ایک اونگلی کا بھی اشارہ نہ کیا تو اس قسم کے الزامات کے کوئی معنی نہ ہوں گے۔ وہ ضرور فوج سے کر لڑ سکتے تھے۔ قانون اساسی کو ملتوی کر سکتے تھے۔ اور اون کی امداد کو بڑے بڑے تیار ہوتے لڑوانے والے تو چشم براہ تھے ہی۔ پھر اسی کے ساتھ اگر اس پر غور کیا جاوے کہ تھوڑے ہی دنوں کے بعد "اتحاد وترقی" کی مخالفت بھی ہو گئی بلکہ چونکہ یوروپین مورخین نے عبدالحمید خان کی برائی دکھلانے کیلئے نوجوان ترکوں کی تعریف کرنا بھی شروع کر دی تھی اور واقعی وہ تعریف کے قابل ضرور تھے بھی مگر اونکے زمانہ میں جو واقعات پیش آئے اور انحطاط ہوا کیا اوسکے بھی ذمہ دار سلطان عبدالحمید ہی ہونگے۔ اور اونہیں کے سر تمام برائیاں تھوپی جائیں گی۔ استغفر اللہ۔ یہ سب قصہ وکہانی ویسی ہی ہے جیسے کہ اہل ہند کو بادشاہ اورنگ زیب کے عیوب دکھلائے گئے ہیں اور اوسے سخت بہت ظالم اور متعصب بتلایا گیا ہے۔ حالانکہ کپتان الگزینڈر ہملٹن جو ایک انگریز سیاح شاہ اورنگ زیب کے زمانہ میں ہندوستان آئے تھے۔ اور ۲۵ سال رہکر گئے اونھوں نے اپنا سفرنامہ میں لکھا ہے جسکی دوسری طبع ۱۷۳۹ء میں ہوئی ہے اور جس میں اونھوں نے سچے واقعات لکھے ہیں اور اورنگ زیب کو ایک نہایت عادل محنتی۔ اور بے تعصب بادشاہ ثابت کر دیا ہے۔ اسی طرح بعض مورخوں نے عبدالحمید خان ثانی کو نہایت ہی مدبر اور عاقل بادشاہ لکھا ہے۔

سلطان عبدالحمید کو موضع الفا ٹائن (Alfatine) میں نظر بند رکھا گیا۔ مگر بعد میں وہ پھر قسطنطنیہ لائے گئے۔ اور اون بیچارے نے پھر بھی محض خاموشی کی زندگی قید ہی میں بسر کی۔ جبتک کہ ۱۹۱۸ء میں اون کا انتقال نہ ہو گیا۔ اونکے زمانہ حکومت ہی میں جیسے کہ ۱۹۰۸ء میں نوجوان ترکوں کے ہاتھ میں گویا حکومت آئی تھی اوس وقت دو کروڑ تین لاکھ کی آبادی میں ایک فی صدی پڑھے لکھے لوگ تھے۔

سلطان رشاد یا سلطان محمد پنجم

اپریل ۱۹۰۹ء - جولائی ۱۹۱۸ء

سلطان رشاد محمد پنجم بہت ہی سیدھے سادے مسلمان تھے مجلس مبعوثین کے بندے اور سیاسیات سے قطعًا نابلد۔ اونھیں کے زمانہ میں روس کی تحریک پر تمام سلاو اقوام اور اون کی افواج کا اتحاد بنا اور وہ بھی زور پکڑنے لگا۔ روسی وزیر اسوالیسکی (Iswolski) جو بلقان میں وزیر تھا اس تحریک کی پوری امداد بھی کی۔ اور اس اتحاد نے آیندہ کے انقلابات ترکی میں بہت کچھ حصہ بھی لیا۔ اب سلطان محمد پنجم کے تخت نشین ہوتے ہی احمد رضا بیگ ایک بہت ہی لائق قانون دان کے زیر صدارت مجلس کا افتتاح پھر ہوا۔ مگر اب اتحاد و ترقی کے دو ٹکڑے ہوگئے تھے۔ ایک وہ جو ہر شئے و ہر معاملہ کو ترکی نقطۂ نگاہ سے دیکھتے تھے اور ترکی ہی کے نام سے تمام رعایا کو متحد کرنا چاہتے تھے۔ اون کو بلا قید مذہب۔ بلکہ با تمام ترکی زبان کے رواج دینے کا غلو تھا۔ یہاں تک کہ البانیہ میں البانی اور عربیہ میں عربی زبان تک کے بولے جانے کی اجازت دینا قرین مصلحت نہ تھا۔ فوج میں بھی عام بھرتی کا حکم بلا کسی مذکورہ قیود کے جاری کردی گئی تھی۔ بلکہ بلقان کے تمام عیسائیوں کو سپاہی بنا کر فوج میں بھرتی ہونے کا حکم صادر کردیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہزاروں کی تعداد میں بلغاری۔ یونانی اور سربیا کے نوجوان جو مقدونیا میں آباد تھے وہ فوجی خدمت کے ڈر سے اپنے گھر چھوڑ کر بھاگ گئے۔ تاہم قوم پرستوں نے اونکے بجائے بوسنیا کی کثیر آبادی کو جو مسلمان تھی آباد کر لیا۔ دوسرا فرقہ خوشامدی سے کام کرنا چاہتا تھا مگر کمزور تھا۔ اور اعتدال سے درستی کی طرف بڑھنا اون کا اصول تھا۔ دونوں نے ہر محکمہ کی ترتیب کی طرف توجہ ضرور کی تھی مگر اب کچھ ایسی طوائف الملوکی پھیل گئی تھی کہ رشوت کا بازار ہی نہ بند ہوسکا۔ اور فوجی محکمہ تو انحطاط ہی کی طرف جانے لگا۔ تنخواہیں بھی پوری ادا نہ ہونے لگیں۔ ٹیکس بہ فلاح لدتے ہی پاٹے گئے اور تخفیف اخراجات مشکل ہی نظر آتی تھی۔ حجاز و بغداد ریلوے کا کام تو ضرور دیتی تھیں مگر قرض کا بار بڑھتا ہی چلا جا رہا تھا عوام اور جہلا پر مذہبی قصداون کا قبضہ کم ہی ہوتا نظر آیا۔ ملک کی کل تجارت یہودیوں و آرمنوں ہی کے ہاتھ میں

اب بھی تھی گیا دول یورپ کی سازشوں نیز خفیہ طور پر بلوائیوں کی امدادی کارروائیوں نے تمام ملک میں نوجوان ترکوں کے لئے بھی ترتیب یا انتظام ملکی میں مصیبت ہی گونہ پیدا کر رکھی تھی۔ عیسائیوں کو عام طور پر ہر قسم کے حقوق کی خواہش تو تھی ہی مگر ذمہ داری سے دور بھاگتے تھے۔ بالخصوص اونکے پادری و مقتدایان مذہب اور سیاسی رہنماؤں میں خاص غداری کا ولولہ پورے طور سے ہر مقام پر ظاہر ہو چلا تھا۔ نوجوان ترکوں نے ابھی تک کچھ بوڑھے تجربہ کاروں کو بھی رکھ چھوڑا تھا مگر وہ بہت زاید مداخلت امور حکمرانی میں نہیں کرتے تھے۔

سنہ ۱۹۱۰ء میں ایک سید یحییٰ نے بھی یمن میں خروج کیا اور بلوہ ہوا۔ اسی سال بلغاریہ و سرویا دونوں کے بادشاہ قسطنطنیہ بھی آئے اور اطمینان بھی دلا گئے کہ وہ صلح کے پابند رہیں گے۔ نیز اٹلی کی حکومت نے ڈیڑھ سو ترکوں کو دعوت دے کر اپنا مہمان بنایا اور طرابلس کے مسئلہ پر گفت و شنید کی اور اطمینان بھی دلایا۔ جس پر یمن کے بلوہ کو رفع کرنے کے لئے وہ ترکی فوج بھیجی گئی جو طرابلس میں متعین تھی اور ۲ دسمبر سنہ ۱۹۱۰ء تک اٹلی کے وزیر خارجہ نے اپنی قومی مجلس میں یہ بیان دیا تھا کہ وہ سلطنت عثمانیہ اور اوسکے ساتھ ہی طرابلس کو ترکی کے قبضہ میں اطالیہ کی حکومت برقرار دیکھنا چاہتی ہے۔ اسی طرح آسٹریا و ترکی کے درمیان جو کشمکش تھی اوس کا ۲۶ فروری سنہ ۱۹۱۰ء میں آسٹریا کے زیر اثر بوسنیا و ہرزیگووینا کو دے کر صلح کر لی گئی۔ نیز اوسے پارلامنٹری حقوق بھی دیے گئے۔ بلغاریہ سے بھی معاملت یوں ہو گئی کہ ستائیس لاکھ اسی ہزار پاؤنڈ (۲۷۸۰۰۰۰) کا تاوان جنگ جو روس کو ترکوں سے پانا تھا وہ بلغاریہ نے اپنے ذمہ لے کر دو لاکھ پونڈ کی سالانہ قسطیں روس کو ادا کرنا منظور کر لیا اور ترکی نے اوس کی آزادی بلغاریہ پر کر دی۔ نیز بلغاریہ کے مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کے لئے صوفیا میں ترکی مفتی اعظم اور مسلم مدارس و مساجد کا قیام و حفاظت بلغاریہ کی آزاد حکومت نے بھی منظور کر لیا۔ اور کریٹ یونان میں شامل ہو گیا۔ نوجوان ترکوں کو اب برطانیہ کی ہمدردی پر بھی بڑا بھروسہ تھا اگرچہ ان کی اخباری دنیا نے کسی طرح اب تک ساتھ نہ دیا کیونکہ دول یورپ بھر کی ایک طاقت شتا متگل کی ضرورت تھی اگر ایک

زبردست مدمقابل کی اور ٹرکی کو تو کسی طرح بھی بطور ایک زبردست سلطنت کے دیکھنا کسی عیسائی سلطنت کے بس کی بات ہی نہ تھی۔ مگر چونکہ روس کو جاپان نے کمزور کر دیا تھا اس سے کچھ نہ کچھ ترکوں کی جان اور وقت ضرور بچ رہی تھی کہ یکایک اٹلی کے طرابلس پر قبضہ کرنے کی کیفیت معلوم ہوئی۔ تب جا کر ترکوں کے کان و ناک ہوئے اور ہر طرف سے دباؤ کا منظر سامنے آیا۔ اور یہی سمجھ میں آیا کہ سیاست کے میدان میں قدم اوٹھانا آسان نہ تھا اب تو تمام حصص مملکت بھی دوسروں کے نذر کر دیئے تھے مگر پھر بھی کچھ چین کی صورت نہ دکھلائی پڑی۔ اور موجودہ سلطان تو محض کاٹھ کی پتلی ہی نظر آئے۔ احمد رضا اور حقی پاشا کو یکے بعد دیگرے قلمدان وزارت دیا گیا۔ مگر ۱۹۱۱ء ہی میں البانیہ کی پہاڑیوں اور مالشوری۔ (Maltsoni) والوں نے بھی بلوہ کر دیا اور کوہ دا افواج کو بیحد نقصان پہونچایا نیز ۲۸ ستمبر ۱۹۱۱ء کو اٹلی نے ٹرکی سے اعلان جنگ کر دیا جس سے پھر بلغاریہ سرویا یونان۔ مانٹینیگرو وغیرہ میں آپس میں چھاپا شروع ہو گئی۔ اور ہر طرف مکمل آزادی کا خیال بڑھنے لگا۔ اسی سال تب طلعت پاشا کو قلمدان وزارت عطا ہوا۔

اب ترکی و اٹلی کی جنگ طول پکڑ گئی۔ اور مارچ ۱۹۱۲ء میں طرابلس پر اٹلی نے قبضہ ہی کر لیا۔ اور آسٹریا نے باسینا پر بلکہ یونان نے بھی کریٹ پر مکمل قبضہ کر لیا۔ روس کے سفیر (Isvolsky) اسوولسکی متعینہ فرانس کی کوشش سے بلغاریہ اور سربیا میں معاہدہ بھی ہو گیا کہ ملکر ترکوں سے جنگ کریں گے۔ ادھر گھر میں نوجوان ترکوں کی انتہا پسندی کے سبب قدیم وضع کے لوگ تنگ تھے۔ اور قدیم فوج بھی مخالف ہو رہی تھی۔ کامل پاشا کو جو برطانیہ کی دوستی پر بھروسہ تھا وہ بھی غلط نکلا۔ اٹلی نے اپنے قبضے و الحاق طرابلس کی اطلاع بھی دول یورپ کو کر دی۔ بلکہ ساحل البانیہ پر گولہ باری بھی شروع کر دی۔ بحیرہ ایڈریاٹک میں بحری فوج نے بڑھ کر پریویسا (Prevesa) پر گولہ باری کی۔ ترکی بحری فوج نے دردانیال میں پناہ لی جس پر بحیرہ ایجین کے بہت سے جزائر پر بھی اب اٹلی نے قبضہ کر لیا۔ فرانس و برطانیہ نے ان تمام واقعات سے چشم پوشی کر لی حالانکہ سلطان عبدالحمید کے وقت میں طرابلس میں کافی فوج رہتی تھی۔ مگر نوجوان ترکوں نے غلط اندازہ کر کے اس کو بہت

کم کر دیا تھا۔ انور بے نے جو وہاں ہوشیاری سے پہونچ گئے تھے۔ تھوڑی فوج کے ساتھ جانباز مقابلہ کیا تھا۔ اوسی وقت برطانیہ نے بھی مصر کے بابتہ اعلان کر دیا کہ مصر کسی کی طرفداری نہ کرے گا۔ بلکہ ترکی افواج کو مصر کی طرف سے طرابلس جانے تک کی اجازت نہ دی گئی تھی۔ انور بے نے بے قاعدہ عربی فوجوں کے ذریعہ سے جنگ تو جاری ضرور رکھی تھی۔ مگر یورپ میں اب پھر ترکوں کے مظالم کے راگ گائے جانے لگے تھے اور عیسائی رعایا کے غیر مذہبی معاملات میں ہر طرف سے مداخلت ہونے لگی تھی نیز ۲۶ جولائی ۱۹۱۲ء کو چار دول متحدہ عظمیٰ یورپ نے حسب معاہدات قدیم اپنی اپنی فوجوں کو جیسے ہی کہ جزیرہ کریٹ سے ہٹا لیا تو آنے والے طوفان کے نشانات اگست میں اچھی طرح نمایاں ہو گئے۔ بلقان کی لیگ کی بھی اب تکمیل ہو گئی۔ شمالی البانیہ میں گڑبڑی پھیلی۔ اور ۸ اکتوبر ۱۹۱۲ء کو مانٹینیگرو نے ترکوں سے اعلان جنگ کر دیا۔ اور ۱۷ اکتوبر کو بلغاریہ و سرویا نے بھی اعلان جنگ کر دیا۔ نیز ترک بھی اب اعلان جنگ پر مجبور ہو گئے کیونکہ بلغاری افواج ایڈریانوپل پر بڑھا دی گئیں۔ تب ۱۸ اکتوبر کو یونان نے بھی اعلان جنگ کر دیا۔ کاظم پاشا کی اب وزارت تھی۔ اونھوں نے ناظم پاشا کو جنگ کے واسطے بڑھنے کا حکم دیا اور جنگ بلقان زور پکڑ گئی۔ ۲۴ اکتوبر ۱۹۱۲ء کو ترکوں کو ادھر شکست ہوئی تب ادھر سرب بھی اوسکب (Uskub) پر بڑھ گئے تھے۔ اور علی رضا پاشا کے مقابلہ میں اونھیں بھی فتح ہوئی۔ یونانیوں نے سلانیکا کی طرف قدم بڑھا دیا۔ قسطنطنیہ میں مجروحین کی کثرت سے ہیضہ بھی پھیلنے لگا۔ اور بلغاریہ بھی وہاں بڑھتا پایا گیا۔ بلکہ ۸ نومبر ۱۹۱۲ء کو یونانی افواج سلانیکا میں داخل ہی ہو گئیں۔ اور بلغاریہ افواج بھی وہیں پہنچ گئیں۔ جہاں کہ چار سو بیاسی (۴۸۲) سال تک ترک حکومت کر چکے تھے۔ بلقان لیگ جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے اوسکے معاہدہ کے مطابق اب ایک مشترکہ مطالبہ پورٹ کے سامنے پیش کر ہی دیا گیا۔ جس میں مختلف اصلاحات کی خواہش کیساتھ ساتھ صوبہ جات کی مکمل آزادی کا بھی مطالبہ تھا۔ اوسی کو ترکوں نے اعلان جنگ سمجھا تھا اسکی وجہ ترکوں نے ۱۵ اکتوبر ۱۹۱۲ء کو اٹلی سے مصالحت باین طور کر لی تھی کہ طرابلس سے اپنی افواج ہٹالی تھیں۔ اور اٹلی نے بھی بحیرہ ایجین کے جزائر سے اپنا قبضہ ہٹا لیا تھا۔ تب سربیا نے اوسکب اور دورزو (Durazzo) پر قبضہ کر لیا تھا بلکہ کومینووا (Kumanova)

اور موناسٹر (Monastir) پر ترکوں کو شکست بھی دیدی تھی۔ جس طرح مغربی دنیا میں
یہ سب ہو رہا تھا اوسی طرح مشرق میں بلغاریہ نے تھریس لے لیا تھا اور ۲۲ر اکتوبر کو کرک کلسی
پر اوس نے بھی شکست دی تھی جس سے لولو برگاس (Lulubnrgas) سے ایکڈولیسیا
(Vanio) تک ترکوں کے سلسلۂ محاذ کو توڑ ہی دیا گیا تھا۔ گویا ان چند ہفتوں میں یورپ
میں ترکوں کے پاس صرف ایڈریانوپل اسکوٹری اور جوانینا (Joahnina) کے
شہروں کے سوا کچھ بھی باقی نہ رہا۔ تب ہی ۹ر نومبر ۱۲ء کو مسٹر اسکوتھ (Mr Asquith)
وزیر برطانیہ نے یہ بھی فرمایا کہ "نقشہ مشرقی یورپ کو پھر بنانا چاہیے۔ اور فاتحین کو اونکے فتوحات
کے پھل سے محروم نہ کرنا چاہیے جن کو کہ اونھوں نے بڑی قیمت دے کر حاصل کیا ہے"۔ اب تو
مجبوراً ۲ر یا ۳ر دسمبر ۱۲ء کو ترکوں نے عارضی صلح بمقام شتالجہ بجز یونان کے اور سب سے کر لی۔
نیز ۱۷ر جنوری ۱۹۱۳ء کو دول یورپ نے سلطان ترکی کو یہ تحریر کیا کہ "ایڈریانوپل بھی بلقانیوں
کو دیدیا جاوے اور کل معاملات کا تصفیہ دول مذکور پر چھوڑ دیا جاوے"۔ اُدھر ۲۲ر جنوری ۱۹۱۳ء
کو قومی اعلیٰ مجلس یعنی کابینہ عظمی دکانگریس بھی بقصر دولما باغچہ میں طلب ہوئی۔ اور اوس نے دول یورپ
کے مشورے کی منظوری بھی دیدی اور صلح ہی کو ضروری خیال کیا۔ مگر دوسرے ہی دن انور بے
اور طلعت بے نے مجلس پر حملہ کر کے ناظم پاشا وزیر فوج کو معہ اونکے ایڈیکانگ کے قتل کیا اور
محمود شوکت کو وزیر عظمی عطا کرا دی نیز طلعت بھی وزیر داخلہ ہو گئے۔ اور ۳ر فروری کو صلح عارضی
توڑ دی گئی اور کامل پاشا سے استعفا لے لیا گیا۔ اور گویا نوجوان ترکوں نے پھر قوت پکڑ لی۔
اب بلقانیوں نے بھی صلح توڑ دی اور پھر جنگ چھڑ گئی۔ یونانیوں نے ۶ر مارچ کو جانینا پر اور ۱۵ر
مارچ کو ساموس (Samos) پر قبضہ بھی کر لیا۔ بلکہ شاہ جارج یونان نے سلانیکا میں بھی جنگ
جاری کر دی۔ نیز ۲۶ر مارچ کو بلغاریہ نے ایڈریانوپل پر پورا قبضہ بھی کر لیا۔ اسی طرح مانٹی نیگرو
نے اسکوٹری پر (Scutari)۔ اب شتالجہ کی توپوں کی آوازیں قسطنطنیہ میں آنے لگیں۔ جہاں
سے صرف ۱۹ میل قسطنطنیہ رہ جاتا ہے۔ مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ بلغاری افواج نے
تھریس سے گذر کر جو مظالم ترکی رعایا پر کئے تھے۔ اوس کی مثال دنیا میں مشکل ہی سے ملے گی اور
اونکا اس پر بھی جسٹس تھا کہ ترکی سپاہ ہر جگہ کس طرح ماری گئی اور دیگر اقوام کو جو کچھ ملا [illegible]

محکوم تھیں آج یکبارگی شیر ہو کر اپنے صدیوں کے فاتحین کو مفتوح بنا رہی تھیں۔ سبب بھی اس کا یہ بیان ہوا ہے کہ ترکی افواج فاقوں سے حیران تھی۔ سامان اور رسد کا بندوبست کمیٹی اتحاد بالکل ہی نہ کر سکی اور فوج میں عیسائی بھی چونکہ بکثرت بھرتی کر لئے گئے تھے۔ وہ بھاگ بھاگ کر ہر دستۂ فوج میں بدنظمی و بددلی پیدا کرا دیتے تھے۔ یا خود چھپ چھپ کر اپنے وطنوں کو چل دیتے تھے۔ نیز بلقانیوں کی ہر طرح امداد بھی کرنے میں دریغ نہ کرتے۔ چنانچہ ۱۳ مارچ کو ترکوں کے سامنے پھر دول یورپ نے شرائط صلح پیش ہی کر دیئے جن کی رو سے تمام مقبوضات یورپ کو اون سے نکال لینے کی تجویز کر دی گئی۔ نقشہ یہ اس طرح خط ڈالا گیا۔ کہ اینیاس ([illegible]) سے لے کر بحیرہ ایجین پر سے میڈیا تک جو بحیرہ اسود پر ہے اون سے کل ملک نکل جائے۔ کریٹ بھی یونانیوں کو دیا جاوے۔ اور ۳۰ مئی ۱۹۱۳ء کو مجبوراً بمقام لندن ترکوں کو صلح پر دستخط ہی کرنا پڑے۔ محمود شفقت تو گولی سے شہید کئے گئے۔ سلطان رشاد کے داماد صالح پاشا کو بھی پھانسی دی گئی۔ اور بہت ہی کشت و خون ہو گیا۔ ان جنگوں میں بہت مال و متاع ترکوں سے اونکے حریفوں کو ملا جس کی کوئی انتہا نہ تھی۔

اب انور بے وزیر فوج ہو گئے۔ اون سے اور جرمنوں سے بہت اتحاد تھا کیونکہ وہ جرمنی میں فوجی اٹیچی ہو کر رہ چکے تھے۔ چنانچہ فوج میں بھی اونھوں نے جرمنوں کو اچھی طرح داخل کرنا شروع کر دیا بلکہ دو سو اعلیٰ ترکی فوجی افسروں کو بھی موقوف کر دیا۔ اس سے پھر بڑی برہمی پھیل گئی۔ اُدھر یورپ نے ترقی و اتحاد کی موت کا گجر بجا دینے کا پورا سامان بھی کر دیا۔ حالانکہ واقعی اب جمال۔ طلعت اور انور بے کے ہاتھ میں پوری عثمانی حکومت تھی۔ [1]

سلطان جدید تو محض کاٹھ کا پتلا تھے ہی۔ اور طوائف الملوکی ہی کی حالت میں وہ تخت نشین ہوئے تھے۔ لہٰذا برطانیہ کا اب پورا اثر عام طور پر ترکی میں ہو رہا تھا۔ یہاں تک کہ مجبوراً طلعت پاشا نے خود ارمنی اصلاحات کے واسطے سر ولیم ونڈہم کو جو برطانیہ کی طرف سے ترکی میں متعین تھے۔ انسپکٹر جنرلی اسی لئے عطا کرنا چاہی تھی کہ ارمنوں کی اصلی حالت سے کل یورپ مطلع ہو سکے۔ مگر برطانیہ نے اون کا تقرر مصلحتاً منظور نہیں کیا۔ [2]

[1] دیکھو صفحہ ۲۸۹ کتاب سر ولیم ونڈہم مذکور۔ [2] دیکھو صفحہ ۲۸۷ کتاب سر ولیم ونڈہم مذکور۔

اس وقت بڑے بڑے ترک بھی قومی اور ملکی خزانوں کا زر و نقد لے کر ملک سے باہر چلتے پھرتے نظر آئے۔ اور بالآخر روس کی وہ پالیسی کہ سلافی اتحاد قائم ہو جاوے کامیاب ہی ہو گئی۔ غریب اتحاد و ترقی والوں نے تو ہر قسم کی تحریک کا تجربہ بھی اب کیا کہ جس سے یورپ راضی ہوتا۔ مگر بھلا یہ کیسے ممکن تھا۔ لہٰذا اب پھر قومیت کا زور ہر جگہ ترکی حکومت میں دول یورپ نے پھیلانا شروع کرا دیا اور گو عیسائیوں کی اکثریت ضرور کم ہو گئی تھی۔ مگر اُدھر عرب بھی قومیت میں ڈوبے جا رہے تھے۔ اور اتحاد و ترقی والوں سے بدگمان ہونے لگے تھے تب انور پاشا نے اسلامی و تورانی اتحاد کی تحریکات کو اوبھا دیا۔

مگر پورٹ نے اس وقت ملک کی حالت زار دیکھ کر دول عظمیٰ کی تجویزات صلح کے منظور کر لینے کا وعدہ ہی کر لیا۔ لندن میں پھر کانفرنس کی گئی اور بٹوارے کا وقت آ ہی گیا۔ دول یورپ نے بلغاریہ کی آزادی کمل پر اصرار کیا۔ اس پر سربیا ناراض ہو گیا۔ نیز بلغاریہ نے سلانیکا کے لینے کی بھی ٹھان لی تھی۔ جو یونان گا نٹھے ہوئے تھا۔ ان امور سے آپس میں سخت رشک و حسد کی آگ بھڑکی جس سے کوئی معاہدہ نہ ہو سکا۔ دراصل فتوحات کے نشہ میں سب ہی چور تھے یہاں تک کہ ۲۹ جون ۱۹۱۳ء کو بلغاریہ کی فوج نے نصف شب میں یونان اور سربیا کی افواج پر بلا اعلان جنگ حملہ ہی کر دیا۔ اب کیا تھا مانٹی نیگرو اور سربیا نے ایک طرف سے اور سلانیکا کی جانب سے یونانیوں نے بلغاریہ پر بھی حملہ کر دیا جس سے چند ہی دنوں میں بلغاریہ کو شکست ہوئی۔ اُدھر رومانیا نے روس کی اغوا پر دریائے ڈینیوب سے اپنی افواج پار اتار دیں۔ اور بلغاریہ ہی پر حملہ کر دیا۔ اس اثنا میں ترکوں نے انور پاشا کی کمان میں تھریس میں فوج اتار دی اور ایڈریانوپل پر جولائی میں قبضہ کر لیا بلکہ کرک کلسی تک پہونچ گئے۔ لیکن ۳۱ جولائی کو پہلے سب میں عارضی صلح ہو گئی۔ اور بمقام بخارسٹ ۱۰ اگست کو و بمقام قسطنطنیہ ۲۹ ستمبر کو آخری صلح ہو گئی جس سے کل مقدونیا کے نصف نصف حصہ پر یونان اور سربیا قابض ہو گئے۔ ایڈریانوپل ترکوں کے پاس رہ گیا۔ رومانیا کو دُوبروجا (Dobruja) مل گیا یعنی یونان کی آبادی و رقبہ دونوں دوگنے ہو گئے۔ اور ترکوں کا چون (۵۴) ہزار مربع میل نکل گیا اور ساڑھے بیالیس لاکھ آبادی کم ہو گئی۔

جنگ بلقان کا نتیجہ تو یہ ہوا کہ نوجوان ترکوں کی اندرونی و خارجی حکمت عملی کوئی بھی نہ چل سکی بلکہ ترکوں میں صرف قومیت کا خیال بیشک بڑھ گیا۔ اور قومیت کے خیال کے ساتھ ساتھ تمام اسلامی اتحاد (Pan - Islamism) یا عام تورانی اتحاد (Pan Turanism) کی طرف سب کے سب مشغول ضرور معلوم ہونے لگے۔ مگر اب عرب کے مسلمان اون سے علحدہ ہو کر اپنی اپنی قومیت کے اعتبار سے اپنی ہی حکومت قایم کرنے کا خواب پھر دیکھنے لگے تھے۔ بیشک اسلامی اتحاد صرف خلیفہ اسلام کے جھنڈے کے نیچے اوس وقت ہوسکتا تھا لیکن دول متحدہ یورپ تو اوس کو ہر طرح پر خطرناک سمجھتی تھیں۔ جرمنی بھی اوس سے کھٹکنے لگا تھا۔ اور خود ملک میں اوس کی کوئی بھی سیاست کے اعتبار سے وقعت نہ سمجھی جاتی تھی۔ نہ کوئی خلیفہ ہی زبردست تخت نشین تھا۔

تورانی اتحاد کا خیال تو انور پاشا کا دلایا ہوا تھا۔ اس کا مقصد تمام ترکوں کا اتحاد تھا۔ یعنی وہ ترک جو روس کی رعایا تھے اون کا اور سلطان کی ترک رعایا وغیرہ کا اتحاد۔ پھر جس طرح اسلامی اتحاد نہ ہوسکا اور باوجود اعلان جہاد کے دنیا کے دیگر مسلمان بھی ترکوں سے لڑ گئے تورانی اتحاد کی کوشش بھی کامیاب نہ ہوسکی۔

ٹرکی میں اب انور پاشا وزیر جنگ ہوئے۔ سلطان محمد خامس تو لاشئے محض تھے۔ درحقیقت اب انور ہی کی حکومت تھی۔ طلعت پاشا اونکے مشیر تھے۔ لیکن انور پاشا بھی جرمنی کے ہاتھ میں بہت کچھ کھیل رہے تھے۔ اور اون کا مطمع نظر اب مصر اور نہر سویز کا حصول تھا۔ اسی مقصد کے لیے جرمنی جہاز گوبن بھی جرمنوں سے لیا گیا۔ انور و طلعت ہی نے تمام اسلامی دنیا میں مشن بھیجکر چندہ خلافت جمع کرانیکا بھی بندوبست کیا۔ نیز پین اسلامک تحریک کی کوشش پھر جاری کردی۔ کہا جاتا ہے کہ اوسی چندے سے گوبن دیگر سلو جہازات کی خریداری بھی جرمنوں سے کی گئی تھی۔ اور اندرون ملک کا انتظام بھی ہونے لگا۔ چنانچہ ستمبر سنہ ۱۹۱۴ء میں مخصوص غیر ملکی حقوق Capitulations کو نوجوان ترکوں نے بالکل ہی مسترد کردیا۔ اور اندرون ملک (۳۲۵) چنگی بھی موقوف کردی جس سے کاشتکاروں کی حالت سنبھلنے لگی۔

ختم مئی سنہ ۱۹۱۴ء میں جرمنی کا جنگی جہاز گوبن اور برطانیہ کا جنگی جہاز انفلیکسیبل (Inflexible) دونوں قسطنطنیہ کے ساحل پر پہونچے۔ اس پر سلطان نے

نے آخرالذکر کے کمانڈر کے واسطے قصر شاہی میں شب کا کھانا کیا چنانچہ اسی کھانے کے درمیان
آسٹریا کے ولی عہد اور اوس کی بیوی کے بمقام سیرَیجیود (Serajevo) قتل کی خبر
سب کو ملی۔ اسی واقعہ سے دراصل یورپ کی ۱۹۱۴ء کی جنگ عظیم کا آغاز ہوگیا۔ برطانیہ عظمیٰ اور
سلطان وقت کی یہ کوشش ضرور تھی کہ اس جنگ کی آگ میں ترک نہ پھاندے۔ مگر جب
۱۹۱۴ء میں سعید حلیم وزیراعظم تھے طلعت وزیر داخلیہ جاوید وزیر مال۔ انور پاشا وزیر جنگ
بلکہ اصلی حکمران تھے سلطان محمد پنجم تو لاشئے محض تھے اور وزیراعظم بھی برائے نام ہی تھے اوس وقت
ترکوں نے غیر جانبداری کا اعلان ضرور کر دیا تھا۔ مگر انور پاشا نے جرمنی سے خفیہ معاہدہ باہمی
مدافعت کا بھی کر لیا تھا۔ اوس وقت ترکوں نے دو جہاز بقیمت برطانیہ سے خرید کئے تھے اور روپیہ
بھی ادا کر دیا تھا مگر خلاف معاہدہ برطانیہ نے بوجہ جنگ عظیم اون کو نہیں لیجانے دیئے تب جرمنوں
نے گوبن و برسلو دونوں جہاز انور پاشا کے نذر کر دیئے۔ ۱۲ر اگست ۱۹۱۴ء کو اون پر جرمن افسران
بھی برقرار تھے۔ اور باوجود برطانیہ کے عذر کے جرمن افسروں نے ترکی ٹوپیاں پہن کر قسطنطنیہ کو اپنی
توپوں کی زد میں لے لیا۔ تیسرے یہ کہ مصر پر گو قبضہ برطانیہ کا تھا تاہم وہ ترکی سلطنت کا جزو تھا۔ وہاں
سے جرمن جہازوں کے اخراج کا کوئی بھی حق برطانیہ کو نہ تھا۔ جبکہ ترکی غیر جانبداری کا اعلان
کر چکا تھا۔ حالانکہ برطانیہ نے پہلے ہی سے اور دول متحدہ کے ہمراہ ۱۸ر اگست ۱۹۱۴ء کو پھر پورٹی کو
یہ اطلاع دیدی تھی کہ اوس کی غیر جانبداری کی حالت میں اوس کی آزادی وغیرہ میں کسی طرح خلل
نہ پیدا ہونے دے گا۔ مگر دراصل تو انور پاشا کا منشا ہی غیر جانبداری کا نہ تھا۔ اونھوں نے کل
ترکی افواج کو طلب کر لیا اور آراستہ کر لیا تھا۔ غرضکہ ہر جانب پوری تیاری کر لی گئی تھی یہاں تک کہ
آخر اکتوبر میں گوبن جہاز بحیرہ اسود میں ترکی جہاز حمیدیہ کے ہمراہ داخل ہو کر روسی بندرگاہ پر گولہ باری
کرنے لگا۔ اور مصر کی طرف بھی لوٹ مار شروع کر دی۔ تب ۵ر نومبر کو برطانیہ نے اعلان جنگ کر کے
سائپرس کا الحاق کر لیا۔ اوسی کے بعد ۱۷ر دسمبر کو قاہرہ میں شاہزادہ حسین کو بجائے خدیو عباس
حلمی کے سلطان بنا کر مصر کو بھی برطانیہ نے اپنا ہی محفوظہ ملک بنا لیا۔ پھر فروری ۱۹۱۵ء میں جمال پاشا
نے نہر سویز کے حملے کی بھی کوشش کی۔ مگر اب مصر میں ہندی فوج پہنچ چکی تھی نیز آسٹریلیا
و نیوزیلنڈ کی بھی۔ اسلئے جمال پاشا کو جنگ میں سخت شکست ہوئی اور بہت قیدی چھوڑ کر وہ چلتے بنے

نظر آئے۔ روس کے خلاف بھی قاف پر ترک ناکام ہوئے۔ اور سارا کیمپ دار دھان میں بھی اسی وقت روس کی فتح ہوئی اب ترکوں نے تبریز پر قبضہ کر کے ایران کو بھی گھسیٹنا چاہا مگر بالآخر وہاں سے بھی بھاگنا پڑا۔ میسوپوٹیمیا میں تو انگریزی و ہندی فوجیں آ گئی تھیں۔ نیز ۲۳ نومبر ۱۹۱۴ء ہی کو اعلان جہاد کی کوشش بھی جو انور نے کی تھی وہ بھی ناکام رہی ہے حالانکہ شیخ الاسلام نے فتوہ بھی دے دیا تھا مگر بدقسمتی سے شیخ الاسلام ملحد مشہور تھے اور اس کی بھی خبر اڑا دی گئی تھی کہ شاہ ولیم جرمنی نے اسلام قبول کر لیا تھا مگر سب سے بڑی دو دقتیں محسوس ہوئیں ایک تو جرمنی سے سامان جنگ کا پہونچانا دوسرے عربوں کی بغاوت کا روکنا کیونکہ ترکوں کو ممکن نہ تھا۔ اور صرف رومانیا و بلغاریہ ہی کو دبا کر سامان لایا جا سکتا تھا۔ جو اب ترکوں کے ان کی بات نہ رہی تھی۔

لیکن اُدھر اتحادیوں نے بھی دردانیال کے حملہ میں سخت نقصان اٹھایا اور ترکوں کو فوجوں کے لانے کا موقع دے بھی دیا۔ جس سے سخت جنگ پھر ہو گئی۔ اور جنوری ۱۹۱۵ء میں گیلی پولی میں گویا ترکوں کی فتح ہو گئی۔ ایک لاکھ بارہ ہزار آدمی برطانیہ کی طرف کے اس جنگ میں کام آ گئے۔ اور نقصانات کی بھی حد نہیں تھی مگر اس فتح گیلی پولی کا سہرہ انور پاشا کے ہی سر رہا گو سلطان کو بھی غازی کا خطاب دیا گیا۔

جمال پاشا کو پھر ۱۹۱۵ء کے موسم گرما میں نہر سویز کے حملے کا حکم ملا۔ حالانکہ جرمنی کی امداد کے انتظار نے اس مہم کا خاتمہ بھی کرا دیا۔ اب انور نے اپنے بھائی نوری بے کو شیخ سنوسی کو ابھارنے کو روانہ کیا۔ مگر مصر سے ان کی بھی خبر لے لی گئی۔ پھر ستمبر ۱۹۱۵ء کی جنگ کے بعد قوت العمارہ انگریزوں نے لے لیا۔ اور بغداد کی طرف وہ بڑھے تھے بلکہ ۲۴ نومبر ۱۹۱۵ء کو ٹیسی فان کی جنگ بھی جو میسوپوٹیمیا کی طرف ہوئی انگریز جیتے تو مگر وہاں سے ان کو اوس وقت بھاگنا پڑا۔ اور جبکہ قوت میں پہونچے تو بعد نقصان بھی ہو چکا تھا۔ بلکہ جنرل ٹون سنڈ (ommmo end) مع فوج کے گھر بھی گئے تھے ہندوستان اور یورپ سے کمک بھی گو برابر آئی تاہم بالآخر جنرل موصوف نے ہتھیار ڈال دیئے۔ ہار مان لی۔ بلکہ تقریباً جو نو ہزار سپاہی گرفتار ہو گئے تھے۔ وہ مع جنرل ٹون سنڈ کے قسطنطنیہ روانہ کر دیئے گئے۔ ۱۹۱۶ء میں انور پاشا نے قاف کی طرف حملے کیلئے بہت بڑی فوج بھیجی۔ مگر گرینڈ ڈیوک نیکولس

(Grand Duke Nicholas) نے ۱۹۱۶ء میں اپنی قوت قلعہ ارض روم لے لیا تھا۔ نیز ٹریبیزانڈ (Trebizond) پر بھی اگرچہ بتلیس تک روس پہنچ گیا تھا اور سیواس کے لینے کے بھی خیال میں تھا مگر وہاں بھی سخت جنگ رہی کبھی جیت کبھی ہار ہوتی۔ یہاں تک کہ اپریل ۱۹۱۷ء سے روسی افواج سب محاذوں سے غائب ہونے لگی کیونکہ روس میں خود بالشویک انقلاب شروع ہوگیا تاہم اوسکے باعث ترکوں کا بیحد نقصان ہوگیا۔ مگر اس درمیان میں انگریزوں کو اپنی فوج جمع کرنے کا بہت وقت مل گیا تھا۔ روس کے ترکوں سے پچھڑ جانے کے سبب پورا موقع مل گیا تھا۔

دوسرا بڑا سبب جسنے ترکوں کی کمر توڑ دی وہ عرب کی غداری تھی۔ درمیان ۱۹۱۶ء سے شریف مکہ نے ترکوں کے خلاف ایک اعلان شایع کردیا تاکہ عرب اقوام اوسنے اپنی گلوخلاصی کرلیں۔ اور آزادی کے واسطے ترکوں سے جنگ کریں۔ ترکوں نے حتی الامکان عربوں سے جنگ نہیں کی بلکہ ہر جگہ ہٹتے ہی گئے۔ مدینہ طیبہ میں تو ایک گولی بھی نہیں چلائی اور ہتھیار ڈالدیئے مگر عرب ہر جگہ اُن کو مارتے اور ذبح کرتے تھے۔ اور اکتوبر ۱۹۱۶ء میں شریف حسین نے اپنے کو شاہ حجاز ہونے کا اعلان کردیا۔ جسکو برطانیہ نے قبول کیا اور درا صل برطانیہ کی فوج اور روپیہ سے نیز کرنل لارنس کی نظرت سے شریف حسین کو تمام تر کامیابی ہوئی تھی۔ اونکے صاحبزادے امیر فیصل نے عربوں کی فوج مرتب کرلی تھی اور اوسی سے معہ انگریزی فوج کے فلسطین اور شام میں بھی بڑھ گئے تھے۔ اور قسطنطنیہ کی پین اسلامک تحریک کو پورا دھکا دیدیا تھا۔ پھر ۲۴ فروری ۱۹۱۷ء کو انگریزوں نے کوت کو حاصل کرلیا۔ اور بغداد بھی ۱۱ مارچ کو ترکوں سے خالی کرالیا گیا۔ برطانوی کمانڈر نے ۱۹ مارچ ۱۹۱۷ء کو اعلان وہاں شایع کرایا کہ میسوپوٹیمیا کے لوگوں کو آزادی حاصل کرانے کے واسطے برطانیہ نے وہاں جنگ کی ہے۔ اور سامرا پر ۲۲ اپریل کو قبضہ بھی کرلیا۔ اور جنرل کے قائم مقام بھی سر ایس ماڈ (Sir S. Maude) نے وہاں جا کر مرگیا اور پھر انگریزوں نے موصل تک حاصل کرکے گویا ترکی حکومت کا میسوپوٹیمیا میں پوراخاتمہ ہی کردیا۔ پہلے جرمنوں نے ایک فوج یلدرم یا "برق" کے نام سے تیار کی تھی مگر وہ بھی کچھ کام نہ آئی انور پاشا کے دماغ سے ایک پین تورانین اتحاد (Pan Turanian) کی سکیم بھی ۱۹۱۶ء میں نکلی تھی۔ اور جرمنوں نے بھی اوسے منظور کرلیا تھا مگر وہ بھی نہ چل سکی۔ کیونکہ جرمن جنرل وان ساندرس نے اوسکے دماغ سے نکلی ہوئی کسی تجویز کو ٹھیک اور درست نہیں پایا تھا۔ مصر کی طرف سے جب جون ۱۹۱۶ء میں حملہ کیا گیا۔ تو بیرشیبا کو ۳۱ اکتوبر کو اور غازہ کو ۷ نومبر کو لے لیا گیا۔ پھر ۹ دسمبر ۱۹۱۷ء کو بیت المقدس بھی قبضہ حاصل ہوگیا۔ مارچ ۱۹۱۸ء میں جنگ ایکری اور حیفہ سے گذر ایسے جا رڈن کو طے کرلیا گیا تو گویا کل ترکی فوج کو تباہ کرلیا گیا۔

اور عربی و برطانوی افواج بے خطرہ دمشق و الیپو میں داخل ہوگئیں سنہ ۱۹۱۸ء کے آخری حصہ ستمبر میں پچھتر ہزار ترک تین ہزار سے کچھ زائد جرمن قیدی انگریزوں کے ہاتھ آگئے تھے۔

اب ترکی میں جرمنوں کی بے اعتباری بھی بڑھنے لگی کیونکہ سنہ ۱۹۱۶ء میں گیلیشیا (Galacea) سربیا اور رومانیا کے محاذوں پر بھی ترکوں کو جرمنوں نے لڑا دیا تھا۔ اور ہاری ہوئی تھی جرمنی کی فوجی صنعت بھی اب زائد مدد نہیں کر سکتی تھی حالانکہ اکتوبر سنہ ۱۹۱۷ء میں شاہ جرمنی خود قسطنطنیہ آگئے تھے۔ اور سلطان ترکی سے کل حصہ سلطنت کو واپس دلانے بلکہ خلافت کو بھی واپس کرا دینے وغیرہ کا وعدہ کر آئے تھے اور جبکہ چند ہی ہفتہ کے بعد بیت المقدس ہاتھ سے نکل گیا تھا تو بلجیم کے معاوضہ میں فلسطین کو واپس دلوانے کا بھی اطمینان جرمنوں نے ترکوں کو دلا دیا تھا۔ مگر اب سب بیکار تھا۔

طلعت نے جبکہ وہ بریسٹ لیٹوسک (Brest Litovsk) کی صلح کیواسطے اسٹیپ حکومت سے بات چیت کیلئے گیا تھا اور وہاں سے واپس آیا تو اوسنے جرمنوں سے تین لاکھ فوج بھی اسی لئے مانگی تھی کہ خود ترکی کو بچانے کی ضرورت تھی مگر اسکو ناکامی ہوئی اور اب خود ترکوں کے آپس میں سخت اختلافات ہونے لگے اور ایک دوسرے پر خیانت تک کے الزامات لگانے لگے۔ اب انور پاشا کا اثر کم ہونے لگا کیونکہ اوسکی فوجی پیشینگوئیاں صحیح نہ نکلیں۔ تب طلعت کو فروری سنہ ۱۹۱۸ء میں وزیر اعظم کیا گیا جسکے باعث اوسکے اور انور کے اختلافات بھی بڑھنے لگے۔ اودھر سلطان محمد پنجم کی وفات ہوگئی اور وحید الدین محمد سادس ۳ جولائی سنہ ۱۹۱۸ء کو تخت نشین کئے گئے۔ کیونکہ ولیعہد یوسف عزالدین نے فروری سنہ ۱۹۱۶ء میں خودکشی کر لی تھی۔

سلطان وحید الدین محمد سادس

۳ جولائی سنہ ۱۹۱۸ء

وحید الدین کو محمد سادس کے نام سے تخت نشین کیا گیا۔ اور آخر ستمبر سنہ ۱۹۱۸ء میں پھر بلغاریہ نے سالانیکا سے حملہ کی تیاری کی۔ اوسی اوس وقت جبکہ سب طرف سے ترک مجبور ہو رہے تھے۔ تو حساب لگایا گیا تھا کہ جنگ کی ابتدا سے اس وقت میں ترکی فوج تقریباً گیارہ لاکھ تھی جسمیں سے (۴۲۷۰۰۰) سپاہی مارے گئے تھے چار لاکھ زخمی تھے۔ اور (۱۱۳۰۰۰) قیدی و لاپتہ تھے تو دو لاکھ سے کچھ کم باقی تھے۔ مگر وہ سامان جنگ ہی رہا تھا نہ رسد رہی تھی۔ شام عراق وغیرہ نکل چکے تھے غرضکہ سب طرح کٹ بن گئی تھی اور اب سب سے بڑے ممبران اتحاد و ترقی یعنی انور و طلعت قسطنطنیہ سے بھاگ کر باہر چلے گئے۔

تب برٹش ایڈمیرل کے جہاز پر ۳۰ اکتوبر ۱۹۱۸ء کو ترکی وفد سوار ہو کر مدڈراس کو صلح کرنے کیواسطے روانہ ہوا! و عارضی صلح ۳۰ اکتوبر ۱۹۱۸ء کو ترکوں سے اتحادیوں نے کر لی۔

اس جنگ کے دوران میں ارمنوں نے ترکوں کیساتھ پوری غداری کی۔ ان کے خلاف سراغرسانی و جاسوسی میں انگریزی فوجوں کی پوری امداد کی بالخصوص فلسطین کی طرف برطانیہ کی فوجوں میں ارمنی زیادہ تر تھے ہیں ان کے علاوہ عرب کے (؟) غدار نہیں کیا۔ نمبر۱

بعض مورخین نے مثلاً لارڈ ایورسلے و مسٹر ولیم نانٹن چیرول نے ارمنوں پر ظلم کا بڑا رونا رویا ہے مگر کون منصف مزاج شخص ترکوں پر ارمنوں کی مذکورہ کارروائیوں کے بعد الزام دے سکتا ہے۔ ہاں بیشک مذہبی تعصب کے نقطہ نظر سے سب کچھ جائز و درست ہے۔

نوجوان ترکوں نے ۱۹۱۶ء میں باوجود جنگ کے تمام کل کاروبار کو ترکی زبان میں کرنے کا حکم جاری کر دیا تھا نیز قومی خیالات کو بھی خاص طرح پھیلانے لگے تھے جس سے تجارت و تعلیم میں بھی ترقی تھی مزدوروں اور کاریگروں کو بھی کچھ سکھ مل رہا تھا بلکہ پہلا ترکی بنک بھی جاری ہو گیا تھا نیز جنگی کے جدید قانون کے باعث کھانے کی اشیا گراں ہو گئیں تھیں جس سے زمیندار خوشحال ہو گئے تھے بلکہ درآمد کے محصول سے ترکی ہر قسم کی پیداوار کا مقابلہ بیرونی اشیا سے ہونے لگا تھا۔ جس سے پیشہ کی کاریگروں کو بھی نفع تھا۔ ۱۹۱۶ء ہی کے قانون سے ترکی زبان میں تمام کاروبار بیرونی کمپنیوں کو کرنے کا حکم جاری ہو چکا تھا۔ اس سے نوجوان ترکوں کو ملازمتوں کے ملنے میں بھی بڑی مدد مل گئی تھی۔ مختلف پیشوں کے کالجوں اور صنعت و حرفت کے مدرسوں بھی جاری کرنے کی بنیادیں پڑ گئی تھیں بلکہ کچھ کچھ جاری بھی ہو گئے تھے نیز بطور امیدواروں (Apprentices) کے لڑکے بھی ان ملکوں میں بھیجے جانے لگے تھے جن سے تعلقات دوستانہ اب بھی تھے تاکہ تعلیم پا کر اپنے ملک کو واپس آئیں یا خود وہیں پیٹ پال سکتے۔

جنگ کے نتائج سے تمام ملک کی حالت ضرور ابتر ہو گئی تھی لیکن دنیائے اسلام ابھی تک سلطان ترکی کو خلافت اسلامی کا حامل خیال کر رہی تھی۔ گو کہ سید احمد خاں مرحوم نے اپنے ہی زمانہ میں ہندوستان میں اس کا اعلان کر دیا تھا کہ سلاطین ترکی کو کسی طرح بھی خلافت اسلامی حاصل نہیں ہو سکتی تھی۔ اور نہ خلافت کہیں بھی باقی تھی۔ تاہم ہندوستان و دیگر اسلامی ممالک میں اہل سنت والجماعت بالخصوص اسی عقیدہ سے ہیں خیال کرتے کہ سلطان ترکی ہی خلیفۃ المسلمین تھے۔ ابتدائے ۱۹۱۹ء میں ہندوستان میں خلافت کمیٹی

نمبر۱۔ دیکھو صفحہ ۲۴۲ کتاب مسٹر ولیم مذکور۔

بھی نبائی گئی۔ بھی نبائی گئی۔

ترکی قوم پرستوں نے اب سلطان کو تخت سے اتارنے کی گفت و شنید کرنا شروع کر دی۔ اور ہر طرف سے احتجاجی وفود وغیرہ انگلستان میں پہونچنے لگے۔ تاکہ خلافت کو نہ مٹایا جاوے۔ نہ قسطنطنیہ سے ترکوں کو خارج کیا جاوے اور مقامات مقدسہ بھی خلیفہ ہی کے زیر اثر رکھے جاویں۔ مگر ساتھ ہی اسکے عیسائیوں نے بھی ارمنیوں پر ترکوں کے ظلم کے بابت سخت ہنگامے بپا کر دیئے جس سے ۱۰ مارچ ۱۹۱۹ء کو لارڈ کرزن نے دارالامرا کے اجلاس میں یہ بیان دیا کہ "قسطنطنیہ میں جس طرح اتحادیوں کی بے وقعتی کی جا رہی تھی باوجودیکہ وہ مل کر کام کر رہے تھے اسکو کسی طرح وہ خاموشی سے اب برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ حالانکہ قتل و ظلم بھی دوسری جگہ جاری تھا۔ چنانچہ اسی کے چھ دن بعد جنرل ملنے (Milne) نے قسطنطنیہ میں ایک فوج اتار دی جسنے فوراً محکمہ جنگ۔ بحری دفتر۔ نیز ڈاکخانوں وغیرہ و دیگر رسل و رسائل کے محکموں پر قبضہ کر لیا اور مصطفی کمال کے بہت سے ساتھیوں کو بھی گرفتار کر لیا۔ جس پر پارلیامنٹ نے اجلاس بند کر دیا۔ وزرا نے کچھ مصالحت کی کوشش کی جس پر سلطان نے صالح پاشا کو وزارت سے ہٹا دیا اور داماد فرید کو صدر اعظمی دیدی۔ اور فرمان شاہی کے ذریعہ قوم پرستوں کو باغی بھی قرار دیا۔ نیز شیخ الاسلام سے ان کے بابت کفر کے فتوے کی بھی خواہش کی گئی۔ اب مصطفی کمال نے انگورہ سے اور جعفر طیار نے ایڈریانوپل سے جواب میں سلطان اور وزرا کے اختیارات کو بے اثر بتلایا کیونکہ وہ کفار کے دباؤ میں تھے۔ جو خلافت کے خلاف عیسائی جہاد کے لئے حلف لے چکے تھے۔ مصر، ہندوستان اور شام میں بھی احتجاج اور ہاؤں کے تار پہونچ رہے تھے۔ جس کا انگریز پر بھی ظاہر ہو گئی۔ اور یہ معلوم ہوا کہ مسلمانان عالم میں سخت بے چینی تھی۔ تب اتحادیوں نے سین ریمو کے مقام پر پنجم اپریل میں کونسل کر کے بمقام پیرس ۱۰ جون ۱۹۲۰ء کو بحیر شرائط صلح طے کر کے توفیق پاشا کو دیئے۔

اس صلح کے شرائط بھی ایسے سخت تھے کہ جس کا جواب ہی نہ تھا۔ اور اب وہ ترکی سلطنت جو ۱۹۱۴ء میں (۱۳۵۰۰۰۰) میل مربع تھی اور جس کی آبادی دو کروڑ تھی اوس کا رقبہ اب (۱۷۵۰۰۰) مربع میل اور آبادی اسی لاکھ رہ گئی۔ تھریس میں جو کچھ جنگ بلقان کے بعد ترکوں کو بچ گیا تھا وہ بھی یونان کو بخشا گیا۔ یعنی صرف قسطنطنیہ ترکوں کے پاس بچ گیا۔ اور چند میل آراضی گرد و پیش ڈرکاس جہاں سے کہ قسطنطنیہ میں پینے کے پانی آتا تھا۔ ایشیا میں .. صرف اناطولیہ کو بچا کر حصہ جہاں ترکی آبادی زیادہ ہو۔ آرمینیا کی ایک آزاد حکومت بھی بنانے کی تجویز ہوئی۔ اسمرنا بھی یونان کو سمندر کا کنارہ وغیرہ دیا گیا۔ اسی سبب

طرہ یہ تھا کہ دردانیال، بارمورہ اور باسفورس کے گرد قصبہ جات کے اوپر انتظام کے واسطے ایک بین الاقوامی کمیشن کی تجویز کی گئی۔ غرضکہ نہ ترکوں کو ..... بحری فوج ہی کی اجازت رہی اور بری کی صرف پچاس ہزار فوج اور آٹھ سو سلطانی باڈی گارڈ رہ گیا۔ تمام قلعوں وغیرہ کے انہدام کی بھی تاکید کی گئی۔ اس کے ساتھ ساتھ عربوں کو آزاد کرنے۔ حجاز کی آزاد حکومت قایم کرنے۔ سوڈان و مصر پر برطانیہ کی حفاظت کے ساتھ سائپرس کو برطانیہ کے زیر نگیں دیدینے کی بھی شرط کی گئی۔ فرانس کی حفاظت میں ٹیونس و مراکش طرابلس میں اٹلی کے حقوق کو بھی منوایا گیا۔ نیز جزائر ایجین و بحیرہ روم کو اٹلی و یونان کو دیدینے کا حکم بھی نافذ ہوا۔

ایسی صلح سے تو گویا سلطنت کا خاتمہ ہی کر دیا گیا جسکو سلطان اور وزرا بلکہ ہر ترک نے نامنظور کر دیا۔ اور پھر ہر جگہ احتجاج ہو گیا۔ اب فرانس بھی کو سائیلیشیا میں ترکوں سے ہش پش ہو گئی۔ مگر انھوں نے سس .... اور اینتاب (Aintab) ترکوں کے واسطے خالی کر دیا۔ ادھر بالشویکوں اور ترکوں سے میل ہو گیا اور جنھوں نے ترکوں سے امداد کا وعدہ بھی کر لیا نیز اتحادیوں نے اور بالخصوص برطانیہ نے تو فوجیں جہاں سے آئی تھیں وہیں کو واپس کر دی تھیں۔ نہ تو کوئی سامان ہی جنگ کے واسطے رکھا تھا کہ جس سے صلح کے شرائط کو منظور کرا لیتے صرف یونان ہی کے پاس فوج اتنی کافی موجود تھی کہ جس سے کام نکالا جا سکتا تھا۔ اس لیے اتحادیوں نے ایم۔ وینی زیلاس (M. Venizelos) سے درخواست کی۔ اور اس نے منظور کر لیا۔ اور فوج کو حرکت دیدی۔ اور اگر یہ کہا جائے تو صحیح ہوگا۔

مغرب کی بوستاں میں جو رنگ خزاں نہیں
سنتے ہیں اس زمیں میں آسماں نہیں

مصطفےٰ کمال کی بہت بڑی فوج جو ایک حصار اور الاشہر کے درمیان تھی اسکو یونانی افواج نے ۲۲ جون ۱۹۲۰ء کو بالکل ہی پسپا کر دیا نیز تھریسیا کی طرف بھی بحر مارمورہ سے انگریزی بحری قوت کی حفاظت میں یونانی فوج داخل ہوئی اور ۹ جولائی کو بروسا لے لیا۔ اور پانچ دن میں اڈریانوپل پر یونانی پھریرا اڑنے لگا بلکہ جعفر طیار کو گرفتار بھی کر لیا گیا۔ سلطان نے اب گرینڈ کونسل طلب کی اور شرائط صلح کو منظور کیا گیا۔ ۱۰ اگست ۱۹۲۰ء کو صلحنامہ سیورے پر ترکوں کیطرف سے دستخط کر دئے گئے۔ اور گویا جنگ عظیم ترکوں سے ختم کی گئی۔ اور ہر ترک یہ کہتا نظر آیا۔

مٹا یا گردشِ دوراں نے اس طرح ہمکو
کہ بے کسی کو بھی اپنا نشاں نہیں ملتا

حالانکہ امریکہ کے صدر مسٹر ولسن نے یہ فرمادیا تھا کہ "ہر مقامی تصفیہ جو اس جنگ کے متعلق ہوگا اوسمیں خاص مقامی باشندوں کے مفاد کا لحاظ ضروری ہوگا۔ دعون کے فیصلے باہمی کے لحاظ سے کچھ نہ طے ہوگا۔ او غیر جانبدارانہ انصاف میں اسکی تمیز نہ ہوگی۔ کہ کس کے ساتھ انصاف کرنا چاہتے ہیں۔ اور کس کے ساتھ انصاف نہیں کرنا چاہتے۔ یہ انصاف ایسا ہوگا کہ جو مراعات و طرفداری سے مبرا ہوگا۔ اوس کا کوئی معیار بھی مقرر نہ ہوگا۔ بلکہ مختلف متعلقہ لوگوں کے برابری کے حقوق پر مبنی ہوگا"

دنیا بھر نے اونکے الفاظ مذکورہ کو مغتنم سمجھ کر اونکے چودہ شرائط کا ہر جگہ خیر مقدم کیا۔ مگر بھلا ترکوں کے ساتھ یورپ کس طرح اونکی پابندی کر سکتا تھا۔ اونکے حصے بخرے تو مدتوں سے زیر غور رکھے۔ یہ ہے انصاف!۔ چنانچہ آج تک شام اور الیگزینڈریٹا کا بھی فیصلہ ہو رہا ہے!

بیشک صلحنامہ سیوارز پر دستخط ہوگئے مگر تمام دنیا نے اوسے بالکل ہی نار وا قرار دیا۔ اور ہر طرف سے اوس پر یہی اعتراض ہوا کہ محض ترکوں سے سخت بدلا لینے کے واسطے یورپ نے اوسکو جائز رکھا۔ مگر ۱۹۱۸ء میں بعد جنگ ترکوں کی فوج میدان میں بھی موجود تھی اور بے ہتھیار بھی نہیں کی گئی تھی مصطفےٰ کمال نے ایشیائے کوچک کے قلب میں فوج کی ترتیب بھی کر لی تھی۔ اٹلی کو یونان کا اسمرنا پر قبضہ ہی ۱۹۱۹ء میں کسی طرح دل سے نہ بھاتا تھا۔ فرانس کی بھی ہمدردی یونان کے ساتھ اوسوقت سے کم ہوگئی تھی جبکہ شاہ الیگزینڈر یونان کی وفات کے بعد شاہ کانسٹنٹائن معہ اپنی ملکہ سوفیا کے جو قیصر جرمنی کی بہن تھی۔ ۵ دسمبر ۱۹۲۰ء کو یونان میں داخل ہوا تھا۔ نیز برطانیہ کو بھی یونان سے اب کوئی ہمدردی نہیں رہی تھی کیونکہ وینی زیلاس قومی انتخاب جدید میں ہار گیا تھا۔ اور برطانیہ کو تو اُس سے اصلی ہمدردی تھی۔ در اصل ترکی و یونان کی جنگ ۱۹۲۲ء تک رہی۔

مصطفےٰ کمال نے بھی انگورہ میں اب قومی پارلامنٹ کو طلب کر لیا تھا اور صلح سیوارز کی مخالفت کو طے کرالیا تھا۔ اور اوس تجویز میں وہ "قومی معاہدہ" جو ارض روم میں ہو چکا تھا اونکی پابندی پر سب نے حلف کر لیا۔ اوسی پر کہا جاتا ہے کہ موجودہ ترکی سلطنت کی بنا ہے اور حلف ہی ہوکر سب کے اوسپر دستخط بھی ہوئے تھے۔ اور جس کا خلاصہ یہ ہے "مرکزی حکومت بالکل دول غیر کے قبضے میں ہے۔ ترکی

قوم نے اپنے ملکی حقوق سے ظاہر کردیا ہے کہ وہ بیرونی اقتدار اثر کا پورا مقابلہ کرے گی۔ لہذا تمام قوم کی قوتوں اور کوششوں کو متحد کرنے کا قوم نے بیڑا اٹھایا ہے۔ اور اسکی تنظیم کرکے ایک عام ملکی نمائندہ کانگریس یا کابینہ عظمیٰ کو جمع کیا جائے گا تاکہ ملکی حفاظت کے طریقوں پر بحث مباحثہ ہو کر کچھ طے کیا جائے۔ اسی میں ترکی قوم نے آلومن شہنشاہیت کو ایشیائے کوچک۔ قسطنطنیہ اور تھریس میں واپس لینے کا جان دے کر ارادہ بھی ظاہر کردیا تھا۔ لہذا کمال نے ایشیائے کوچک کے شمال میں ارمنیوں کو بالشویک ماسکو کی امداد سے قابو میں کرلیا۔ اور ۳۰ جنوری ۱۹۲۰ء کو کمال نے انگورہ کی حکومت ہی کو صرف جائز حکومت قرار بھی دیدیا تھا۔ قسطنطنیہ میں سلطان کا اثر بھی بالکل زائل ہوچکا تھا۔ کیونکہ انھوں نے صلحنامہ سیوارئیر پر دستخط کردیئے تھے۔ عزت پاشا کو انگورہ کے سمجھوتے کے واسطے قسطنطنیہ سے بھیجا بھی گیا مگر انھوں نے بھی "قومی معاہدہ" کی پابندی کا اظہار وہاں پہونچکر کردیا۔ چنانچہ سوپریم کونسل (Supreme Council) متحدین کی طرف سے جنوری ۱۹۲۱ء میں قسطنطنیہ اور انگورہ دونوں جگہ سے وفود بلائے گئے تاکہ لندن میں صلح کی کانفرنس بیٹھ کی جاوے اور صلحنامہ سیوارئیر پر غور ہو تو دونوں جگہ کے وفود بکرسامی کے تحت میں ایک ہوگئے۔ یونان کی طرف سے بھی کوئی تیاری مفاہمت کی نہ نظر آئی بلکہ شاہ یونان کانسٹنٹائن نے ۱۷ جنوری کو یونان کا ارادہ فتح ایشیائے کوچک بھی ظاہر کردیا۔ اور حملہ بھی کردیا تھا۔ لیکن لندن کی کانفرنس کے درمیان حملہ روک تو دیا گیا اور متحدین نے مزید شرائط پیش کئے جس سے خفیف ترمیم کردی گئی۔ امید یونان و ترکی کے نمائندے شرائط لے کر اپنے اپنے مقام پر واپس گئے۔ یونان نے تو پھر فوج کو جمع کیا اور ترکوں نے "قومی معاہدہ" کو پیش کردیا۔ چنانچہ اپریل سنہ ۱۹۲۱ء میں یونان نے پھر حملہ کردیا اور جولائی میں جنگ کوتاہیا (Kutahia) کمالیوں کو سخت شکست دی۔ ستمبر تک یونانیوں نے انگورہ تک پہونچنے کا ارادہ کرلیا مگر بعد میں ترک فتحیاب ہوئے اور یونانی دریائے سکاریہ کے مغرب میں ہٹ گئے۔ بکرسامی نے اب پیرس میں فرانس اور اٹلی سے ابتدائی معاہدے صلح بھی کرلئے تھے لیکن سالیشیا میں فرانس اور ترکوں سے تصادم ہوگیا۔ تاہم ۲۰ اکتوبر کو فرانس اور ترکی میں صلح ہوگئی اور سالیشیا سے فرانس نے فوج ہٹالی۔

تاریخ دی ماڈرن ورلڈ۔ ترکی (The modern world turkey) نوشتہ ڈاکٹر [illegible] (Muhammad [illegible]) [illegible] یونانیوں نے سمرنا سے ایک

وسیع حصۂ ملک پر جس میں غیر اقوام اور مخالف آبادی تھی پر اپنے کو حکومت کرنے کا نااہل ثابت کیا۔ جیسے ہی کہ وہ اسمرنا میں داخل ہوئے ہیں ویسے ہی ظلم سے جنگ شروع کر دی اور قتل و غارت بھی جیسے کہ ترکیہ کے مشرقی ممالک کرتے تھے۔ میانڈر (Maeander) کی سرسبز و شاداب گھاٹی کو بالکل برباد کر دیا اور ہزاروں ترکوں کو بے گھر کر دیا۔ تب اناطولیہ میں برہمی پھیل گئی۔ یونانیوں نے در اصل اتحادیوں کا سوپریم کونسل کے حکم کے خلاف بہت زاید حصۂ ملک پر مستقل گویا قبضہ ہی کر لیا۔ ترکوں کی شان و مرتبہ کو جو دھکا اتحادیوں کے قسطنطنیہ کے قبضے سے اسوقت پہنچ چکا تھا۔ وہ کیا کم تھا کہ یونان کی زیادتیوں کو قومیت والے برداشت کرتے۔ لہٰذا تحریک قومیت کو بہت زور ہو گیا۔ حالیدہ ادیب خانم کا ناول دی شرٹ آف فلیم (The Shirt of Flame) اونکی اصلی حالت کو اچھی طرح ظاہر بھی کر چکا ہے۔ یہ جنگ قومی آزادی کی تھی مصطفیٰ کمال کے پاس صرف دو دستے باقاعدہ فوج کے تھے تب اونھوں نے سیواس و یوشک (Yozhaq) کو اپیل کیا۔ کرنل بکر سامی نے اپنا دس ہزار کا دستہ فوج بھی اپنی سرکردگی میں نذر کر دیا۔ قدرتاً وہ غریب سپاہی جو ننگے پیر۔ بے پوشاک۔ بے ہتھیار تک عرصے سے ہو رہے تھے سب ہی آکر بھرتی ہو گئے غرضکہ چور۔ بدمعاش اور بھوکے سب ہی تو لڑنے مرنے کو آ گئے۔ ترک صلح سے سب بڑے بڑے افسر بھی شاہی فوج کے جو بیکار ہو گئے تھے وہ ادھر ہی طرف ڈھل پڑے اور لڑائی کے تین محاذ کمال نے قائم کئے پہلا سنہ ۱۹۲۰ء میں جس میں یونان کو کامیابی ہوئی۔ دوسرے اور تیسرے میں جو سنہ ۱۹۲۱ء و سنہ ۱۹۲۲ء میں ہوئے اُنھیں ترکوں ہی کی فتح ہوئی۔ چنانچہ یونانیوں نے بالکیساری (Balikesar) سے پہلا حملہ کر کے جون سنہ ۱۹۲۰ء میں پانڈرما، بروسا، موڈانیا، گیملک اور اسمید لے لیا۔ اور دوسری طرف سے انگریزی بحری فوج کے ساتھ راڈاسٹو، اور دیگر بحر مامورا کے بندرگاہوں پر قبضہ کر کے۔ تھریس سے ترکوں کو نکال کر ۸ جولائی کو ایڈریانوپل پر قبضہ کر لیا اور ایک تیسری فوج یونانیوں کی اسمرنا سے یوشاک تک پہونچ گئی یونانیوں کے پاس زمانہ حال کا سب طرح کا سامان تھا۔ اور ریلوں پر بہت کچھ قبضہ کر چکے تھے۔ قوم پرستوں کے پاس سامان تھا نہ ریلوں پر قابو۔ پھر قسطنطنیہ سے حکومت کی مخالفت اور بروسا سے احمد انزاور (Ahmed Anzavur) کی مخالفت اور بھی ستم ڈھا رہی تھی۔ ترک اب صرف اناطولیہ اور انگورہ کی ریلوے خارج پر قابض تھے۔ نہ توپیں ہی کافی تھیں نہ عمدہ اسلحہ لیکن ہر جگہ ترک ہارے۔ اگرچہ کہ شروع سنہ ۱۹۲۱ء میں جب ترک سنبھلے تب تو اتحادیوں نے فروری میں لندن میں کانفرنس کر کے پھر سب کو بلا کر صلحنامہ سیورے کی

ترمیم چاہی تھی مگر ترکوں نے نامنظور کیا تھا اوسوقت سے اتحادی غیر جانبدار ہو گئے تھے

۲۳ مارچ ۱۹۲۱ء کو یونانیوں نے اناطولیہ لینے کے واسطے انگورہ پر حملہ کی زبردست تیاری کی بلکہ آفیام کارا حصار و اسکی شہر پر حملہ کر ہی دیا۔ مگر اپریل ہی میں جنگ ان اونو (Inonu) میں اون کو ناکامی ہوئی حالانکہ کوتاہیا کو اونھوں نے ۱۰ جولائی کو لے لیا تھا مگر پھر خالی کرنا پڑا تاہم آفیام کو وہ لے ہی بیٹھے۔ اور اب ترکی فوجیں دریائے سکاریہ پر جم گئیں تب ۲۴ اگست سے وہاں جنگ ہو گئی۔ ۱۶ ستمبر کو بالآخر یونانی ناکام رہے اور بُری حالت میں بھاگے۔ گرد و اصفات کو جلاتے گئے۔ اور ۲۳ ستمبر کو آفیام و اسکی شہر کے مقابلہ میں ٹھہر گئے۔ گویا ترکوں کی جیت ہوئی۔

اسی جنگ کی بابتہ کلیر پرائس نے ،دی ری برتھ آف ٹرکی کے صفحہ ۱۸۸ (Page 188: Clair Price, The Rebirth of Turkey) میں لکھا ہے "ترکوں کی دریائے سکاریہ کے کنارے کی جنگ نے مشرق قریب وغیرہ کے سیاسی نقشہ کو بالکل ہی بدل دیا دو سو سال سے مغرب برابر آٹومن سلطنت کو تباہ کر رہا تھا مگر دریائے سکاریہ پر خود ترکوں سے اوسکا مقابلہ ہوا۔ اور آویزش ہوتے ہی تاریخ کا رُخ الٹ گیا........"

جنگ سکاریہ کے بعد کمال پاشا انگورہ کو واپس ہوئے۔ گو اس جنگ میں وہ خود آگے آگے ہوتے تھے اور زخمی بھی ہوئے جس سے قوم نے اونکو غازی کا خطاب بھی دیا۔ اور وہ فیلڈ مارشل بھی کئے گئے۔ اوسی وقت کمال نے اپنی تقریر میں کہا تھا کہ "ہمکو جنگ نہیں چاہئے ہم صلح چاہتے ہیں مگر یونانی افواج کا اگر یہ خیال ہے کہ ہم اپنے حقوق چھوڑ دیں تو اوسکی غلطی ہے۔ یہ بالکل مطابق فطرت ہے کہ ہم اپنے ملک کی ہستی کو اسلحہ سے بچائینگے بمقابلہ اوس حملے کے جو ہماری قوم کو تباہ کرنے کیلئے کیا جائے........ اور جس وقت تک کہ ایک بھی دشمن سپاہی ہمارے ملک میں رہیگا ہم آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ ہم یونانی فوج پر حملے کرتے رہینگے"[1]

اب ۲۰ اکتوبر ۱۹۲۱ء کو فرانس نے تو انگورہ سے صلح ہی کر لی۔ اور گویا انگورہ ہی کو مستقل ترکی اوسنے مان لیا۔ اسپر برطانیہ سے رنجش بھی ہو گئی۔ جو ابھی تک قسطنطنیہ کی حکومت کی امداد کر رہا تھا۔ ۲۱ مارچ ۱۹۲۲ء کو اٹلی نے بھی صلح کر لی۔

مگر اب یونان نے جولائی ۱۹۲۲ء سے پھر قسطنطنیہ کے حملے کا سامان کیا تب عصمت پاشا نے ۲۶ اگست سے

[1] دیکھو صفحات (۵۳-۱۰۷) کتاب "ترکی" ٹوائن بی و کرک وڈ۔

پھر یونانیوں پر آفیام میں حملہ کیا۔ اور ۲۹ اگست کو ڈملو پونار (Dumlu Punar) میں جنگ ہو گئی یونانی بھاگے اور ۲ ستمبر کو بمقام پوشک ترکی سواروں نے جنرل ٹریکوپس اور سب کو حملہ کر کے قید ہی کر لیا۔ جو یونانی بھاگ سکے بھاگ ہی نکلے۔ مگر بھاگنے میں بھی لوٹ مار کرتے اور گاؤں کے گاؤں جلاتے گئے۔ *

مارچ ۱۹۲۲ء کے ختم تک ماسکو۔ یوکرین قاف۔ آذربائیجان بخارہ اور ایران سے تعلقات دوستانہ کا اعلان بھی کمال نے ایک تقریر میں کر دیا۔ اب انگلستان میں بھی ترکوں کے موافق خیالات کی لہر دوڑنے لگی۔ اور اتحادیوں کی ایک دوسری کانفرنس پیرس میں کی گئی۔ اور یونان و ترکوں سے تین ماہ کے واسطے عارضی صلح کی خواہش کی گئی۔ یونان نے رضامندی نہیں دی۔ تب ترکوں نے کہا کہ یونانی فوج پیشتر ملک کو خالی کر دے تب صلح کی بات چیت ممکن تھی۔ کہ اس درمیان میں امریکہ کے دو ریلیف فنڈ (Near East Relief) کے ممبران نے عیسائیوں پر ترکوں کے سخت مظالم کے قصے مشہور کر دیئے۔ برطانیہ۔ فرانس۔ اٹلی۔ امریکہ اب تو سب ہی اسپر تحقیقات کرانے کا بندوبست کرنے لگے تب ترکوں نے یونانی مظالم کی تحقیقات کرانے پر بھی زور دیا۔

یونان کی مالی حالت اب خراب ہو گئی تھی کہیں سے قرض بھی ملنے کا سامان نہ رہا تھا سپاہیوں کی تنخواہ چڑھ گئی تھی۔ شاہ کانسٹنٹائن نے تب بھی قسطنطنیہ کی طرف فوج منتقل کر کے اسکو لینے کا ارادہ کر لیا۔ اسپر اتحادیوں نے اسکو متنبہ کیا۔ مگر اب انگورہ کو یونان کی حالت کا پورا اندازہ ہو چکا تھا۔ مصطفٰے کمال نے آفیان کا اعصابی کے ریلوے اتصال پر اگست میں حملہ کر دیا۔ اور یونانی پندرہ دن میں ہانپتے کانپتے بھاگ کر ساحل پر پہونچے۔ ۹ ستمبر ۱۹۲۲ء کو ترک فاتحوں کی طرح اسمرنا میں داخل ہی ہو گئے۔ یونانیوں نے اپنی واپسی میں پھر سخت مظالم کر کے دکھلا دیئے۔ انگورہ پارٹی کی فتح ہوئی اور یونان کی ہار۔ ۲۳ ستمبر ۱۹۲۲ء کو اتحادیوں کی طرف سے ایک نوٹ انگورہ کی حکومت کو بھیجا گیا۔ جو ہر طرح مصالحتی طرز تحریر کا نمونہ تھا جس سے یہ بھی صاف طور پر ظاہر ہو گیا کہ انگورہ کی قومی حکومت کو سب ہی نے تسلیم کر لیا۔ اور یہ خواہش ہوئی کہ انگورہ کے قائمقام کو وینس یا کسی جگہ آخری صلح کیواسطے ترکی قومی مجلس بھیجے۔ اور وہاں برطانیہ فرانس۔ اٹلی۔ جاپان۔ رومانیا۔ یوگو۔ سلاویا۔ اور یونان بھی اپنے نمائندے بھیجینگے۔ اور ترکوں سے اس صلح کے واسطے ایک زبردست اپیل کی۔ جس کے واسطے کہ دنیا بھر تیار تھی۔

اناطولیہ کی حفاظت کے واسطے بھی اب انگریزوں نے بڑی فوج درہ دانیال کے ساحل پر مقرر کر دی۔

* دیکھو صفحات (۹۲ - ۱۰۶) کتاب "ترکی" از آئی پی ڈبلیو وڈ

بالآخر مدانیہ کے مقام پر ۳ اکتوبر کو جلسہ ہوا اور صلح عارضی کے شرائط طے ہوگئے۔ انگورہ سے جواب بھی کانفرنس کی شرکت کا آگیا تاکہ آخری شرائط صلح طے ہوں۔ کیونکہ اب مدانیہ کا عارضی صلحنامہ تمام کارروائیوں کو روکے ہوئے تھا۔ نیز اس سے ترکوں کا وہ جرم کہ جنگ عظیم یورپ میں کیوں شامل ہوئے تھے گویا دھل گیا تھا۔

درحقیقت تو ستمبر ۱۹۱۹ء کی سیواس کانگریس میں ترکی قوم پرستوں نے یہ طے کر دیا تھا کہ "جن علاقوں میں ترکوں کی کثرت تھی اور عارضی صلح کے وقت اتحادیوں نے قبضہ نہیں کیا تھا وہ ترکی حکومت کا جزو ہونگے۔ باسفورس میں ہر قوم و حکومت کے تجارتی جہاز آجا سکیں گے بشرطیکہ اتحادی استنبول اور بحیرہ مرمرہ کو بیرونی دست اندازی سے محفوظ رکھیں نیز ترکی میں اقلیتوں کو وہی حقوق حاصل ہونگے جو ہمسایہ ملکوں میں مسلم اقلیتوں کو حاصل ہوں"۔

جنگ عظیم یورپ کے اسباب اور ترکوں کی اس میں شرکت کے وجوہات جو کچھ بھی ہوں۔ مگر بعض کے خیال میں جرمنی کو ایشیائے کوچک کی بازار کو قابو میں کر لینے کی خواہش بہت زوروں سے تھی اسی لئے اس نے بغداد ریلوے بھی تعمیر کی تھی جس پر برطانیہ و روس کو سخت کاوش تھی کیونکہ برطانیہ کی تجارت میں اس سے سخت خنجر پڑتا تھا اور روس کا قسطنطنیہ کے حصول کا خواب ترکوں کے جرمنوں کی بدولت بیدار ہو جانے سے بالکل ہی ملیا میٹ ہوا چاہتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ سراجیوو کا وہ واقعہ جس کے باعث جنگ عظیم یورپ شروع ہوئی تھی، روس ہی کی سازش کا نتیجہ تھا۔ عوام نوجوان ترک تو بیشک جنگ میں انگریزوں کا ساتھ دینے کو تیار تھے۔ مگر روس ہی کی سازشوں نے یہ نہ ہونے دیا حالانکہ ۳۱ جولائی ۱۹۱۴ء کو جرمنی نے بھی موقع پاکر انور اور طلعت کی امداد سے باہمی حفاظت کا ایک معاہدہ خفیہ طور پر ترکوں سے ضرور کر لیا تھا۔ اور دراصل یہی ترکوں کے جرمنوں کے ساتھ دینے کا باعث ہوا۔ اس معاہدے سے انور، طلعت اور سعید حلیم ہی واقف تھے۔

جنگ تو حقیقتاً آسٹریا اور سربیا کے درمیان تھی مگر بعد کو کل یورپ ہی گویا اس میں کود پڑا۔ انور پاشا نے تو روس سے بھی علیحدہ مفاہمت کی کوشش کی تھی مگر جب اس نے نہ مانا تب ترکی کی فوجی پارٹی کی یہ رائے ہوگئی کہ بغیر کسی نہ کسی طرف شرکت کئے گزر نہ ہو سکے گا۔ مگر سلطان محمد سادس نے خود اپنی ایک تقریر میں جو عارضی صلح کی نامنظوری کے بعد انھوں نے کی تھی یہ کہا تھا کہ "ترک قوم نے بادشاہ کے

سلطان نے جنگ عظیم یورپ میں شرکت کی منظوری نہیں دی تھی"۔ اور یہ تقریر پارلامنٹ کے اجلاس میں کی تھی۔

بعض مورخین کے خیال میں اس جنگ کی بنیادیں تو اوسوقت سے پڑ چکی تھیں جبکہ سلاو اقوام اور جرمن وغیرہ ایرین اقوام کی باہمی رقابت شروع ہوئی تھی۔ بلقان اور ٹرکی میں حصول اقتدار کی خواہشات کے علاوہ معاشی ضروریات بلکہ نو آبادیوں کے حصول کی فکریں نیز السیس (Alsace) و لورین (Lorane) کے جھگڑے بھی تو ہیں تھے۔ غرضکہ ہر ایک حکومت کو ایک دوسرے کے خلاف دل کا بخار بھی نکالنا تھا اور نہ جانے کب کے بدلے لینا تھے۔ ٹرکی کے حصے بخرے کرنا تو گویا سب ہی کے پیش نظر تھا۔ مثلاً یونان کو شرق ادنیٰ میں یونانی سلطنت قائم کرالینے کا ہمیشہ سے ارمان تھا چنانچہ جنگ کے خاتمہ پر یونانیوں نے لوٹ اور قتل عام ترکی صوبجات میں خوب ہی دل کھول کر کرلیا تھا۔ قسطنطنیہ اور اسمرنا کے بندرگاہوں کو بند کرکے اندرون ملک سے اونکو جدا ہی کرنے کی پوری کوشش کرلی تھی جس سے ترکی تجارت کو بہت ہی سخت نقصان پہونچا تھا حالانکہ اس سب کا نتیجہ تو یہ ہوا تھا کہ استنبول سے فوجی افسران بھاگ کر بلے اجازت حکومت تھریس میں پہونچ گئے تھے۔ کسان اور بیوپاری باشندے بلکہ مستورات تک لڑنے مرنے تک تیار ہوگئی تھیں ہر قسم کا سامان جنگ و رسد عورتوں نے محاذوں پر پہونچایا تھا۔ اور یونان کے خلاف کل بچے و بوڑھے لڑنے و مرنے کے واسطے اور آزادی کیلئے گھروں سے نکل کھڑے ہوئے تھے۔

اتحادیوں نے جو سب سے بڑی غلطی کی تھی وہ یہ تھی کہ مصطفےٰ کمال کو حکم سلطانی کے ذریعہ ناظر حربی بنوا کر مشرق کی طرف بھجوا دیا تھا تاکہ اوس طرف کی فوجوں کو غیر مسلح کردیں۔ اُدھر دراصل تو اوسوقت یہ الزام تھا کہ استنبول کے کمانڈران چیف اور اونسے خفیہ خط و کتابت تھی بس یہ بہترین موقع مصطفےٰ کمال کو قسطنطنیہ چھوڑنے اور رفعت۔ علی فواد اور رؤف بے کے ساتھ اناسیا کے مقام پر ١٩١٩ء ہی میں سازش کامل کیا کہ جسنے اونکے تمام کام بنا دیئے۔ ملک میں اوسوقت ہر طرف برہمی تو تھی ہی۔ قارا بکر بھی مشرق میں پندرہ ہزار باقاعدہ فوج سے کام لینے کو تیار تھا۔ اور وسط اناطولیہ میں علی فواد۔ چنانچہ ٢٣ جولائی ١٩١٩ء کو مصطفےٰ کمال کی صدارت میں کانگریس ارض روم ہوگئی تھی۔

اوسی سنہ ۱۹۱۹ء میں مصطفے کمال نے امریکہ کے صدر مسٹر ولسن سے ٹرکی پر امریکہ کی حکمبرداری منظور کرا دینے کا بھی پیغام دیا تھا جبکہ وہ اپنی چودہ مشہور باتیں دنیا سے منوا رہے تھے۔ بلکہ بمقام سیواس بہ ہمراہی جنرل ہاربورڈ (General Harboard) دونوں نے ملاقات بھی کی مگر امریکہ والوں نے اوسکی خواہش کو نامنظور کر دیا۔ جب ۱۶ مارچ سنہ ۱۹۲۰ء کو اتحادیوں نے استنبول میں فوجیں اوتار دی تھیں۔ تو سلطان اور برطانیہ میں بحید دوستانہ تعلقات ہو گئے تھے۔ جسکے باعث ترکی قوم پرست سلطان سے سخت بیزار ہو گئے تھے جس کا نتیجہ یہ ہوا تھا کہ قومی افواج اور سلطانی افواج میں خانہ جنگی ہوئی۔ اتحادی فوج نے بھی عام طور پر لوٹ مار کی پارلامنٹ پر حملہ کر کے رؤف بے اور کثرت قوم پرستوں کو پکڑ کر مالٹا تو بھیج ہی دیا تھا جہاں اتحاد و ترقی کے ہزاروں ارکان پہلے سے قید تھے مارشل لا تک جاری ہو گیا تھا۔ عیسائی جتھوں نے اناطولیا کا راستہ بھی بند کر دیا تھا۔ سلطانی حکومت نے ایک خاص عدالت بھی قایم کی تھی۔ جسکے سامنے ایک فہرست قوم پرستوں کی پیش ہو کر سزائے موت کا حکم حاصل کیا گیا تھا۔ مصطفے کمال۔ علی فواد۔ ڈاکٹر ادنان بے اور خالدہ خانم کے نام بھی اوس فہرست میں تھے۔ شیخ الاسلام نے تو یہ فتوے تک دیدیا کہ جو شخص اون قوم پرستوں کو قتل کرے گا وہ جنتی ہوگا۔

اس دور کے مفصل حالات مصطفے کمال کے حصہ کتاب میں جس کی جلد ہی دوسری ہوگی بہت وضاحت سے ملاحظہ میں آئینگے۔ یہاں صرف اسقدر لکھدینا کافی ہوگا کہ مذکورہ ۱۳ اکتوبر سنہ ۱۹۲۲ء کو جب عارضی صلح مودانیہ ہوگئی تو گویا جنگ عظیم ترکوں سے اور سے ختم کر دی گئی تھی۔ اور جس طرح ۳۰ اکتوبر سنہ ۱۹۱۸ء کو اتحادیوں نے ترکوں کی حکومت کا نام و نشان تک صفحہ ہستی سے بطور ایک حکمران قوم کے مٹانے کا گجر بجا یا تھا اوسی طرح چار سال کے بعد صلحنامہ مودانیہ سے ترک پھر ایک زندہ قوم کی طرح فتحیاب ہو کر دوسری اقوام یورپ کے شانہ بہ شانہ اپنی ہی بہادری و شجاعت سے کام کرتے نظر آنے لگے۔ دنیا کے مسلمان بھی اوس وقت سجدۂ شکر بجالائے۔ اور اکثر اسلامی مقامات ہندوستان میں چراغاں بھی ہوئے تھے[1]

اب ترکی قوم کسی ایسی بات کو جسمیں قومی ذلت کا کوئی بھی پہلو نکل سکتا ہے کے واسطے تیار نہ تھی۔ پھر فرانس اور اطالیہ نے بھی برطانیہ کا ساتھ قسطنطنیہ میں چھوڑ ہی دیا تھا جس سے مجبوراً ۱۵ ستمبر سنہ ۱۹۲۲ء کو

---

[1] دیکھو صفحہ ۳۴۳ تاریخ ٹرکش ایمپائر از لارڈ ایورسلے و مسٹر لیمینائن چرول طبع ثالث

کل برطانوی آبادی قسطنطنیہ کو خالی کر گئی۔ یکم و ۲ نومبر ۱۹۲۲ء کے درمیان بمقام انگورہ قومی مجلس عالیہ (Grand National Assembly) نے سلطان محمد سادس کو لقب سلطانی سے محروم کیا اور ترکی حکومت کو جمہوریہ ترکیہ (Turkish Republic) کر دینے کا بھی اعلان کر دیا۔ اور اوسی دم رفعت پاشا، جو آگے چل کر تھریس کے گورنر ہوئے قسطنطنیہ میں مع فوج کے داخل ہو گئے اور انگورہ کے احکامات کی تعمیل کرانے کا اعلان کر دیا۔ مگر سلطان محمد سادس نے احکامات کے ماننے سے انکار کیا بلکہ سابقہ تزک و احتشام کے ساتھ جمعہ کی نماز اور سلیملیک کے مراسم کی ادائی پر اڑے رہے۔ اب مسجد کے امام نے خطبہ میں صرف خلیفہ کا لفظ اونکے نام کے ساتھ لگایا اور سلطان کا لفظ اوڑا دیا۔ پھر فوج نے سلام تو کیا مگر بادشاہ کے نام پر نعرہ خوشی بلند نہیں کیا۔ تب ۱۷ نومبر ۱۹۲۲ء کو سلطان محمد سادس برطانیہ کے جہاز "ملایا" پر خفیہ طور سے بھاگ کر جزیرہ مالٹا کو روانہ ہو گئے۔ اور شاہ حسین سے ملنے کے واسطے مکہ بھی گئے۔ بعدہٗ دریائے رالویریا (Riviera) کے کنارے اپنی بود و باش پر قناعت کر کے صفحہ تاریخ سے اپنے کو محو ہی کرا بیٹھے۔

اودھر قومی مجلس نے اونکے چچیرے بھائی عبدالمجید کو خلیفہ وقت منتخب کر لیا اور درحقیقت اب یہی تنہا اسی خاندان سے قسطنطنیہ میں باقی رہ گئے تھے۔ اور وہ سلطان عبدالعزیز کے صاحبزادوں میں سے تھے۔

خلیفہ عبدالمجید

سنہ ۱۹۲۲ء

قوم نے خلیفہ عبدالمجید کا ہز مجسٹی کا خطاب اونکے تخت نشین کرتے وقت باقی رکھا تھا لیکن وہ تلوار سلطان عثمان کی جو ہر سلطان کو وقت تخت نشینی نذر کی جاتی تھی وہ اونکو نہیں دی گئی۔

۲۴ جولائی سنہ ۱۹۲۳ء کو لازان کے صلحنامہ پر دستخط ہو گئے اور ۲۲ اکتوبر سنہ ۱۹ء کو قسطنطنیہ کا نام استنبول کر دیا گیا۔ دارالسلطنت بھی وہاں سے ہٹا کر انگورہ کو دارالسلطنت بنایا گیا۔ نیز اب ۲۹ اکتوبر سنہ ۱۹۲۳ء کو دنیا کے سامنے ترکی دستوری حکومت کا اعلان کیا گیا۔ اوسی وقت یہ خبر بھی کہ گرما گرمی سے مشہور ہو گئی کہ ترکوں نے خلافت اسلامی تک کو مٹا دیا جس پر احتجاج شروع ہو گیا۔ ہز ہائینس آغا خاں اور سر امیر علی نے بھی احتجاجی مراسلہ ہندوستان کی طرف سے ترکوں کو بھیجا جس سے انگورہ میں یہ خیال پیدا ہو گیا

کہ خلیفہ عبدالمجید نے لطفی بے سے مل کر کوئی سازش شروع کر دی تھی چنانچہ لطفی بے کے بابتہ تو پتہ ہی نہ چلا کہ کہاں غائب ہو گئے مگر اعلیٰ مجلس قومی نے ۳ مارچ سنہ ۱۹۲۴ء کو خلافت کے قائم نہ رکھنے کا بھی اعلان ہی کر دیا۔ اور خلیفہ کو معزول کر دیا۔

اوسی شب میں حکام مقامی خلیفہ عبدالمجید کی خدمت میں پہونچگئے اور ان کو تخت نشین کرکے باقاعدہ طریقہ پر تخت سے اوتارا گیا۔ اور بذریعہ اسپیشل ٹرین مع بال بچوں کے سین ریمو کو روانہ کرکے ملک کی سرحد سے باہر کر دیا گیا۔ اور کل قوم نے یہ کہنا شروع کر دیا۔

ہو چکی رعنائی رنگ گلستاں فشفق — اب ہے آنکھوں میں فقط خواب پریشان شفق
شام کے خاموش نغمے کیف باری کر چکے — رات کے مدہوش جلوے سحر کاری کر چکے
کنج گلشن میں پپیہے کی فغاں خاموش ہے — وہ صدائے جان ربابی کہاں خاموش ہے
مٹ چکی رنگینی افسانۂ راز و نیاز — لٹ چکا وہ دل کہ تھا دیوانہ راز و نیاز

جلد دوم

جلد دوئم

باب اول

مصطفےٰ کمال آتاترک

یونان اور روما کی سلطنتوں کے مٹنے کیوقت ترک اناطولیہ میں آئے تھے! ور آٹھویں صدی عیسوی سے اونکے حملے بڑھنے لگے تھے۔ وسط و مغربی اناطولیہ تو گیارہویں صدی میں بالکل ہی اسلام قبول کر چکا تھا۔ اور اوس کا باعث سلجوقی ترک تھے۔ مگر نہ بہ جبر ※

اناطولیہ میں حضرت مولانا جلال الدین رومیؒ کو جو قونیہ کے کہے جاتے تھے بہت مانا جاتا تھا۔ وہ صوفیوں کی "طریقت" کے بانی ہی تھے۔ حضرت محی الدین عربیؒ بھی اونکے وقت میں قونیہ گئے تھے اور وہیں شادی کر کے ٹھہر گئے تھے اسی طرح "طریقت بکتاشیہ" بھی جسکے بانی حاجی بکتاش تھے اور جو جان نثاروں کے پیر تھے اناطولیہ اور بلقان میں سلاطین کیوقت میں بہت ابھر رہی تھی۔ دراصل اناطولیہ ہی میں سلجوقیوں کے وقت سے جمہوریت نیز سوشلزم کے کچھ کچھ آثار بھی موجود تھے بلکہ انگورہ میں اقتصادیات کیواسطے ایک "برادری" قائم تھی جسکو اہیلر (Ahilar) کہتے تھے۔ یہ بالکل ہی یورپ کے تجارتی اتحادوں کے مماثل تھے اور اناطولیہ بھر میں وہ خاص طرح مختلف پیشہ وروں کیلئے بنے ہوئے تھے۔ اور جو شخص آہی ہوتا یعنی ان اتحادوں کا ممبر اوسکے واسطے ذاتی ترقی اور ودعمل کرنا ضروری تھا وہ ہر قسم کے اخلاق کا بھی نمونہ بننے کی کوشش کرتا۔ اونکے "فتوت نامے" ایک قسم کے ہدایت نامۂ زندگی تھے اُن میں ڈیماکریسی یا جمہوریت کے تمام اصول پائے جاتے تھے۔

قونیہ کی عزت بھی ترکوں کی نگاہ میں بہت تھی! یہاں کی ایک چیلیپی (Chalapi) قوم کو توخاص حق حاصل تھا کہ ہر سلطان ترکی کی تاج پوشی کے وقت اوسی کا کوئی فرد سلطان کے پیٹی باندھتا جو کہ ایک خاص قسم کی مبارک تقریب تھی۔ ترکوں کی سوسائٹی میں اوس قوم کی بڑی عزت بھی تھی۔ اس طرح گویا اناطولیہ اور قونیہ ترکوں میں بڑے مشہور مقامات سمجھے جاتے ہیں۔

سلجوقی سلطنت کے تیرھویں صدی میں مٹنے پر اوسکے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ہو کر اونکی علحدہ علحدہ امارتیں بن گئی تھیں۔ تب ہی الشیائے کوچک میں ترکی آ گئے تھے۔ اونکی فطرت میں آزادی تھی وہ کبھی ظلم پسند نہ تھے اونکے تمدن میں ہمیشہ سادگی رہی اور اناطولیہ ہی کے شمالی و مغربی حصہ میں اُنہوں نے اپنی پہلی حکومت کی بنیاد رکھی تھی

※ دیکھو تاریخ از ملٹہ - دی پریچنگ آف اسلام مضامین ۳-۴

برسا اوس وقت کا دارالسلطنت تھا۔ اونکے ابتدائی زمانہ کے سلاطین بیحد سادہ مزاج اور سادہ روش تھے۔ انصاف پروری اونکی گھٹی میں تھی۔ بلقان فتح کرنے کے بعد اونھوں نے بازنطینہ کی خبر لی۔ پھر مقدونیہ کی۔ افلاطون کی کتاب "ریپبلک" یعنی دستوریت کی قسطنطنیہ میں انھیں تعلیم بھی دیجاتی تھی۔ پروفیسر لائیبر (Lybyer) جنھنے کہ سلیمان ذیشان کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے وہ اس کا قائل ہے کہ ابتدا کے ترکی بادشاہوں پر افلاطون کی کتاب مذکور کا خاصہ اثر ہوتا تھا۔

تاریخوں میں آٹومن سلطنت کی مکمل ابتدا ۱۲۸۸ء سے مانی گئی ہے اور ۱۷۷۴ء کی صلح کوچک کینارجا (Kuchuk Kaynarja) کے وقت تک سلطنت ترکی کا بڑا زمانہ رہا۔ مگر افسوس کہ ۱۹۱۸ء میں آکر اصلی شہنشاہیت کا خاتمہ ہی ہوگیا۔ اون میں فوجی ترتیب سیول حکومت کی قابلیت ہرگز دوسروں سے کم نہ تھی اور بقول مسٹر ایچ۔ جی۔ ویلز (H. G. Wells) جو اونھوں نے اپنی کتاب "آوٹ لائن آف ہسٹری" (Outline of history) میں لکھدیا ہے کہ "رسول کریم کے خطبۂ آخری کے باعث لوٹ اور خون خچر اسلام کے پیرؤوں میں سے کافور ہوگئے تھے۔ ایک عقیدت مند حبشی بھی خلیفہ کا بھائی بن سکتا تھا۔ بلکہ اونکے الفاظ نے دنیا بھر میں اعلیٰ پیمانے پر صحیح برتاؤ کی روایات قائم کردی تھیں۔ اون میں فیاضی کی صحیح بو بھی پائی جاتی تھی اور اونکے باعث ایک ایسی سوسائٹی قایم ہوگئی تھی کہ جو ظالمانہ کیفیات اور جابرانہ حالات سے بالکل ہی مبرا تھی۔ اور اوس سے قبل دنیا نے کبھی ویسی سوسائٹی نہ دیکھی اور نہ سُنی تھی" ترکوں نے تو ابتدا میں ٹھیک وہی اخلاق دراصل برت کر دکھلا دیئے اور ویسی سوسائٹی بھی قائم کرکے دکھلا دی تھی جسکی کہ خطبۂ نبوی میں تاکید تھی۔ بیشک سترہ صدی کے سلاطین اور اونکے وزرا و صلاح کاروں نے سب ہی طرح کا خرابا لگا دیا تھا اور اوس کا بھگتان آخر میں بھگتنا ہی پڑا کو چھی بکسار (Kaleh Bek[illegible]) کے فوجی بل نے رہی سہی فوج کو بھی تباہ کردیا۔ یہ قانون سلطان مراد کے زمانہ میں پاس ہوا تھا جس سے کہ صرف مسلمانوں ہی کو فوج میں زندگی کے حالیہ پر بھرتی کیا جانے لگا۔ فوجی ترقی میں تنازعات بھی ہونے لگے تھے اور جان نثاروں (Janissaries) کے گروہ بعد میں بلائے ناگہانی ثابت ہوئے۔ رفتہ رفتہ فوج بھی بگڑتی گئی۔ اور آپس کے جھگڑوں میں فوج ہی کی امداد لی جانے لگی جس سے کہ فوج کو یہ محسوس ہوگیا کہ آخری فیصلہ قومی معاملات کا بالکل شاہی کا اوسی کے ہاتھ میں تھا۔ علمائے قوم بھی آخر آخر بجائے رحمت کے ترکی میں تو زحمت ہی ہوتے گئے۔ اون کے فتاویٰ سے بجائے اس کے کہ سلاطین کی درستی ہوتی اونکو [illegible]

اوتارا ہی جانے لگا۔ اور علما بھی سیاست ملکی کا جزو بن گئے بلکہ فوج سے ساز رکھنا بھی اونکے لیے ضروری ہوگیا ان تمام حالات کے ساتھ اگر غور کیا جائے تو یہ بھی معلوم ہوگا کہ اچھے اور برے سب ہی طرح کے حکمران ہوئے اور کہاں ایسا نہیں ہوا ہے۔ کس ملک کی تاریخ عیوب سے پاک ہے۔ کہاں انقلابات نہیں ہوئے۔ اگر ترکوں نے یورپ کی رائے میں ارمنیوں پہ ظلم کیا تو حال کے اٹلی سے حبشہ پہ مظالم بھی یاد کئے جائینگے۔ مگر یہ ماننا پڑیگا کہ اناطولیہ ہی میں آکر ترکوں نے پھر دنیا کو دکھلا دیا کہ وہ ایک زندہ قوم ہیں۔

تاریخ بتلاتی ہے کہ سنہ ۱۵۲۰ء میں سلیمان ذیشان سلطان ترکی کی حکومت البانیہ سے لیکر بحیرۂ ایڈریاٹک کے کنارے اور مصر سے کوہ قاف تک پھیلی ہوئی تھی ہنگری، اور کریمیا بھی اوسکے باجگذار تھے بلکہ اکثر سلاطین یورپ اپنے آپس کے جھگڑوں میں تحائف وغیرہ بھیجکر اوس کی امداد کی درخواست کیا کرتے اور خود بھی اوسکے پاس حاضری دیتے تھے۔ کل بحیرہ روم میں اوس کی بحری قوت سب پہ غالب تھی۔ شمالی افریقہ بھی اوسکی سیادت کو مانے ہوئے تھا۔ ۱۵۲۹ء میں ویانا (Vienna) کے دروازوں کی کنڈی بھی حملہ کرکے اوسی نے کھٹکھٹائی تھی اور عیسائی دنیا کا ہر جگہ گلا ہی گھونٹ رکھا تھا۔

سلیمان کے بعد سلیم اوسکے بیٹے نے بھی خوب نام پیدا کیا مگر بعد کے ستائیس سلاطین ایسے ہوگئے کہ اگر نہ ہوتے تو بہتر تھا۔ پھر بھی ایک نے اونمیں سے کچھ آبرو رکھ ہی لی تھی یعنی عبدالحمید ثانی نے۔ اور بجز اونکے تمام سلاطین کم وبیش عیش پرستی اور بے حساب دولت کے باعث ہر طرح کی خرابیوں میں مبتلا ہونے لگے۔ غریب عبدالحمید کو تو ایکدن بھی چین سے بیٹھ کر عیش کی فرصت نہیں ملی ہر قسم کی اندرونی اور بیرونی سازشوں کے وہ شکار ہوتے رہے اور خود بھی مجبوراً اون کا جواب و رد و توڑ کرتے رہے۔ اونکے اگلوں نے ایسا خرابا لگا دیا تھا کہ تمام ریاستوں نے رفتہ رفتہ کرکے بغاوتیں کرہی دیں۔ اور اونکو تو صرف خزانہ خالی بلکہ دیوالیہ ہی ملا قرض کی کوئی بھی انتہا نہ تھی۔ تمام طرح کے معاہدات جنکو کیپی ٹولیشن (Capitulation) کہتے ہیں سلطنت بھر کو گھیرے ہوئے تھے۔ تاہم اونہیں کا کام تھا کہ اتنے عرصہ دراز تک ملک کو اپنی حکمت عملیوں سے بچاتے رہے مگر جب خود قوم نے اون کا اعتبار نہ کیا تو وہ فوراً تخت سے ہٹنے پہ بھی راضی ہوگئے۔ اون پر اوسی طرح کے الزامات لگائے جاتے ہیں جیسے کہ ہندوستان میں اورنگ زیب عالمگیر پہ۔ یا جرمنی کے قیصر ولیم پہ۔ اور یہ ہر سلطنت کے اوس آخری بادشاہ کا مقدر ہوتا ہے جو مدبر ہو اور حب الوطنی میں بیحد ہو بیشک غلطیاں انسان سے ہوتی ہیں اور عبدالحمید سے بھی ہوئی ہونگی۔ لیکن یہ بھی تو دیکھا جانا چاہئے کہ عبدالحمید ثانی نے اپنی تیس سالہ حکومت میں بجز یونانی سے جنگ کرنے کے

خود کہیں بھی ترکوں کا خون نہیں کرایا۔ نہ روپیہ ہی اوڑایا۔ وہی آخری زمانہ کے ایسے سلطان ہوئے تھے کہ جنکی اندرونی و بیرونی ہر پالیسی حسب موقع و ضرورت بنتی تھی۔

ترکوں کی بدقسمتی سے صلحنامہ برلن میں ارمنیوں کو بھی ایک قومی حیثیت دول یورپ نے دلوا ہی دی تھی جس سے کہ اونکی سیاسی جماعت نے فائدہ اوٹھانا چاہا اور اونکے ذریعہ سے عیسوی دول یورپ کی بلکہ ہر طرح کی سازشیں تو مدتوں سے ترکوں کیخلاف ہو ہی رہی تھیں مگر عبدالحمید کے وقت میں اور بھی بڑھ گئیں لیکن وہ سب کا تدارک بھی خاموشی سے کیا کرتے تھے چنانچہ کردوں کے ذریعہ سے سلطان عبدالحمید نے ارمنیوں کی خوب ہی خبر لیوائی تھی۔ اور وہ مجبوری بھی تھی۔ اور کون قوم بغاوتوں سے چشم پوشی کرتی ہو۔ سنہ ۱۸۹۶ء سے تو مرد بیمار کے مال کی تقسیم بھی برطانیہ فرانس اور روس نے طے ہی کر لی تھی جسمیں پان اسلامزم کا طریقہ بھی بیشک بجا دیا گیا۔ مگر جب اپنے ہی ہاتھ پیر دشمن ہوگئے تھے تو اونکے اختیار کی بات نہ رہی تھی۔ اونکے بعد کے آنے والوں نے بھی تو کچھ نہ بنا لیا۔ نوجوان ترکوں کی ناتجربہ کاری نے بھی بہت کچھ کھیل بگاڑا مثلاً لاجون (masonic loges) میں بھی ترکی کے مٹانے کی سازشیں ہوتی تھیں۔ غرضکہ انواع و اقسام کے واقعات پیش آگئے تھے اور ہر قسم کے الزامات عبدالحمید ثانی پر لگائے گئے اور بہت ممکن ہو کہ کچھ صحیح بھی ہوں۔ کیونکہ قوم نے آخر آخر اونکے ہٹانے ہی کا فیصلہ کر دیا تھا۔

قیصر ولیم جرمنی ۱۸۹۸ء میں سلطان عبدالحمید سے ملنے کے واسطے قسطنطنیہ آئے تھے۔ اور اوسکے پہلے بھی ملاتے مگر یہ عجیب اتفاق ہو کہ دونوں ہی کو تخت سلطنت چھوڑنا پڑا۔ دراصل تو ۱۸۷۸ء ہی میں روس نے سلطنت عثمانیہ کا گویا خاتمہ کر دیا تھا جبکہ قسطنطنیہ سے دس میل کے فاصلے پر وہ سین سٹفانو (sons Taphona) پہونچگیا تھا اور سلطان عبدالحمید کو تو اوس وقت چند ہی ماہ تخت نشین ہوئے گذرے تھے۔

اوسکے چار سال بعد ۱۸۸۰ء یا ۱۸۸۱ء میں (کیونکہ تاریخ میں اختلاف ہے) سلانیکا میں علی رضا اور اوسکی بیوی زبیدہ سے وہ لڑکا پیدا ہوا تھا جس نے کہ پھر ترکی کو زندہ کر دیا اور جس کا نام مصطفےٰ ہی ماں باپ نے رکھدیا تھا علی رضا ایک غریب مگر غیور ترک تھا۔ لڑکپن ہی میں البانیہ کے پہاڑوں سے آکر سربیا کی سرحد پر بطور ایک محرر کے ترکی قرضہ کے انتظامی محکمہ (Ottom on debt ad-ministation) کے دفتر میں ملازم ہوگیا تھا اوسکی تنخواہ قلیل تھی اور وہ بھی چڑھ چڑھ کر ملتی تھی جسکے باعث کچھ تجارت بھی وقت فرصت اوسنے شروع کر دی تھی۔

اب ترکی مستورات عموماً برقع میں پھر کچھ کچھ نکل رہی تھیں زبیدہ کی عمر تیس سال کی تھی جب مصطفیٰ پیدا ہوا تھا زبیدہ گو پڑھی لکھی نہ تھی مگر حکومت کا مادہ بخوبی قدرت نے اوسکو عطا کیا تھا نیز اوسیکے ساتھ غصہ ۔ اوس کا باپ ایک چھوٹا سا کاشتکار جنوبی البانیہ میں تھا اور ماں مقدونیہ کی خاتون تھی ۔ زبیدہ ایک تندرست بیوی تھی ۔ پابند مذہب و وطن پرست مصطفیٰ کے ایک بہن بھی تھی جس کا نام مقبولہ تھا بچپن ہی سے مصطفیٰ ایک خاموش بچہ تھا ۔ دبلا اور کمزور مگر دو لاردن میں خراب بھی کر دیا گیا تھا ۔ وہ دوسرے بچوں کیساتھ کھیلتا بھی کم علی رضا نے بعد چندے مجبوراً ملازمت کو ترک کر کے تجارت کا پیشہ ہی اختیار کر لیا ۔ اور بیٹے کو بھی تاجر بنانا چاہا ۔ مگر زبیدہ اوس کو مذہبی ملّا بنانا چاہتی تھی اسلئے مسجد کے مکتب خانہ میں حفظ قرآن کے واسطے بٹھلا دیا گیا ۔ پھر شمسی آفندی کے مدرسے میں داخل کرا دیا گیا ۔ اتفاقیہ علی رضا کی وفات ہوگئی ۔ لکڑی کی تجارت کی جو دکان تھی اور جس سے روٹی چلتی تھی اوسمیں نقصان بھی معلوم ہوا تب زبیدہ بچوں کو لے کر اپنے میکے موضع لینزسنا ([illegible]) میں جہاں اُسوقت اُنکا بھائی کاشتکاری کئے ہوئے تھا چلی گئی تھی ۔ یہاں مصطفیٰ کے سپرد اصطبل کی صفائی جانوروں کا چرانا ۔ کھیتوں سے کوّوں اور چڑیوں کے ہانکنے کا کام ہوا ۔ اوس کو تو یہ زندگی بیحد پسند تھی ۔ اور اوسکی تندرستی بھی وہاں ٹھیک ہوگئی ۔

دو سال کے بعد جب مصطفیٰ گیارہ برس کی عمر کو پہونچا تو زبیدہ نے اپنی کسی عزیزہ بہن سے امداد لے کر مصطفیٰ کو سلانیکا کے ایک مدرسے میں داخل کرا دیا جہاں معلّموں اور طلبا سے لڑائی جھگڑا اوس کا روز مرہ ہوگیا جس پر کسی اوستاد نے خوب مرمت بھی کر دی تب تو حضرت مدرسے ہی سے بھاگ نکلے ۔ اور پھر مدرسے واپس جانے پر کسی طرح راضی نہ ہوئے حالانکہ اس پر ماں سے برابر لڑائی ٹھنی رہتی ۔ تب ماموں نے ایک فوجی مدرسے میں داخل کرا دینے کی تجویز کی جسکو ماں تو کسی طرح نہ مانتی ۔ لیکن خود مصطفیٰ کے دماغ میں فوجی خدمت کا خیال جم گیا ۔ بلکہ ہمسایہ کے ایک احمد لڑکے کو زرق برق فوجی پوشاک پہنے دیکھ کر اور بھی اوسکی لپک بڑھ گئی ۔ یہاں تک کہ بلا کسی سے گھر میں کہے ہوئے ایک فوجی افسر کی سفارش سے جو اوسکے باپ کا ملنے والا تھا ۔ فوج کے امتحان میں جا کر بیٹھ ہی گیا ۔ خدا نے کامیاب بھی کر دیا ۔ اس پر مدرسہ میں داخل کر لیا گیا مگر بدمزاجی کے باعث وہاں کسی سے بھی نہ بنتی اور اگر کوئی پوچھتا کہ بدمزاجی کا سبب کیا ہے تو جواب دیتا کہ "میں تم لوگوں کی طرح نہیں ہونا چاہتا بلکہ کچھ اور ہی ہونا چاہتا ہوں" ۔ لیکن ہاں پھر بھی میں اور فوجی کاموں میں وہ سب سے ہوشیار اور اوّل ہی رہتا ۔ بالخصوص فوجی پریڈ پر تیز طرار امتحانوں میں کامیاب ہوتا چنانچہ دوسرے ہی سال فوج کے ایک کپتان نے جس کا نام بھی مصطفیٰ تھا اور وہ زبیدہ کے لیسر مصطفیٰ کا اوستاد بھی تھا

اپر خاص توجہ کردی بلکہ شاگرد کو ایک دنیٰ درجہ بھی پڑھانے کیواسطے دیدیا اور اپنے سے تمیز کرانے کیلئے اوس کا نام مصطفےٰ کمال رکھدیا۔ اور اوسی نام سے اوس کو یاد کرنے لگا۔ کمال تو اوسی وقت سے کسیکو اپنے سے بڑھکر نہ دیکھ سکتا اور کسی کا اوس سے مقابلے پر آنا تو اوس کو کسی طرح گوارا ہی نہ ہوتا سب سے اونچے رہنے کی خواہش گویا اوس کی فطرت ہی ہوگئی۔ عمر کے چودھویں سال سے عورتوں سے میل جول کا بھی شوق چرّایا۔ بلکہ ایک ہمسایہ کی لڑکی سے الجھ بھی گئے اور تاک جھانک نیز اشارے بازی کا مشغلہ تو روز بروز اپنے درہی پکڑتا گیا۔

سترہ سال کی عمر کیڈٹ (Cadet) اسکول سے ترقی کر کے اعلیٰ حربی مدرسہ مونا ستر کو مصطفےٰ کمال بھیجدیئے گئے تھے۔ جبکہ یونان نے کریٹ پر قبضہ کرلیا تھا۔ اور ترکوں سے جنگ چھڑ گئی تھی۔ فوجیں برابر بھیجی جارہی تھیں اور گویا آٹومن سلطنت کے آخری گھنٹے تھے عیسائی حکومتیں پوری طرح اور پنجے گاڑے ہوئے ایک دوسرے پر سر آ بھی رہی تھیں۔ بلکہ ترکی سلطنت کے بڑے سے بڑے ٹکڑے کو لے بھاگنے پر تیار نظر آتی تھیں۔ ملک بھر میں غربت بے اطمینانی۔ بدامنی۔ رشوت۔ لوٹ کھسوٹ۔ نوجوانوں کا اصلاحات کیلئے شوروغل اور دعویٰ دھکا وغیرہ بھی ایک عجیب سماں باندھے ہوئے تھا۔ بیچارے سلطان عبدالحمید ثانی کو نہ اپنوں پر اونکی غداری کے باعث اعتبار تھا اور نہ غیروں پر بھروسہ ہی تھا کسی اصلاح کا موقع ہی اونکو نہ ملتا۔ اگر ملک میں اصلاح کرتے تو باہر والے غل کرتے یا اپنے ہی اونھیں بدنام کرنے۔ ہر جگہ بلوے اور بدامنی پر لوگ آمادہ کئے جارہے تھے بالخصوص بلقان میں مونا ستر کے گرد تو بغاوت کی آگ ہی بھڑک رہی تھی۔

زبیدہ نے اپنی مجبوریوں پر غور کر کے اب رہوڈس (Rhodes) کے ایک دولتمند تاجر کیساتھ عقد ثانی کرلیا تھا تعطیل کے زمانہ میں کمال جب سلانیکا یا ماں کے گھر میں کم جاتا اور اپنی ناخوشی کا اظہار بھی ماں کے فعل سے کرچکا تھا جس سے ماں سے لڑائی بھی ہوگئی تھی۔ سوتیلے باپ سے تو بول چال تک ترک تھا۔ مگر سلانیکا میں کمال نے فرانسیسی زبان ضرور سیکھ لی۔ اور نجی بے سے بیمین دوستی بھی ہوگئی تھی۔ وہ فرانسیسی زبان خوب جانتا تھا بس یہیں دونوں نے فرانس کی بغاوت کی کتابوں کا خوب مطالعہ کیا۔ حالانکہ حکومت کی طرف سے اسکی سخت ممانعت تھی۔ نہیں کمال نے تقریر کرنے کی بھی خوب مشق کی اور نوجوانوں کو اپنے ملک کو ہر قسم کے ظلم جبر اور مداخلت سے آزاد کرنے کے سبق بھی پڑھانے لگا۔ بلکہ آزادی پر مضامین۔ کتابیں اور عمدہ سے عمدہ نظمیں بھی لکھنا شروع کردیں جس سے مونا ستر میں اوسکی قابلیت اور ذہانت کا شہرہ ہوگیا مگر سب کے خیال میں وہ ایک بے قابو نوجوان ہمیشہ نظر آیا۔

اپنی عمر کے پچیسویں سال یعنی ۱۹۰۵ء میں قسطنطنیہ کے عام اسٹاف کالج سے ریمیر بطور ایک سب لفٹنٹ کے

بذریعہ گزٹ جیسے ہی اوس کا تقرر ہوگیا تو وہاں پہونچتے ہی خراب صحبت کا شکار بھی ہوگیا۔ راتوں کو قمار بازی اور منہیات شرعیہ کا شغل رہتا۔ صورت و شکل یا حسن و ملاحت سے اوسکو سروکار نہ تھا۔ صرف خواہش نفس سے مغلوب تھا۔ مگر عشق کے پھندے میں کہیں نہ پھنسا۔ عورتوں کے خیال ہی سے کبھی اپنے دماغ کو پریشان کیا۔ گویا کھلا کھیل فرخ آبادی پر عمل کرتا۔ مگر باوجود اس سب کے اور بدترین صحبت میں پڑجانے کے یکبارگی ایسا انقلاب ہوا کہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کام کی طرف بھی اوسی غلو اور محنت سے مشغول ہوگیا۔

ترکی میں اس وقت ہر شخص اپنی ذاتی قابلیت اور محنت سے ترقی ضرور کر سکتا تھا۔ امیر و غریب کا بھی کوئی فرق مدارس تک میں نہ تھا۔ نہ حکومت میں شرکت کیلئے کوئی خاص فرقہ مخصوص تھا۔ صرف دماغی قابلیت اور کریکٹر ہی ترقی کی شاہ راہ پر ہر کس و ناکس کو لگا سکتا تھا۔ چنانچہ کمال نے جب تمام امتحانوں میں کامیابی حاصل کرلی تو خاص جنرل اسٹاف کی تعلیم کیواسطے بھی وہ اہل سمجھا گیا۔ اور کپتان بنادیا گیا۔ اب اسٹاف کالج کا ہر نوجوان طالب علم اور معلم دول غیر کی مداخلت اور سلطان وقت کے طریقوں سے اختلاف ہی رکھتا تھا بلکہ یہاں درحصل اسکی تعلیم بھی ہوتی تھی۔ کمال بھی اوسی سے متاثر ہوا۔ اور ہر ترک کو وارث حکومت سمجھنا اور دن کی طرح اوس کا بھی مسلک ہوگیا۔ اور گویا اپنی وراثت کی بربادی کا دل میں درد لے کر اور دن کے ساتھ وہ بھی اساتذہ اور دیگر طلبا کا ہم خیال بن گیا۔

کالج میں ایک سوسائٹی بھی "وطن" کے نام سے بنی تھی جس میں وطنیت کے متعلق نیز ترکی کی موجودہ پستی اور انقلابی تحریکات کی تائید میں بلکہ سلطانی طریقہ حکومت کی نکتہ چینی پر دستی و قلمی تحریرات لکھی جاتی تھیں نیز مذہبی ملاؤں۔ مذہبی قیود اور بوسیدہ قوانین و قواعد اور درویشوں وغیرہ کے قوم و ملک پر تسلط کی برائیوں پر بلکہ زمانہ حال کی تمام ترقیوں کے بابوں کے مسدود ہونے پر تقریریں بھی کی جاتی تھیں۔ اور آخر میں تو یہاں تک ہوگیا کہ "وطن" کے ممبروں نے سلطان کی علیحدگی۔ رائے عامہ کے مطابق دستوری حکومت کے قیام۔ ملک کو مذہبی ملاؤں اور درویشوں کے اثرات سے پاک کرنے اور مستورات قوم کو پردے و حرم سے آزاد کرانے پر حلف بھی کرلیا تھا۔

کمال بھی "وطن" کا ممبر ہوگیا تھا۔ اور عمدہ سے عمدہ مضامین اور نظمیں بھی اوس نے لکھیں اسی درمیان میں سلطان عبدالحمید کو "وطن" کا کچا چٹھا اس کے جاسوسوں نے پورا پورا پہونچا دیا۔ جس پر اسمٰعیل حقی پاشا کو "وطن" کے بند کرنے کا حکم بھیج دیا گیا۔ اور کالج میں اس کے جلسہ تک روک دیے گئے مگر اب وہ باہر [illegible]

پھیلاؤ خوب بڑھنے لگا۔ اُدھر مصطفیٰ کمال کو کالج سے کامیاب ہو کر نکلنے پر فوج میں ملازمت مل گئی۔ اور اب اوسکی ماں بھی روپیہ پیسہ دینے لگی جسپر کمال نے "وطن" کے چلانے کی ذمہ داری خود اپنے ہی سر لے لی۔ اور خفیہ طریقوں پر کرایہ کے مکانوں میں یا قہوہ خانوں میں اوسکے جلسے ہونے لگے۔ یہاں تک کہ ایک بار کل ممبران گرفتار ہو کر استنبول کے سرخ جیل میں بھی بند کرا دیئے گئے۔ کمال کے متعلق تو پولیس کے پاس بکثرت تحریری ثبوت موجود تھا اسلئے اوسکو قید تنہائی میں رکھا گیا۔ اور ایکدن یکبارگی اسمٰعیل حقی کے سامنے پیش کر دیا گیا پاشا مذکور نے کمال کی گذشتہ خراب زندگی اور سلطان سے بغاوت پر اوسکو کچھ بھی دیا کہ "تم خود باغی ہو۔ دوسروں کو تم نے باغی بنایا تاہم سلطان نے تمپر شاہانہ رحم کر کے تمکو دمشق کے سواروں کی فوج میں بھیجدینے کا حکم دیا ہے۔ تم ایک نوجوان بیوقوف اور ضدی آدمی ہو مگر خراب نہیں ہو۔ آیندہ ہوشیاری سے کام کرنا ورنہ پھر معافی نہ ہوگی" اوسی رات میں پولیس نے کمال کو وہاں سے چلتا کیا۔ اور جہاز پر سوار کر کے انتہائم میں بیروت پہنچوا دیا گیا۔ جہاں سے بسواری اسپ وہ دمشق جا کر اپنی فوج میں داخل ہو گیا۔ اوسی وقت اوسکی فوج دروزیوں (Druses) کے خلاف مہم پر جا رہی تھی۔ جو دمشق کے جنوب پہاڑوں میں تھی اور وہ فوج کے مقابل کہیں بھی نہ آتے۔ بلکہ چھپ کر نشانہ لگاتے تھے۔ جنگ کسی مقام پر بھی نہ کرتے جس سے ترکی سپاہ تو صرف اونکی کھیتی اور مکانات کو برباد کر سکتی اور مجبوراً موسم سرا میں دمشق ہی کو بلا سر کئے ہوئے واپس ہو جاتی۔ لیکن اس مرتبہ کمال نے یہاں بھی "وطن" کی جمعیت قایم کرا دی۔

کمال کی مذہبی عقیدت میں اب بڑا انقلاب ہو گیا تھا۔ نہ وہ خدا ہی کا قائل رہا تھا اور نہ انسان کا اور وہ کا نہ کسی رسم و رواج کو مانتا۔ نہ کسی شئے کی عزت یا مذہبی توقیر اوسکی نگاہ میں باقی رہی تھی۔ بلکہ صرف عملی کام کی راہ میں اوسکی عقل جس بات کی ہدایت کرتی اوسی کو وہ کرنے لگتا۔ اب منفید لطفی بے کی امداد سے تمام ملک شام میں وطنی خیالات کی ترویج بھی اوسنے خوب طرح کرا دی۔ بلکہ فوج تک کل شام میں بلووں کیواسطے تیار ہو گئی حالانکہ عوام ملک ابھی اوسکے واسطے آمادہ نہ تھے۔

سلانیکا سے اسی زمانہ میں کمال کے احباب نے اسپر اصرار شروع کر دیا کہ وہ اپنا تبادلہ جلد سے جلد وہیں کرالے۔ چنانچہ احمد بے سے ملنے کی غرض سے رخصت لے کر کمال جافہ پہونچا جہاں کہ احمد بے بندرگاہ کا کمانڈر تھا اور وہ بھی ایک سرگرم رکن "وطن" کا تھا۔ یہاں سے کمال نے اپنا نام تبدیل کیا اور تاجروں کی وضع میں مصر [illegible] پہونچا [illegible] جہاں سے اتھنز ([illegible]) ہو کر سلانیکا پہنچ گیا [illegible] اوسے خفیہ جا [illegible]

بغاوت کے واسطے تیار ہی ملیں۔ سلانیکا میں ماں اور بہن سے ملا۔ نیز اونکے بہانے سے اپنے وطنی ساتھیوں سے بھی ملاقات کا موقع نکالتا رہا۔ اور تبادلہ کی درخواست بھی بھیجدی۔ سلطانی جاسوسوں نے بھی ادھر قسطنطنیہ میں کمال کی سرگشت اور کاروائیوں کی اطلاع بھیجدی تھی۔ چنانچہ وہاں سے کمال کی گرفتاری کا حکم آگیا۔ مگر جمیل بے نے وقت سے کمال کو اوسکی اطلاع کردی تھی۔ کیونکہ وہ خود وطنی تھا اور ایڈجیوٹنٹ (Adjutant) اوسنے دو دن تک سرکاری حکم کو بھی ڈالے رکھا۔ تب کمال سرحد یونان پر نکل گیا اور بذریعہ جہاز جافہ پہونچکر احمد بے سے جہاز ہی پر ملاقات کرلی۔ احمد بے نے خفیہ طور پر جہاز سے کمال کو باہر کرا کے غازہ پہونچو اویا۔ دراصل احمد بے ہی کے سپرد کمال کی گرفتاری بھی تھی۔ اوسی نے قسطنطنیہ میں اطلاع بھی بھیجدی کہ کمال تو غازہ میں موجود ہے۔ اور اوسنے شام کو چھوڑا ہی نہیں تھا۔ اوسکی تائید مفید لطفی بے نے بھی کردی۔ اور سال بھر تک انہیں احباب کی بدولت اچھی ہی قسم کی رپورٹیں کمال کے بابت صدر میں پہونچتی رہیں جس سے بالآخر سلانیکا کو تبادلہ کی کوشش میں کمال کامیاب ہوگیا۔

سلانیکا میں تیسری آرمی کور کے اسٹاف میں کمال کو جگہ دی گئی۔ اور معائنہ جات مقامی کیواسطے ریل کے سفر کی بھی اجازت مل گئی۔ اب وہ اپنی ماں اور بہن کے ہمراہ بھی رہنے لگا۔ کیونکہ اوسکے سوتیلے باپ نے خاصہ مال و زر چھوڑکر انتقال کیا تھا۔ اور اوسکی ماں اب گویا خوشحال تھی۔ مکان بھی ذاتی تھا لیکن "وطنی" کام کی ترقی بیشک اب یہاں ممکن نہ ہوئی کیونکہ سنہ ۱۹۰۶ء سے "اتحاد و ترقی" کے نام سے جو دوسری مجلس انقلابی اصولوں پر یہاں قایم تھی اور اوسکے ممبر بکثرت وہ یہودی تھے جو اطالوی رعایا تھے۔ اُن پر سلطان کو کوئی اختیار نہ تھا نیز وہ سب فری میسن تھے یہودیوں ہی کے گھروں میں وہ سب جمع ہوتے اور جلسے وغیرہ کرتے۔ اور انقلابی بحث و مباحثے ہوتے۔ اونکو کسی قسم کا بھی ترکی حکومت کا خطرہ نہ تھا۔ نہ تو اونکی تلاشی ہی ہوسکتی اور نہ گرفتاری۔ تمام دنیا کے یہودی روپیہ و پیسہ سے اونکی امداد و حفاظت کا بندوبست رکھتے تھے۔ جو بھی "اتحاد و ترقی" کا ممبر شہر بدر وغیرہ ہوتا اوس سے انہیں یہودیوں کے ذریعہ تعلقات قایم رکھے جاتے۔ جب مصطفےٰ کمال کو یہاں اوس وقت "وطنیت" کی تحریک کے چلانے کی کوئی صورت نہ نظر آئی تب اوسنے "اتحاد و ترقی" ہی کی ممبری منظور کرنا مصلحت سمجھا۔ چنانچہ جب اونکی ہر طرح جانچ و پڑتال کرلی گئی تو اون کو بھی کمیٹی میں شامل کرلیا گیا۔

دراصل تو سلانیکا کی "اتحاد و ترقی" کی کمیٹی روس کی اوس انقلابی پارٹی کی شاخ تھی جن کو کہ نیہلسٹ (Nihilists) فرقہ کہا جاتا تھا یعنی ویڈیڈا لاجز (Veleda Lodge) کا گروہ۔ مگر کمال

کو حکومت ٹرکی کی خیر منانا تھی اور وہ خود ایک نہایت ہی غیور فرزند قوم و ملک ترک تھا۔ اوسے کسی طرح بھی کوئی دلی ہمدردی اوس پارٹی سے نہ تھی۔ اور اسکو وہ کسی طرح بھی اپنے مقاصد کیلئے کارآمد نہ سمجھتا تھا۔ اُسکے خیال میں وہاں ٹک بک زائد بھی کام نہ تھا۔ انور بے جاوید بے یوسی نیازی بے اور طلعت بے وغیرہ کو جو اس پارٹی کے بڑے سرگرم ممبر تھے۔ اونکو تو وہ ہمیشہ سے نظر حقارت ہی سے دیکھتا تھا بلکہ اونکے موقعوں پر اونکی خودغرضی اور نام و نمود کی خواہشات کا ذکر کر کے اونکی توہین میں کبھی بھی تکلف نہ کرتا۔ مگر یہاں کچھ ایسی مجبوریاں تھیں کہ "وطن" کی کوششیں جب چلتی نہ نظر پڑیں تو اونکے ساتھ ناشمے میں شریک رہا۔

زبیدہ سے بھی مذہب اور سلطانی وفاداری کے مباحث پر اکثر جنگ ہو جاتی۔ مگر مان پھر مان تھی تاہم آزادی خیال و عمل سے ہمیشہ اپنے کو مجبور پاکر گھر چھوڑنا ہی اوسنے مصلحت سمجھا۔ حکمبرداری بھی اوسکی خلقت کے خلاف تھی۔ بس ان کے یہاں آمد و رفت تو قایم رکھی مگر انقلاب کے جلسوں میں خفیہ طور پر بڑی دلچسپی لیتا رہا۔ اوسکے زمانہ ممبری میں تقریباً تین سو ممبر "اتحاد و ترقی" کے تھے۔

اب ۱۹۰۸ء میں نیازی بے نے انقلابیوں کو جمع کر کے جنوبی مقدونیہ میں حکومت کے خلاف احتجاج کر دیا اور انقلابی اعلان کیساتھ جدید قانون بھی شایع کر دیا۔ اور انور بے نے مشرقی مقدونیہ میں مطبوعہ اعلان انقلاب و قانون جدید بھی شایع کر دیا۔ اور جو فوجیں کہ اس بغاوت کے فرو کرنے کے واسطے بھیجی گئی تھیں وہ بھی باغیوں سے مل گئیں جسکا بڑا سبب یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ مدتوں سے سپاہیوں کی تنخواہیں نہ مل سکی تھیں۔

اس طرح کے حالات دیکھ کر سلطان عبدالحمید خان نے فوراً جمہوریت کا اعلان کرا دیا تھا۔ جاسوسوں کی موقوفی کا بھی حکم دیدیا اور جو ترک ملک سے باہر بھاگ گئے تھے یا خارج کئے گئے تھے اونکی واپسی کی بھی اجازت دیدی تھی۔ تب عیسائی اور مسلم رعایائے سلطانی نے خوشی خوشی جمہوریت کا خیر مقدم کیا تھا۔ انور بے اور نیازی بے بھی ملک میں آرام کام کرنے کیلئے پھر واپس آ گئے تھے کیونکہ کہا جاتا ہے کہ اون کا بھی اخراج ہوا تھا۔ بلکہ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ انور بے ہی نے قصر المپس (Olympus Palace) کے برآمدے سے جدید اصلاحات کا اعلان بھی پڑھا تھا اور مصطفےٰ کمال بھی اونکے پیچھے خاموش کھڑا اعلان کو سنا کیا تھا۔ چنانچہ بیس بیس سال کے ملک سے نکلے ہوئے ترک اب واپس آ گئے تھے۔ نیازی بے تو فوراً البانیہ کو روانہ ہوا مگر کسی نے وہاں اوسکو قتل کر دیا۔ انور بے کو حکومت نے برلن کا فوجی اٹیچی (Attache) مقرر کر کے بھیجدیا۔ اور کمال کو شمالی افریقہ افواج طرابلس کے حالات کی رپورٹ کے واسطے رخصت کیا گیا تھا لیکن خاص قسطنطنیہ میں جمہوریت کے خلاف لامذہبی کا الزام لگایا جانے لگا اور یہ شہرت

دیدی گئی کہ اسلام وخلافت کو مٹانا ہی جمہوریت کا مقصود ہے۔ نیز یہودیوں اور فری میسن اصحاب ہی کی بدولت تمام نقصانات تھے۔ اور اس سب کا الزام "اتحاد و ترقی" کی کمیٹی کے سر تھوپا گیا۔ اگرچہ پہلی پارلامنٹ بھی عام انتخاب کے ذریعہ استنبول میں جمع ہوئی مگر نوجوان ترکوں کی ناتجربہ کاری سے بیرونی حکومتوں کا دخل ہو گیا۔ اور اونکے ساتھ یونان کے پادریوں نے بھی اخباروں کو رشوت دے کر خوب نوجوانوں کی بدنامی کرائی تھی جس سے خوب کشت و خون بھی ہو گیا۔ نوجوان ترکوں کا سب سے بڑا گناہ یہ تھا کہ وہ گلے میں کالر لگانے لگے تھے جسکو کہ اونکی لامذہبی پر مبنی کیا گیا تھا۔ اور قسطنطنیہ کی فوجوں نے "اتحاد و ترقی" کے ممبروں کی پکڑ دھکڑ شروع کر دی بلکہ اپنے ہی افسروں کو بھی گرفتار کرنے اور مارنے لگی تھی تب کمیٹی نے بھی مقدونیہ کی فوجوں سے امداد چاہی۔ مصطفےٰ کمال بھی اب واپس آگیا اور اوسکے ساتھ ان حالات میں دیگر افسران نے محمود شوکت پاشا کو مجبور کیا کہ مقدونیہ کی دوسری و تیسری آرمی کو قسطنطنیہ پہنچایا جائے تاکہ جمہوریت کی امداد ہو سکے۔ انور بے بھی برلن سے واپس آئے اور ایک حصہ فوج کی کمان اونھوں نے بھی اپنے ہاتھ میں لے لی نیز کمال کو اپنے اسٹاف میں لینا منظور کر لیا۔ اور سب ہی نے مل کر سلطان عبدالحمید کو خطاکار قرار دیکر تخت سے اتار دینے 3 اور شیخ الاسلام تبتی ([illegible]) سلانیکا میں مقید کرنیکا تصفیہ کیا۔ اور اونکو تخت سے معزول کر کے فتحی بے کی نگرانی میں دیکر سلطان رشاد کو تخت نشین کرا دیا جس سے گویا "اتحاد و ترقی" کی کامل حکومت کا دور ۱۹۰۹ء میں آگیا۔ نیز انور بے کے اقبال کا ستارہ بھی آسمان پر چڑھ گیا۔ کہ نوجوانوں نے استبدادیت و شخصی حکومت کے بجائے گویا آئینی حکومت کی حقیقی بنیاد رکھدی تھی حالانکہ سلطانیت کو ابھی تک آئین کا جزو ضروری قائم رکھا گیا تھا۔ یا یوں کہا جائے کہ مشرقی طریقے کے ساتھ ساتھ مغربی طریقے کو ملانے کا خیال نوجوان ترکوں میں غالب آگیا تھا۔ اور مہینے تو ایسے گذرے کہ گویا بلا خون خرابے کے جدید آئین ترکی قوم کو حاصل ہو گیا جس سے ہر مذہب و قوم کے لوگ ایک دوسرے سے خوشی و خرمی کے ساتھ ظاہری طور پر گلے تو ملنے لگے۔ مگر دلوں کا حال بالکل ہی مختلف تھا۔

عیسائی رعایا تو دو صدیوں سے گویا فوجی خدمت سے مستثنیٰ تھی اسیطرح ترکی زبان کا ابتدائی مدرسوں میں جاری کرا دینا بھی اونکے پادریوں کو کسی طرح پسند نہ آیا تھا۔ عرب و ارمنی اور کرد جنکو سلطان کی رعایا ہونے سے بڑے نفع تھے وہ بھی نوجوانوں کے اثر سے سب رعایتوں سے گویا یکدم محروم ہو گئے تھے جن اسباب کے باعث نوجوانوں سے بہت کچھ نفرت پھیلنے لگی۔ یورپ کے اخباروں اور یورپ کی امداد کا ادھر نوجوانوں کو جو بھروسہ تھا وہ بھی پورا ہوتا نظر نہ آیا کیونکہ اسیوقت آسٹریا نے بوسنیا کو ہضم کر لیا کریٹ جاکر یونان سے مل گیا حالانکہ ۱۹۰۸ء میں بلغاریا اور سرویا دونوں بادشاہ ترکی میں آئے تھے اور صلح پسندی کا اطمینان دلا گئے تھے۔ نیز اٹلی نے ڈیڑھ سو نوجوانوں کو دوستانہ دعوت دیکر یقین

دلایا تھا کہ اگر خود ترک طرابلس کو اونکے نذر کرینگے تب بھی وہ نہ لینگے اسی بنا پر ترکی فوجیں طرابلس سے یمن کو بھیجوا دی گئی تھیں۔ کمال بھی اب تیسری آرمی کور میں چیف آف اسٹاف مقرر ہو گیا تھا اور ۱۹۱۰ء میں اسکی عمر تیس سال کو پہونچ چکی تھی۔ تب فوراً اسکو جنرل علی رضا کے اسٹاف میں دیگر فوجی کاموں کے دیکھنے کیلئے فرانس روانہ کیا گیا جہاں سے واپسی پر سلانیکا کے افسروں کے مدرسے کا مکمل جائزہ وہ پا گیا علی رضا نے اوسکی قابلیت قوت فیصلہ اور پیش بینی کی بڑی تعریف بھی کی تھی۔ مگر وہاں تو سیاست انہی کے غرور اور مزاجی کیفیت کے سبب اب بھی کہیں کسی سے بنتی نہ تھی۔ نہ اپنی رائے و خیالات میں کسی کی پیروی گوارا تھی۔ اور اسکا علاج بھی ناممکن ہی تھا۔ "اتحاد و ترقی" کے زمانہ میں انور۔ جمال اور طلعت ہی کی گویا حکومت تھی جاوید بیودسی تو وزیر مالیات تھا۔ اور کہا جاتا ہے کہ اوسی کی معرفت جرمنی نے تقریباً بغداد ریلوے کی خرید و فروخت وغیرہ کی معاملت ترکوں سے کی تھی۔ اسی سے جرمنی کا اقتدار ملک میں زاید ہونے لگا تھا۔ انور پہلے بھی جرمنی کے بڑے قائل تھے اور اوسکی دوستی کو ترکوں کے واسطے مفید سمجھ کر اوسکی مداخلت کو خاص طرح گوارا کر چکے تھے۔ ترکی ملک کی سیاسی و اقتصادی حالتوں میں کوئی نمایاں ترقی کمیٹی اتحاد ابھی تک نہ پیدا کر سکی تھی بلکہ افلاس قومی تو اور بڑھ گیا تھا۔ ملک کے بہت حصے نکل جا چکے تھے۔ نہ فوج ہی کی حالت درست ہو سکی تھی۔ ملازمین کی تنخواہیں اب بھی مشکل سے ادا ہونے کا سامان ہوا تھا۔ لیکن کمال کی مزاجی حالت میں اب بڑا انقلاب ضرور ہو گیا تھا۔ اوسنے سب سے میل جول کرنا اختیار کر لیا۔ دوسروں کے مشوروں کی سماعت کرنے لگا۔ اور حتی المقدور دقت بھی۔ مگر اس کا سبب کسی کی سمجھ میں نہ آیا۔ ممکن ہے کہ یہ سیاست ہی کا ایک پہلو ہو۔

جب قسطنطنیہ میں محمود شفقت پاشا کو جو اس وقت فوجی وزارت پر تھے۔ کمال کے مزاجی انقلاب کا علم ہوا تو انھوں نے ۳۳ نمبر کی پیدل فوج کا کمانڈنگ افسر کمال کو مقرر کر کے سلانیکا ہی میں پھر تعینات کر دیا لیکن کمال نے وہاں پہونچتے ہی "اتحاد و ترقی" کے خلاف سازش شروع کر دی کیونکہ وہ دراصل ترکی کو ترکوں اور صرف ترکوں کے واسطے دیکھنا چاہتا تھا اور اب یہاں تو جرمنوں اور یہودیوں کا تصرف اوس کو زاید نظر پڑا۔ اوسکی روش کو دیکھ کر افسروں نے اوسکے مخدوش ہونے کی رپورٹ کر دی اور کمیٹی نے اوسکی سزا کا مطالبہ کیا جس پر محمود شفقت نے کمال کو قسطنطنیہ کے دفتر جنگ میں حاضری کا پروانہ بھیجا۔ کیونکہ وہ بھی کمال کی ذہانت۔ طباعی اور عوام پر اثر رکھنے سے واقف تھا۔

۱۹۱۲ء میں قسطنطنیہ میں تو اب وزارتیں برابر بدل رہی تھیں جرمن افسران بھی فوجی تعلیم دینے کیواسطے بلوائے گئے تھے جس سے کہ جمال پاشا کو بھی اختلاف تھا اور کمال نے اونکی رائے سے موافقت بھی کی تھی۔ مگر انور وغیرہ اوسکے موید تھے۔ کہ اوسی وقت اٹلی نے طرابلس میں شمالی افریقہ کی طرف اپنی فوجیں اتار دیں تھیں اوس پر انور اور فتحی دونوں وہاں پہونچ گئے تھے۔ کمال بھی ایشیائی کوچک ہو کر شام و فلسطین میں مع اپنے دو ہمراہیوں کے

اسکندریہ تک پہونچگیا تھا کیونکہ مصر کو غیر جانبدار قرار دے کر انگریزوں نے سرحدوں پر بندش کر دی تھی حالانکہ مصر ابھی تک ترکی حکومت کا جزو مانا جاتا تھا۔ کمال نے عربی لباس پہنکر سرحد سے پار ہونے کی کوشش کی مگر ایک مسلمان مصری افسر نے کمال کو پہچان لیا۔ اور گو انگریزی حکومت کی طرف سے کمال کی گرفتاری کا حکم بھی اوسکو مل چکا تھا۔ مگر افسر نے ایک دوسرے شخص کو جسکی آنکھیں بھی کمال کی طرح نیلگوں تھیں گرفتار کر کے کمال کے بجائے بھیجدیا اور کمال کو سرحد کے پار خفیہ طریقہ پر کرا دیا۔

جنگ طرابلس میں شمالی افریقہ کی مسلم آبادی اسلامی جنگ سمجھکر جہاد کیلئے آمادہ ہوگئی تھی۔ انور پاشا نے وہیں کمال کو میجر کمال بنا کر ساحل درنا (Derna) کے مقابل تعینات کر دیا تھا گو وہاں اوسوقت ہر جگہ انور پاشا کا بول بالا تھا شیخ شنوسی نے بھی اونھیں بھائی کہا اور کچھ عرصہ تک اطالوی فوجوں کو ترکوں نے سمندر کے کنارے سے بڑھنے نہیں دیا۔ کمال نے یہاں انور پاشا کی پوری وفاداری سے ماتحتی کی۔ حالانکہ وہ انور سے عمر میں بھی سال بھر بڑا تھا۔ اور اب باوجود دونوں میں البانی خون ہونے کے نیز لڑنے میں کسی وقت بھی اتحاد نہ ہونے کے کمال نے انور کی ہر طرح اطاعت اختیار کی۔ گو یہ جنگ ایک سال تک تقریباً قایم رہی اور اطالوی بڑھتے ہی گئے۔ سہ یکایک اکتوبر ۱۹۱۲ء میں مانٹینگرو (Montenegro) نے ترکوں سے اعلان جنگ کر دیا۔ بلکہ تمام بلقانی عیسوی ریاستیں پہلی بار اب یکدل ہو کر ترکوں پر ٹوٹ پڑیں اور جنگ بلقان شروع ہوگئی۔ مجبوراً ترکی نے اطالیہ سے صلح کر لی۔ اور تمام ترکی افواج طرابلس سے واپس بلالی گئیں۔ کیونکہ اٹلی کا طرابلس پر تو قبضہ ہو ہی چکا تھا جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ اب کمال بھی براہ فرانس و آسٹریا و رومانیا بلکہ بحیرہ اسود تک پار کر کے دسمبر ۱۹۱۲ء کے پہلے ہفتہ قسطنطنیہ میں داخل ہوگیا تھا۔ اوسوقت سربیا نے شمال سے یونان نے جنوب سے بڑھکر ترکوں کو دبایا تھا اور سلانیکا لے لیا تھا۔ بلغاریہ تو سیدھا قسطنطنیہ ہی کی طرف بڑھا تھا اور شتالجہ کو جو صرف پندرہ میل تھا سے تھا خطرہ میں ڈالدیا تھا۔ یونان نے تو پچیس ہزار ترک بھی گرفتار کر لئے تھے۔ فی الحقیقت تو اوسوقت ترک گویا یورپ سے کلیتاً باہر کر دیئے گئے تھے۔ شہر قسطنطنیہ میں ہزار ہا زخمی آچکے تھے۔ سامان خورد و نوش تک کی قلت تھی۔ بخار اور ہیضہ پھیل چکا تھا۔ خود ملک کے ارباب سیاست میں باہمی جنگ تھی۔ اوسوقت کمال کو یہ خبر ملی تھی کہ یونانیوں نے سلانیکا کی تمام سیویلین آبادی کو قتل کر دیا بس صرف جو بھاگ گئے سو بچ گئے اور اونھیں میں زبیدہ اور مقبولہ بھی تھیں۔ کمال اوس وقت گیلی پولی میں چیف آف اسٹاف تھا۔ لہذا اوسنے ماں اور بہن کو تلاش کرا کے اور آرام سے اونکے قیام کا انتظام کرا کے خود بولیر پہنچ گیا جہاں کہ بلغاریہ نے اوسوقت حملہ بھی کر دیا تھا۔ مگر اب عارضی صلح بھی

ترکوں سے اور سب سے ہو گئی تھی نیز دول عظمی نے صلح کی کانفرنس بھی طلب کر لی تھی۔ کیونکہ ترکی کا صدر اعظم کیامل پاشا ہر طرح صلح کے واسطے آمادہ تھا۔ گو نوجوان ترک رضامند نہ تھے۔ انور پاشا نے کمیٹی اتحاد و ترقی کے اراکین کو قسطنطنیہ میں اب جمع کیا اور سلطان کے یہاں خود اوسی وقت پہونچگیا جبکہ وزرا کا جلسہ ہو رہا تھا۔ ناظم پاشا وزیر افواج نے اوسکو روکنا چاہا تب انور نے وہیں تمنچہ سے اوسکو ہلاک کر دیا نیز دیگر وزرا کا بھی تعاقب کیا۔ مگر وہ سب بھاگ نکلے انور نے اب جمال اور طلعت کیساتھ وزارت قایم کی بلکہ کل اختیارات کو اپنے ہاتھوں میں گویا لے لیا۔ اور جس کسی نے بھی اختلاف کیا اوسکو پھانسی دیدی گئی۔ شرائط صلح جو کچھ پیش ہوئے تھے اونکو نامنظور کیا۔ کیونکہ بلقان کی کل ریاستیں ترکی کے یوروپین حصہ حکومت کو اپنے آپس ہی میں تقسیم کر لینے پر اصرار کر رہی تھیں اور بلغاریہ تو ایڈریانوپل کو فتح کرنے پر تیار تھا۔ اس پر انور نے ایک اسکیم اوسکے بچاؤ کی تیار کی۔ اوس سے کمال نے اختلاف کیا جس پر انور کو سخت ناگواری ہوئی اور اوس نے کمال سے کہا کہ "بات کم کرے اور تعمیل حکم کرے" چنانچہ فروری ۱۹۱۳ء کو جب بولیر کی فوجوں نے بلغاریوں پر حملہ کر دیا۔ تو کمال بھی اوسمیں شریک ہوا جب ترکوں کو اوسمیں واپس ہونا پڑا۔ تو گویا انور کی اسکیم ناکام ثابت ہوئی۔ اور بلغاریوں نے ایک ماہ بعد ایڈریانوپل پر قبضہ ہی کر لیا۔ اور وہی شرائط صلح جو کیامل پاشا نے طے کئے تھے وہ مجبوراً ترکوں کو بمقام لندن ۱۹۱۳ء میں ماننا پڑے۔ اب کمال بھی قسطنطنیہ کو واپس ہوا مگر تقدیر سے اُدھر خود بلقانیوں میں آپس ہی بٹوارے پر ان بن ہو گئی۔ بلغاریہ ہی نے سربیا اور یونانیوں پر حملہ کر دیا۔ تب اُدھر موقع دیکھکر انور نے ایڈریانوپل پر قبضہ کر لیا۔ اور بطور فاتح کے وہاں داخل ہوا۔ کمال بھی اس داخلہ میں شامل تو ہوا مگر انور کی یہ نمایش اوسے بھلی نہ معلوم ہوئی۔ تاہم قسطنطنیہ میں واپسی پر اوسے اب لفٹننٹ کرنل بنا دیا گیا۔ اور انور طلعت وجمال کی تگڈم خوب اچھی طرح بن کر کام ہونے لگا۔

اس دوسری جنگ بلقان میں بلغاریہ کو شکست ہوئی اور دوسری صلح بھی بمقام بخارسٹ (Bucharest) اگست ۱۹۱۳ء میں کی گئی۔ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ جنگ بلقان گویا جنگ عظیم یورپ ۱۹۱۴ء کا پیش خیمہ تھی۔ کیونکہ برطانیہ۔ فرانس اور جرمنی نے اپنی اعتدال کی پالیسی سے آسٹریا کو اس جنگ بلقان میں پھاندنے سے روک رکھا تھا۔ اور صرف بلقان ہی تک وہ جنگ محدود رہی تھی۔ اور اب گویا ترکی تو بلقان سے خارج ہوا تھا لیکن سربیا کی حکومت کی توسیع ہو گئی۔ اور ترکوں کیساتھ جو ظلم اوسوقت کیا گیا تھا۔ اوسکے علاوہ بلقانیوں نے جو اپنی عام مسلم رعایا کا قتل وغارت کیا یا بھوکا مارا اوسکی کوئی حد ہی نہ تھی۔ جنگ کے قیدیوں کو نہ صرف مارا گیا ہاتھ پیر کاٹ ڈالے۔ بلکہ اونپر ہر طرح کا ظلم کیا گیا۔ بس بقول شخصے کہ بیسویں صدی میں یہ واقعہ خود اپنی مثال ہوا۔

اور طرہ یہ ہوا کہ مغرب سے ایک آواز بھی اوسکے خلاف نہ سنی گئی۔ گو ترکی عورتوں تک نے استنبول سے یورپ کی شاہزادیوں سے اپیل کی تھی مگر کوئی شنوائی نہ ہوئی۔ اور جب ترکوں نے بدلا لیا تو سب ہی چیخ اٹھے۔ اسی کا نتیجہ یہ ہوا کہ اناطولیہ کی مسلم و عیسائی رعایا میں تصادم ہو گیا۔ اور اب جس طرح ترکوں میں قومیت کی لہر دوڑنے لگی تھی ویسے ہی عربوں میں کچھ اقتصادی اور تعلیمی اصلاحیں ضرور کر دی گئی تھیں بلکہ ستمبر ۱۹۱۴ء میں ترکوں نے دیگر دول یورپ کے تجارتی ہر قسم کے معاہدوں کو یعنی "کیپی ٹولیشن (capitulations) تک کو توڑ دیا تھا مگر جلد ہی پان اسلامزم کا خواب پورا نہ ہوا نہ دنیا کے مسلمان یکدل ہو سکے۔ پین ٹیونین تحریک بھی چل سکی تاہم ترکوں میں قومیت کی تحریک ہونے سے غریب محمود شفقت کو موت کے گھاٹ اتر دیا گیا اور انور ہی پھر وزیر فوج ہو گئے بلکہ سلطان وقت کے داماد بن کر محل شاہی میں براجنے لگے۔ نیز سلطان وقت کو اب حقیقی خلیفہ اسلام کہہ کر پین اسلامزم کی تحریک کے بھروسے پر ترکی سلطنت کے مکمل احیا کا اون کو پورا خیال بھی بندھ گیا اسی وقت جرمن جنرل لیمن وان سانڈرس (Liman von Sanders) کو جو پرشیا کا باشندہ تھا ترکی فوجوں کی ترتیب کیلئے انور ہی نے طلب کرا لیا۔ کمال نے اوسکی بھی مخالفت کی تب اوسکو فوجی اتیچی بنا کر فتحی بے کے پاس صوفیا بھیج دیا گیا تاہم کمال نے یہاں بلغاری کمانڈر وغیرہ سے خاصی دوستی پیدا کر لی اور ناچ بھی سیکھ لیا۔ اور سوسائٹی میں داخل ہو کر عیش کی زندگی بسر کرنے کی فکر میں پڑ گیا۔ گر یہاں کی مستورات عموماً ترکوں سے متنفر رہتی تھیں پھر کمال کی مزاجی حالت کے باعث کسی سے بھی میل جول نہ ہو پایا۔ مجبوراً ادنیٰ درجہ کے لوگوں میں کمال نے زندگی گذارنے کا سامان کیا جس سے تندرستی خراب ہو گئی۔ اور بیماریاں بھی مول لے بیٹھے۔

۱۹۱۴ء میں نوجوان ترکوں نے سیاسی حالات میں بجید صلح کی حکمت عملی برتنی شروع کر دی۔ زار روس کے پاس لیواڈیا ([illegible]) کو ایک وفد بھی صلح کیلئے گیا۔ آبنائے ([illegible]) کے کھلے رکھنے کی بحثیں بھی اخبارات میں ہونے لگیں جسکے واسطے روس جان ہی دے رہا تھا۔ انگلستان۔ فرانس اور یونان تک سے اختلافات کے وجوہ رفع کرنے کی پوری کوشش بھی کی گئی۔ مگر آخر ۱۹۱۴ء میں جنگ عظیم یورپ شروع ہو گئی اور ترک بھی مجبوراً اوس میں شریک ہو گئے۔ فروری ۱۹۱۵ء میں کمال کو قسطنطنیہ میں پھر طلب کر لیا گیا۔ کیونکہ حقی پاشا ہمیشہ سے کمال کی قابلیت وغیرہ کے قائل تھے۔ کمال نے جیسے حقی پاشا کا تار پایا فوراً واپس گیا۔ اور اوسکو وان سانڈرس کی سپردگی میں دے دیا گیا۔ جنہ کر جنوبی حصہ گیلی پولی کی طرف کمال کو نصف کمان بھی دیدی کیونکہ اب انگریز گیلی پولی کے حملے کی تیاری کر رہے تھے اور مصر میں فوجوں کا خاصہ اجتماع تھا۔ کمال اور سانڈرس

سے بھی برابر یہاں اختلاف رہتا مگر وہ کمال کی قدر بھی کرتا تھا۔ کیونکہ اوسکی رائے میں کمال صرف ایک پکا سپاہی نہ تھا بلکہ نہایت ہی عمدہ افسر بھی۔ فروری ۱۹۱۵ء میں برطانیہ کا بحری حملہ دردانیال پر اسی ہزار بحری فوج سے باون میل کے ساحل پر شروع ہوچکا تھا اور سانڈرس کی رائے میں مقابلہ تقریباً غیر ممکن ہی تھا۔ ملک بھی پہاڑی اور ترکی فوج صرف ساٹھ ہزار تھی لہٰذا سانڈرس نے فوج کے تین حصے کر کے بچاؤ کا صرف بندوبست کیا۔ اسی ۱۹۱۵ء میں انگلستان، فرانس اور روس نے ایک معاہدہ کر لیا تھا جسکو کہ معاہدہ قسطنطنیہ کہتے ہیں جس کی رو سے آبنائے (Straits) روس کو دیا جاتا، قسطنطنیہ کو آزاد بندرگاہ تجارت عام کیلئے بنایا جاتا، مقامات مقدسہ کو ایک مسلم عرب حکومت قایم کر کے اوسکے سپرد کیا جاتا۔ اور جسکے بابتہ عرب قومیت کے لیڈروں اور شریف مکہ میں کچھ مفاہمت بھی ترکوں کے جنگ میں پھانسنے سے قبل ہی ہوچکی تھی۔ پھر اپریل ۱۹۱۵ء میں ترکی کی تقسیم کا لندن میں ایک معاہدہ ہوا جس سے کہ اطالیہ کو ادالیہ (Adalia) دلوانے کا وعدہ کر کے اوسے بھی جنگ میں شریک کرایا گیا۔

اس درمیان میں انور پاشا جو روس کے خلاف جنگ کرانے قاف گئے ہوئے تھے واپس آگئے اور آتے ہی مصطفےٰ کمال کے درجے کو کم کرنے کا حکم بھی سانڈرس کو بھیجا لیکن سانڈرس نے تعمیل نہیں کی جس سے کمال کے دل میں سانڈرس کی اطاعت کا جذبہ پیدا ہوگیا۔ اب کمال کے پاس ایک ترکی اور دو عرب رجمینٹ تھیں جنکو دو ہفتوں میں سچے اوّل درجہ کی فوج بنا لیا تھا چنانچہ ۲۵ اپریل ۱۹۱۵ء کو اتوار کے روز انگریزی فوج نے حملہ شروع کر دیا۔ ایک حصے نے بولیر کے شمال میں، دوسرے نے جنوب میں اور تیسرے بڑے حصے نے مرکز یا قلب پر۔ اور یہ کل فوج آسٹریلیا کی تھی جس وقت کہ کمال اپنی ستاون وی (۵۷) رجمینٹ کی قواعد لے رہا تھا کہ کچھ ترکی سپاہی دوڑ کر اوسکے پاس آئے اور کہا کہ اری بورن (Ari Burnu) پر آسٹریلین فوج اوتر کر آگئی تھی اور چونک بیر (Chunuk Bair) پر پہونچنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس پر کمال بھی اوسی طرف فوج لے کر بڑھ گیا اور لڑائی شروع کر دی جس سے آسٹریلین فوج کا آگے بڑھنا رک گیا۔ اور سمندر کی طرف بھاگنا بھی مشکل ہوگیا۔ اور نہ وہ اوپر ہی چڑھ سکی۔ کمال نے بھی اپنی تینوں فوجوں کے حصوں کو آرام نہ دے کر شب بھر خوب ہی لڑایا جس کا اعتراف تمام ماہرین کو کرنا پڑا۔ کیونکہ اگر آسٹریلین فوج اوپر چڑھ آتی اور چونک بیر کی چوٹی پر پہونچ جاتی تو دردانیال پر قابو حاصل کرنا اوسکے واسطے مشکل نہ تھا اور پھر تو قسطنطنیہ کا لے لینا انگریزوں کیلئے بالکل ہی اختیار میں ہوتا۔ لطف یہ تھا کہ کمال کے پاس یہاں نہ نقشہ ہی مکمل تھا اور نہ کافی سامان محض اپنی

ریاضی دانی اور ہوشیاری سے کل کام اُس نے بنا لیا۔

دونون طرف کی فوجون نے اب خندقین تیار کر لی تھین جس سے بعد کے چند ہفتے دونون طرف کے لئے سخت آزمائش کے گذرے یہانتک کہ موسم گرما ایکدم سے شروع ہوگیا۔ اور پانی کی کمی نظر آگئی۔ اسی درمیان مین عارضی صلح بھی ہوگئی تھی تب کمال نے ایک میسی کے ہمراہ جا کر آسٹریلین فوج کی بنائی ہوئی خندقین بھی بہانے سے دیکھ لین۔ مگر اس درمیان میں نہ خود کسی وقت غافل ہوا اور نہ فوج ہی کو غافل ہونے دیا بنز خود کو تو ہمیشہ فوج کے ساتھ خطرے مین ڈالدیتا تھا۔ جس سے فوج کی ہمت ہمیشہ بڑھتی رہتی۔ چنانچہ اسی وقت جرمن جنرل ہر کنینگوسر Herr Kannengiesser نے کمال کے فن سپہگری۔ ریاضی دانی اور بہادری کی بڑی تعریف بھی کی تھی یہ افسر نوین ڈویزن فوج کی کمان پر تھا۔ کمال تو کبھی گولیون کی بوچھار کی زد مین کبھی اُنکے گرنے کی جگہ کے قریب دکھلائی دیتا اور کبھی خود بندوق سے نشانہ تک لگانے لگتا۔ غرضکہ نہ خود خوف کھاتا اور نہ فوج کو خوف پیدا ہونے دیتا۔ اس کی جرأت کے باعث فوج بھی اُس کے حکم سے مارنے اور مرنے پر تلی رہتی ٭

۲۷ رجون ۱۹۱۵ء کو جب انور پاشا بطور وزیر فوج گیلی پولی کے محاذ پر بغرض معائنہ پہونچے تو اونکو معلوم ہوا کہ کمال نے ۲۸ رجون ہی کو کسی نازک مقام پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ فوراً ہی انور نے اوس تجویز کو نامنظور کر دیا۔ اوس پر کمال نے استعفا دیدیا مگر سانڈرس نے استعفے کی واپسی پر کمال کو مجبور کیا۔ جو کمال نے کسی طرح نہیں مانا۔ تب انور کو اپنی نامنظوری ہی واپس لینا پڑی۔ اور کمال کی تجویز کے مطابق حملہ کیا گیا۔ اتفاق سے ناکامی ہوئی اور ۱۸ نمبر کی ریجمینٹ بھی ماری گئی۔ اب انور نے کل الزام کمال ہی پر رکھا۔ اور پھر کمال نے استعفا دیا۔ سانڈرس نے پھر واپسی استعفے پر مجبور کیا۔ مگر کمال نے کسی طرح نہ مانا تب کاظم پاشا سے کہا گیا کہ کمال کو راضی کر دیں چنانچہ جب کاظم نے کمال کو مجبور کیا تو اُس نے کہا کہ اگر کاظم اپنی کل فوج کمال کے سپرد کر دے تو وہ راضی ہو سکتا تھا۔ جسکا جواب کاظم نے یہ دیا کہ تب تو کمال کے واسطے اور بھی زائد مشکل ہوگی۔ مگر کمال نے کہا کہ نہیں بلکہ پھر بھی فوج بہت کم ہو گئی ہے اس درمیان میں انور پاشا قسطنطنیہ واپس گئے اور سانڈرس نے کمال کو منا لیا۔ اودھر اسی مباحثہ میں شروع جولائی ۱۹۱۵ء میں انگریزی فوج کو بھی بڑی کمک پہونچگئی اور ۷ر جولائی کو ہوجاچمین (Hoja Chemen) کی چوٹی پر رات کے اندھیرے میں اون کی سولہ[16]

٭ دیکھو کتاب گریز وولف انرایچ۔ سی آرم اسٹرانگ حصہ مصطفےٰ کمال ۱۹۳۲ء

ہزار فوج تازہ دم پہونچ جانے کی خبر ترکوں کو ملی۔ اب مجبوراً ساانڈرس نے حملہ کر ہی دیا مگر نیوزیلینڈ (New Zeland) کی فوج نے چونک بیر پر کچھ جگہ حاصل ہی کر لی۔ اور سب طرف اب جنگ چھڑ گئی۔ یہانتک کہ ۸ اگست کو انگریزی فوجوں نے بھی زور کا حملہ کر دیا۔ تب ادسی شام کو سانڈرس نے کمال کو بلایا اور موضع آنافارٹا (Anafarta) کی پناہ میں اُس سے ملاقات کی۔ اُس وقت کمال کے غصے کی کوئی حد ہی گویا نہ تھی۔ کیونکہ فیضی بے (Fezvi Bey) نے وہ امداد فوجی جو کمال نے بولیر سے مانگی تھی، وہ نہ بھیجی تھی اور محاذ ساتوہ بالکل کمزور ہو گیا تھا جسکے مضبوط کر دینے کی فوراً ضرورت تھی۔ اوسی وقت سانڈرس نے کمال سے یہ کہا کہ اب یہاں تمھاری ضرورت ہے اور تم ہی کمان لے لو اور بولیر سے فوراً فوج بھی منگوانے کا حکم دیدیا۔ اور گویا کمال کی قسمت کی یاوری کا پورا وقت آگیا۔ حالانکہ اب انگریزی فوج کے کمانڈر ان چیف سر آئین ہیملٹن (Sir Ian Hamilton) خود وہاں پہونچگئے تھے اور ۹ اگست کو اُنکے دو حملے برابر ہوئے مگر ترک جہاں تھے وہیں جمے رہے۔ تاہم چونکہ اب چونک بیر پر انگریزی فوج کے حملے برابر ہو رہے تھے اُس سے ترک بیحد پریشان ہوئے اور کمال کو ٹیلیفون سے مطلع کیا گیا۔ کمال نے اوسکا جواب یہ دیا کہ "اپنی طرف ختم کر کے وہ فوراً وہاں پہونچیگا مگر کسی نہ کسی طرح چوبیس گھنٹے حملوں کا مقابلہ کر کے دشمن کو روکا جاوے" چنانچہ شب ہی میں وہ آٹھ بجے چونک بیر پہونچگیا۔ اور جس موقع پر کہ گولیوں کی بارش ہو رہی تھی بلا اپنی جان کی پرواہ کئے ہوئے معائنہ موقع وغیرہ کرنے لگا۔ اسٹاف نے بیحد روکا مگر کچھ نہ مانا اور ٹہلتا ہوا واپس آگیا۔ حالانکہ اور لوگ اسی جگہ گولیوں سے نشانہ ہو کر جاں بحق تسلیم ہو رہے تھے۔ یہ عجیب خدا کی قدرت تھی کہ کمال پر ایک گولی بھی نہ گرتی تھی۔ غرضکہ تمام شب اسپطرح کوشش وغیرہ مین گذری کہ نیوزیلینڈ کی فوج کو وہاں سے ہٹا دیا جائے جہاں کہ وہ پہونچگئی تھی مگر کامیابی نہ ہوسکی حالانکہ سانڈرس نے آٹھویں ڈویژن فوج بھی کمال کے پاس پہونچوا دی تھی۔

کمال نے اب فوج سے خطاب کر کے کہا کہ "عجلت نہ کرنا ڈرکر نہ چلنا جب میں خود آگے ہوں اور ہاتھ اُٹھاؤں تب سنگین اوٹھانا اور اپنی خندقوں سے باہر آنا اور میرے پیچھے ہو لینا" اسوقت مقابلہ میں دو تازہ دم انگریزی فوجیں یعنی چھٹی لانکاشائر (6th Lancashire) اور پانچویں ولٹشائر (5th Wiltshire) پلٹن افواج نیوزیلینڈ سے تبادلہ کر رہی تھیں۔ چنانچہ تین بجے صبح کمال خود خندقوں سے باہر نکلا اور آگے چلا۔

دشمنوں کی طرف سے ایک گولی کمال کے ہاتھ کی گھڑی کے شیشہ پر لگی اور گھڑی چکنا چور ہوگئی اور بس۔ تب وہ ایک منٹ تنہا کھڑا رہا اور فوراً ہی ہاتھ اُٹھایا اور آگے بڑھا۔ ترکی فوج نے بھی پیچھے سے یلغار کیا اور مذکورہ دونوں انگریزی فوجوں پر سب کے سب ٹوٹ پڑے اور اونکو بالکل ہی ختم کرکے چونک بیر کو دشمنوں سے صاف کردیا[۱]

کمال کو اب ترکوں نے پاشا کا خطاب دیا اور انافارٹا کے محاذ کی کمان کمال ہی کے سپرد رہی۔ تین ماہ کامل تک پھر خندقوں میں سے جنگ ہوتی رہی بلکہ دو زبردست حملے پھر انگریزی فوج نے کئے مگر سخت نقصان کے سوا کچھ ہاتھ نہ لگا یہاں تک کہ دسمبر ۱۹۱۵ء میں انگریزوں نے گیلی پولی کے محاذ کی جنگ کو ختم کردیا اور کل محاذ خالی ہوگیا۔ تب کمال پاشا بھی قسطنطنیہ واپس گئے۔ ابتو دنیا کے اخباروں نے اونکو دردانیال اور دارالسلطنت کو بچانے والا (The Saviour) لکھنا شروع کردیا۔ نیز کمال نے بھی انور پاشا کے بابت یہ کہنا شروع کردیا کہ "قوم کے لئے ایک خطرہ تھے اور ملک کو تباہ کرکے رہینگے"۔ ادھر ملک کی عام رائے بھی کمال کی تائید کرنے لگی نیز جرمنوں کے بھی خلاف ہوگئی۔ بلکہ اب جرمنوں کو دریا بردھنا یا دھکا یا ملک بھر سے خارج کرنے کی تحریک جاری ہوگئی۔ اور انور پاشا کے خلاف سازش بھی ہونے لگی۔ اُنکا گھر سے باہر نکلنا بھی خالی از خطرہ نہ رہا۔ ادھر کمال پاشا نے بھی وزارت جنگ کی ہوس کی اور طلعت پاشا سے جو اوسوقت وزیر اعظم تھے اپنی خواہش بھی ظاہر کی بلکہ اپنے کو اوسکا مستحق بھی جتایا مگر جب ناامیدی ہوئی تو اُسکا بہت ملال اُنھیں ہوا اور اب انور پاشا کی علانیہ مخالفت پھر اُنھوں نے شروع کردی جسپر ۱۹۱۶ء میں اُنھیں کو سولہ آرمی کور کی کمان دیکر قاف بھیجا گیا۔ اور دوسری آرمی کور کے ہمراہ دیار بکر کو روانہ کئے گئے۔ اسی ۱۹۱۶ء میں زبان کے متعلق نیا قانون جاری کیا گیا جس سے ملک کی تمام کمپنیوں وغیرہ کے لئے یہ لازمی کردیا گیا کہ ترکی زبان ہی میں اپنا حساب وکتاب رکھیں اور کاروبار کریں۔ اسکا اثر یہ ضرور ہوگیا کہ ملک کے نوجوانوں کو ملازمتوں کے حاصل کرنیکا موقع زائد مل گیا۔ اور اب نوجوان ترکوں کو غیر ممالک میں تعلیم کے واسطے بھی بکثرت بھیجا گیا تھا۔ تجارتی کالج اور صنعتی مدارس بھی بہت کھولدیئے گئے تھے۔ پہلا ترکی بنک۔ قومی قرضہ National Credit کا بھی اسی وقت جاری ہوا۔ نیز کوآپریٹیو اور تجارتی اتحاد بھی پھیلنے لگے۔ جنسے کہ گویا قدیم ترکی گلڈز (Guild) کا احیا سمجھا گیا۔ مگر بدقسمتی سے آگے چلکر ۱۹۱۸ء میں سلطان وقت نے سب مٹا کر رکھ دیئے۔

---

[۱] دیکھو صفحات ۱۰۸-۱۸۱ کتاب گرے وولف از ایچ۔ سی۔ آرمسٹرانگ۔ مصطفیٰ کمال ۱۹۳۴ء

مئی ۱۹۱۶ء میں ۔ روس انگلستان فرانس اور اطالیہ کے درمیان ایک جدید معاہدہ بھی ہوچکا تھا جس کو کہ سائکس پکیٹ (Sykes Pact) کہتے ہیں اور جسکی رو سے عرب کے متعلق کچھ امور طے ہوئے تھے اور روس کو کچھ حصص عرب کے دیئے گئے تھے مگر اس معاہدہ کو عربوں سے راز رکھا گیا تھا لیکن جب بالشیوک حکومت نے اُسے شایع کر دیا تھا تو اسی سے شاہ حسین نے معاہدہ سیوا ریز پر بھی دستخط کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ کمال پاشا کے قاف پہونچنے سے ایک سال قبل انور پاشا وہاں جا ہی چکے تھے اور روس پر حملے کے لئے ایک لاکھ کے قریب وہاں فوج بھی جمع کی تھی جسکا اصل مقام ارض روم تھا مگر وہاں کی سردی کے باعث کہا جاتا ہے کہ صرف بارہ ہزار سپاہی صرف بچگئے باقی مرگئے ۔ یا بھاگ گئے تھے وہاں بدنظمی کے باعث کوئی سامان راحت وخورونوش تک مہیا نہ ہوسکا تھا ۔ زیادہ تر تو اناطولیہ کے سپاہیوں سے یہ فوج تیار ہوئی تھی اور یہی لوگ ہمیشہ بہترین قسم کے لڑنے مرنے والے سپاہی سمجھے جاتے تھے ۔ ادھر روس نے آگے بڑھکر اور سڑکیں وغیرہ درست کرکے نیز ریل بناکر وین (Van) بطلس (Bitlis) موش اور ارض روم پر بھی قبضہ کر لیا تھا ۔ نیز ارض روم میں ایک زبردست اور بڑا قلعہ بھی بنا لیا تھا ۔ لہذا کمال پاشا نے جب اوس طرف پہونچکر ہر طرح حالات کو خراب پایا ۔ اور در اصل تو وہیں کا سامان جنگ وغیرہ دردانیال بھیجدیا گیا تھا ۔ نیز فوج کے ٹھیکہ داروں اور افسروں نے بھی ملکر چوری اور دغابازی کر رکھی تھی ۔ نہ تو سامان جنگ ہی تھا نہ فوج کے پاس کچھ کھانے و پہننے تک کے لئے تھا ۔ غریب بیماروں کے واسطے طبی امداد کا بندوبست یا موسمی حفاظت کا کوئی ذریعہ تک نہ تھا جس سے کمال کو مصیبت پڑگئی اور یہ بھی وہاں اندازہ ہوگیا کہ روس پھر ۱۹۱۷ء کے موسم بہار میں حملہ کرنے کی تیاری کر رہا تھا تب اُنھوں نے فوراً دفتر جنگ قسطنطنیہ کو بذریعۂ تار اصلی حالات کی اطلاع کردی مگر کوئی جواب ہی نہ ملا تو خود ہی انتظام کی طرف متوجہ ہوگئے ۔ کرنل عصمت اور جنرل کاظم کارابکر دو ایماندار اور قوم کے فدائی افسر بھی اُنکے شریک کار ہوگئے ۔ بلکہ تقدیر ہی نے پھر یاوری کی کہ روس میں انقلاب عظیم شروع ہوگیا جس سے کمال نے جو بھی فوج تیار کر لی تھی اوس سے پھر بطلس اور موش پر قبضہ کر لیا بلکہ باطوم کی طرف بھی بڑھ گیا ۔ اور گو روس کا خطرہ ترکوں کو کم تو ہوگیا تھا ۔ مگر شام کی طرف دول یورپ نے اب چڑھائی بول دی تھی ۔ اور حکومت کی طرف سے کمال ہی کو شام کے محاذ پر فوراً پہونچنے کا حکم ملا ۔ حالانکہ یہاں ارمنوں نے بھی ترکوں سے جنگ کر رکھی تھی ۔ لہذا اپنا محاذ قائم کرکے کاظم کارابکر کو اپنی جگہ کمان دیکر براہ قسطنطنیہ وہ شام کی طرف روانہ ہو گیا ۔

برطانیہ نے ہندوستان کی فوجوں کی مدد سے اب بغداد پر قبضہ حاصل کر لیا تھا ۔ اور موصل کی طرف بڑھ رہا تھا

نیز مصر کی طرف سے بھی فلسطین اور شام کے حملوں کی تیاری تھی۔ تب مصطفےٰ کمال کو ساتویں آرمی کور کی کمان دیکر متعین کیا گیا۔ انور پاشا نے جرمنوں کے مشورے سے بحکم جنرل فالکنہے (Falkenhay) بہ اجازت جرمن اعلیٰ کمان ایک جدید فوج بمقام الیپو جسکا کہ نام یلدرم (بجلی) رکھا گیا تھا بنانے کے لئے حکم دیا۔ کمال نے اس تجویز سے اختلاف کیا۔ جسپر افسر مذکور نے ایک بکس سونے کے سکوں سے بھرا ہوا کمال کو بھیجکر راضی کرنا چاہا مگر کمال نے رشوت کو قبول نہیں کیا۔ نتیجہ میں اسٹاف کے پہلے جلسے ہی میں جسمیں جمال۔ کمال۔ انور اور فالکنہے سب موجود تھے۔ اختلافات پیدا ہوگئے۔ کمال نے استعفا بھی دیدیا۔ اوس پر اوسکو دیار بکر جانے کا حکم دیا گیا مگر کمال نے انکار کردیا تب انور نے اونکو رخصت علالت دیکر قسطنطنیہ ہی کی واپسی کی اجازت دیدی۔ اسوقت کمال کے پاس واپسی تک کا خرچ نہ تھا۔ لہٰذا جمال نے اسکے گھوڑوں کے عوض میں روپیہ دیکر گھوڑے خرید لئے اور کمال پاشا قسطنطنیہ واپس آگئے اور کچھ دنوں اپنی ماں اور بہن کے ہمراہ رہکر پھر پیرا پیلس ہوٹل میں اُٹھ گئے اور تنہا رہنے لگے۔

انور پاشا کے بابتہ عام خیال یہ ہے کہ وہ پین اسلازم (Pan Islamism) اور پین ٹیورنینیزم (Pan-turanianism) کے بانی مبانی تھے۔ مگر پین اسلازم یعنی تمام دنیا کے مسلمانوں کو ملانے کی تجویز سلطان عبدالحمید نے زوروں میں چلانے کی کوشش کی تھی اور تورانیوں کے میل کی اسکیم در اصل آہنی انقلاب کے بعد توق آلپ ضیا کی سرکردگی میں سلانیکا سے شروع ہوچکی تھی اور اوسکا قول تھا کہ ریاست کوئی شئے نہیں ہو جماعت اصل چیز تھی نہ حقوق ہی قابل خیال تھے بلکہ فرائض قابل غور اور عمل تھے وہ ایک ہی پارٹی کی جمہوریت کا بھی قائل تھا یعنی بالفاظ دیگر آجکل کی ڈکٹیٹر شپ کا یا نازی خیال کا آدمی تھا اسلئے انور پاشا کی طرف دونوں تحریکوں کا منسوب کرنا تاریخ کے اعتبار سے صحیح نہ ہوگا۔

جب ۱۹۱۷ء میں شاہزادہ وحیدالدین ولیعہد سلطنت کو جرمنی بھیجنے کی تجویز ہوئی تو انور پاشا نے کمال ہی کو انکے ہمراہ بھیجا جانا تجویز کردیا اور اس طرح پھر اوسکو صدر مقام سے باہر نکالا گیا۔ روانگی سے دو دن قبل شاہزادے نے کمال کو طلب کیا۔ اور گفتگو کی چنانچہ اسی پہلی ملاقات میں کمال نے محسوس کیا کہ شاہزادے صاحب کچھ بھی بال برتے اور عقل تو گویا اُنکے پاس سے ہوکر بھی نہیں گذری تھی اور وقت ملاقات وہ اونگھتے ہوئے بھی نظر آئے مگر جب ریل پر سوار ہوکر شاہزادے نے اونکو اپنے پاس بلایا تو کمال پاشا کو حیرت ہوگئی۔ اب شاہزادے صاحب وہ نہ تھے جو پہلی ملاقات میں نظر آئے تھے۔ اصلیت یہ تھی کہ خوف کے باعث گھر پر انہوں نے اپنے کو بالکل ہی باؤلا سا بنا رکھا تھا۔

در اصل میں انکو انور اور شفقت سے سخت نفرت تھی کیونکہ وہ دونوں اُسکے علم میں شاہزادہ عبدالمجید کو ولیعہد بناکر سلطان بنانے کے پھیر میں تھے۔ اب ریل میں وحیدالدین نے خوب دل کھولکر کمال سے خاص باتیں کیں۔ اون کی کامیابیوں پر مبارکباد دی۔ اور پیشتر سے ملاقات نہ ہونے کی معافی چاہی۔ اسطرح دونوں گویا بڑے دوست ہوگئے اور ایک دوسرے کے رازدار۔ سفر بھی اب اچھی طرح گذرا اور کمال کو یہ خیال ضرور ہوگیا کہ موجودہ بوڑھے سلطان کے بعد جب وحیدالدین تخت نشین ہونگے تو ممکن ہے کہ اوسکی رایوں کو مانیں چنانچہ موقع کو غنیمت جانکر اُنپر اپنا اثر جمانے کی کوشش شروع کردی۔ اور یہ بھی یقین دلایا کہ جرمن قوم اس جنگ عظیم یورپ میں کبھی جیت نہ سکیگی۔ اُن سے دوستی بڑھانا غلطی تھی۔ نیز انور پاشا اور اُنکے جرمن احباب کو ٹرکی سے باہر کردینا ہی ملک کے واسطے مفید تھا۔ پھر جس وقت کہ وحیدالدین اور کمال پاشا جرمنی پہونچے تو ہنڈن برگ (Hindenburg) نے اس سفارت کا بڑا ہی زبردست خیر مقدم کیا اور جنگ کے حالات کی تصویر بھی بڑی ہی خوشنما کرکے دکھلائی۔ مگر کمال یہی کہتے رہے کہ یہ سب زیبٹ زیبٹ تھی۔ بالخصوص شام کی مہم تو محض ڈھکوسلا تھی۔ پھر جب وہاں لیوڈنڈارف (Ludendorff) سے ملاقات ہوئی اور اوس سے کمال نے کچھ سوالات کیئے نیز اعتراضات بھی اور شاہزادے کو یہ بھی بتلایا کہ جرمن افسران محض قسمت آزمائی کر رہے تھے۔ اور کوششوں نیز واقعات سے صحیح نتائج نہیں نکال رہے تھے۔ بلکہ جرمن جنرل اسٹاف کا افسر اعلیٰ تک مقصد اصلی سے ناواقف ہی نظر آتا تھا۔ چنانچہ شاہزادے کو حیرت پر حیرت رہتی۔ ایک شب کے کھانے میں جو قیصر جرمنی نے شاہزادے کو دیا تھا کمال نے اپنے پاس ہنڈنبرگ کو دیکھکر کہا کہ "جناب والا" نے جو واقعات کہ شاہزادے صاحب کو بتلائے ہیں وہ صحیح نہ تھے۔ شام کے واقعات کے متعلق میں خود وہاں رہا ہوں اور اُن سے بخوبی واقف ہوں۔ جن سواروں کی فوج کا جناب نے ذکر فرمایا ہے وہ محض کاغذی رپورٹوں میں ہے۔ تاہم کیا جناب مجھے اس عظیم الشان حملے کا مقصد بطور راز کے بتلا سکتے ہیں؟ اس پر ہنڈنبرگ نے سر سے پیر تک کمال پاشا کو دیکھا اور ایک سگریٹ دیکر اوسکو ٹالدیا۔ پھر ایک دن جب مغربی محاذ جنگ کی طرف شاہزادے کو معائنہ کرانے کے لیے لیگئے تو کمال نے وہاں ایک درخت پر چڑھکر دیکھا اور شاہزادے سے اوترکر کہا کہ "ظاہری ٹھاٹھ باٹھ جو بھی ہو مگر حالت اچھی نہیں ہے" نیز شاہزادے صاحب کو تیار کرکے قیصر جرمنی تک سے سوالات کرائے اور ہر موقعہ پر شاہزادے کے دل میں یہ خیال کردیا کہ واپس پہونچکر انور اور ہر معاملہ کو [illegible] شاہی مصاحبت تھا اور وہ خود اپنے [illegible] ہاتھ لیکر اور خود [illegible] رات جاگکر [illegible] ہو کر بیٹھے [illegible] کچھ نہ گیا تھا۔

کام بن سکتا تھا۔ چنانچہ جب سفر ختم پر تھا تو اُنھوں نے پھر یہ صلاح دی کہ جس طرح جرمنی کے شاہزادے فوجوں کی کمان خود کرتے تھے اوسی طرح ایک فوج کی کمان وحیدالدین بھی خود لے لیں۔ اور قسطنطنیہ کی پانچویں آرمی کو رکو لینے کا مشورہ دیا۔ اوسپر شاہزادے نے کہا کہ "اگر نہ دیں" تو کمال نے کہا کہ "کیوں نہ دینگے آپ زور دیجئے اور مجھے اپنا اسٹاف افسر بنا لیجئے پھر تماشہ دیکھئے"۔ اسی کے ساتھ اپنی آیندہ کی اسکیم بھی شاہزادے کو بتلا دی۔

قسطنطنیہ پہونچکر کمال پاشا علیل ہو گئے۔ اور عرصہ تک علیل رہے۔ گردوں پر اثر ہو گیا تھا۔ در اصل تو بے اعتدالیوں کے سب نتائج تھے۔ غرضکہ جب ۱۵ جولائی میں سلطان کی وفات ہو گئی تو وحیدالدین تخت نشین ہو گئے۔

اپریل ۱۹۱۷ء میں معاہدہ سینٹ جین ڈو مارین (St. Jean Du-Maurienne) ہو چکا تھا جسکی رو سے اتحادیوں نے مغربی ایشیائے کوچک اور سمرنا بھی اٹالیہ کو دینے کا وعدہ کیا تھا۔ مگر روس چونکہ اتحاد سے علیحدہ ہو چکا تھا لہذا اُس نے ایسے معاہدہ پر عمل کرنے سے فرانس اور انگلستان سے انکار ہی کر دیا۔

۵ جنوری ۱۹۱۸ء کو لائڈ جارج وزیر انگلستان نے یہ اعلان کیا تھا کہ وہ تمام علاقہ جہاں ترک خود آباد تھے نیز قسطنطنیہ ٹرکی کے قبضہ میں رہنے دیا جائیگا۔ اور پریسیڈنٹ ولسن صدر امریکہ کا یہ قول تھا کہ "جو ملک جنگ میں شریک تھے اونکی تقسیم ریاستوں کے مطالبات کے اعتبار سے نہیں ہوگی بلکہ رعایا کے مفاد کے لحاظ سے کی جائیگی اور انکا فیصلہ بالکل ہی بے لوث ہوگا . . . انصاف ایسا ہوگا کہ جسمیں کسی کی رعایت نہ ہو جس کا معیار یہ ہو کہ قوموں کے حقوق میں مساوات برتی جائے"۔ مگر بقول مسٹر آرنلڈ (Mr Arnold) "جس طرح بھوکے بھیڑیئے شکار کی تاک میں ہمیشہ گاڑی کے گرد چکر کاٹتے ہیں اسی طرح اب مغربی حکومتیں ٹرکی پر گِدوں کی طرح ٹوٹ پڑنے پر تیار تھیں کیونکہ ٹرکی بڑا ہی زرخیز ملک ہے اور اسمیں ہر قسم کی کانیں ہیں جو ابھی تک کھودی نہیں گئی تھیں"۔

شرائط صلح پیش کرنے سے پہلے اتحادی یہ فیصلہ بھی کر چکے تھے کہ مشرق ادنی میں ایک یونانی سلطنت قائم کرائیں گے۔ اور آبنائے کو اتحادیوں کے واسطے کھلا رکھینگے۔ ترک۔ بلغاریہ۔ روس یا کوئی بھی اسکے پاس نہ پھٹک سکے گا۔ نیز مشرق میں ثمسوں سے لیکر بحیرہ احمر تک اور بحیرہ روم سے سائیلیشیا تک جو بحر اسود کے کنارے ہے آرمینیا کی ایک خود مختار ریاست قائم کرینگے۔ مگر خدا کا کرنا کچھ اور ہی تھا جو آگے چلکر ظہور میں آیا۔ در اصل تو یورپ کے معاہدوں اور سیاسی رہناؤں کے کسی فعل کا اس زمانہ میں اعتبار کرنا عقل کے خلاف ہی ثابت ہوا ہے مثلاً لندن میں جو ۱۹۳۵ء میں بحری کانفرنس ہوئی تھی اور تخفیف اسلحہ کا معاہدہ ہوا تھا پھر بحری طاقتوں میں تخفیف کی تجویز ہوئی اور اسکا معیار بھی قائم ہوا، مگر امریکہ نے چار لاکھ ٹن کے اضافہ کی

کی منظوری دے دی کیونکہ برطانیہ نے اپنی بحری طاقت میں کمی نہیں کی اور امریکہ کے استفسار پر برطانیہ
نے یہ جواب دیا کہ اٹلی اور فرانس نے کوئی کمی نہیں کی تھی جب اتنی اتنی بڑی حکومتوں کا یہ قول فعل ہو تو
اوروں کی بابت کیا کہا جائے۔ اسیطرح اب ۱۹۳۸ء میں ہر سلطنت اپنی پرواز کی اور بحری طاقت بڑھا رہی ہے۔

اب عزت پاشا چونکہ وحیدالدین سلطان وقت کے صاحب اڈیکانگ ہو گئے تھے اس لئے انور پاشا کو عہدہ
وائس جنرلیزیمو (Vice Generalisimo) سے ہٹا دیا گیا اور وحیدالدین نے اب ہاتھ
پیر بھی نکالے۔ بلکہ دیانت بھی دکھلانا شروع کئے اوس وقت کمال پاشا اپنے علاج کے واسطے وی آنا
اور کارلسباد میں گھوم رہے تھے جہاں سے بجز مبارکباد کے ایک خط کے بھیج دینے کے کوئی بھی واسطہ سلطان
وقت سے نہ رکھ سکے۔ مگر عزت پاشا نے اب ان کو طلب کر لینا ہی مصلحت وقت سمجھا جس سے کمال کو واپس
آنا پڑا اور آخر جولائی ۱۹۱۸ء میں جب اون سے اور سلطان سے ملاقات ہوئی اور سلطان نے بہت گرمجوشی
اور خلوص کا برتاؤ کیا بلکہ خود ہی دیا سلائی جلا کر سگریٹ عطا فرمایا جو خاص مراسم خسروانہ کی شان تھی۔ نیز پھر کئی بار
ملاقاتوں میں کمال نے انور اور جرمنوں کے علیحدہ کئے جانے کا مشورہ پھر دیا کو سلطان نے بالآخر یہ دریافت
کیا کہ کیا دیگر افسران فوج بھی ایسے ہی مشورے کے مؤید تھے کمال نے عرض کیا کہ بہت سے اسی رائے کے
تھے نیز ایک اور بات کی دھمکی بھی دی جو سلطان کو پسند نہیں آئی تب سلطان نے یہ ظاہر کر دیا کہ انور اور طلعت
دونوں سے وہ ایک طرح کی معاہدہ کر چکے تھے اور دراصل سلطان نے اپنے بہنوئی داماد فرید پاشا سے
اس معاملہ میں جب مشورہ کیا تھا تو انہوں نے یہ رائے دی تھی کہ اس وقت تک انور پاشا کا اثر اور "کمیٹی
اتحاد وترقی" کی قوت بہت زائد تھی اور کمال کے ساتھ کوئی بھی زبردست پارٹی نہ تھی چنانچہ ایک
جمعہ کے دربار میں سلطان نے کمال پاشا کو بڑی عزت سے مخاطب کر کے فرمایا کہ شام کی فوجی کمان کے
واسطے انھوں نے کمال ہی کو بطور منتخب کیا ہے اور یہ کہکر رخصت بھی کر دیا۔ مگر وہیں قریب ہی دوسرے کمرے
میں انور اور جرمن افسران بھی موجود تھے۔ جاتے وقت کمال نے انور سے کہا "پاشا خوب بدلا لیا
شام میں تو فوج بھی برائے نام ہے۔ آپ کو مبارک ہو آپ جیتے" اتنے میں ایک جرمن افسر نے یہ بھی
کہہ دیا کہ "ترکی فوج کو کیا کیا جائے مثل مویشیوں کے وہ صرف بھاگنا جانتی ہے۔ کوئی بھی اسکی کمان کرے
مجھے حسد نہیں ہوگا۔"

اسپر کمال کو غصہ آگیا اور وہ اُس جرمن افسر سے بھڑ گیا اور کہا کہ "مین بھی سپاہی ہون اور ترکی فوج کی کمان کرچکا ہون۔ ترک سپاہی کبھی نہین بھاگتا۔ وہ بھاگنے کی لفظ ہی نہین جانتا۔ جنرل صاحب اگر آپنے ترک سپاہی کی پشت کسی جنگ مین دیکھی ہے تو اُسی وقت کہ جب آپ خود بھاگے ہون گے۔ اپنی بزدلی کیلئے آپ ترک سپاہی پر کیون الزام دیتے ہین" یہ کہکر غصہ اور غضب مین بھرا ہوا کمال پاشا محل شاہی سے باہر ہو گیا۔ اور آخر اگست ۱۹۱۸ء مین شام مین داخل ہو گیا جہان کمانڈر سانڈرس اس کو دیکھکر بیحد مسرور ہوا۔

کمال نے شام مین جنرل فوزی سے ساتوین آرمی کو لے تو لی مگر فوج کی حالت ہر طرح اس کے خیال مین قابل افسوس تھی دوسری طرف برطانیہ کی فوجین مقابلہ کیلئے ہر طرح کے ساز و سامان جنگ سے لیس اور آراستہ تھین۔ نیز امیر فیصل اپنی عربون کی فوج بھی لئے ہوئے اُس کے ساتھ تھا صحرائی عرب بھی کرنل لارنس کی سرکردگی مین نہ صرف تار اور ریل کی پٹری اُکھاڑنے مین مصروف تھے بلکہ ہر طرف سے فوجون کی رہنمائی اور ترکی فوج پر چھپ چھپ کر حملے بھی کر رہے تھے بلکہ پلون کے توڑنے اور رسد کے سامانون کے لوٹنے مین تو عربون کو خاصی دلچسپی تھی۔ غرضکہ تمام عرب اقوام ترکون سے بغاوت پر تلی ہوئی انگریزی فوجون کی ہر طرح اور ہر طرف سے مدد کر رہی تھین پھر بدقسمتی سے کمال پاشا کو گردون کی سخت شکایت ہو گئی اور وہ سخت بیمار ہو گئے۔ مگر اسی درمیان مین ایک ہندی سارجنٹ نے جو انگریزی فوج سے باغی ہو کر ترکون مین پہونچ گیا تھا اُس نے یہ اطلاع دی کہ ۱۹ ستمبر ۱۹۱۸ء کو انگریزون نے ترکون کے خلاف بہت ہی بڑے حملے کا ارادہ کر لیا تھا۔ سانڈرس نے اس اطلاع کو حیلہ سمجھا مگر کمال نے یقین کر کے مقابلہ کا انتظام تو کیا لیکن جب یہ معلوم ہوا کہ واقعی ترک سب طرف سے گھر گئے تھے تو لڑتے بھڑتے جس طرح ہو سکا اور جو بھی بچے اُن کو لیکر وہ دیرا آ ([illegible]) اسٹیشن پر پہونچکر دمشق مین نکل گیا اور سانڈرس کو بھی مشورہ دے گیا کہ شام کا خیال ترک کر دے اور فوج کو پیچھے پہونچا دے۔ نیز اس حکم کی ذمہ داری بھی اپنے ہی سر لیلی۔ چنانچہ سانڈرس نے تعمیل کی اور اب تو یاعرب فلسطین اور شام جو دراصل عربون کے ملک تھے وہ ترکون سے نکل ہی گئے۔ اور اب ۱۹۱۸ء مین ترکی آبادی ۱۲ ملین رہ گئی کو تعلیم بیس فیصدی ہو گئی تھی۔

کمال نے اب سلطان کو تار دیا کہ انور وغیرہ کو علیحدہ کیا جاوے اور حکومت کی بساط پھر نئے طریقہ پر بچھائی جاوے مگر اُسکا کوئی جواب تک نہ ملا۔ تاہم یہ خبر اس کو ملگئی کہ انور، جمال، اور طلعت قسطنطنیہ سے

بھاگ نکلے اور کپتان رؤف بے کیساتھ جنرل فقوری بھی وزارت میں داخل کئے گئے۔ اور کل نوجوان ترک نیز "اتحاد و ترقی والے" سب ہی قریب قریب ملک سے باہر چلے گئے یا سیاست ملکی سے علیحدہ ہو گئے

یہاں تھوڑا سا ذکر غازی انور پاشا کا بھی خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔ سنہ ۱۹۰۸ء سے انور پاشا کا نام دنیا کے سامنے آگیا تھا۔ "اتحاد و ترقی" کے وہ بڑے حامی تھے سنہ ۱۵-۱۹۱۴ء میں ارمنوں کے استیصال میں بھی اُن کا نام ہو چکا تھا۔ بلکہ جنگ بلقان، جنگ طرابلس و جنگ عظیم یورپ میں ترکوں کے اُلجھنے کے وہ بہت کچھ ذمہ دار سمجھے جاتے تھے طاقت و جمال کے ساتھ توان کی تیکڑی مشہور ہے۔ کوہ قاف کی فوج کی بربادی نے انکو بہت بدنام بھی کر دیا تھا۔ سنہ ۱۹۱۹ء میں وہ قسطنطنیہ سے بھاگ کر اوڈیسہ (Odessa) کی طرف گئے مگر وہاں نہ پہونچ سکے۔ تب وہ جرمنی چلے گئے اور وہاں سے ماسکو جہاں کہ وہ پورے طور پر بالشویک تحریک کے مؤید بنگئے اور ترکی اور بالشویک حکومت کے درمیان دوستی کرانے کے ڈورے ڈالنے لگے۔ مگر چونکہ مصطفیٰ کمال ہی اس کام کے واسطے بالشویکوں کے نزدیک زائد اور اہل مفید ثابت ہو چکے تھے اسلئے انور کو اپنی تحریک میں ناامیدی ہی ہوئی جس پر ۱۶ مارچ سنہ ۱۹۲۱ء کو جبکہ بالشویک روس نے ٹرکی سے مستقل صلح کر لی تو اُسی وقت انور نے سوویٹ روس کو چھوڑ دیا اور باتوم کو چلا گیا اور وہاں سے کمال کے خلاف سازش شروع کر دینے کا ذکر بعض مؤرخین کرتے ہیں نیز وہاں سے وسط ایشیا کی تحریک آزادی میں وہ بخارا تک پہونچ گئے اور سرخ افواج کی ترتیب کا ارادہ بتلا کر کام کرنے لگے لیکن بعد میں ایک بسماچ (Basmach) امیر دانیار بیگ (Duniar Beg) کے گروہ میں داخل ہو گئے۔ وہیں امیر بخارا نے جو اسوقت بھاگ کر کابل کی سلطنت میں جا کر مقیم ہو گئے تھے اور وہاں سے بخارا و خیوہ وغیرہ میں جو بالشویک تحریک پھیل رہی تھی اُس کی مخالفت کر رہے تھے انور سے پر پرزے ملائے اور اُسکو خلیفۃ المسلمین کا گویا خطاب ہی دیدیا۔ اور خود انور پھر یہاں سے ایک "وسط ایشیا کی اسلامی سلطنت" کا خاکہ درست کرنے کی صورتیں تجویز کرنے لگے۔ اور دنیا بھر کے مسلمانوں کے اتحاد کا خواب پھر اُنھوں نے دیکھنا شروع کیا بلکہ سوویٹ روس کے خلاف اب اُن کی تحریکات چلنے لگیں۔ نیز برطانیہ کی شہنشاہیت کے مٹانے کا بھی ولولہ پیدا ہوا۔ اور بالآخر مشرقی بخارا کے والی کے طور پر مانے جانے لگے۔ وہاں کے متعدد اُمراء اُن کے ساتھ بھی ہو گئے جن میں سے ایک ابراہیم بیگ تھے مگر اُن سے پیشتر تو بنی رہی مگر بعد میں جب ابراہیم کی بادستان کی ہونے لگی تو اختلاف ہو گیا اور جنگ کی نوبت آ گئی۔ سرخ فوجوں اور باسمچی

فوجوں میں اُدھر جنگ بھی ہو گئی۔ ابراہیم بک نے سُرخ فوجوں کی فتوحات سے یہ فائدہ اُٹھایا کہ انور سے علیحدگی
کر لی جس سے انور کو خطرہ زیادہ بڑھ گیا اور وہ مجبور ہو کر افغانستان کی سرحد پر نکل گئے۔ یہانتک کہ
اب ہر جگہ انھیں کسی نہ کسی سے جنگ کرنے بغیر گذارہ ہی نہ تھا اور اگست ۱۹۲۲ء میں کسی جنگ میں
شہید ہوئے مگر حقیقتاً پتہ نہیں ہے کہ کہاں۔ اسکے متعلق متعدد روایات ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ تاشقند
کے عجائب خانہ میں اُن کی پوشاک وغیرہ محفوظ دیکھی جاتی ہے۔ اور سارہ خوسوروم ([illegible]
[illegible]) کے مقام پر جہاں کہ اُن کا شہید ہونا بیان ہوتا ہے وہاں ایک لمبا سا ستون
بنایا گیا ہے جسپر ایک سفید جھنڈی لگی ہے جسکا یہ مطلب ہے کہ ایک مسلمان بزرگ کا مدفن
بنا ہے اور اسی کو انور پاشا کا مزار کہتے ہیں غازی مذکور نے جو خط بخارا سے اپنی بیوی
بجیہ سلطانہ کے نام بھیجا تھا اور جو مختلف اخبارات میں بھی شائع کرا دیا گیا تھا وہ بھی قابل دید ہے۔
یہ خط شہادت سے ایک دن قبل کا بیان کیا جاتا ہے اور جو ۳ یا ۴ مئی ۱۹۳۶ء کے
خلافت اخبار میں بھی شائع ہوا۔ اسمیں انور پاشا نے بعد اظہار محبت و پیار یہ لکھا تھا "سنو!
میں تم سے اسلئے جدا نہیں ہوں کہ مال و دولت کا طالب ہوں۔ اسلئے بھی جدا نہیں ہوا ہوں کہ
اپنے لئے ایک تخت شاہی حاصل کر رہا ہوں جیسا کہ میرے دشمنوں نے مشہور کر رکھا ہے میں
تم سے اسلئے جدا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کا فرض مجھے یہاں کھینچ لایا ہے۔ جہاد فی سبیل اللہ سے بڑھکر
کوئی فرض نہیں۔ یہی وہ فرض ہے کہ جس کی ادائگی کی محض نیت ہی آدمی کو فردوس بریں کا مستحق
بنا دیتی ہے۔ الحمدللہ کہ میں اس فرض کی صرف نیت ہی نہیں رکھتا بلکہ اُسے عملاً بھی انجام دے
رہا ہوں۔ تمھاری جدائی ہر وقت میرے دل میں آرے چلایا کرتی ہے مگر میں اس جدائی سے
جتنا خوش ہوں اُتنا کسی چیز سے نہیں کیونکہ تمھاری محبت ہی ایک ایسی چیز ہے جو میرے عزم
و ارادے کیلئے سب سے بڑی آزمائش ہو سکتی تھی۔ اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ میں اُس آزمائش
پہ پورا اُترا اور اللہ کی محبت و حکم کو اپنی محبت و نفس پر مقدم رکھنے میں کامیاب ہو گیا تمھیں بھی خوش
ہونا اور شکر کرنا چاہیئے کہ تمھارا شوہر اتنا مضبوط ایمان رکھتا ہے کہ خود تمھاری محبت کو بھی
اللہ کی محبت پر قربان کر سکتا ہے۔ تم پر تلوار سے جہاد فرض نہیں ہے لیکن تم بھی جہاد سے مستثنیٰ نہیں
رہو۔ کوئی مسلمان چاہے مرد ہو یا عورت جہاد سے مستثنیٰ نہیں ہے تمھارا جہاد یہ ہے کہ تم بھی

اپنے نفس کو مقدم نہ رکھکر اپنے شوہر کی محبت کرتی رہو۔ دیکھو یہ دعا نہ کبھی کرنا کہ تمھارا شوہر میدان جنگ سے کسی طرح صحیح وسالم تمھاری آغوش محبت مین واپس آجائے کیونکہ یہ دعا خود غرضی و خود مطلبی کی دعا ہوگی اور خدا کو پسند نہ آئیگی البتہ دعا کرتی رہو کہ تمھارے شوہر کا جہاد اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور اُسے فتحیاب واپس لائے ورنہ جام شہادت اُس کے لبون سے لگائے وہ لب کہ تم جانتی ہو کہ شراب سے کبھی ناپاک نہین ہوئے بلکہ تلاوت قرآن اور ذکر الٰہی سے ہمیشہ آشنا رہے ہین۔ پیاری بخیہ۔ آہ وہ ساعت کیسی مبارک ہوگی جب اللہ تعالیٰ کی راہ مین یہ سر جسے تم خوبصورت بتایا کرتی تھین تن سے جدا ہوگا۔ وہ تن تو تمھاری محبت کی نگاہون مین سپاہیون کا نہین تھا بلکہ نازنینون جیسا نظر آتا تھا۔ آہ! آلوزی کی سب سے بڑی آرزو یہ ہے کہ وہ شہید ہوجاوے اور حضرت خالد بن ولید کے ساتھ اُسکا حشر ہو۔ دنیا چند روزہ ہے موت یقینی ہے پھر موت سے ڈرنا کیا؟ جب موت آنیوالی ہی ہے تو آدمی بستر مرگ پر پڑے پڑے کیون مرے شہادت کی موت۔ موت نہین۔ زندگی ہے۔ لازوال زندگی ہے۔ بخیہ میری وصیت سن لو۔ اگر مین شہید ہوجاؤن تو اپنے دیور لوطی سے شادی کرلینا۔ تمھارے بعد مجھے سب سے عزیز لوطی ہے مین چاہتا ہون کہ میرے سفر آخرت کے بعد وہ زندگی بھر وفاداری کے ساتھ تمھاری خدمت کرتا رہے۔ میری دوسری وصیت یہ ہے کہ تمھاری جتنی بھی اولاد ہو سب کو میری زندگی کے حالات سنانا اور سب کو میدان جہاد مین اسلام و وطن کی خدمت کیلئے بھیجدینا۔ اگر تم نے یہ نہ کیا تو یاد رکھو کہ مین حقیقت مین تم سے روٹھ جاؤنگا۔ میری تیسری وصیت یہ ہے کہ مصطفےٰ کمال پاشا کی ہمیشہ خیرخواہ رہنا۔ اُنکی ہرممکن مدد کرتی رہنا کیونکہ اسوقت وطن کی نجات خدا نے اُن کے ہاتھ مین رکھدی ہے۔ اچھا پیاری رخصت، نہین معلوم کیون میرا دل کہتا ہے کہ اس خط کے بعد تمھین پھر کبھی خط نہ لکھ سکونگا۔ کیا عجب ہے کہ کل ہی شہید ہوجاؤن۔ دیکھو صبر کرنا۔ میری شہادت پر غم کھانے کے بجائے خوشی کرنا کیونکہ میرا اللہ کے کام آجانا تمھارے لئے بھی باعث فخر ہے۔

بخیہ! رخصت ہوتا ہون۔ اپنے عالم خیال مین تمھین گلے لگاتا ہون۔ اب انشاء اللہ جنت مین ملین گے اور پھر کبھی جدا نہ ہون گے"

کمال پاشا کو جب دمشق مین معلوم ہوا کہ الپینو کے عرب بھی ترکون کی مخالفت پر آمادہ تھے تو

وہ کلما (Klmaa) مین ہو رہے اور جب ۲۶ اکتوبر ۱۹۱۸ء کو جودھیوری
اور بائیسویں پلٹنوں نے موضع ہری ٹین (Harri Lan) مین اُن کی فوج پر
حملہ بھی کر دیا گو اُن کو ناکامی ہوئی۔ تب بھی کچھ انتظار کے بعد کمال کو یہ اطلاع ملی کہ بمقام موڈراس
(Mudros) اتحادیوں اور ترکوں مین عارضی صلح ۳۰ اکتوبر ۱۹۱۸ء مین ہو گئی
نیز جرمن افواج کو جرمنی حکومت نے واپس ہی طلب کر لیا۔ اور سانڈرس نے بھی کمال ہی کو بمقام
ادانا (Adana) کل کمان سپرد کر دی اور عزت پاشا نے بھی اسکندریا کو انگریزون کے سپرد
کر دینے کا حکم بھیجدیا۔ مگر پھر بھی کمال نے تعمیل حکم سے انکار کر دیا۔ اور لکھدیا کہ "ہم خوشامد نہ کرینگے
اور اگر کی تو مٹ جائین گے" اُدھر قسطنطنیہ مین سلطان کے اور عزت پاشا کے بھی اختلاف ہو گیا
جس سے توفیق پاشا کو صدر اعظمی سپرد ہوئی جو انگریزون کے بڑے دوست تھے۔ عزت نے جاتے
جاتے کمال کو واپس ہی طلب کر لیا۔ اس صلح عارضی کے ایک ماہ بعد دول متحدہ کی فوجون نے
ہر جگہ جہان ترکی پھریرا اُڑتا تھا وہان قبضہ کر کے اپنا پھریرا اُڑا دیا اور مجلس اتحاد و ترقی بھی
اب ختم ہی ہو گئی۔ مصر تو پورے طور پر ترکون کے ہاتھ سے نکل ہی گیا جب اتحادیون کی فوجون نے
استنبول۔ سائیلیشیا اور چنک پر قبضہ کر لیا تو ترکون کو بے ہتھیار بھی کر دیا۔ اور چھ مہینہ تک ترک یہی سمجھتے
رہے کہ یہ قبضہ صرف چند روزہ تھا اور مستقل صلح کے بعد ختم ہو جائیگا۔ مگر ایسا نہ ہوا اب حکومت
ہی سلطان کے ہاتھ مین گویا پھر آ گئی جنھون نے پارلامنٹ کو برخواست کر دیا اور جدید انتخابات کا بھی
حکم نہین دیا لیکن اب اتحادیون نے ایک یونانی شہنشاہی سلطنت کا خاکہ قائم کر کے اسکا خواب
دیکھنا شروع کر دیا اور مشرق مین ایک آرمنی حکومت بھی بنائے جانے کی تدبیرین ہونے لگین قسطنطنیہ
پہونچتے ہی کمال کے سامنے سلطنت کے خاتمہ کا پورا منظر تھا چنانچہ نومبر ۱۹۱۸ء مین جب کمال نے
وہان عزت پاشا سے ملاقات کی تو کہا کہ "سلطنت تو جا رہی تھی ترکی قوم کی عزت بچانا اب ہمارا فرض
ہے" اور اُن کو اپنا پورا ہم راے بھی بنا لیا۔ شہر مین بھی متعدد پارٹیان اب بن گئی تھین۔ کوئی انگریز
کی حکمبرداری کا مؤید تھا۔ تو کوئی انگلستان کی، کوئی فرانس کی اور کوئی اٹالیہ کی اور دلیل یہ تھی
کہ بغیر بیرونی امداد کے اب بچاؤ غیر ممکن ہوگا۔ کمال نے ممبران مجلس سے بھی گفتگو کی۔ اور بہت کچھ
سب کو ڈرایا اور دھمکایا بھی مگر کوئی گروہ بھی اپنے پیرون کھڑے ہونے پر رضامند نہ پایا گیا۔ سلطان کی

جب ملاقات کی نوبت آئی اور سلیم لیک کے اوپر گفتگو ہوئی تو کمال نے پھر درخواست کی کہ اس کو وزیر جنگ کر دیا جائے اور ایک مضبوط حکومت کی بنیاد پھر ڈالی جا دے تو اب بھی وہ ٹرکی کو بچا لیگا لیکن موجودہ مجلس قومی کو بھی برخواست کرنا لازمی ہوگا۔ اسپر سلطان نے یہ سوال کیا کہ "تمہارا اثر فوج مین کیا ہے اور کیا فوج میری وفادار ہے"؟ کمال نے کہا کہ "مجھے علم نہین - مین ابھی آیا ہون اور کیا حضور کو کوئی ثبوت فوج کی غیر وفاداری کا ملا ہے"؟ سلطان نے مگر پھر وہی سوال کیا۔ تب کمال نے عرض کیا کہ "کوئی بھی وجہ فوج کی غیر وفاداری کی اسکو نہین معلوم ہوتی"۔ تب تو سلطان نے جواب مین صاف کہدیا کہ "وہ کمال کے اس قول پر بھروسہ کرینگے کہ فوج خلاف نہ ہوگی اور انھین امید تھی کہ دیگر معاملات مین بھی کمال اپنا اثر استعمال کرینگے"۔ چنانچہ دوسرے ہی دن سلطان نے مجلس کو برخواست کر دیا اور داماد فرید کو پھر وزیر اعظم کر کے کل اختیارات اپنے ہی ہاتھ مین رکھ لئے کمال پاشا کا کہین بھی ذکر نہ آیا کیونکہ درصل سلطان کے خیال مین وہ انگریزون سے میل ہی کر کے اور خوشامد سے خلافت و سلطنت دونون کو برقرار رکھ سکتے تھے مگر اب قسمت کا کھیل ہی دوسرا تھا۔

جنوری ۱۹۱۹ء مین خود دار الخلافہ کے دار السلطنت مین گڑبڑ شروع ہو گئی۔ پیرس مین جرمنی کے معاملات پر زائد توجہ کی جا رہی تھی۔ دیگر مقامات سے جو فوجین آئی ہوئی تھین وہ واپس بھی ہو رہی تھین ٹرکی کے معاملات کو گویا سب ہی درست سمجھکر بھول سا گئے تھے حالانکہ شرائط صلح ہی ٹرکی سے نہین طے پا چکے تھے لیکن ٹرکی کے بٹوارے کے متعلق یورپ کے آپس مین جھگڑے ہو رہے تھے۔ بیشک سلطان اب برطانیہ کے پورے طور پر قبضہ مین تھے لیکن مصطفے کمال کے خیال مین اناطولیہ کی طرف اور اندرون ملک بھی کچھ انتظام فوج کی درستی کا ممکن تھا اور اسی کے متعلق قسطنطنیہ مین مشورہ ہو کر کمیٹیان بھی بننے لگین تھین عصمت، فیفوہی، حجی اور رؤف بے جو بحری کمانڈر تھا سب ہی تو کمال کے ساتھی تھے اور دوست۔ چنانچہ سب اُس کے ہم خیال ہو کر اُس کی امداد کے لئے تیار ہو گئے۔ کیا ظم کا بکر کی فوج بھی قافقاز مین درست حالت مین معلوم ہوئی تھی اور وہ بھی کمال کی تائید مین ہر طرح تیار نظر آیا لیکن قسطنطنیہ مین بلاد ... [illegible] ... اپنے مسلمان ... [illegible] ... ترک سے ہر طرح بدلا لینے اور مسلم ... [illegible] ... کی توہین کرنے مین بلکہ بے عزتی کرنے مین دریغ نہ کیا جاتا ... [illegible]

[illegible]

لوگون کی تیار کرائی گئی جن کی بابت حکومت کے خلاف شکوک تھے اور جس مین کمال پاشا کا بھی نام تھا۔
حالانکہ اب کمال تو سلطان کے ایڈیکانگ بھی تھے تاہم ایسے لوگون کو مالٹا پہونچا دینے کی تجویز طے ہی پاگئی اور ۱۵ مئی ۱۹۱۹ء کو یونانی فوج بھی اتحادیون کی منظوری سے سمرنا مین داخل ہوگئی اور اُسکے ظلم کی حد ہی نہ رہی مگر خود اہل ملک نے وہان اب ہر جگہ احتجاجی جلسے کرنا شروع کر دیئے اور عورت، مرد، کسان اور سپاہی سب ہی نے سمرنا مین ایک محاذ قائم کر لیا اور لڑنے اور مرنے کیلئے کل عوام ملک تیار ہو گئے۔
ہر طرف سے فوجی افسر بھی وہان پہونچنے لگے اور بچاؤ کی تدبیرین کی جانے لگین ایک لاکھ کے قریب باہر کی فوجین اب ترکی حکومت مین قبضہ کئے ہوئے تھین اور ادھر وسط اناطولیہ مین علی فواد پاشا کے پاس کچھ باقاعدہ فوج تھی اور کیا ظم کارابکر کے ساتھ مشرق مین ایک فوج بھی خاصی تعداد مین تھی۔
باقی اور نکالے ہوئے یا نپتے سپاہی موجود تھے۔

اب اناطولیہ مین بھی گویا بغاوت کے آثار اتحادیون اور سلطان کو معلوم ہوئے اس لئے وہان کی روک تھام کا خیال سلطان کو پیدا ہوا۔ اور سلطان نے کمال پاشا کو وہان بھیجنے کے واسطے نامزد کیا مگر انگریزون نے اس تجویز سے اختلاف کیا اور کمال کو مخدوش و ناقابل اعتماد ظاہر کر دیا۔ لیکن داماد فرید پاشا نے سلطان سے اتفاق کر لیا اور انھون نے انگریزون کو بھی راضی کر لیا اور اسی کو مقدر کا کھیل کہتے ہین چنانچہ کمال پاشا کو انسپکٹر جنرل شمالی حصہ ملک اور گورنر جنرل مشرقی صوبہ جات حکومت بنا کر فوراً روانگی کا حکم ہو گیا۔

کمال پاشا بھی عارف بے اور کرنل رفعت کو ساتھ لیکر اور پروانہ تقرری کو خوشی خوشی حاصل کرکے جہاز پر سوار ہو گئے گو اسی شب مین ایک اطلاع پر سلطان نے اپنی اس تجویز مین ترمیم کرنا چاہی اور انگریزون کو بھی اطلاع دیدی کہ کمال کا ارادہ اندرون ملک گڑبڑ کرا دینے کا ہے اور اسلئے اسکو روک لیا جائے نیز صدر اعظم اور دول متحدہ کی بحری فوج نے کمال وغیرہ کو سمندر مین روکنے کی بھی کوشش کی مگر قدرت خدا سے کامیابی نہ ہو سکی۔ ۱۹ مئی ۱۹۱۹ء کو باوجود سمندر مین طلاطم کے وہ لوگ بندرگاہ سمسون مین جہاز سے اتر ہی گئے۔ یہان انگریزی فوج بھی تھی اور کمال کے واسطے نگرانی بھی کی جا رہی تھی تاہم کمال پاشا نے کوساد (Havsa) اور پھر اماسیا (Amasia) مین داخل ہو کر اپنے کو دشمنون کے چنگل سے محفوظ کر ہی لیا اور فوج کی

دشمن اپنی آزادی سے مقابلہ کا ہر پہلو بھی مضبوط کر کے علی فواد کو انکارہ یا انگورہ سے جہان کہ وہ بیس نمبر کی آرمی کور کے ساتھ تھا۔ نیز رفعت کو جو اب سیواس پہونچگئے تھے فوراً اپنے پاس طلب کر لیا۔ رؤف بے نے بھی بحری کمان سے استعفا بھیجدیا۔ اور علی فواد کے ہمراہ وہ بھی کمال کے پاس پہونچگئے اور سبھی نے دول یورپ سے مقابلہ کرنا یا مٹ جانا ہی طے کر لیا۔

۱۹ جولائی ۱۹۱۹ء کو مصطفےٰ کمال، رفعت، علی فواد اور رؤف بے نے بمقام اماسیا ایک پروٹوکل (……) یا معاہدہ کی تحریر پر دستخط کر دیئے تھے اور در اصل وہی آئین جدید کی بنیاد ہے جسکا خلاصہ یہ ہو کہ مرکزی حکومت بیرونی دول کے ہاتھ میں تھی اور ترکی قوم نے اپنے عمل سے ظاہر کر دیا تھا کہ وہ بیرونی مداخلت کا ہر طرح مقابلہ کریگی۔ قوم اور ملک کی تمام تحریکات اور قوتون کو یکجا و منظم کر کے اور ایک کانگریس طلب کر کے بچاؤ کی تدابیر کرنا چاہیئے۔

اسی وقت ایک قومی فوج کی تیاری اور سمرنا کے محاذ پر یونانیون کو روکنا بھی فرض سمجھ لیا گیا علی فواد کا مغرب میں۔ کیا ظم کارا بکر کا مشرق میں اور مصطفےٰ کمال کو مرکز میں کام کرنے کا تصفیہ بھی سب نے کر لیا اور چونکہ سلطان وقت اور ان کی کل حکومت کو اب دشمنون کے ہاتھ میں ظاہر کر دیا گیا۔ اسلئے ناطولیہ میں عارضی ترکی قومی حکومت کا بنا لینا بھی سب نے قرین مصلحت سمجھکر اسے مدید کی چنانچہ ۲۳ جولائی ۱۹۱۹ء کو بمقام ارضروم ایک تمام ترکی قومی کانگریس یا کابینہ نمائندگی کے اصولون پر منعقد کرنا بھی سب نے منظور کرا لیا۔ اور بذریعہ تار سب جگہ سے منظوری بھی منگوا لی گئی۔ دیار بکر سے قرا آبکر نے۔ ایڈریانوپل سے جعفر طیار نے اور قونیہ سے وہان کے متعینہ جنرل نے اور اسی طرح سب نے پوری سنجیدگی سے اتفاق کا اظہار بھی کر دیا یعنی ترکی فوجون کے تمام افسرون نے گویا موافقت کر لی۔ ادہر کمال پاشا خود مواضعات میں گھوم گھوم کر قوم کو اصلی حالات سے واقف کرنے اور اپنا ہم خیال بنانے میں مصروف ہوگئے بلکہ اپنے مذکورہ سلطانی پروانون کی بنا پہ سلطان کی طرف سے انگریزون کے مقابلہ کی مہم کے سر کرنے پر اپنا تقرر ظاہر کرتے جاتے تھے اور یہ بھی سمجھاتے تھے کہ سلطان نے ان کو ملک قوم کے بچانے کے لئے بھیجا ہے تاہم ترکی قوم خود اپنے کو بچا سکتی تھی۔ محض خاموش بیٹھنے سے نہ قوم ہی بچ سکتی تھی اور نہ ملک نہ باہر والون کی امداد کا بھروسہ کرنا قرین مصلحت سے موافق تھا بس صرف مقابلہ ہی کرنے سے ترکی قوم کی عزت و آبرو اور گھرون کا

بچاؤ ہو سکتا تھا۔ بس جس موضع مین وہ پہونچتے وہان تقریر کرکے اور سمجھا بوجھا کے ایک مقامی کمیٹی بنوا دیتے اسی درمیان مین اسمرنا سے یہ خبر بھی آگئی کہ یونانیون نے تمام مواضعات مین آگ لگادی اور ترکون کا قتل عام بھی بولدیا۔ اب تو تمام خلقت جوق جوق اور افسران فوج وغیرہ سب ہی کمال کے گرد جمع ہونے لگے اور جون جون ایسی خبرون کی تشہیر ہوتی گئی لوگ ساتھ ہوتے گئے۔

قاف کی طرف روس کے انقلاب سے انگریزون نے جو ارمینیون کی ایک جمہوری حکومت قائم کرادی تھی اُسپر ارض روم کے نواح کے ترک بھی بگڑے ہوئے تھے اور اُدھر کاظم قرہ بکر کی فوج بھی خوب لیس تھی چنانچہ ۲۳ رجولائی سنہ ۱۹۱۹ع کو ارض روم مین کانگریس ہوگئی اور یہ طے ہوگیا کہ ایک منتخب شدہ جماعت بنادی جائے جو وقت ضرورت اناطولیہ مین وقتی حکومت کے طور پر کام کرے اور بچاؤ کا پورا بندوبست کرے نیز ایک قومی معاہدہ بھی تیار کرے۔ اب تو ہر طرف یہ ہوگیا کہ جہان جہان کمال پاشا پہونچتے اور تقریر کرتے تو تمام سپاہی خود ہی جمع ہوکر قواعد کرنے لگتے اور دوسرون کو سکھلاتے اور سب تیار ہو پہونچتے۔ بہت سے مقامات پر جہان دول متحدہ کے گارد کی حفاظت مین فوجی ڈپو تھے اُن پر وہ حملے کرکے اسلحہ لینے لگے اور لیے پڑتے کیونکہ ارض روم سے تو سلطان ہی کے نام سے احکامات جاری کرادیئے گئے تھے۔ کہ ہتھیار وغیرہ انگریزون کو نہ دیئے جائین اور ترکی فوجین خود بھی تیار رہین نیز کمال پاشا نے والنٹیرون کے بھرتی کرنے کا حکم بھی دیدیا تھا۔

اس سب کی جب خبر سلطان کو پہونچی اور یہ معلوم ہوا کہ مصطفےٰ کمال نے بحیثیت گورنر جنرل وغیرہ سلطان ہی کے نام سے تمام کارروائیان کی ہین تو فوراً کمال کے نام واپسی کا تار دیا گیا۔ انگریزون نے بھی سلطان سے کہا کہ یہ تو بڑا ہی غضب ہوگیا اور دول عظمیٰ ایسی صورت مین ٹرکی کا بالکل ہی خاتمہ کردینگی۔ تار کے جواب مین خود کمال پاشا تارگھر پہونچگئے اور سلطان کو تار کا جواب یون دیا کہ "آپ بطور ایک بادشاہ سلطان اور رہبر ملک خود باہر نکلین اور ملک کی رہبری کرکے بیرونی دشمنون سے ملک اور اہل ملک کو بچاوین نیز تار کا جواب سننے کے واسطے رات بھر تارگھر مین خود ہی ٹھہرے رہے۔ جب صبح کو سلطان نے پھر اُن کی واپسی ہی کا تار دیا تو اُنھون نے واپسی سے صاف انکار کردیا۔ اور یہ بھی کہدیا کہ "وہ اناطولیہ ہی مین ٹھہرینگے تا وقتیکہ قوم اپنی آزادی حاصل نہ کرلیگی"۔ اسپر سلطان نے کمال کی موقوفی کا حکم جاری کردیا اور اُس کے احکامات کے نہ مانے جانے کی بھی ہدایت کی۔ کمال نے بھی اپنے

فوجی کمیشن تک سے استعفا دیدیا اور فوراً ہی تمام اپنے مددگار فوجی افسرون وغیرہ کو جمع کرکے یہ تقریر کی کہ وقت آگیا مرکزی حکومت ہمارے خلاف ہے اور بہت ممکن ہے کہ ترکون کے آپس مین جنگ بھی ہو۔ بڑی بڑی قربانیان کرنا ہون گی اور بڑے سے بڑے خطرون کا سامنا ہوگا ایک مرتبہ جب شروع کردین گے تو ساتھ نہ چھوٹے۔ اسی وقت فیصلہ کرلیجئے اور ایک شخص کو اپنا لیڈر یا راہبر بنا لیجئے کامیابی کے واسطے یہ ضروری ہے اگر مجھے بناتے ہو تو میرے مقدر کا ساتھ دینا قبول کرو۔ اب مین ہی صرف ایک سیولین یا غیر فوجی حاکم ہون اور مین باغی بھی قرار دیا جاؤن گا۔ میری شرط یہ ہے کہ میرا حکم بلاچون وچرا ماننا ہوگا جس طرح کہ فوج کے کمانڈر کا حکم مانا جاتا ہے"۔ اس پر سب نے کمال کو اپنا لیڈر بنانا منظور کرلیا اور اُس کے شرائط بھی قبول کرلئے مگر ایک شرط یہ بھی لگا دی کہ سلطان کو کسی قسم کا نقصان نہ پہونچایا جائے گا"۔ کمال نے اس شرط کو قبول کرلیا مگر یہ بھی کہا کہ "سلطان تو دشمن کے ہاتھ مین ہین اور اُن کے صلاح کار خراب ہین ہم کو اُن کے بُرے صلاح کارون اور باہر کے لوگون کا مقابلہ کرنا ہے"۔

اب چونکہ تمام اضلاع مین بذریعہ تار کمال نے خطرون کی اطلاع کردی تھی اور ہر ضلع سے تین نمائندے بہ حیثیت رازداری احتیاط کے ساتھ مقامی قومی کمیٹیون سے کارروائی کرکے طلب کئے تھے کیونکہ باضابطہ طریقہ پر کمال کو ابھی تک جمہوریہ اصولون پر اختیارات نہین حاصل ہوسکے تھے اس لئے کمال نے کیا ظم کاراباکر کے مشورے سے ہر ضلع کے فوجی لیڈرون اور ہمسایہ اضلاع کے نمائندون کی ایک کانفرنس ارضروم مین طلب کرائی مگر اسی درمیان مین مرکزی حکومت سے کمال کی گرفتاری اور کانفرنسون وغیرہ کے بند کرنے کا حکم کیا ظم ہی کو بھیجا گیا جس نے وہ حکم کمال کو دکھلایا یعنی دراصل تو اب کیا ظم کے ہاتھ مین معاملہ آن پڑا۔ کمال نے اُس سے صاف کہدیا کہ "اب قوم کے ہاتھ مین ملک ہے سلطان تو انگریزون کے قیدی ہے۔ یہ حکم اُن کا نہین ہوسکتا بلکہ انگریزون کا ہے اور اب تو ارضروم کی کانفرنس کے یا سیواس کی کانگریس کے ہاتھ مین قانوناً اختیار ہونا چاہیئے"۔ اسی طرح کیا ظم کو خوب سب طرح سے سمجھا بجھا لیا اور بالآخر بمشکل تمام کیا ظم نے یہ طے کرہی لیا کہ وہ کمال اور رؤف بے نیز قوم کے ساتھ رہیگا اور کبھی اس ارادے سے نہ پھریگا۔ سیواس کی کانگریس مین جو ۴ ستمبر ۱۹۱۹ء سے شروع ہوئی اور جہین کل ملک کے نمائندے آنے لگے۔ اور ہر طرح کے زبردست مباحثے ہوئے اور بالآخر کمال نے اپنی تقریرون اور ذہانت سے سب کو

ایسا مرعوب کر لیا کہ جو چاہا منوا لیا اور اسکے حسب دلخواہ تمام تجاویز منظور ہوگئیں۔ اس درمیان میں مالاشیا
(malatia) کے گورنر کے نام مرکزی حکومت سے سیواس کی کانگریس کے بند کرنے کا بھی حکم
ہوچکا تھا۔ یہ مالاغیا بھی ایک ضلع تھا اور کردوں کی یہاں زائد آبادی تھی۔ اس حکم میں بھی تھا کہ علی غالب
گورنر کردوں کی ایک فوج مرتب کرکے کمالی نوجوان اور کانگریس سیواس پر حملہ کرے اور نمائندوں کو بھی گرفتار
کرے چنانچہ جب یہ خبر سیواس میں مشتہر ہوئی تو سخت برہمی پھیل گئی اور کمال کو قوم نے ہدایت کی کہ فوج کا مقابلہ
فوج ہی سے کیا جائے اسپر کمال نے سواروں کی فوج بھیجکر کردوں کو پسپا کر دیا اور چونکہ سیواس کی
کانگریس میں بیرونی حکومتوں کی مخالفت پر دوٹ یار اسکے بھی دیدی گئی تھی۔ قومی "معاہدہ" جو کہ تیار کیا گیا تھا
اور جسمیں دل غلطی سے صلح کے شرائط مرتب ہوئے تھے وہ بھی منظور کرایا گیا اور نیز سب نے قسم بھی کھائی کہ جبتک قومی
معاہدہ" کے مطابق صلح نہ ہوگی بلکہ کوئی بھی صلح قوم نہ تسلیم کرے گی۔ ایک کارکن کمیٹی بھی بہ صدارت کمال پاشا
بنائی گئی نیز علی غالب اور داماد فرید کے درمیان جو خط و کتابت کردوں کی فوج کی تیاری وغیرہ کی بابت
ہوئی تھی اور جو اتفاق سے کمال پاشا وغیرہ کو حاصل ہوگئی تھی اسکو بھی کانگریس کے سامنے ظاہر کر دیا گیا تھا
اسلئے کانگریس کی طرف سے آخری پیغام بھی مرکزی حکومت کے پاس قسطنطنیہ بھیجا منظور ہوا تھا اور جسمیں داماد
فرید پاشا کی برخواستگی چاہی گئی تھی نیز اعلیٰ مجلس قومی کے جدید انتخاب کی بھی خواہش کی گئی اور چند روز انتظار
کے بعد جب قسطنطنیہ سے آخری پیغام کا کوئی جواب نہیں آیا تو کمال نے پورے اختیارات کو ہاتھ میں لیکر
کانگریس کی تجاویز پر عمل کرنا اپنا فرض سمجھکر کام شروع کر دیا تھا اناطولیہ تو اب سلطان کی حکومت سے گویا
علیحدہ ہی ہوگیا اور سیول و فوجی حکومت دونوں سے ہونے لگی مگر سلطان نے بھی اب داماد فرید سے ۵ اکتوبر
۱۹۱۹ء کو وزارت نکال لی اور قومیت کے لوگوں کی وزارت قائم کر دی نیز جدید انتخابات کا اعلان کر دیا
اور علی رضا پاشا کو قلمدان صدر اعظمی عطا ہوا۔ بدقسمتی سے اس سب کے ساتھ ساتھ اتحادیوں کی اعلیٰ کونسل نے
یونانی اور ارمنی مقتدایان مذہب کی مالی امداد سے بھی انکار کر دیا تب تو آخر سنہ ۱۹۱۹ء میں کمال پاشا کے
کاموں میں بڑی مدد ملگئی اور ترکی قومیت کا زور ہر طرف بڑھنے لگا جنوبی روس میں بھی اب ڈینکن (Denikin)
کی فوجیں بھی ختم کر دی گئی تھیں جس سے ادھر کا بھی کوئی خطرہ نہ رہا تھا چنانچہ قسطنطنیہ سے تمام
مقامات کے تار کاٹ دینے کیلئے فوج کو حکم دیدیا گیا تھا نیز مالیہ ملک کی وصولی اور تمام وہ خط و کتابت جو حکومت
ترکیہ سے کی جاتی تھی وہ سب کمال پاشا ہی کے حکم سے کئے جانے کا حکم بھی کمال نے جاری کر دیا نیز سیول

افسروں کی تقرری و موقوفی بھی کمال ہی کے حکم اور منظوری پر موقوف کی گئی۔ انقرہ کی کانگریس کا صدر دفتر انگورہ ہی میں منتقل ہو گیا۔

جدید انتخاب سے جو نمائندے منتخب ہوئے تھے اُن کا اجتماع ہو کر دو باتیں اور بھی طے پا گئیں اور وہ یہ کہ قسطنطنیہ ہی میں جدید پارلامنٹ کا پہلا جلسہ کیا جائے اور کانگریس کو توڑ دیا جاوے۔ حالانکہ کمال نے ہر دو تجاویز سے اختلاف کیا مگر جب سب نے اُنھیں پر اصرار کیا تو مجبوراً کمال کو بھی منظور کرنا پڑا لیکن کمال نے خود اپنے لئے قسطنطنیہ جانا کسی طرح منظور نہیں کیا۔ چنانچہ رؤف بے کی سرکردگی میں ۱۱ جنوری سنہ ۱۹۲۰ع کو تمام نمائندے وہاں گئے اور جنوری سنہ ۱۹۲۰ع میں استنبول میں پارلامنٹ بیٹھی مگر پہونچتے ہی سب کو یہ اطلاع ملی کہ فرانس نے شام کے حصہ سلطنت ٹرکی کو اپنے زیر سیادت (Mandate) رکھنے کی منظوری برطانیہ وغیرہ سے لیلی۔ نیز کمال کی پارٹی کی طرف سے ۲۸ جنوری سنہ ۱۹۲۰ع کو انگورہ کا قومی معاہدہ پارلامنٹ میں پیش ہو کر شائع کرا دیا گیا اور پارلامنٹ ہی کی طرف سے گویا شائع ہوا جسکا خلاصہ یہ تھا کہ جن مقامات پر کہ ترکی آبادی کی کثرت ہو اور وہاں اتحادیوں وغیرہ کا قبضہ بھی بوقت عارضی صلح نہ ہوا ہو وہ ترکی سلطنت کا حصہ رہیں گے اور جہاں قبضہ اتحادیوں کا ہوا ہو اور عرب آبادی زائد ہو وہاں عوام کی آزاد رائے کے مطابق تصفیہ ہو۔ آبنائے و باسفورس تجارت کے واسطے عام طور پر کھلے رہیں مگر اس شرط سے کہ استنبول اور بحر مارمورا کی حفاظت کی ذمہ داری ہو جو حقوق کہ پوری مسلم اقلیتوں کے ہمسایہ ملکوں میں ہوں وہی حقوق دوسری اقلیتوں کو ٹرکی میں حاصل رہیں گے اور اس معاہدہ کی اطلاع اتحادیوں کو بھی دیدی گئی اور درحقیقت یہی آخری پارلامنٹ تھی جو قسطنطنیہ میں بیٹھی تھی۔

قسطنطنیہ میں اب اعلیٰ مجلس قومی کے اجلاس ہونے پر سلطان کے ساتھ حلف وفاداری لیکر جدید پارلامنٹ جو بیٹھی تھی اُسنے سلطان کو اسکا پیغام تو پہونچایا لیکن مجلس نے اسکا بھی اظہار کر دیا کہ سلطان یا انگریزوں کی طرف سے اگر کوئی بھی حکم مجلس کو بھیجا جائیگا تو اس کے ماننے کیواسطے قوم تیار نہ ہوگی اور نہ مجبور ہوگی۔ بلکہ اعلیٰ مجلس قومی ہی اب ترکی پارلامنٹ کے طور پر ملک کا انتظام کریگی چنانچہ فوراً مذکورہ اعلانات پر دول متحدہ نے وزیر جنگ کی علیحدگی طلب کی جسکو پارلامنٹ نے نامنظور کر دیا۔ اسلئے اگر دول متحدہ کی کسی بات کو سلطان مان بھی لیتے تو نمائندے احتجاج کرتے اور ہنگامہ ہوتا۔

شمالی شام میں مقامی ترکوں نے اُدھر فرانسیسیوں پر حملہ کر کے اُن کا اخراج کرا دیا نیز اور فا (علاقہ ؟)

اور اینتاب (Aintab) مین بھی فرانسیسون پر حملہ ہو گیا - اور انگریز بھی قاف کر دیا، اور اناطولیہ سے رخصت ہونیلگے
بلکہ دول متحدہ کے احکامات اب کہین بھی نہ مانے جاتے جس سے اتحادیون نے ١٦ مارچ سنہ ١٩٢٠ع کو باضابطہ طریقہ پر قسطنطنیہ
پر قبضہ ہی کر لیا اور یہی ١٦ مارچ سنہ ١٩٢٠ع کی وہ تاریخ تھی کہ جبکہ کی پارلامنٹ نے گویا سلطان وقت کے اختیارات سلب
کر لئے تھے اور گویا انکو سلطانیت سے علیحدہ کیا گیا تھا مگر رؤف بے اور فتحی بے نیز بکثرت قومیت والونکو بھی اب گرفتار کرکے
اتحادیون نے مالٹا روانہ کر دیا تھا - اور پارلامنٹ کو بھی بند کرا دیا تھا - استنبول مین اب فوج بھی اتحادیون کی زائد پہونچگئی تھی
بلکہ تمام قومیت والون کے گھرون تک پر حملہ کر دیا گیا تھا - اور انکے بسترون پر سے اُن کو گھسیٹ کر باہر لایا گیا تھا اور مارشل لا جاری ہوا
اور یہ بھی حکم ہوا کہ جو کوئی بھی قومیت والون کو پناہ دیگا وہ پھانسی چڑھیگا - اناطولیہ کے راستون پر عیسائیون کو ہتھیار
بند کرکے راستے روک گئے - لیکن ترک بھی مفرورین کی امداد کیواسطے اب جمع ہونے لگے اور بھاگنے والون کو پوری مدد دیتے
نیز ہتھیار بھی اناطولیہ پہونچانے لگے - جنرل ملنے (Milne) بھی ١٥ مارچ سنہ ١٩٢٠ع کو اتحادیون کی طرف سے
فوج لیکر قسطنطنیہ کی طرف بڑھے تھے جسمین زائد تر برطانیہ کے سپاہی تھے اور درصل قومی معاہدہ کے خلاف گویا احتجاج
کے طریقہ پر یہ قبضہ کیا گیا تھا اور جو کچھ کارروائی اُسکے بعد ہوئی اس کو تو ترک کبھی نہین بھول سکتے - اس پر تمام مشہور
اور سربرآوردہ ترک یا تو اناطولیہ کو بھاگ نکلے یا چھپ رہے عصمت و فوزی وفتر جنگ سے اور میڈم
ہالدہ خانوم مع اپنے شوہر ادنان بے کے انگورہ پہونچگئے - سلطان نے بھی اتحادیون سے روپیہ
لیکر غیر از ترک اقوام کی ایک فوج کی بھرتی شروع کرا دی اور اسکا نام "افواج خلافت" رکھدیا - نیز اُس کو
اناطولیہ وغیرہ جنگ کے واسطے روانہ کیا - تب ہی فرانس نے کمالی افواج سے سائلیشیا مین پیش بس کر لی - نیز دیگر
اتحادیون نے باسفورس مین لڑائی تک چھیڑ دی - اب سلطان نے اسلام کے نام پر ملاؤن کو تقریرین کرنے اور لوگون
کو جمع کرنے کیلئے سب اطراف مین روانہ کیا جس سے اسلامی خلافت اور تاج شاہی کے نام پر گروہ کے گروہ سلطان
کے طرفدار ہو گئے - حالانکہ دوسرے گروہ قوم کے نام سے بھی ہر جگہ تیار تھے جس سے آپس ہی مین کشت و خون جھگڑون
کی نوبت آنے لگی - بلکہ قومی فوجون نے بمقام پانڈرما (Panderma) قسطنطنیہ سلطانی فوجون کو جا بجا
شکست بھی دی - سلطان نے انگورہ کی حکومت کو باغیون مین شمار کرا کے کمال اور اُس کے ساتھیون کو باغی
قرار دلوا دیا نیز یہ بھی اعلان کرا دیا کہ اُن کا قتل ہر شخص کا مذہبی فرض تھا اور دنیا و آخرت مین موجب ثواب و نجات -
اور ایک خاص عدالت کے ذریعہ قومیت کے لوگون پر موت کا حکم بھی جاری ہونے لگا - شیخ الاسلام نے یہ فتوی تک
دیدیا کہ جو مسلمان اُن سات اشخاص مین سے جنکے واسطے ایک فہرست تیار ہوئی تھی کسی کو بھی قتل کر دیگا وہ جنتی ہوگا -

چنانچہ پہلی فہرست میں مصطفٰے کمال۔ علی فواد پاشا۔ ڈاکٹر ادنان اور ہالدے بانوم کا بھی نام تھا۔

ترکی کے مذکورہ خراب حالات دیکھکر یونانی بھی پھر اسمرنا سے قتل وغارت کرتے ہوئے آگے بڑھے۔ فرانسیسیوں نے جنوب میں بھی کچھ کامیابی حاصل کرلی۔ کردبھی مشرق میں بغاوت پر تل گئے بلکہ خود انگورہ میں بھی مذہبی تحریک سے کچھ کچھ خطرہ ہونے لگا اور بولو (Bolsheviks) میں تو خاصہ بلوہ ہی ہو گیا۔ نیز اسکے رفع کرنے کو جو فوج بھیجی گئی وہ بھی ناکام ہی رہی۔ اور سلطانی فوجوں کو اب کچھ کچھ کامیابی ہونے لگی اسمید اور بگھار (Bagshar) پر قبضہ کرکے وہ بروساتک پہونچ گئی جس سے قونیہ آدابازار اور دیگر شہر سلطانی فوج کے ساتھ ہوگئے۔ سمسون کی پندرہ ڈویژن فوج بھی کمالیوں سے اب منھ موڑ بیٹھی بلکہ انگورہ کے گردونواح کے مواضعات بھی خلیفہ کی فوج کا دم بھرنے لگے تب تو کمال پاشا اور عارف بے کیلئے ہر وقت گھوڑے کھنچے تیار رکھے جانے لگے کہ اگر کوئی بُرا وقت آگیا تو وہ سیواس کو روانہ ہو جائیں گے۔ ایک روایت یہ بھی تھی کہ ہالدے بانوم تک نے تپنچہ لگانے کی مشق کرلی تھی اور اُن کے شوہر تو زہر کی پڑیہ تک ساتھ رکھتے تھے تاکہ دونوں خودکشی میں بھی دریغ نہ کرتے۔ مگر کمال پاشا نے پھر ہمت کی اور قومیت کا جھنڈا بلند کرکے یہ کہتے ہوئے نکل کھڑے ہوئے کہ "جیتو یا اپنی کوشش میں مٹ جاؤ" بس کیا تھا پھر ہوا بدل گئی اور قوم بھی جاگ اُٹھی۔ ہر طرف سے دشمنوں کو زیر کرکے میدان کو صاف کرلیا گیا اور ۲۳ راپریل سنہ ۱۹۲۰ء کو انگورہ میں جس جدید پارلامنٹ کے جمع ہونے کا اعلان ہو چکا تھا اُسکی شرکت کیواسطے نمائندے جمع ہونے لگے اور اعلی قومی مجلس کا اجلاس ہو کر اُس کو باضابطہ طور پر حکومت ترکیہ ہونے کا اعلان کرہی دیا گیا۔

اور یہی گویا ترکی کی پہلی منتخب شدہ قومی مجلس یعنی کانسیٹچوئنٹ اسمبلی (Constituent Assembly) کہلائی گئی کیونکہ مشرق میں پہلی بار یہی ایسی جماعت قائم ہوئی تھی جسکو خود اہل ملک نے بنایا ہو اور جو اہل ملک کے واسطے کام کرے۔ اُس کو قانون سازی اور حکومت دونوں کا اختیار تھا۔ صدر مجلس حکومت کا اعلیٰ حاکم ہوا اور نائب صدر کو اسپیکر (Speaker) بنایا گیا۔ اور ایک مجلس انتظامی بھی بنائی گئی جس کا کہ ہر ممبر اسمبلی سے انتخاب کیا جاتا اور وہ خود اسمبلی کو ذمہ دار ہوتا۔ اس قومی مجلس نے صلحنامہ سیورز کو نامنظور کردیا تھا اور اُن تمام رعایات وحقوق یعنی کیپی ٹولیشنس (Capitulations) کو جو دیگر دول یورپ نے وقتاً فوقتاً ترکوں سے حاصل کر رکھے تھے اُن کا انفساخ بلکہ تمام ترکی قرضوں تک کا معقول تصفیہ وغیرہ لازمی جزء مصالحت طے کر دیا تھا۔ اور کمال پاشا کو اسمبلی کا صدر بھی

منتخب کر دیا گیا۔ یہان مختصر ذکر ترکی و یونان کی جنگ کا جو ۱۹۱۹ء سے شروع ہو کر ۱۹۲۲ء تک رہی تھی اور جسکا ذکر آئندہ
مفصل آئیگا۔ کر دینا بھی ضروری ہے۔ یہ تو اوپر معلوم ہی ہو چکا ہے کہ یونانیون نے مئی ۱۹۱۹ء مین اسمرنا پر قبضہ کر لیا
تھا اور سخت سے سخت مظالم کرکے ترکون کو تقریباً وہان سے نیست و نابود کر دیا تھا۔ علاوہ سنجک ایدن اور کاذا کے
جو اتحادیون کی اعلیٰ کونسل نے اُن کو دیئے تھے وہ بہت آگے بڑھ گئے۔ حالانکہ یہ قبضہ بھی وقتی کرا دیا گیا تھا۔ انھون نے
تو اسمرنا مین مستقل قبضہ حکومت کا انتظام کیا اور ختم ۱۹۱۹ء مین ایشیائے کوچک مین اُنکی فوج کی تعداد اسی ہزار ہو گئی
اُسی زمانہ مین ہالدہ خانم نے ایک مضمون جسکی سرخی "شعلے کا کرتہ" (The Shirt of Flame) تھی لکھا تھا
اور اسمین ترکی قوم کے اصلی جذبات جو مظالم سے ہو گئے تھے اُنکو دکھلایا تھا۔ فی الحقیقت یہ جنگ بھی خفیہ معاہدون اور اتحادیون
کی شہنشاہیت کی حکمت عملی کا نتیجہ تھی۔ یہی وہ وقت تھا کہ پیرس مین مسٹر ولسن صدر امریکہ مسٹر لائڈ جارج وزیر برطانیہ اور موسیو
کلیمنسو وزیر فرانس تینون بیٹھے ہوئے دنیا کی جدید تہذیب کا خاکہ تیار کرنیکے ساتھ ہی خدائی فوجدارون کی طرح احکامات جاری
کر رہے تھے۔ بلکہ صلحنامہ سیوارے کو بھی شائع کر چکے تھے مگر انگورہ اور قسطنطنیہ کے انقلاب عظیم سے ناواقف تھے اور جیسے ہی
کہ اُن کو یہ خبر ملی کہ ترکون نے صلحنامہ سیوارے کو نوچ کر اُسکے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے تب تو صبح نظر آگئی۔ مگر صلحنامہ سیوارے کے واقعات
بھی بہت ہی دلچسپ ہین چنانچہ جبکہ ایشیائے کوچک مین یونانی سخت اودھم مچا رہے تھے اور ترک بھی اناطولیہ مین اپنی فوجونکو چپکے چپکے
جمع کر رہے تھے تو اتحادی حکومتین ابتدائے ۱۹۲۰ء مین صلح کی کڑیان جوڑ رہی تھین جنوری و فروری مین لندن مین کانفرنسین ہوئین
اپریل مین بمقام سین ریمو ایک جلسہ کرکے انگلستان و فرانس نے پیٹرولیم کے حقوق کے متعلق ایک معاہدہ بھی کر لیا۔ اگست سنہ ۱۹۲۰ء کو
جبکہ صلح کا مسودہ ترکون کو بھیجا گیا اور اُنکے عذرات نامنظور کئے جا چکے تو ایک مکمل صلحنامہ بمقام سیوارے اُس وفد کے سامنے جو سلطان
کی طرف سے قسطنطنیہ سے بلوایا گیا تھا پیش کیا گیا اور اُس نے بلا چون و چرا غلامانہ طریقے سے اُسپر دستخط کر دیئے تھے۔ تین ترکی سلطانی
نمائندون نے اُسپر دستخط کئے تھے جسمین سے ایک رضا توفیق بے تھے اور اُسکو سلطان کو مجبوراً ماننا پڑا تھا۔ اس صلحنامہ کے بعد ہی انگلستان
فرانس اور اٹلی کے درمیان ایک معاہدہ بھی ہو گیا جو مغربی شہنشاہیت کے اصولون کی سچی مثال تھا۔ اور جس سے فرانسیسی و اطالوی
دائرۂ اثر کی پوری توسیع بھی ایشیائے کوچک مین مقصود تھی۔ اس سے تمام بندرگاہ اتحادیون کے سپرد ہو گئے۔ عرب صوبہ جات کی سیادت
یا حکمبرداری و مشرین کے سپرد ہوئی۔ آرمینیا اور کردستان کی آزاد ریاستین بنا دی گئین۔ اٹلی کو اسمرنا اور تمام شاداب و زرخیز انگور و زیتون
کے باغات و حصص جات آراضیات جنوبی و مغربی اناطولیہ و اڈالیہ کے علاقہ کی آراضیات دیدی گئین۔ آبنائے اور [illegible] کی مستقل آراضیات
ایک اتحادی کمیشن کے تحت دیدی گئین اور مشرقی و مغربی حصہ تھریس یونان کا مقدر ہوا وغیرہ وغیرہ لیکن ٹرکی مین اسکے دستخطون کا دن یوم ماتم قرار
پایا تھا اور ہر طرح کا اسپر احتجاج بھی ہوا۔ قومیت والون نے تو اسکی نامنظوری کا نہایت سختی سے اظہار کر دیا اور یہ ایسا سخت تازیانہ

بلکہ قومی ذلت کا باعث ہوا کہ کل ترک قوم نے اس کی مخالفت کی اور تمام دنیا نے صلح سیوآریز کو غیر واجبی ہی قرار دیا تھا۔ دراصل اب کمال پاشا نے ہر ترک کے دماغ میں ایسی آزادی کی روح پھونک دی تھی کہ وہ اپنے ہی کو کمال پاشا سمجھنے لگا تھا۔ اُدھر کیاظم نے ارمنوں سے سرحد پاک کر دی۔ جنرل جعفر طیار اور علی فواد نے بھی حملوں کے ذریعہ سب طرف سے سلطانی فوجوں اور دشمنوں سے ملک بھر صاف کرا دیا۔ اسلیئے پیرس کے اچنبھے کی کوئی حد ہی نہیں رہی مگر اب چونکہ اتحادیوں کی فوجیں واپس ہو چکی تھیں اور ہر ایک اپنی خود مصیبت میں مبتلا تھا اپنے گھروں کے سنبھالنے کی سب کو پڑی ہوئی تھی جنگ سے سب ہی تنگ آ گئے تھے نہ روپیہ ہی کا انتظام آسان تھا نہ فوجوں کے بڑھانے کی کسی میں ہمت تھی۔ تاہم وینیزیلاس (Venezellas) وزیر اعظم یونان نے جو اپنے غرور کے نشہ میں سرشار تھا سب کو ہمت دلائی اور تمام ذمہ داری اپنے سر لیکر یقین دلایا کہ اسمرنا میں ابھی بکثرت یونانی فوج مع اُس مکمل سامان جنگ کے موجود تھی جو برطانیہ اور فرانس سے اس نے خرید کرا دیا تھا اور وہی فوج وہ اتحادیوں کے سپرد کر سکتا تھا اگر کچھ مشرقی حصہ ٹرکی اُس کے عوض فتح کے بعد یونان کو نذر کرنے کا وعدہ کیا جاوے۔ بلکہ اُسی فوج کی مدد سے وہ صلحنامہ سیوآریز پر ترکوں سے دستخط کرا ہی چھوڑیگا بس یہ سنتے ہی سب کے سب اُچھل پڑے اور وینی زیلاس کے شرائط کو بھی سب نے بخوشی منظور کر لیا مگر تعجلت کارروائی کی بھی خواہش کر دی شعر

مغرب کی بوستان میں جو رنگ خزاں نہیں　　سنتے ہیں اُس زمین میں یہ آسمان نہیں

اب جیسے ہی کہ کمال پاشا نے قسطنطنیہ پر فوج بڑھائی یونانی فوج بھی ۲۲ جون ۱۹۲۰ء کو بڑھ کر تھریس میں داخل ہو گئی اور وہاں سے حملہ کر کے جعفر طیار کو مع پہلی آرمی کور کے گرفتار ہی تو کر لیا اور فوراً وہاں سے ایڈریانوپل میں داخل ہو گئی نیز اسمیڈ کے سامنے سے اسمرنا کی طرف سے ترکوں کو بھاگنا بھی پڑا۔ جولائی سنہ ۱۹۲۰ء میں قسطنطنیہ سے بھی قومیت والے اب باہر کئے گئے کیونکہ قسطنطنیہ کے یورپین اور ایشیائی دونوں طرفوں سے گویا ترک بھاگنے پر مجبور ہوئے مگر چھ ماہ تک ترکی فوجیں بھی خندقوں کے اندر سے مقابلہ کرتی ہی رہیں۔ کمال پاشا نے قوم سے جو اُسوقت اپیل کی تھی وہ بھی قابل ذکر ہے اُنھوں نے کہا کہ تم ترک ہو۔ یہ یونانی جو کل تمھاری رعایا تھے اور غلام۔ کیا تم اُن کے سامنے ناک اور گھٹنے رگڑو گے۔ مجھے یقین نہیں ہے۔ بلجاؤ۔ تیار ہو اور فتح ہماری ہے۔ بس کیا تھا کل اسمبلی اور پھر قوم اُن کے ساتھ ہو گیا۔ اس درمیان میں اُدھر ایک سرکیشین نے جو کام کرتا رہا (Kerchia) ایک "ہری فوج"

(Greece Army) تیار کرلی تھی اور اُسی سے اُس نے یونانیون سے جنگ بھی شروع کردی تھی بلکہ انگورہ کو بھی بلوائیون سے بچا پایا تھا مگر اب وہ بھی خود مختار بنکر کسی کی نہ سنتا تھا ٹیکس بھی رعایا سے خاطر خواہ وصول کرنے لگا بلکہ جس کسی کو بھی چاہا پھانسی دینے تک کی جرأت کرنے لگا۔ کمال پاشا نے پیشتر تو اُس کو راضی کرنا چاہا مگر جب اُس نے نہ مانا تو دسمبر ۱۹۲۰ء مین لڑائی کرکے اس کی فوج کو ختم کردیا مگر یونانیون سے اُسنے شرکت کرلی۔

سلطان نے اُسی زمانہ مین عزت پاشا کی سرکردگی مین ایک وفد انگورہ بھیجا تھا تاکہ آپس مین عارضی صلح ہوکر تمام ترک میل کرکے یونان سے جنگ کرین اسپر اسمبلی مین وفد سے ہمدردی ہونے لگی۔ اور لوگون کو پھر سلطان کا خیال آگیا۔ لیکن شروع ۱۹۲۱ء ہی مین یونانیون کے فوجی حادثات کے متعلق اتحادیون نیز خود یونانیون کو ذرا فکر پیدا ہوگئی کیونکہ ترکون کی قوت کے بڑھنے کے باعث یونانیون کو ایشیائی صوبون مین کامیابی بھی آسان نہ ہوسکی۔ تب ماہ فروری مین بمقام لندن ایک کانفرنس طلب کی گئی جسمین یونانی اور قسطنطنیہ کی حکومت کے نمائندے نیز کمالی ترک بھی بلائے گئے۔ اتحادیون نے صلحنامہ سیورے کے شرائط کو تبدیل اور نرم کرکے پھر شرائط تجویز کئے مگر کمالیون نے اصولاً کچھ بھی منظور نہین کیا تب یونانیون نے ایک بڑے حملے کی تیاری کردی اور ۲۳ مارچ ۱۹۲۱ء کو آفیوم کا احصار (Afium Karahisar) اور اسکی شہر (Eski Shehr) پر حملہ کرکے ریلون پر قبضہ کرلیا۔ یعنی جو ریل کہ قسطنطنیہ سے اسمر ناجاقی اور انگورہ قونیہ ریلوے پر۔ اور آفیوم کو تو لے ہی لیا لیکن ابتدائے اپریل مین جبکہ جنگ این او نو (In onu.) مین ترکون کو فتح ہوئی تو یونانیون کو آفیوم خالی ہی کرنا پڑا۔ پھر ار جولائی کو کوتھیا کی طرف یونانی بڑھے اور اُسکو بالآخر لے ہی لیا۔ اور آفیوم کا احصار کو بھی۔ حالانکہ عصمت پاشا نے دس دن تک یونانیون کی فوج کو ترکی فوج سے بہت پسپا کردیا تھا مگر اب یہان سے ترک دریائے سکاریہ پر جا کر رک گئے اور اپنی تمام قوتون کو یہین یکجا کردیا یہانتک کہ ۲۴ اگست ۱۹۲۱ء کو اسی جگہ دونون فوجین ایک دوسرے سے بھڑ گئین۔ اب یہان خود کمال پاشا نے کمان کی اور عصمت پاشا اُن کے ماتحت تھے تین ہفتہ تک گھماسان لڑائی رہی۔ خود کمال پاشا برابر میدان مین جاتے تھے اور ایک بار زخمی بھی ہوئے اور دیکھنے والون کو مشرق و مغرب کی قوت آزمائی کا رنگ نظر آگیا ایک طرف مغرب کی ایک قوم تمام زمانہ حال کے اسلحہ اور سامان سے آراستہ مگر دوسری جانب قوم کی قوم بغیر بڑے سامانون کے حب الوطنی کے لئے مرنے اور مارنے کو تیار۔ یہانتک کہ ۱۲ ستمبر کو

یونانی واپس ہوگئے اور ۲۳ ستمبر کو آفیوم اور الیسکی شہر کے محاذون پر اُنھون نے دم لیا اور یہین سے وسطی اور قریبی ایشیا کی قسمت پلٹ گئی اور نقشہ بدل گیا۔

اس جنگ یونان کے وقت مصطفےٰ کمال کو قوم نے تو جنرلزمو بنا کر تمام وقتی اختیارات دیدیئے تھے عصمت پاشا کمانڈر ہوئے تھے فقوی اور رفعت کو بھی فوجی عہدے دیئے گئے تھے مگر ترکون کو بڑی مشکلات کا سامنا تھا۔ مشرق سے اسلحہ اور افواج کا لانا تھا یعنی چار سو میل سے زائد پہاڑ اور چٹیل میدان اور ویرانے کو طے کر کے بالخصوص اسوقت کے سخت ترین خراب موسم مین۔ مگر قوم بھر نے جو ارادہ کر لیا تھا تو سب قسم کی دقتین آسان ہوگئی تھین مرد اور عورت، بچے سب ہی تو وطن کے بچانے پر آمادہ ہوگئے تھے ہر قسم کے ذرائع سامانون کے لانے کیواسطے مہیا کر دیئے گئے تھے۔ بیلون پر لاد لاد کر بھی لانے مین مستورات تک نے عذر نہین کیا تھا بلکہ بخوشی ہر طرح کا کام سب کرنے لگے تھے۔ ریلون کو نکال کر اُس کے اسلحہ تک بنائے گئے تھے۔ اور یونانیون کے پاس اسی ہزار تازہ دم فوج اور نہایت اعلیٰ درجہ کا سامان تھا۔ توپون کی تعداد بھی دو سو تھی۔ ریلین بھی سب اُن کے قبضے مین تھین۔ لاریون ہی پر وہ سامان لاتے تھے اور اُن کے خورد و نوش کے واسطے بھی کسی شئے کی کمی نہ تھی۔ اُدھر ترکون کے پاس صرف پچیس ہزار فوج اور کچھ توپین اور پُرانی بندوقین اور مختصر و محدود دیگر قسم کا سامان تھا اور ۲۳ دن کی میدانی جنگ مین ساڑھے سولہ ہزار ترک کام آئے تھے پھر بھی جب ۲۷ اگست ۱۹۲۱ء کو دریائے سکاریہ پر ترکون کی فتح ہوئی تھی اور یونانی ہارے تھے تو وہان سے واپس ہوتے ہوئے سخت سے سخت مظالم کے بھی مرتکب ہوتے گئے تھے۔

مصطفےٰ کمال بھی اب انگورہ واپس آگئے اور قوم نے اُن کو الغازی کا خطاب دیا اور وہ فیلڈ مارشل کئے گئے۔ اپنی ایک تقریر مین اُسی وقت مصطفےٰ کمال نے یہ کہا کہ "اُن کو جنگ کرنا منظور نہین ہے۔ وہ صلح کے خواہشمند تھے اور اُس کا حاصل ہونا کچھ مشکل نہ تھا لیکن اگر یونانی یہ سمجھین کہ ہم اپنے جائز حقوق کو چھوڑ دین تو اُن کی غلطی تھی۔ ہم بھی فطرتاً مجبور ہین کہ اپنے ملک کو اسلحہ ہی کے ذریعہ بچائین جبکہ ہماری قوم کو غارت و برباد کرنے کی کوشش ہے۔ ......حضرات مین آپ کو یقین دلاتا ہون کہ ہم دھاوے پر دھاوے کرین گے جبتک کہ ایک بھی دشمن سپاہی ہمارے ملک مین باقی رہیگا" اب یونانیون نے واپسی پر تمام مواضعات مین آگ لگا دی تھی سخت کشت و خون اور لوٹ مار بھی کی تھی جس کی مثال مشکل سے تاریخ مین ملیگی اور ایشیائے کوچک مین گو یونانی موجود ضرور تھے۔ مگر بے اطمینانی کے ساتھ فوجین لئے ٹھہرے تھے۔ تمام دنیا نے انگورہ کی حکومت کو گویا اب مان ہی لیا تھا اور مارچ ۱۹۲۲ء

میں اتحادیوں نے پھر ایک کانفرنس پیرس میں طلب کر لی تاکہ کچھ طے ہو سکے مگر ناکامی ہوئی۔ ترکوں نے اب سب طرح اپنی فوج کی درستی بھی کر لی۔ نیز فرانس جس نے کہ مارچ ۱۹۲۱ء ہی میں انگورہ سے براہ راست معاملت کرنا چاہی تھی کیونکہ یونان کی امداد کی حکمت عملی در اصل برطانیہ عظمیٰ کی تھی نہ کہ فرانس کی لہٰذا جنگ سکاریہ کے بعد اُس نے فرینکلن بوئیلان (Franklin Bouillon) کو انگورہ بھیج کر علیحدہ فرانس اور ترکی کے درمیان صلح کے شرائط طے کر کے ۲۰ اکتوبر ۱۹۲۱ء ہی کو صلح کے دستخط کر دیئے تھے۔

فرانس و ترکی کی صلح سے فرانس نے سائلیشیا سے اپنا قبضہ اُٹھا لیا تھا اور اُس کو کچھ اقتصادی حقوق بھی مل گئے تھے مثلاً نوے سال کا ٹھیکہ لوہے۔ کرومیم۔ اور چاندی کے کانوں کا جو ہرشائٹ (Herchite) کی گھاٹی میں بحر اسود کے کنارے پر تھیں بغداد ریلوے کے بنانے کا بھی کچھ حصہ اس کے ہاتھ آیا تھا مگر سائلیشیا سے اُس کے ہٹنے سے ترکوں کی اسی ہزار فوج گویا اس طرف کے محاذ جنگ سے آزاد ہو کر کمال پاشا کو مل گئی تھی۔ اور اتنا سامان جنگ بھی ترکوں کو فرانس کے کمانڈر سے حاصل ہو گیا تھا کہ جس سے چالیس ہزار ترکی فوج کو ہر طرح کا سامان جنگ کافی ہوا۔ اور فرانس کا واقعی ترکی قومی حکومت کو تسلیم کرنا بھی ظاہر ہو گیا تھا۔ نیز برطانیہ و فرانس کی موافقت میں ایک طرح کا رخنہ پڑ ہی گیا تھا کیونکہ برطانیہ ابھی تک قسطنطنیہ کی حکومت ہی کی امداد کر رہا تھا۔ جون ۱۹۲۱ء ہی میں اطالیوں نے بھی اداالیہ سے اپنی فوج ہٹا لی تھی کیونکہ کمالیوں سے دوستانہ صلح کے پیغام جاری ہو چکے تھے جس کے باعث ترکوں کو کچھ آسانی ہو گئی تھی۔ ۲۲ مارچ ۱۹۲۲ء کو اتحادیوں نے ایک اور تجویز بھی صلح ایشیائے کوچک کے طے پانے پر اتھنز اور انگورہ روانہ کی تھی۔ نیز یونانیوں کا ایشیائے کوچک کو صلح کے ساتھ خالی کر دینا طے کر دیا تھا تاکہ یہی عارضی صلح کے چار ماہ کے اندر یونانی اُسے خالی کر دیتے اور ترکی حکومت اُس پر تسلیم کر لی جاتی۔ اور جس کو یونان اور قسطنطنیہ کی حکومتوں نے مان ہی لیا تھا مگر یوسف کمال بے نے جو انگورہ کی حکومت کا وزیر خارجہ تھا اُس نے یونان کے فوراً ہی وہاں سے رخصت ہونے پر اصرار کیا جس پر اتحادیوں نے چار ماہ کی میعاد کے کم کر دینے کو لکھا مگر عارضی صلح پر فوراً دستخط کرنے پر اصرار کیا لیکن چونکہ جولائی میں یونانیوں نے پھر جنگ ہی سے تصفیہ کا اعلان کر دیا۔ اور ۲۷ جولائی کو یونانی ہائی کمشنر متعینہ اسمرنا کو ہدایت کر دی گئی تھی کہ جس رقبہ پر یونانیوں کا قبضہ تھا اُس کو ایک آزاد حکومت مگر محفوظہ سلطنت یونان قرار دے کر اس کا نام آیونیا (Ionia) رکھ دے اور اس کا اعلان کر دے جس پر انگورہ نے بیشک احتجاج کیا مگر یونان نے اب قسطنطنیہ پر بھی قبضہ کے ارادہ کا اعلان کر دیا اور اسی لیے تھریس میں اپنی فوجیں بھی جمع کرنا شروع کر دیں۔ گو سپریم الائڈ سپاہ نے اتحادیان

کی طرف سے اُسی وقت اُس کا اعلان ضرور کردیا تھا کہ دارالسلطنت کے قبضہ کی اجازت کسی طرح اتحادی نہ دینگے اور اتحادی فوج بھی قسطنطنیہ مین کچھ نا کافی کردی گئی تھی تاہم ۱۸ راگست ۱۹۲۲ء کو یونان نے پھر جنگ شروع ہی کردی بروسا اور میانڈر (Maeander.) کی گھاٹی مین کچھ چھیڑ ہو چلی تھی کہ عصمت پاشا نے ۲۶ راگست کو آفیوم کا راحصار پر زبردست حملہ کر دیا۔ اور ترکی قوم کو گویا اس طرح پکارا شعر

مانا شب ادبار کا ہر سمت اثر ہے

گر خواب سے بیدار ہو اب بھی تو سحر ہے

بس کیا تھا ترک جان لینے اور جان دینے پر تیار ہو گئے اور اسی مقام سے یونانی سر پر پاؤن رکھکر ایسے بھاگے کہ کہین پناہ نہ ملی۔ اور ترکون نے ۲۹ و ۳۰ راگست ۱۹۲۲ء کو بمقام تو ملو پونار (Dumlu Bunar.) پھر اُن سے جنگ کی۔ وہان سے بھی یونانی بھاگے اور یوشک (Ushaq.) پر رُکے لیکن پھر وہان سے بھاگے کیونکہ ۲ ر ستمبر ۱۹۲۲ء کو ترک وہان بھی پہونچ گئے اور بھگاتے ہوئے یونانی جنرل ٹریکوپیس (Tricoupis) اور اُن کے اسٹاف کو گرفتار کر لیا۔ یوشک سے ڈیڑھ سو میل آٹھ دن مین یونانی بھاگے تھے اور فیفوی پاشا نے فوج سے اُنکا تعاقب کیا تھا مگر یونانیون نے گاؤن کے گاؤن جلا کر نہ صرف خاک کر دیئے بلکہ کوئی ظلم قتل و غارت ایسا نہ تھا جو کہ کیا نہ ہو۔ یہ بھاگنا ہی گویا ایک خدائی جھٹکا تھی جسمین یونانی اور ترکی رعایا دونون مبتلا کر دیئے گئے تھے اور اس کو سوائے غضب الٰہی کے اور کچھ بھی نہین کہا جا سکتا تھا۔ سمرنا مین داخل ہو کر ترکون نے ارمنون اور یونانیون سے بھی ملک کو خالی کرانا ہی طے کر لیا۔ چند دنون مین نصف شہر تو جلا کر خاک کر دیا گیا تھا اور ۹ ر ستمبر کو ترک سمرنا مین داخل ہی ہو گئے تھے مگر یونانیون کے اناطولیہ سے مکمل اخراج کے بعد مصطفےٰ کمال نے مشرقی تھریس سے بھی اُنکے اخراج پر زور دیا اور اسی لئے قومیت کی فوجین شمال یعنی آبنائے کی طرف بڑھین گو یہان برطانیہ کی فوجین جنگ کے مقام پر سد راہ تھین تاہم کمال پاشا نے ترکی فوج کو یونانیون کے تعاقب مین تھریس مین داخل ہونے پر اصرار کیا۔ مگر جنرل ہیرنگٹن (Harington.) نے اجازت نہ دی کیونکہ ۵ ر مئی ۱۹۲۱ء ہی سے اتحادیون نے غیر جانبداری کا اعلان کر کے اُس حصہ ملک کو جو باسفورس اور دردانیال کے اردگرد تھا اُسکو بھی جنگ کے دونون فریقون کیلئے ممنوعہ قرار دیدیا تھا۔ تب کمال نے دھمکید پر جبرت فوج جمع کر دی اور گویا برطانیہ سے لڑائی چھڑنے کا مضمون آ گیا۔ فرانس نے اسوقت سے باوجود برطانیہ کو اطمینان دلانے کے چنک سے اپنی فوج ہٹا لینے کا ارادہ کر لیا۔ بلکہ ۱۹ ر ستمبر ۱۹۲۲ء کو فرانس اور اٹلی کی فوجین گیلی پولی مین سے ہٹ گئین۔

مگر برطانیہ موقع پر اڑا ہی رہا اور ۳۰ اکتوبر کو جنرل ہیرنگٹن نے مع دیگر اتحادی احباب کے مودانیہ جاکر عصمت پاشا سے عارضی صلح کی گفتگو چھیڑ دی اور کچھ گفت و شنید بلکہ روٹھا روٹھی کے بعد ۱۱ اکتوبر ۱۹۲۲ء کو عارضی صلح ہو ہی گئی اور یہ سب انگورہ کی مرضی سے ہوا اس صلح سے مشرقی تھریس سے یونانیون کا فوری اخراج طے پا یا اور دریائے میرٹزا (Maritsa) تک کل تھریس ترکون کو دلوایا گیا اس طرح گو یا ترکی کا یورپ مین بھی قدم جما رہا - یونانیون نے بھی اس صلح پر دستخط کر کے تھریس اور اسمرنا سے اپنا باز دعویٰ ہی دیدیا اور ترکون کے قومی معاہدہ کی بھی پوری تعمیل گو یا ہوگئی - اسی کے بعد مسٹر لائڈ جارج نے ۱۹ اکتوبر کو اپنا استعفا بھی وزارت انگلستان سے داخل کر کے بادشاہ سے منظوری کی خواہش کر دی کیونکہ اُن کی مشرق قریب کی حکمت عملی ناکام ہی رہی تھی اور بجائے ترکون کے مٹانے کے سب کچھ یونان ہی کے سر گئی اور اب تو انگلستان مین بھی جدید انتخاب ہو کر صلح اور آشتی کی پالیسی کا دور آگیا تھا بلکہ لاوزان کی کانفرنس کی نومبر ۱۹۲۲ء مین تیاریان ہونے لگین در اصل تو مصطفے کمال کا ستارۂ اقبال اب اوج ترقی پر یوماً فیوماً چڑھ رہا تھا اور ترک قوم بھی ایک جان نثار اور سچے خادم قوم و ملک کی سرداری کی محتاج تھی - اب اُن کی بہادری شجاعت اور مردانگی مین کون شک کر سکتا ہے شعر

نام مردون کا ازل سے ابد تک زندہ

لوگ دنیا کو عبث دار فنا کہتے ہین

اسی وقت برطانوی سفر اجہزت عیسائی یتامی اور آرمنیون کو ہمراہ لیکر کار فود (Smyrna) روانہ ہوگئے اور امریکہ کے مشنری بھی (۵۵۵ ۳) یتامی کے ساتھ چلتے پھرتے نظر آئے مگر اسی وقت اطالیہ نے کار فو پر قبضہ کر لیا - اور یونانی منہ دیکھتے ہی رہ گئے -

جب ۲۷ اکتوبر ۱۹۲۲ء کو آٹومن حکومت قسطنطنیہ اور ترکی حکومت انگورہ دونون کو کانفرنس کی شرکت مین دعوت دیگئی تب انگورہ سے اُسپر سخت احتجاج کیا گیا کیونکہ ایک طرح پر سلطانیت کا تو ۱۲ مارچ ۱۹۲۲ء ہی کو خاتمہ کر دیا گیا تھا اور اسی بنا پر ۴ نومبر ۱۹۲۲ء کو قسطنطنیہ کی کیبنٹ (cabinet) نے استعفا دیدیا اور سلطان وحید الدین بھی ۱۷ نومبر ۱۹۲۲ء کو حکومت ترکی سے باہر تو ہوگئے مگر جانے سے قبل اُنھون نے انگورہ کے احکامات کی تعمیل سے انکار کر دیا تھا بلکہ سابقہ قومی تزک و احتشام سے نماز جمعہ کیواسطے گئے اور سلاملک کے مراسم کی ادائی پر بھی اڑ گئے لیکن مسجد ہی مین امام نے خطبہ مین صرف خلیفہ کا لفظ اُنکے نام کے ساتھ استعمال کیا تھا اور سلطان کا لفظ اُڑا دیا تھا - فوج نے بھی سلام تو کیا تھا مگر

بادشاہ کے نام پر نعرۂ خوشی بلند نہیں کیا تھا۔ افسوس کہ ملک و قوم سے غداری کا نتیجہ بُرا ہی نکلا کہ سلطان وحید الدین محمد سادس اب برطانیہ کے جہاز ملایا پر خفیہ طور سے بھاگ کر جزیرہ مالٹا کو روانہ ہو گئے تھے۔ پھر شاہ حسین سے ملنے مکہ مکرمہ بھی گئے۔ اور بعدہ دریائے راکویریا (Reverea) کے کنارے اپنی بود و باش پر قناعت کر کے صفحات تاریخ سے اپنے کو بالکل ہی گویا محو کر گئے۔ اور قسطنطنیہ میں رفعت پاشا نے بحیثیت گورنر مقرر کردہ انگورہ حکومت کا انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔ اور وہ دو فصلی حکومت جو سنہ ۱۹۲۰ء سے چل رہی تھی وہ گویا اب ختم ہو گئی۔

۲۰ نومبر سنہ ۱۹۲۲ء کو لازان کی کانفرنس بیٹھ گئی۔ لارڈ کرزن ہی بطور نمائندہ برطانیہ اور عصمت پاشا بطور نمائندہ حکومت انگورہ اس کانفرنس میں شریک ہوئے۔ مگر ۴ فروری سنہ ۱۹۲۳ء کو لارڈ کرزن تین ماہ کی سخت جانکاہی محنت اور تو تو میں میں کے بعد انگلستان کو واپس چلے گئے اور عصمت پاشا انگورہ کو اور کانفرنس ناکام ہوئی۔ لیکن ۲۳ اپریل کو پھر کانفرنس بیٹھی اور اب برطانیہ کی طرف سے سر ہوریس رمبولڈ (Sir Horace Rumbold.) آئے اور ترکوں کی طرف سے وہی عصمت پاشا۔ پھر تین ماہ تک جھائیں جھائیں رہی اور ترکی کے نمائندے نے قومی معاہدہ سے ایک انچ بھی ہٹنا منظور نہیں کیا بالآخر ۲۴ جولائی سنہ ۱۹۲۳ء کو صلح لازان طے ہو گئی اور دستخط ہو گئے در اصل پالمرسٹن (Palmerston) اور گلیڈسٹون (Gladstone) وغیرہ کا وہ خواب کہ ترک بوریا بندھنا لیکر یورپ سے باہر ہو جاویں غلط ہی ہو گیا کیونکہ ایڈریانوپل اور مشرقی تھریس پا کر ترک یورپ میں جمے ہی رہے۔ نیز یہ ترکوں کی وہ اندرونی مداخلت جو دول یورپ کو ترکوں کی حکومت میں حاصل تھی وہ بھی اب بالکل ختم ہو گئی اور ترک ہر طرح اپنے معاملات کے لئے آزاد ہو کر ان لڑائیوں کی بدولت ہارے کے بجائے فتحمند ہو کر دنیا کے سامنے آ گئے۔

یہ ضرور ہوا کہ ترکوں کی شاندار چھ سو سال کی عظیم الشان سلطنت کے اب ٹکڑے ہو کر تقریباً ایک درجن آزاد حکومتیں بن گئی تھیں اور جو قومیں اس سے پیشتر ترکوں کی رعایا تھیں اب ان سے برابر کی ٹکر لینے لگیں تاہم لازان کی کانفرنس میں ترکوں نے یہ ثابت کر دیا تھا کہ وہ کسی قوم سے دماغی۔ سیاسی یا حربی قوتوں میں ویسے پیچھے نہ تھے جیسے کہ یورپ سمجھ رہا تھا عصمت پاشا نے اس کانفرنس میں اپنا رویہ اور طرز تقریر دکھا کر گویا وہ بھی جنگ یورپ کے ایک فتحمند رکن تھے۔ نیز ان کی سیاست دانی دلائل اور معقول پسندی کا شرکا پر بڑا اثر ہوا تھا۔ در اصل تو باہمی رشک و حسد اور ذاتی اغراض کے حصول میں کل یورپ اس وقت دو پارہ ہو رہا تھا۔ نیز جنگ کا اب کسی میں بجز ترکوں

سکے ہمت نہ تھی۔ ہر ایک دور بھاگتا تھا بلکہ سب کی بوٹی بوٹی لرزتی تھی اسی سے ترکوں کے ذمہ جو کروڑوں سے بھی زائد پونڈ کا قرض تھا اس کی ادائی فرانس کے نوٹوں میں کرنے کا ترکوں نے بھی اعلان کر دیا۔ اور تعداد میں بھی بے حد کمی ہو گئی اور تبادلہ رعایا بھی یونان سے طے پا گیا۔ بس اب کیا تھا مصطفیٰ کمال ہی کا نام ملک بھر میں لیا جانے لگا۔ اُسی وقت مستورات ملک کو پردے سے باہر آنے اور اٹھارہ سال کے ترک کو رائے دینے یعنی ووٹ کے حق کا اعلان بھی کرا دیا گیا تھا۔

بس یہی وہ سبق ہے جو تمام قوموں کے واسطے قابل تقلید ہے کہ جبتک عوام ملک کی پوری امداد لیڈروں کو نہ ہو کوئی ملک یا قوم اپنی عزت قائم نہیں رکھ سکتا۔ لہٰذا ان کی کانفرنس میں عصمت پاشا حقیقتاً نہیں بولتے تھے بلکہ کل قوم کی وہ ترجمانی کرتے تھے۔

ترکوں کی خوش قسمتی سے اگر غور کیا جائے تو سنہ ۱۹۲۰ء ہی میں یونان میں شاہ کانسٹن ٹائن تخت پر واپس آگئے تھے اور اس کے باعث دول متحدہ میں یونان سے ہمدردی بھی جاتی رہی تھی پھر سنہ ۱۹۲۲ء میں شاہ مذکور کو اپنے بیٹے جارج ثانی کے حق میں تخت چھوڑنا بھی پڑا اور بلوے اور ہنگامے ہو کر بادشاہت بھی ختم ہو گئی تھی نیز دستوری حکومت کا وہاں بھی خاتمہ ہو گیا تھا۔ اُدھر ترکوں کو اسی درمیان میں سوویٹ روس سے بڑی مدد ملی تھی بلکہ روپیہ بھی ملا تھا اور اتحادیوں کی آپس کی رقابت نے ان کی نہ صرف جان ہی بچا دی بلکہ ان کو سامان بھی جنگ کیلئے مہیا کرا دیا تھا کیونکہ اگست سنہ ۱۹۱۹ء ہی میں برطانیہ کی افواج ماورائے قاف کو خالی کر چکی تھیں اور جنرل ڈینکن بھی ہار چکے تھے۔ نیز اپریل سنہ ۱۹۲۰ء میں روس کے باکو آذربائیجان کے لے لینے سے ارمنی دستوری حکومت ایریوان کمزور پڑ گئی تھی اور سنہ ۱۹۲۰ء کے ستمبر میں کاظم کارابکر نے بھی ایریوان پر حملہ کر کے کارس پر قبضہ کر لیا تھا پھر ۱۳ر اکتوبر سنہ ۱۹۲۰ء کو سرخ افواج روس نے جنرل رینگل کی فوج کو نکال کر کریمیا پر قبضہ کر لیا تھا اور دسمبر سنہ ۱۹۲۰ء میں سوویٹ حکومت ایریوان قائم ہو گئی تھی جس نے کہ انگورہ سے صلح کر لی تھی تب ہی سنہ ۱۹۲۱ء میں برطانیہ کی فوج باطوم سے بھی سرخ فوج نے ہٹوا کر کارس۔ اردھان اور باطوم ترکوں کے سپرد کرا دئیے تھے یعنی ترکوں کو ہر قسم کی سیاسی اخلاقی اور مالی امداد سوویٹ روس سے مل چکی تھی۔ بس جب اللہ تعالیٰ کسی کی مدد کرتا ہے تو سب ہی طرح کا سامان غیب سے مہیا ہو جاتا ہے۔ شعر

مرد باید کہ ہراساں نہ شود　　مشکلے نیست کہ آساں نہ شود

صرف ہمت مرداں مدد خدا پر عمل ہونا چاہیئے۔ جس وقت کہ جنرل ٹرائیکوپس اور اُن کے لفٹننٹ کمانڈر ڈائی اونس (. Dionis) گرفتار کر لئے گئے تھے تو کمال پاشا نے اُن کو اپنے پاس بلا کر اور خود کھڑے ہو کر اُنسے

تعظیم وتکریم کے ساتھ ہاتھ ملایا سگریٹ دیا تھا کافی پلائی اور دریافت کیا تھا کہ ضرورت کا کل سامان آسایشں موجود تھا یا نہین اور اُن کے جاتے وقت کہا کہ جنگ بھی ایک اتفاق کا کھیل ہے۔ آپنے اپنی والی پوری کوشش کی قسمت کے ہاتھ نتیجہ تھا غم نہ کیجئے" اور پھر ایک جلوس کی صورت مین کمال پاشا خود اسمرنا مین داخل ہوئے تھے۔ اسی اسمرنا کے لوگ تھے جو ۱۹۱۹ء مین یونانیون کے خلاف جنگ کے واسطے ہتھیار اُٹھا کر جان دینے اور اپنے ملک کو بچانے کے واسطے سب سے پہلے تیار ہوئے تھے اور آلومن ترکون پر اُن کے مظالم کے خلاف جد وجہد کرتے تھے۔ ان کو وہان زیبک یا الفغی کہا جاتا تھا۔ یہ وہان کے پہاڑون کے رہنے والے تھے جن کو تواریخون مین ہائی لینڈر (Highlander) کہا جاتا ہے۔ اب گویا سنہ ۱۹۲۰ء مین قسطنطنیہ کی سلطانی حکومت کا تو خاتمہ ہی ایک طرح پر ہو گیا تھا مگر مسٹر لائڈ جارج وزیر اعظم انگلستان ہی نے درصل یونانیون کو ترکی سے مقابلہ کرنے اور ان کی اصلی حکومت پر حملہ کرنے کی ہمت بندھا رکھی تھی جسکے معنی یہ تھے کہ صلحنامہ سیورز کو وہ ترکون سے منوانا چاہتے تھے۔ مگر طرہ یہ تھا کہ انگریز اسوقت یونان کی کوئی مدد بھی نہین کر سکتے تھے اور نہ اُنھون نے مدد کی تھی۔ ہان صرف حکمت عملیون سے سب کو راضی رکھ رہے تھے۔ اور بالآخر برطانیہ عظمیٰ اور ترکی مین مصالحت ہی ہو گئی۔

اسی جنگ کے زمانہ مین کمال نے ہالیدے ادیب خانم کو جو قونیہ مین تھین تار دیکر طلب کیا تھا کیونکہ اُن کو ایسے وقت مین وہ اپنے ہی پاس دیکھنے مین ایک مبارک فال سمجھتے تھے اور واقعی اس سے قبل بھی جب وہ کامیاب ہوئے تھے تو وہ اُن کے ہمراہ تھین۔ درصل کمال پاشا کو ایسے توہمات اور نیک و بد فال کا اکثر خیال رہتا تھا گو کسی قسم کی مذہبی عقیدت وغیرہ کا تو اُن کے یہان وجود بھی نہ تھا۔

اسمرنا مین داخلے کے تیسرے ہی دن ایک خاتون نے کمال سے ملاقات کرنے کے لئے اُن کے اردلی سے خواہش کی اور قبل اسکے کہ وہ جواب لائے وہ خاتون کمال پاشا کے دفتر مین اُن کے سامنے جا موجود ہوئین یہ لطیفہ خانم تھین۔ اُنھون نے پہونچتے ہی کمال کو اپنے مکان مین قیام کی دعوت دی جس کو کہ کمال نے بخوشی منظور کر لیا اور فوراً وہین اُٹھ گیا۔ لطیفہ کا مکان اسمرنا مین بورنووو (Bornova) پہاڑی پر تھا جہان بجز خاموشی کے اور کچھ بھی نہ تھا۔ اور لطیفہ اُسی زمانہ مین پیرس سے تعلیم حاصل کر کے گھر آئی تھی اُس کا باپ جہازوں کا ایک مشہور مالک تھا لطیفہ نے کمال کی ہر طرح پر اور بڑی عمدگی سے مہمان نوازی کی۔ کمال کو بھی اُس کی خوشگوار صحبت سے بڑا لطف آیا۔ یہان تک کہ دو ہی دن مین کمال پاشا لطیفہ پر لٹو ہو گئے اور واقعی

وہ ہر طرح محبت اور عزت کے قابل بھی تھی حُسن صورت اور سیرت دونون ہی اللہ تعالیٰ نے اُسے عطا کیے تھے علم و فضل۔ متانت وحیا عقل کے ساتھ بچپن اور نزاکت نے تو اور بھی غضب ڈھا رکھا تھا اور کمال پاشا گو اپنے کو اب بوڑھا سمجھنے لگے تھے بلکہ زندگی کے نشیب و فراز و تکلیفات نے ہر طرح سے صورت اور مزاج کو خراب ہی کر رکھا تھا تاہم لطیفہ کی خاطر اور میل نے اُسے پھر جوان مزاج کر دیا۔ شراب تک سے اس کی صحبت مین محترض ہوگئے۔ اور گویا زبان حال سے یہ کہنے لگے قطعہ۔

تمھین سے ہوئی مجکو الفت کچھ ایسی ۔۔۔ نہ تھی ورنہ میری طبیعت کچھ ایسی
گرے میری نظرون سے خوبانِ عالم ۔۔۔ پسند آگئی تیری صورت کچھ ایسی

لطیفہ کی طرف سے محبت کا جواب بھی خاطر خواہ ملنے لگا اور وہ علانیہ کمال کی دلدادہ بن گئی۔ کمال تو اُس کے ملک کا بچانیوالا اور قوم کا مانا ہوا ہیرو ہی تھا اسلئے اُس نے کمال کو اور سب طرح پر تو آزادی دے رکھی تھی مگر وہ سب بھی ایک خاص حد تک اور بس حقیقتاً کمال پاشا کو تو کسی دنیاوی اخلاق یا دینی تاکید کی پرواہ ہی نہ تھی ایسی مخدرات عالیہ کی عصمت ہی کا خیال تھا۔ نہ کبھی عشق و عاشقی کے کوچے سے وہ ہوکر نکلے تھے۔ گناہ و ثواب تو اُن کے یہان کوئی معنی ہی نہ تھے بلکہ بُری سی بُری صحبت مین زندگی بسر کرکے اپنی صحت تک کو ہر طرح خراب برباد کر چکے تھے۔ نیز مستورات عالم تو اُن کے خیال مین اسی واسطے خلق ہوئی تھین کہ اُن سے لطف زندگی اُٹھایا جاوے اور جسطرح چاہین مرد اُنھین استعمال کرین۔ اپنا کام نکال کر اُن کو دھتا بتانا اُن کی رائے مین کچھ بھی معیوب نہ تھا وہ روپے پیسے سے خاموش کی جاسکتی تھین مگر یہان تو اب اُن کو طور ہی نرالا نظر آیا۔ ایک یورپ کی نوجوان تعلیم یافتہ باعصمت خاتون عطر و خوشبو سے ہر وقت معطر۔ اخلاق حمیدہ سے معمور۔ بات چیت۔ پوشاک سلیقہ اور ہنرمندی بلکہ ہر ادا مین حد درجہ کی تمیز علم و فضل کی گفتگو مین کسی سے کم نہین بلکہ خود کمال پاشا سے ہر طرح پر ٹکر لینے والی آزاد خیال اور صاحب منش بلکہ اچھے خاندان کی خوبصورت حیادار اور دولتمند خاتون جو بطور ایک محبتی و ہمراز دوست کے نہ صرف شریک زندگی ہونے بلکہ ہر طرح شوہر کا ہاتھ بٹانے کے لئے تیار نظر آئی۔

ابتو کمال پاشا کے دل مین بھی پہلی بار محبت کیا عشق کا تیر گویا پار ہو چکا تھا وہ گرویدہ ہو گیا۔ اسی درمیان مین فقری کے آنے کی خبر معلوم ہوئی جس نے کہ اپنی وفاداری۔ ایثار اور قربانی سے ایک مرتبہ کیا بلکہ مدتون کمال کی ہر طرح خدمت۔ خاطر اور تیمار داری کی تھی اور کمال کو اُس کے آنے پر سخت بےچینی ہوگئی گویا اُس کے بنے بنائے کھیل مین خلل پڑ جانے کا اندیشہ ہوگیا کیونکہ کچھ ایسی ہی بات تھی کہ جس کو وہ زبان سے نہ کہہ سکتے تھے۔ بس

غصہ آہی چلا تھا کہ لڑکی کی محبت اور وفاداری کا اثر دل پر ہو گیا۔ اور غصہ جاتا رہا۔ بس اپنے عقیدے کے مطابق نقدی معاوضہ دیکر اُسے رخصت اور خاموش کر دیا اور وہ واپس چلی گئی۔

ایک شب میں جب کمال اور لطیفہ برآمدے میں بیٹھے تھے اور عیسائیوں کے مکانوں میں جہاں کہ ترک ٹھہرے ہوئے تھے اور جنہیں عیسائیوں نے گولہ اور بارود محض اسی خیال سے جمع کر رکھا تھا کہ ترکوں کے آجانے پر ان میں آگ لگا کر ترکوں کو ہلاک کر سکیں گے اور آگ بھی لگا چکے تھے۔ جس کی روشنی میں ساحل بحر تک کے دول یورپ کے جنگی جہازات نظر آ رہے تھے اور مُردوں کی لاشیں تک سمندر میں بہتی دکھلائی دیتی تھیں جس سے کہ ہر انسان کا قلب متأثر ہو جاتا اور اس ظلم کے منظر سے خوف خدا ہو کر دل دھل جاتا۔ اُسی وقت کمال نے لطیفہ پر دست درازی کرنی چاہی مگر اُس نیک اور پاک باز لڑکی نے اپنے کو علیحدہ کر کے کہا کہ "کیا آپ نہیں سمجھتے کہ مجھے آپ سے محبت ہے مگر میں آپ کی آشنا نہیں ہو سکتی۔ آپ نکاح کر لیجئے میں آپ کی ہوں"۔ کمال نے اسپر جواب میں کہا کہ "نکاح کیا ہے چند خالی خولی الفاظ ہیں جو ایک کثیف داڑھی والے مولوی کی زبان سے نکلتے ہیں۔ اُن سے کیا بڑا فرق ہو جاتا ہے علاوہ ازیں میں نے قسم کھائی ہے کہ شادی اُسوقت تک نہ کروں گا جبتک کہ ٹرکی کے لئے میرا کام نہ ختم ہو لیگا مجکو تمھاری ضرورت ہے اور وہ ضرورت بھی اسی وقت ہے"۔ لطیفہ نے جواب دیا کہ "میں نے بھی قسم کھائی ہے کہ بغیر نکاح کے راضی نہ ہوں گی میری بھی یہ شرط ہے اور جس طرح آپ کی قسم ہے ویسی ہی میری"۔ کمال اُسی وقت پیچ و تاب میں اُٹھکر باہر چلا گیا اور صبح کو اسکا کمرہ خالی تھا۔ اور اب وہ فوج میں تھا[۵]۔

لطیفہ ناتوان زخم خوردہ ہو کر قانون اور فرانسیسی ادب کے پڑھنے نیز مجروحین و مفرورین کی امداد میں مشغول ہو گئی اور کمال با ایں ہمہ جنگ کے اُن سنگین واقعات کے سبب جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے کبھی برو سا اور کبھی انگورہ کی دوڑ لگانے یا دل کے غم کو غلط کرنے کیلئے مشغلۂ نوشی میں پڑ جاتے۔ مگر لطیفہ کا خیال اب پورے طور پر کمال کو ستے جاتے اور اُٹھتے بیٹھتے ستانے لگا تھا کہ جنگ کے خاتمہ پر ایک دن انگورہ سے موٹر پر بیٹھ کر تنہا ٹہیرتا ہوا ایکدم بلا کسی سے کچھ کہے ازمیر میں داخل ہو گیا اور فوراً پہونچکر لطیفہ کے گھر میں داخل ہوتے ہی کہا کہ "اب بلا تاخیر و تامل وہ نکاح کر لیگا۔ نہ کسی کو بلایا جاوے اور نہ کوئی رسم ہو گی"۔ لطیفہ اسپر بالکل حیران و ششدر رہ گئی کیونکہ نہ سلام تھا نہ پیام تھا نہ کچھ بھی یکبارگی یہ گفتگو چہ معنی دارد۔ تاہم اُس نے چند منٹوں کی مہلت چاہی۔ اُسے ۱۴

---

[۵] دیکھو صفحات (۲۰۳-۲۰۴) کتاب گرے وولف از ایچ۔ سی۔ آرم اسٹرانگ۔ مصطفےٰ کمال سنہ ۱۹۳۲ء۔

بیشک کمال نے منظور کر لیا مگر پھر بھی تھوڑی دیر کے بعد اُس نے لطیفہ کا ہاتھ پکڑا اور باہر سڑک پر آکر ایک چلتے داڑھی والے مولوی کو جو مسجد جا رہا تھا پکڑ لیا۔ اور کہا کہ وہیں اُسی دم دونوں کا نکاح پڑھ دے۔ چنانچہ مولوی نے تعمیل حکم کر دی اور دونوں اسمرنا کے جنگلوں کی طرف روانہ ہو گئے اور گھومتے رہے کسی کو بھی نکاح کی اطلاع نہ ہوئی۔ تاوقتیکہ وہ فوج کے معائنہ کے واسطے نہ گیا اور لطیفہ کو شاہی گاڑی میں بطور اپنی بیوی کے بٹھلا کر نہ لےگیا اور تب ہی لوگوں نے جانا۔ کمال نے اسمرنا وغیرہ کی فتح کے بعد حکومت یا بادشاہی کے خیال تک کو اپنے دماغ میں گذر نہ ہونے دیا تھا حالانکہ تمام عالم سے مبارکبادیں آرہی تھیں اور اسلامی دنیا نیز تمام ایشیائی اقوام کو یہ خیال بندھ گیا تھا کہ وہ گورے رنگ کے عیسائیوں سے تمام مشرقی دنیا کو ضرور نجات دلا دیگا چنانچہ ایک موقع پر اُن کی تقریر یہ ہوئی تھی "نہ کوئی ظالم ہے نہ کوئی مظلوم وہی مظلوم ہیں جو اپنے کو مظلوم بنانے کی ظالم کو اجازت دیں۔ ترک اُن میں نہیں ہیں وہ اپنی حفاظت خود کر سکتے ہیں۔ دوسرے بھی وہی کریں"[۵۱]۔

ایک بار ہالدے ادیب نے کمال پاشا سے کہا کہ "صلح کے بعد آپ اب آرام کر لیجئے۔ آپنے بڑی مصیبت جھیلی ہے۔ کمال نے جواب دیا کہ آرام۔ کیسا آرام۔ یونانیوں سے لڑنے کے بعد ہم آپس میں لڑینگے اور ایک دوسرے کو کھا جائینگے"[۵۲]۔

سلطان وحید الدین کے تخت سے اُتارے جانے کا ذکر گو اوپر ہو چکا ہے مگر پھر بھی کچھ مختصر ازدیاد بیان کی حاجت ہے۔ انگریزوں اور یونانیوں سے مل کر انھوں نے قوم سے غداری کی تھی اور ہر ترک اُن کو قوم فروش اور ترکوں کا مٹانیوالا سمجھنے لگا تھا۔ انگریزوں نے انھیں سے خواہش کی تھی کہ لازان کی کانفرنس میں حکومت قسطنطنیہ کی طرف سے وہ بھی کوئی نمائندہ بھیجیں اور انگورہ کی قومی مجلس سے بھی بھیجنے کی وہی خواہش کریں چنانچہ یہ خبر ملک بھر میں بجلی کی طرح کوند گئی تھی اور اُن سے نیز اُن کی حکومت سے قوم بھر اس قدر ناراض ہو گئی تھی کہ اُن کے سپاہی اُن کے وزرا اور کوئی بھی جو اُن سے وابستہ تھا عوام کے سامنے تک نہ آسکتا تھا اور جو آیا پٹ گیا۔ نیز حکومت انگورہ یا قومی مجلس نے جیسے ہی کہ الفاظ "حکومت قسطنطنیہ" کو سنا تھا تو تمام نمائندے آپے سے باہر ہو گئے تھے۔ اور ہر ڈپٹی یہ دریافت کرنے لگا تھا کہ یہ کون سی حکومت ہے وہ سب تو صرف ایک ہی قومی مجلس اعلیٰ انگورہ کو اب جانتے تھے اور توفیق پاشا صدر اعظم کو حکومت انگورہ کو طلب کرنے کا کیا حق تھا۔

---

[۵۱] دیکھو صفحہ (۲۱۹) کتاب آیم اسٹرانگ مذکور۔
[۵۲] دیکھو صفحہ (۲۲۰) کتاب آیم اسٹرانگ مذکور۔

قسطنطنیہ کی ناجائز حکومت نے کس طرح ملک کو بچایا تھا" وغیرہ وغیرہ۔ کمال نے بھی اُسی وقت مجلس مین یہ تجویز پیش کر دی تھی کہ "سلطانیت کو ختم کیا جاوے اور خلافت کو بھی اُس سے جدا کیا جاوے اور وحید الدین کا اخراج ہو" مگر اسمبلی نے اس تجویز کو مخصوص قانونی کمیٹی مین بھیجنا تجویز کیا تھا جو دوسرے ہی دن بیٹھ گئی تھی اور وہان قانون و قرآن پاک اور احادیث سب ہی پیش ہو کر بحث و مباحثے ہونے لگے تھے۔ ممبرون نے سخت سے سخت لفظی و معنوی دلائل و براہین پیش کیے۔ کمال پاشا بھی اُس کمیٹی مین اپنی فوجی پوشاک پہنے ہوئے ایک کونے مین خاموش بیٹھے ہوئے سب کچھ سُنا کیے۔ یہانتک کہ بالآخر ایک شخص بھی اُن کی تجویز کے موافق نہ نظر آیا تب تو کمال سے نہ رہا گیا اور وہ کود کر ایک بنچ پر کھڑا ہو گیا اور کہا کہ "حضرات! آل عثمان سلطان نے قومی سلطنت کو بذریعہ قوم سے حاصل کیا تھا۔ اب قوم نے بھی بزور اُس سے واپس لیلیا۔ خلافت کو سلطانیت سے ضرور جدا کرنا پڑے گا اور اُسے ختم بھی ہونا پڑیگا۔ آپ موافق ہون یا مخالف بہرحال یہ تو ہو کر رہیگا۔ صرف آپ مین کے چند سر اِس کارروائی مین صاف ہو جائین گے"۔ بس صدر جلسہ نے جو ایک عالم تھا کہا کہ "حضرات! غازی نے ہمارے سامنے ایک دوسرے نقطۂ نظر سے مسئلہ کو صاف کر دیا" اور کمیٹی نے بھی کمال کی پوری تجویز کے مطابق اعلیٰ مجلس قومی کو رپورٹ کر دی تاکہ اُسی کے مطابق قانون نافذ ہو۔ جب اسمبلی مین یہ معاملہ پہونچا تو وہان بھی صدر نے کمال کی طرف دیکھکر رائے طلب کی تو کمال کے ساتھیون نے چلّا کر کہا کہ "سب کو بالاتفاق منظور ہے" ویسے ہی صدر صاحب نے کہدیا کہ "تجویز بالاتفاق طے ہو گئی"۔ اُسی کے پانچ دن کے اندر رفعت پاشا نے قسطنطنیہ مین حکومت اپنے ہاتھ مین لیلی تھی اور سلطانی حکومت کا خاتمہ کر کے سلطانیت کو ختم کرا دیا تھا۔ سلطان وحید الدین نے انگریزون ہی کی مدد چاہی تھی اور اپنی جان کو خطرے مین ہونا ظاہر کیا تھا چنانچہ دو دن کے بعد ایک انگریزی "ایمبولنس کار" محل کے پشت کے دروازے پر آئی تھی اور سلطان مع اپنے لڑکون وغیرہ و کچھ اسباب کے باہر آ کر اسمین بیٹھ گئے تھے۔ اور سمندر مین ایک موٹر بوٹ پر سوار ہو کر انگریزی جنگی جہاز پر پہونچ گئے تھے جو ایک گھنٹہ مین آخری سلطان کو لیکر ہمیشہ کیلئے ۱۷ نومبر سنہ ۱۹۲۲ء کو ٹرکی سلطنت کو خیرباد کہہ گیا تھا۔ اُسی دن وحید الدین کے بجائے عبد المجید کو صرف خلیفۃ المسلمین ہی بنا لیا گیا تھا۔ اب گویا سلطانیت تو ختم ہو چکی تھی اور صرف خلافت رہ گئی تھی اور عبد المجید صرف خلیفۃ المسلمین ہی بنائے گئے تھے مگر چونکہ کمال پاشا نے سلطان وحید الدین کے تخت سے اُتارنے کیواسطے ڈپٹیون کے ساتھ انگورہ مین کیا تھا اور جس طرح مجلس کو مجبور کیا تھا اُس سے ہر طرح پر نفرت عام طور پر ہونے لگی تھی اور لوگ

مشکوک بھی ہونے لگے تھے اور دراصل تو اب بھی سلطان کے بجائے کمال پاشا کو کوئی دیکھنا نہیں چاہتا تھا اسلئے مجبوراً کمال بھی اُن مقامی کمیٹیون کو جن کو کہ اُس نے ۱۹۱۹ء میں قائم کرایا تھا مضبوط اور مستقل کرنے پر تل گیا تھا اور ملک کے دورے کرنے کیلئے نکل کھڑا ہوا تھا مگر جہان کہین بھی وہ پہونچا لوگ اُسکا گرمجوشی سے استقبال کرتے تھے اور اس کو ملک و قوم کا نجات دہندہ بھی بتلاتے تھے۔ کمیٹیون کا اقتدار بھی اس کارروائی سے ہر جگہ قائم اور مستحکم ہوتا گیا تھا۔ لوگ بھی کمال کے سامنے اپنے خیالات رائین اور معروضات آزادی سے بیان کرتے تھے جس کے جواب مین وہ یہ صلاح دیتے کہ "اپنی ترتیب کو خوب مضبوط کر لو۔ بیرونی دشمن تو خارج ہوا مگر ملک مین نمکحرام موجود تھے جنگ ابھی ختم نہین ہوئی ہے۔ سب اپنی کمیٹیون کی توسیع کر دو میرے ساتھ رہو اور حکم مانو۔۔۔۔۔ بس آخر مین تم ہی ملکی پارٹی ہوگے اور تمھاری ہی حکومت ٹرکی مین ہوگی"

جب کمال پاشا نے دورہ کرکے اپنے منصوبہ کی تکمیل کر لی تھی تو پھر انگورہ واپس آگئے تھے اور اسی دورہ کے بعد لازان کانفرنس مین عصمت پاشا کو ترکی حکومت کا نمایندہ بنا کر بھیجا تھا اُن کی کامیابی سے واپسی پر کمال پاشا نے آپکی شہر جاکر ان کا خیر مقدم کیا تھا اور دونون ساتھ ہی واپس ہوئے تھے عصمت پاشا کی عدم موجودگی مین رؤف بے اپنے کو وزیر اعظم سمجھنے لگے تھے نیز رؤف بے کی مرضی کے خلاف عصمت پاشا لازان بھیجے گئے تھے۔ لہذا کمال سے اور رؤف سے اختلاف ہو گیا تھا اسپر رؤف بے اسمبلی مین مخالف پارٹی کے لیڈر بنے اور بجز عصمت اور فوزی کے سب نے کمال کا ساتھ چھوڑ دیا تھا تب اسمبلی کو کمال نے برخواست کر دیا تھا اور جدید انتخاب کا حکم دیدیا تھا جب دوسری اسمبلی آئی تو اُس نے بھی کمال کا ساتھ نہین دیا۔ تو کمال نے ایک شب کے کھانے پر وزراء کو جمع کرکے کہا کہ "آئندہ سے ڈپٹیون کو یہ اختیار نہ دینا چاہیئے کہ وزراء پر اعتراض کرسکین نہ اُن کے کامون مین مداخلت کا حق ہی اُن کو رہے" بس اس تجویز سے خوشی خوشی سب وزراء متفق ہوگئے اور دوسرے دن کمال کے مشورے سے سب وزراء نے استعفا دیدیا۔ اور کمال نے اسمبلی سے دوسری وزارت بنانے کی خواہش کردی موجودہ وزراء مین سے کسی نے بھی جب وزارت قبول نہین کی تو اسمبلی مین کئی دن تک جھگڑے رہے اور کچھ طے نہ ہوسکا۔ بالآخر اسمبلی نے کمال پاشا ہی کو خود وزارت کے انتخاب کا اختیار دیدیا۔ دراصل تو کمال کی سیاست دانی کا یہ پورا کھیل تھا۔ اور اس سے سب پر یہ ظاہر ہو گیا کہ کمال سے اختلاف کرنا مصلحت وقت اور قرین عقل نہ تھا۔ اسی وقت کمال نے اسمبلی سے یہ وعدہ بھی لیلیا تھا کہ جو بھی فیصلہ وہ کریگا اُس کو سب منظور کر لین گے اس کارروائی مین خود ایک لمحہ چھین لیا اور نہ دوسرون کو چین لینے دیا۔ آخر مین ممبر پر چڑھ کر ایک خطبہ دیا جسمین

وزارت کی مشکلات بیان کرکے موجودہ اساس حکومت کے تبدیل کرنے اور حکومت کو بجائے جمہوریت کے دستوریت (Republic) کر دینے کی طرف بھی سب کو راضی کر لیا۔ اور جبکہ صدر کلیتاً با اختیار ہوتا چنانچہ ایک بل بھی جو عصمت اور کمال نے تیار کر رکھا تھا اُسی وقت مجلس میں پیش کر کے "دستوریت" کیواسطے پاس کرالیا اور وہی آیندہ کے واسطے حکومت ترکیہ کا قانون اساسی قرار پا گیا۔ نیز ۱۳ اکتوبر ۱۹۲۳ء کو انگورہ کو مستقل دار السلطنت قرار دلوایا۔ اور ۲۹ اکتوبر ۱۹۲۳ء کو دستوری حکومت ہونے کا اعلان ہوا۔

"۲ اکتوبر ۱۹۲۳ء کو بیرونی افواج نے قسطنطنیہ کو خالی بھی کر دیا تھا اور ملک بھر کو تو خود ایسی اپنی حکومت جو اپنے ہی واسطے ہو اور جس پر وہ خود حکمران ہوں اسکی تمنا اور آرزو بندھ چکی تھی مگر ظاہر تھا کہ ترکی عوام ابھی تک ایسے تعلیم یافتہ نہ تھے جیسے امریکہ یا یورپ کی دیگر دستوری یا جمہوری سلطنتوں کے عوام تھے۔ لہذا کہا جانے لگا کہ یہ دستوریت تو چند فوجی افسرون کی ایجاد تھی۔ تب ٹرکی سے اس ترتیبی نوعیت کی حکومت یا ارتقا کی اُمید کرنا جو فرانس یا امریکہ وغیرہ میں ظاہر ہو چکی تھی غلطی ہوگی ہان یہ ممکن تھا کہ ارتقائی طریقہ پر جو آزادی یا اساس حاصل کیا جاتا ہو وہ اس سے بہتر اور پائدار ہوتا جو کشت و خون اور غدر سے زبردستی بنا لیا جاتا ہے۔ اسکا جواب یہ دیا گیا تھا کہ ٹرکی مین مدتون سے کچھ کچھ رفتہ رفتہ ارتقائی صورتین بھی پیدا ہوتی رہی تھین مثلاً نوجوان ترکون کے اصلاحات۔ پھر اتحاد و ترقی کے زمانہ کے اصلاحات بلکہ خود سلاطین کا جمہوریت کی اجازت دینا نیز بیرونی معاہدات وغیرہ کی تنسیخ یا غیر مسلم اقلیت کی حقوق شناسی۔ اسکے بعد سلطانیت کا اختتام وغیرہ۔ تب اگر ان سب باتون کا لحاظ کیا جائے تو ایک قسم کی ارتقائی کیفیت بھی مانی جا سکتی تھی۔ اب یہ خیال کہ موجودہ طریقہ پر حاصل کی ہوئی دستوریت کتنے دنون چلیگی اور آیا استبدادیت کس وقت اس سے دور ہوگی یہ سب وقت اور زمانہ کے ہاتھ مین ہے لیکن اُسی زمانہ مین ترکون نے شیخ الاسلام کا عہدہ بھی توڑ دیا تھا اور جو فرائض کہ اُن کے تھے وہ سب وزارت انصاف کے سپرد کر دیئے گئے تھے۔ اوقاف و مدارس وغیرہ بھی سب اُسی سے متعلق ہو گئے تھے جو تمام واقعات ترتیبی نوعیت حکومت کیلئے عام طور پر کافی مان ہی لئے گئے تھے لہذا یہی باعث قوم نے دستوریت کے اعلان کو تسلیم کر لیا تھا۔

فی الحقیقت تو اب ٹرکی کی عام رعایا کو اسمبلی کی بک بک اور قسطنطنیہ کے جھگڑون سے کوئی بھی واسطہ نہ تھا وہ تو روٹی کے بھوکے کپڑون کے محتاج اور جنگون نیز باہر والون کی لوٹ مار سے بیزار ہو چکے تھے۔ عام رعایا اور کاشتکار کو اپنے گھرون کھیتون اور بال بچون کی عافیت مقصود تھی اور حکومت کے طرح طرح کے مظالم سے نجات اُن کی آرزو تھی۔ فوج تک لڑنے سے عاجز آ گئی تھی۔ ملک تو ہر طرح برباد ہی ہو چکا تھا اور سپاہی کو تنخواہ سے بحث

تھی چاہے کمال صدر ہوتے یا سلطان تخت نشین۔ اخبارات کو اب حکومت کی طرف سے تاکید کردی گئی تھی کہ دستوری حکومت کے خلاف۔ کچھ بھی نہ لکھیں بلکہ اسکو ملک سے منوانا ہی اُن کا فرض تھا۔ نیز قومی پارٹی خود بھی اب ہر جگہ با اختیار ہوکر کام کرنے لگی تھی۔ "غازی" اور "صدر یا پریسیڈنٹ" کے الفاظ کی بھی دھوم مچگئی۔ عوام نے توسٹرکون پر نعرہ ہائے خوشی بلند کئے اور جیسے کرنئے سلطان کے واسطے سلامی ہوتی تھی ویسے ہی ایک سو ایک توپ کی سلامی ہوئی کمال پاشا نے اب اپنی پوری توجہ مذہب کی جا و بیجا سیاست مین مداخلت اور مذہبی نعرون کے غلط استعمال کی طرف مبذول کی کیونکہ اُن کے خیال مین مذہب کے معاملات اور خیالات کو سیاست ملکی مین غالب رکھکر اور مذہبی مراسم و طریقون سے یورپ کی قومون کے متصل اور مقابل ہوکر زمانۂ حال مین اُن کی قوم کی ترقی ناممکن تھی۔ جاپان کی تقلید ان کے واسطے صحیح نہ تھی۔ جاپانیون کے مذہبی عقائد اسلامی عقائد سے بالکل ہی مختلف تھے۔ اُن کے یہان حرام و حلال۔ جائز و ناجائز کے خیالات کا وجود ہی نہین ہے۔ خودکشی ہی اُن کا مذہبی فرض ہے۔ جو اسلام مین حرام ہے۔ نہ وہ قوم یورپ ہی سے اُتنی قریب تھی جتنے کہ ترک۔ نہ اُس کے تعلقات ہی یورپ سے اتنے دیرینہ تھے جیسے کہ ترکی کے۔ یورپ اور ترک دونون کو ایک دوسرے سے میل کی ضرورت تھی اور ترک تو کسی طرح بھی پکے ایشائی بنکر صدیون سے طرز و ماندبود اور اپنی روایات کو خیرباد نہین کہہ سکتے تھے۔ نیز اب بھی ان کے دلون مین اپنی گئی گذری شان و حکومت کو واپس لینے کا ولولہ موجود تھا پھر وہ پتلیس داستون مین رہ کر دوسرون کی تقلید کس طرح کرتے۔ اس لئے اُن کے واسطے اپنے حالات کے مطابق اپنا دستور اپنا قانون اپنا رویہ اور اپنی خاص قومی تشکیل ضروری تھی۔

ملک مین اسی زمانہ مین یہ خبر بھی گشت کرنے لگی کہ مصطفٰے کمال خلیفہ کو بھی نکالنے والے تھے بلکہ اسلام کو بھی مٹا دینگے چنانچہ درویشون۔ ہوجون۔ اور ملاؤن نے ہر جگہ کمال کے مذہبی خیالات اور مستورات کی بے پردگی اُن کے ناچ و رنگ لیون مین شرکت وغیرہ پر اعتراضات کے علانیہ پل ہی باندھ دئے۔ اُن کے مخالفین اور بیرونی سلطنتون نے بھی خوب ہی اس طرح کے پروپیگنڈا مین جی کھول کر اور روپیہ صرف کرکے شرکت کی۔ خلیفہ عبدالمجید کے دربار مین بھی ایسے ہی لوگون کا مجمع زائد ہونے لگا جو کمال کے مخالف تھے اُن کو بھی تو سلاطین کی طرح سلیم لیک قسطنطنیہ مین کرایا گیا اور واپسی پر کمال کے مخالفین اُن کے یہان جمع بھی ہوئے۔ رؤف بے عصمت اوزنان اور لطیف کا رابکر نے عبدالمجید کو پھر سلطان ہی بنا دینے کی سازش کی اور شخصی حکومت کے قائم کرا دینے کا گویا پھر ڈھچر ڈالدیا۔

جب کمال پاشا کو اسکا علم ہو گیا کہ اُس کے ساتھی تک اُس سے خلاف ہو گئے تو وہ گونہ پریشان ضرور ہوا۔ مگر قسمت نے پھر یاوری کی کہ اتفاق سے ہز ہائینس سر سلطان محمد شاہ آغا خان بالقابہ اور مسٹر امیر علی مرحوم کی طرف سے انگلستان میں بیٹھکر خلافت اسلامی کو برقرار رکھنے کے متعلق مسلمانان ہندوستان کی نیابت میں ایک اپیل شائع ہو گئی جو احتجاج بھی متصور ہو سکتا تھا۔ اور وہ تحریر قسطنطنیہ کے اخباروں میں شائع ہو گئی۔ تب کمال پاشا نے دونوں بزرگوں کو انگریزوں کا آدمی کہکر قوم کو یہ دکھلایا کہ ہندی مسلمانوں کی طرف سے احتجاج کرا کے انگریز قوم ترکوں کو آپس ہی میں لڑانا چاہتی تھی اور دونوں بزرگوں کو جو سنی المذہب نہ تھے خلافت کے مسئلہ سے بے تعلق رہنے کی دلیل بھی پیش کی بلکہ مجلس قومی میں ان تمام معاملات کو پیش کر دیا۔ جسکے باعث وہاں برہمی بھی پھیل گئی اور یہ تجویز پاس کر دی گئی کہ دستوریت کے خلاف جو بھی ہمدردتک پایا جائے وہ باغی قرار پائے اور جسکی سزا صرف موت ہوگی پھر جن اخبارات نے وہ مضامین شائع کئے تھے انھیں سزائیں بھی دی گئیں۔ اور قوم بھر کا ملاؤں وغیرہ نیز خلیفہ تک سے ناراضگی کا اظہار کرایا گیا۔ گویا مصطفےٰ کمال کی پھر جیت ہوئی۔ اسی کے بعد یکم مارچ ۱۹۲۴ء کو دستوری حکومت ترکیہ کے صدر نے جبکہ قومی اعلیٰ مجلس کے پانچویں سالانہ جلسے کا افتتاح کیا گیا تو اپنی تقریر میں اسکا اعلان کر دیا کہ "خلافت کی بھی اب کوئی ضرورت نہیں تھی۔ خلیفہ کے اختیارات اور فرائض بھی سب سلب کر لئے جاویں اور اسکا بھی اخراج ہونا ضروری تھا" چنانچہ بالاتفاق قومی مجلس نے یہ تجویز منظور کر لی۔ اور عبدالمجید آفندی کو خلافت سے بھی برطرف کر دیا گیا اور گورنر استنبول کو ۳ مارچ ۱۹۲۴ء کو حکم بھیجدیا گیا کہ "خلیفہ صاحب کے لئے جو کچھ بھی ترک احتشام ہوتا ہے اور جو مجمع وغیرہ اُن کے یہاں ہوا کرتا ہے سب ایکدم سے موقوف کیا جاوے۔" روما کی طرح قسطنطنیہ میں کوئی پایۂ عظم نہیں رہ سکتا جو کہ حکومت انگورہ کا حریف مقابل ہو" اور اسی کی بابت اسمبلی میں ایک بل بھی پیش کر دیا گیا تھا چنانچہ ۴ مارچ ۱۹۲۴ء کو خلیفہ عبدالمجید مع اپنے تمام سامان و بال بچوں کے ملک سے باہر ہو کر سوئٹزرلینڈ کو روانہ ہو گئے اور اسی کے دو دن بعد تقریباً تمام خاندان شاہی بھی سرحد سے باہر کرا دیا گیا اور وہ سب یورپ کی طرف چلے گئے۔ یہ خلیفہ عبدالمجید سلطان عبدالعزیز مرحوم کے صاحبزادے تھے۔

۴ مارچ ۱۹۲۴ء کے تار نے جس سے کہ دنیا کو یہ خبر ملی کہ خلیفۂ اسلام کو چند ہی گھنٹہ کی مہلت دیکر ملک سے باہر کرنے کا حکم ترکوں کی قومی مجلس نے دیدیا کل دنیائے اسلام میں ایک ہیجان ضرور پیدا کر دیا تھا۔ بعض نے تو یہ کہکر کہ "امور مملکت خویش خسروان دانند" خاموشی اختیار کی اور بعض نے یہ بھی سمجھا کہ مصطفےٰ کمال

کا دماغ خراب ہوگیا اور یہ رائے زنی کی کہ نہ صرف دنیائے اسلام میں سخت تہلکہ پڑجائے گا بلکہ بغاوتیں کرکے خلافت کے قیام کیلئے مسلمان ہر طرح کی قربانی کرینگے۔ یورپ نے بھی عام طور پر خلافت کے قیام کے واسطے ٹرکی کے آیندہ کو بالکل ہی تاریک جان لیا۔ بلکہ ہاسکو ہی کو اسکا ذمہ دار ٹھہرایا۔ مگر سمجھدار مسلم دنیا نے صبر سے کام لیا اور واقعات کے معلوم ہونے پہ دم بخود رہ گئے۔ معزول سلطان اور خلیفہ دونوں ہی دراصل اتحادیون کے ہاتھ مین آلہ کار بنکر قوم کے خلاف محض اپنی ذاتی شان اور مرتبے کے بچانے کیواسطے محل شاہی مین چھپے بیٹھے تھے اور ملک و قوم پر دوسرے قابض و حاکم ہوگئے تھے۔ اب یہ کہ اس علم کے بعد بھی ترک قوم اُن کی عظمت کرتی ذرا قابل غور رہی۔

دراصل تو ترک اپنے آخری سلطان محمد سادس کے بابت عام طور پر یہ رائے رکھتے تھے کہ اُن مین ملک کی عام رائے کے ساتھ چلنے کی قابلیت تھی اور وہ ایک وسیع الخیال انسان تھے بلکہ کمال کے ساتھ مغرب کا سفر کرکے حالات سے واقف ہوچکے تھے۔ اُن سے قوم کو یہ توقع نہ تھی کہ وہ منحرف ہوکر دول غیر کے ہاتھ مین کھلونا بن جائینگے۔ غرضکہ صرف مغربی اناطولیہ مین کچھ دردیشون مین شورش اور بغاوت کے بعد سب طرف خاموشی ہی ہوگئی۔

اصل تو یہ تھی کہ ایک صدی سے زائد ہوچکا تھا کہ عیسائی دول یورپ کی ہر قسم کی ریشہ دوانیون اور سیاسی چالون کی کل سلطنت شکار بن گئی تھی۔ کوئی حصۂ ملک اور کوئی محکمۂ حکومت خرابی اور نقص سے خالی نہ رہا تھا۔ اور ہر جگہ عیسائیون اور یہودیون کا ہاتھ دکھلائی پڑتا تھا۔ اور بقول مولوی شبلی مرحوم شعر

مراکش جاچکا فارس گیا اب دیکھنا یہ ہے
کہ جیتا ہے یہ ٹرکی کا مریض سخت جان کبتک

دنیا اسی کی منتظر تھی۔ بس شکر ہے کہ یورپ نے ترکون کی نامردی سے اُن کو ختم نہین کرایا اور قوم نے خود ہی اپنے کو بچالیا۔ ورنہ وہ بھی طوق غلامی پہنکر دوسرے مسلمانون کی طرح رہ جاتے جس سے نہ ملک کا صرف خون ہی چوسا جاتا بلکہ مذہب بھی برائے نام باقی رہتا۔

حقیقتاً تو جس طرح انقلاب روس ۱۹۱۷ء ہوا جسمین کہ لینن ([illegible]) کا بہت بڑا حصہ تھا اسی طرح کا یہ انقلاب ٹرکی بھی تھا یعنی ہر قسم کی معاشرتی اور اقتصادی تعمیر مقصود تھی لیکن ٹرکی مین ابھی تک چونکہ بہت کچھ قوانین کیا حکومت کے اور کیا انصاف کے اور کیا ترکہ اور کیا صنعت و تجارت کے سب مین ساتوین صدی عیسوی کے

مذہبی پہلو ہی سب طرح نمایاں تھے۔ اسلئے یہاں کی سیاسی تعمیر کا پہلو ہی دوسرا ہو گیا۔ روس میں تو پوپ کا حکم بھی کچھ کچھ تھا مگر ٹرکی میں تو خلیفہ اور سلطان کے فرائض ایک ہی شخص کے ہاتھ میں تھے۔ اور وہی دینی و دنیاوی پیشوا تھا۔ نہ صرف بادشاہ کو تخت سے اُتارنا ہی مشکل تھا بلکہ ترکی قوم کا مطمح نظر ہی بدل دینا تھا جو کوئی آسان کام نہ تھا۔ صدیوں کا بنا بنایا دار السلطنت اُجاڑ کر انگورہ کو بسانا تک گویا پہاڑ کا کاٹنا تھا۔ سلطان محمد سادس کے یکم نومبر ۱۹۲۲ء کی شب کو برطانیہ کی کروزر پر سوار ہو کر خفیہ طور پر بھاگ گئے اور عبد المجید خلیفہ آخر جن کی عمر پچاس سال کی ہو چکی تھی اُن کو صرف خلیفہ بنا دینے نیز پھر اُنھیں کو دو سال کے اندر خلافت سے ہٹا دینے اور چند ہی ماہ بعد ترکی ٹوپی کو قانوناً سروں سے اُتروا دینے کا قوم بھر کو رنج تھا لیکن قوم نے یہ بھی دیکھ لیا کہ اس تمام کارروائی کے جلو میں مصطفٰے کمال اور اُس کے ساتھیوں کا کوئی بھی ذاتی نفع یا فروغ کا پہلو نہ تھا۔ ہاں یہ ضرور ہوا کہ ٹرکی اب اسلامی حکومت و اقتدار کا مرکز نہیں رہا۔ اور نہ اسلامی اتحاد کا خیالی ملجا و ماویٰ۔ اس سے بیشک یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ اس کارروائی کا اثر نہ صرف ٹرکی ہی پر ہوا بلکہ تمام اسلامی دنیا پر۔ اور آجتک پھر کوئی بھی خلیفہ اسلام کا مسلمانوں نے نہیں مقرر کیا۔ شاہ حسین حجازی نے خلافت کا دعویٰ کیا تھا مگر اکتوبر ۱۹۲۴ء ہی میں جبکہ وہ بھی تخت سے محروم ہوئے اُن کا بھی حق جاتا رہا۔ اور ابھی تک کسی کی ہمت خلیفہ بننے کی نہ ہو سکی۔

اسلامیوں کے علاوہ تمام دنیا کا خیال خلافت کے بابت عجیب و غریب تھا۔ اور وہ یہ کہ مسلمان اپنے کو ایک خاص دائرہ دنیا کی ہستی سمجھتے تھے اور اللہ کے پیارے۔ باقی تمام دنیا اُن کے نزدیک کافر تھی یا دار الحرب کی رہنے والی جسکو نظر حقارت سے دیکھتے جس سے جزیہ یا خراج کے وصول کرنے اور انکار پر قتل کر دینے تک کا مسلمان کو حق تھا۔ اور گو ممکن ہے کہ خلافت سے تنہا اسلامیوں کا اتحاد متصور ہوتا۔ تاہم غیر اسلامیوں اور اسلامیوں کے درمیان خلافت ایک گہری اور وسیع خلیج ضرور دوسری قوموں کی نگاہ میں تھی۔ کفار تو در کنار ایران تک اس دائرہ سے بعض کے نزدیک باہر سمجھا جاتا تھا۔ اور اسی کے باعث برابر اختلافات اور جنگ تک رہتی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ اُنھیں خیالات کے باعث دنیا بھر ترکوں سے اختلاف رکھتی تھی۔ اور ترکوں نے اُسکا پورا اندازہ صدیوں سے کر لیا تھا۔ تب ہی تو موجودہ ترکی قومی حکومت کا خیال یہ ہوا کہ وہ اس عمیق خلیج کو دور کر کے دنیا میں سب کو بھائی بنا کر زندہ رہے اسی لئے ترک اپنے خیال میں ایک بین الاقوامی اتحاد کی سلطنت کا نمونہ تیار کر کے آج دنیا کے سامنے پیش کر رہے ہیں بیشک خلافت کو انھوں نے ایک قسم کی انسانی بت پرستی سمجھا تھا جسکو شخص پرستی کہہ سکتے ہیں اور اسی کو مٹانے کیلئے انھوں نے

خلافت کے تاج کو ترکی سرزمین کیلئے اب یورپ مین موزون نہین جانا۔ جیسا کہ مصطفیٰ کمال کے اُس جواب سے ظاہر ہے جو ہندوستان اور مصر کے وفود کو اُنھون نے خلافت کے خود نہ منظور کرنے کے متعلق دیا تھا اور وہ یہ تھا "کیا آپ لوگون مین اس کی قدرت ہے کہ میرے احکامات کو دنیا سے منوا سکین۔ اگر نہین ہے تو میری جگ ہنسائی کیون کرائیے گا؟" تاہم اس سب کے ساتھ یہ ضرور ماننا پڑیگا کہ ترکون کو اسوقت پہلے طور پر حکومت خود اختیاری کا نہ لمبا تجربہ تھا۔ نہ اُن مین اُس کا مادہ یا قابلیت ہی تھی نہ اُن کی روایات ہی اسکی مقتضی تھیں۔ اسلئے مصطفیٰ کمال اور اُن کے ساتھی چاہے کتنا ہی "دستوری" حکومت کا اعلان کرتے شخصی استبداد کی تمام صورتین موجود تھین اور عرصہ تک رہین گی۔ کوئی تو مصطفیٰ کمال کو کرامول لکھتا تھا۔ کوئی نپولین اور کوئی مسولینی۔ گو ان کو خود کو ڈکٹیٹر کہلانے سے انکار تھا تاہم دنیا تو غازی اور ڈیوس (Duce) کی یکرنگی و تشکیل نیز عمل مین کوئی زائد فرق نہین دیکھتی تھی۔ کیا سر آغا خان اور سر امیر علی کے خط کے شائع کرنیوالے مدیرون اور ۱۹۲۴ء مین لطفی فخری بے کی سزا یا بیان نیز اخبارون اور مضمون نگارون پر سختی و بندش قوم کی غلامی کا ثبوت نہین تھین؟ یہ ضرور تھا کہ پہلے دو سال اُن کی حکومت کے ایسے بیتے کہ وہ بید محبوب قوم رہے اور گو اسکو بھی لطیفہ خانم کا اثر کہا جاتا ہے پھر بھی اُس کے بعد ۱۹۲۴ء سے تو اُن کے استبداد کے باعث فتحی بے جو وزیر اعظم تھے اُن سے بھی اسی بنا پر اختلاف پیدا ہوا۔ اور اسمبلی مین بھی ایک بتدریج ترقی کی جمعیت یعنی "پروگریسیو پارٹی" (Progressive Party) مخالفت کیلئے بن ہی گئی تھی جسمین رؤف بے، رفعت پاشا، ڈاکٹر ادنان اور کیا ظم کارابکر سے نامور، ہم جلیس و مخلص کارکن مصطفیٰ کمال کے ساتھ شامل ہو گئے تھے[1]۔ اگر کہین مصطفیٰ کمال کے خلاف پارٹی کو کامیابی ہو جاتی اور سلطانیت پھر واپس آجاتی تو دول یورپ کو پورا موقع ترکون کو زیر کر لینے کا یقینی مل جاتا۔ کیونکہ اب یورپ پھر فوجون کو جمع کر سکتا تھا اور روپیہ بھی فراہم ہو سکتا تھا نیز ترکون کے آپس کے اختلاف سے سب ہی فائدہ اُٹھاتے اور پھر تو سابق زمانے کی طرح تمام حقوق یوروپین سلطنتین حاصل ہی کر لیتین کیونکہ ابھی تک ترک ایک پست و درماندہ نیز تعلیم و ترقی زمانہ سے کوسون پیچھے قوم تھی۔ ایسی صورت مین یورپ کے برتاؤ کے متعلق کیا اُمید کی جاسکتی تھی۔ ترک قوم میں اب بھی ملاؤں درگاہوں اور سجادہ نشینوں یا مجتہدوں کا قلوب پر غلبہ تھا۔ اور وہ بھی

[1] دیکھو صفحات (۱۹۴-۱۹۵) کتاب ماڈرن ورلڈ ٹرکی از لوٹن بی وکرک وڈ

احکام دنیاوی مین جتنے کہ وہ بالکل ہی بے بہرہ ہو رہے تھے۔ تب ایسی قوم سے اس تلاطم کی حالت مین یہ توقع رکھنا کہ موجودہ متمدن۔ سائنس دان اور متحدہ یورپ سے مرعوب نہ ہوتی غلطی خیال تھی۔ اور یہی اسباب ایسے تھے کہ غازی پاشا نے یہ طے کر لیا تھا کہ اب ہی یا پھر کبھی نہین ترک قوم بن سکتی تھی۔ اور اسی لئے انھون نے جان پر کھیل کر سب کچھ کرنا طے ہی کر لیا تھا۔ جہان بھی کوئی گزدر یہاں نظر آیا جو عضو معطل ملا اُسے مٹانا اور کاٹنا ہی اُن کو مناسب معلوم ہوا۔ چنانچہ سب سے پہلے عدالتون کی درستی کی طرف توجہ کر بیٹھے۔ تاکہ یورپین اقوام کو تجارت اور معاملات بیع وشری مین ترکی عدالتون کا بھی وہی اعتبار ہو جائے۔ جو یورپ کی دیگر سلطنتون کی عدالتون کا تھا۔ بس تجارتی قانون کی تقلید جرمنی کی کر لی گئی۔ دیوانی کے قانون مین دیوالیہ اصحاب کی گرفتاری بالکل ہی موقوف کر دی گئی سیوئس ([illegible]) طریقۂ رجسٹری دستاویزات کو غیر منقولہ جائدادون کی حفاظت کے لئے ضروری قرار دیدیا تھا بلکہ ہر مروج طریقۂ پیمائش اراضیات یعنی ارضی۔ یا منظری وغیرہ ملک بھر کی مصوری وغیرہ سے کرنے کو رائج کرا دیا گیا۔ اور اسطرح ترکوں کی ڈوبتی ہوئی ناؤ کو سب ہی طرح بچا لیا گیا۔

کمال پاشا کی والدہ اپنے آخری زمانہ مین لطیفہ کے ہمراہ اسمرنا ہی مین بوجہ اپنی شدید علالت کے رہنے لگی تھین اور وہین اُن کا انتقال بھی ہوا۔ درحقیقت اُنھین کی ایک ذات تھی جس سے کمال پاشا کسی بات کو راز نہ رکھتے تھے اور اُن کے اعتراضات کو حتی الامکان برداشت کر لیتے۔ نیز ماں ہی کی محبت کو خالص محبت مانتے تھے۔ لطیفہ سے بھی اب اُن کو وہ اگلی سی محبت نہ رہی تھی۔ اختلافات روز بروز بڑھتے ہی گئے۔ حالانکہ خانم کے اعزا بھی انگورہ مین آ گئے تھے اور یہ اُمید لیکر آئے تھے کہ اُن کے ساتھ خاص طرح کا برتاؤ ہوگا اور عزت بھی ہوگی۔ مگر کمال نے اس کا موقع ہی نہین دیا بلکہ سب کو اسمرنا ہی بھگا دیا جس سے لطیفہ کو سخت رنج ہوا۔ اب لطیفہ اعتراضات سے باز نہ آتی اور بعض اوقات فرائض خدمات ملکی اور کمال کی غلطیون سے بھی اُسے آگاہ کرتی جسکی برداشت کمال کو نہ رہی تو کمال نے تحریری طلاقنامہ لطیفہ کے سپرد کر دیا اور وہ چلی گئی۔[1]

اسکے بعد کمال کو کسی نے زہر بھی دیا اور اُن پر بم بھی پھینکا جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ اُن کی حفاظت کا پورا انتظام کیا گیا اور بغیر باڈی گارڈ کے وہ باہر ہی نہ نکلتے تھے۔ مکان پر سرچ لائٹ لگا دینے کے ساتھ ساتھ بغیر اجازت مکان میں بھی کوئی نہ داخل ہو سکتا۔ طبیعت کا اب یہ حال ہو گیا تھا کہ خود غرضی بڑھنے لگی۔ خود رائی اور خود سری

---

[1] دیکھو صفحہ (۲۵۴) کتاب آرم اسٹرانگ مذکور۔

تو پہلے ہی سے نفرت مین بھی بجز چند احباب کے سب ہی کی بے اعتباری بڑھ گئی اور ہر وقت جنگ پر تیار ہو جاتے۔ جو کوئی بھی کچھ بولتا تو پیاز کے چھلکے کی طرح اس کی باتون کو اُدھیڑ کر رکھدیتے۔ ہان صرف وہ لوگ جو اُن کی عیش و نشاط کی محفل مین شریک ہوتے اور خوشامد و تعریف کے پُل باندھتے۔ بس وہی صحبت کے لائق رہ گئے عصمت فیضوی کے سوا سب ہی سے تو اختلاف ہو چکا تھا۔ مخالفین نے تو یہ شہرت تک دیدی اور چرچے بھی ہونے لگے کہ عبد المجید خلیفہ کے وقت مین ہر شخص اچھی طرح کھا پی تو سکتا تھا۔ تمباکو اور کافی پینے کو پیسے ضرور کسی نہ کسی طرح ملجاتے تھے۔ بچون کو مٹھائی اور بیویون کے لئے کپڑے و زیور ملتے نیز درختون کے نیچے کافی کی دوکان کے قریب ملکی خبرون پر گفتگو وغیرہ کرنے کا سامان تو تھا یعنی زندگی کی لذت کے لئے بے کھٹکے غربا کو کافی مواقع تو تھے۔ مگر اب جبکہ قومی حکومت اور وہ بھی جو عوام کے واسطے کہی جاتی تھی حاصل ہو چکی تھی تو اسمین بھی باوجود قومی ہر طرح کی قربانی کے روپیہ پیسہ تک ٹ رہا تھا۔ تمام اجناس گران ہو گئی تھین بلکہ اشیائے ضروری کا ملنا بھی وقت طلب ہو گیا تھا۔ بچون کے جسم پر چیتھڑے تک نہ رہے تھے اور حالانکہ بیویان کام کاج کرتے کرتے مری جاتی تھین تاہم ان تک کیلئے کھانے اور کپڑے کی مشکل تھی۔ ٹیکس بھی پیشتر سے زائد تھے اور سختی سے وصول ہونے لگے تھے۔ فوج مین نوجوانون کو زبردستی لیلیا گیا تھا۔ گو اب جنگ بھی ختم ہو چکی تھی۔ کاشتکارون کی زراعت اور گھر تک برباد ہو گئے تھے۔ اُن کے تخم تک کے واسطے کسی طرح کا بندوبست نہین ہو سکا تھا۔ اُن کے مویشی بھی چارے کیلئے ترستے تھے کیونکہ مواضعات کے مواضعات مین آگ لگ چکی تھی۔ غرضکہ افلاس اور مصیبت کی انتہا نہ تھی اور پھر سب طرف سے سب کی زبان بندی بھی کر دی گئی تھی کہ بات کرنا مشکل تھا۔ اس سب پر طرہ یہ ہوا کہ دشمنون نے عام طور پر یہ بھی کہکر خلقت کو بھڑکانا اور ورغلانا شروع کر دیا۔ کہ "انگورہ کا شہر تعمیر ہو رہا تھا۔ فوج کے واسطے ریل تیار کی جاتی تھی۔ انکی تنخواہون مین معقول اضافہ کیا جا رہا تھا۔ نیز باپ دادا کے وقت کے بہترین قوانین و مراسم کو بدلکر جدید غیر شرعی طریقے جاری کئے گئے تھے۔ اور بُری بُری باتون کو مثلاً ناچ اور سودی کاروبار کو رواج ہی دیدیا گیا تھا جس سے ملک اور قوم کو کچھ نفع نہ تھا۔ ترک تو کسی طرح بھی موجودہ اعلانات، جدید آئین اور فتوحات پر زندگی نہین کاٹ سکتی تھی۔ اُسکو تو روٹی۔ تخم۔ مویشی۔ غلہ آب پاشی کے سامان اور روپئے پیسے کی ضرورت تھی اور یہ سب تکلیفات محض خدائی سے انکار اور لا مذہبی پھیلنے کے نتائج تھے اور اگر سخت سے سخت انقلابات ٢٥ء سے لیکر ٢٦ء تک نہ پیدا کر اسئے جاتے تو یہ مصیبتین ملک مین نہ ہوتین"

صلح لازان کے بعد عصمت پاشا وزیر اعظم ہو گئے تھے۔ لیرا جو ترکی سکہ تھا اُس کی قیمت بھی بیجا گر گئی تھی۔

ملک مین مالیات کے ماہرین بھی ویسے نہ تھے جیسے کہ ضرورت تھی۔ پھر رؤف بے وغیرہ کی "دستوری پروگریسو پارٹی" (Ripublicau Progressive Party) مین جاوید یہودی نیز ممبران کمیٹی "اتحاد و ترقی" وخلیفہ معزول کے ہم نشین تک شریک ہوگئے تھے بلکہ اُن کا طریق عمل یا پروگرام مصطفےٰ کمال کی ڈکٹیٹرشپ کی مخالفت کرنے کے متعلق شایع بھی ہو گیا تھا۔ انگورہ مین جلیل بے نے عصمت پاشا کی مخالفت بھی اسمبلی مین کردی تھی۔ اسپر جلیل کو گولی سے ختم کردیا گیا تھا۔ نیز علی شکری نے کمال کے خلاف زبان ہلائی تو عثمان آغا نے اُسکا گلا گھوٹ دیا بلکہ ڈیپٹیون ہی کی گت بننے لگی اور جیسے ہی کہ عوام انگورہ نے عثمان آغا کے اس فعل پر احتجاج کرکے اُسے غازی پاشا سے طلب کیا تو کمال نے اُسے فوراً اسپرد کردیا جس سے اپنے لازکا (Lazka) کے کل باڈی گاڈ کو بھی اپنا دشمن بنا لیا۔ عثمان آغا تو کسی طرح بچکر جان کا یا جا پہونچا مگر وہان مار آگیا۔ پھر کیا تھا تمام ملک مین غازی پاشا کے خلاف ہنگامے برپا ہونے لگے تب تو کمال نے پھر کروٹ لی عُشنر کا لینا رعایا سے موقوف کردیا عصمت کے بجائے فتحی کو وزیر اعظم کردیا جس کو مخالفین نے اپنی فتح سمجھا۔ مگر فروری ۱۹۲۵ء مین کردون نے بغاوت کردی جسپر پروگریسو پارٹی" پر الزام شرکت لگایا گیا اور فتحی بے کو یہ کہکر مجرم قرار دیا گیا کہ اُنھون نے کردون کی سرکوبی مین اچھی طرح کوشش نہین کی اور اُن کو ہٹا کر عصمت پاشا پھر وزیر اعظم ہوئے اور کیبنٹ (Cabinet) بھی بدل گئی۔ نیز اُسکو پورے اختیارات دیدیئے گئے فتحی بے کو سفیر پیرس کرکے وہان سے چلتا کیا گیا۔ انگلستان نے بھی اسی زمانہ مین موصل کی بابت آخری پیغام بھیجدیا کہ اُسپر برطانیہ نے قبضہ کرلیا۔ شیخ سعید نے جو نقش بندی درویشون اور کردون کا پشتینی پیرزادہ تھا ترکون مین لامذہبیت آجانا کہکر سبز رسولی جھنڈا اُٹھا کھڑا کیا اور بغاوت کردی۔ بلکہ اسلام کے بچانے کیلئے کفار پر جہاد کیلئے نکل کھڑا ہوا۔ دو صوبون مین قتل غارت کرکے دیار بکر کو خطرے مین ڈالدیا۔ اور گو مارچ ۱۹۲۵ء ہی سے تمام کردستان مین بغاوت پھیل چکی تھی اب تو کل کے کل مشرقی صوبہ جات حکومت خطرے مین آگئے۔

کمال نے اب پھر وہی اگلا سا منتر پھونک دیا کہ "دشمنان ٹرکی نے کردون کو ورغلا کر انگلستان کی مدد سے روپیہ اور اسلحہ حاصل کرا کے تمام فساد اُٹھا کھڑا کیا ہے اور کل قوم کو اپنا بنا لیا ہے" بس کیا تھا تمام مخالفت مٹ گئی۔ ہر جانب سے کمال پاشا کی جے بولی جلنے لگی۔ نیز وفاداری کے تار تک آنے لگے۔ چنانچہ فوج بھیجدی گئی اور دو ماہ میں بلوائیو کا خاتمہ کرادیا گیا۔

کمال پاشا نے پھر تو یہ مصمم ارادہ کر لیا کہ اندرون ملک سے بھی دشمنوں کا خاتمہ کرنا ضروری تھا اُسی زمانہ میں کیا ظم کارابکر کا ایک خط جو شیخ سعید کے نام تھا تو وہ بھی پکڑا گیا تھا اس کا اور علی فواد د کیا ظم کے بلوہ کے زمانہ میں استعفوں کا ذکر ڈپٹیوں سے کر کے یہ ثابت کیا گیا کہ دونوں کی شرکت کردوں کی بغاوت میں تھی کیونکہ کیا ظم اور علی فواد نے اسی زمانہ میں یعنی بغاوت سے دو ہفتہ قبل استعفے پیش کر دیئے تھے تاکہ کردوں کے مقابلہ میں اُنھیں لڑنا نہ پڑے جو واقعتاً اُنھیں کے فرائض میں تھا۔ ساتھ ہی اس کے یہ بھی شہادتوں سے ثابت کیا گیا کہ کہ اس سازش کا جال دور تک پھیلا ہوا تھا جس میں رووف بے۔ رحمی۔ ادنان۔ خالدہ ادیب ہانوم وغیرہ کی بھی شرکت تھی اور یہ سب اسی واسطے ملک سے باہر چلے گئے تھے۔

اسمبلی نے کمال کو اسی پر کامل الاختیار کر دیا اور ایک عدالت بھی "عدالت حریت" کے نام سے مقرر کر دی" تاکہ مخالفین اور غداروں سے ملک کو پاک کیا جائے لہذا دغا بازوں کی تلاش اور پکڑ دھکڑ شروع کر دی گئی۔

ابتدائے ۱۹۲۶ء میں محمود اسد بے نے جو وزیر انصاف تھے جدید تعزیرات ٹرکی اور جدید قوانین دیوانی یعنی سول کوڈ اور قانون تجارت پیش کر کے پاس ہی کرالیا تھا۔ نیز دیوانی کا قانون تو سوئٹزرلینڈ کے قانون کے مطابق بنا دیا گیا تھا۔ پھر جولائی ۱۹۲۶ء میں کمال کو یہ خیال ہو گیا کہ وہ خود کئی بار خطروں سے بچ چکا تھا اور جب تک کہ وہ مخالفین سے ملک کو صاف نہ کرے گا ٹرکی کی تعمیر ملکی و قومی جیسی کہ وہ چاہتا تھا نہ ہو سکے گی اور اگر وہ کہیں بھی ہار گیا تو جدید ٹرکی نہ بن سکے گا کیونکہ اُسکا تو یہ عقیدہ تھا کہ ترک ضرور ایک زبردست قوم بن سکتے تھے چنانچہ ایک موقع پر اُس نے یہ کہہ بھی دیا کہ "میں ٹرکی ہوں، مجھ کو ختم کر دینا گویا ٹرکی کو ختم کر دینا ہے"۔ اُس کے خیال میں چونکہ درمیانی طبقۂ ملک میں علم نہ تھا لہذا جو بھی لیڈر بن کر اُن کے احساسات کو اُبھار لیتا وہ اُس کے پیچھے ہو لیتے تھے اور جاوید یہودی ہی کی اُٹھائی ہوئی در اصل یہ تمام فساد انگیز تحریکات تھیں بلکہ یہودیوں کی ذات سے کل فسادات ملک میں ہو رہے تھے اور وہی سب کا سرغنہ تھا اس کا میل اور سازشیں باہر کے

سرمایہ داروں سے تھا اور فری میسنری ہی کے جلو میں وہ ہمیشہ سب کچھ کر لیا کرتا تھا۔ جس کا علم خود کمال کو ذاتی تجربوں سے ہوا تھا اور اسی بنا پر کمال نے ابھی تک جاسوسی کا طریقہ ٹرکی میں سلاطین کے وقت کی طرح قائم رکھ چھوڑا تھا۔ چنانچہ ترکی پولیس برابر غداروں کے خلاف ثبوت جمع کر رہی تھی لہذا اب وارنٹ گرفتاری برابر جاری ہو کر دشمنوں کو موت کے گھاٹ اتارا جانے لگا جب رؤف بے کی باری آئی تو حالانکہ وہ کمال کے گاڑھے وقتوں میں کام آچکا تھا تاہم کمال کے چہرے پر ذرا بھی شکن نہ آئے۔

بالآخر عدالت حریت کی طرف سے جاوید یہودی کے واسطے پھانسی کا حکم ہوا تو تمام عالم سے اس کے واسطے سفارشیں پہونچنے لگیں دنیا بھر کے سرمایہ دار اس کی رہائی کی کوشش کے لئے جٹ پڑے انگریزی اور فرانسیسی حکومتوں میں تو ایک ہلچل ہی گویا مچ گئی ان پر بڑے سے بڑے زور پڑنے لگے۔ فری میسنری کی تمام دنیا کی جماعتوں میں بھی تہلکہ مچ گیا کمال سے بھی ذاتی طور سے بحیثیت ایک فری مسن کے اپیل کی گئی۔ پیرس۔ نیویارک و برلن وغیرہ کی منضبط یہودی جماعتوں نے بذریعہ تار رحم کی خواہش کی اور سب ہی طرف سے دھمکی اور زور دیا گیا مگر جوں جوں ایسی کارروائیاں ہوتی گئیں کمال کی رائے میں اور بھی سختی ہوتی گئی اور یقین بڑھتا گیا کہ اصل بانی مبانی تمام فسادات کے یہودی تھے اور جاوید آلہ کار تھا اور عدالت حریت کے فیصلے کی تعمیل بھی ضروری تھی۔ لہذا اسی شب میں کمال نے چانکایا میں ایک بڑا بال یا ناچ دیدیا جہاں تمام سفرا اور وزرائے دول خارجہ نیز عمائد انگورہ جمع ہو گئے تھے۔ خوب ناچ رنگ ہوا۔ شراب کی ہزاروں بوتلیں کھل گئیں۔ حالانکہ یہ اگست کا مہینہ تھا جبکہ انگورہ میں سخت گرمی ہوتی ہے وہیں جیل خانہ میں گیارہ سولیاں تمام دشمنوں کے واسطے تیار تھیں اور ایک ایک کر کے موت کے گھاٹ اوتارے جارہے تھے جیسے ہی کہ صبح ہونے سے قبل کمشنر پولیس نے دوران ناچ میں پہونچکر کمال پاشا کو جاوید اور دیگر غداروں کے پھانسی دیئے جانے کی اطلاع

کی تو اسیدم طاش منگا کر پوکر کھیلنے میں کمال پاشا مصروف ہوگئے بلکہ شراب کا دور بھی خوب ہی زوروں میں چلوا دیا۔ یہاں تک کہ صبح ہوگئی اور وہیں سے سیدھے دفتر میں پہونچکر ٹرکی کو زمانۂ حال کے مطابق ڈھال دینے کے کام میں کلیتًا وہ مصروف ہوگئے۔ اُن واقعات کی کسی کو کانوں کان کچھ بھی خبر تک نہ ہوئی اور انھوں نے بھی یہ سمجھ لیا کہ تمام مخالفین یا تو ختم کردیئے گئے یا ملک سے باہر ہوگئے (بقول شاعر) مے کہ بدنام کند اہل خرد را غلط است ؛ بلکہ مے میشود از صحبت نادان بد نام

۳۰ رجنوری ۱۹۲۳ء ہی کو جو معاہدہ ترکوں اور یونانیوں بیچ اپنی اپنی رعایا کے تبدیل کرلینے کا ہوگیا تھا اُس کے مطابق مہاجرین آنے لگے تھے اور جوں توں کرکے جیسا بھی انتظام ہوسکا چار لاکھ مہاجر یونانی سلطنت سے باہر ہوکر ٹرکی میں آگئے۔ اور اُنکے واسطے ہر قسم کا بندوبست کسی نہ کسی طرح کردیا گیا۔ لیکن جو امر کہ قابل تعریف تھا وہ یہ کہ یونان کی طرح ترکوں نے لیگ سے یا کسی سے بھی قرض لیکر امداد نہیں کی۔ اس تبادلۂ رعایا سے ٹرکی کی سیاسی مصیبتوں میں بہت کمی ہوگئی اور وہ ایک متحدہ قومی سلطنت ہی گویا بنگئی۔ اور برطانیہ کے تخمینے کے مطابق ۱۹۲۴ء میں اوسکی آبادی ایک کروڑ کے قریب رہ گئی تھی۔ اور رقبہ بھی دو لاکھ دس ہزار مربع میل تھا۔ مصطفےٰ کمال نے ابتدا ہی سے کاشتکاروں کی حالت کے سنبھالنے کی طرف توجہ کی تھی خود بھی انگورہ کے قریب کاشتکاری شروع کردی تھی تاکہ دوسروں کو مثال ہوں اور نمونہ بھی درست کرکے دکھلائیں جس سے دو تین ہی سال میں جنوبی اناطولیا میں زرعی آلات آگئے اور ملیں اور کارخانے بھی جاری ہوگئے تھے۔ سنہ ۱۹۲۴ء میں ادانا کے صوبہ میں گرمی کے موسم میں ایک سو سے زائد فوا ڈسن ٹریکٹرس (Fordson tractors) روئی کی کاشت کے سلسلہ میں لوگوں نے خرید کئے تھے۔ اور اس زمانہ سے پہلے بھی کچھ کچھ لینے لگے تھے۔ اسمرنا اور بروسا میں نو کلوں کا استعمال کاشتکاری میں سنہ ۱۹۲۵ء سے خاص طرح ہوگیا تھا اور ہر جنس کی پیداوار میں کل ملک میں یومًا فیومًا ترقی ہو رہی تھی۔ کپاس، تمباکو۔ چاول۔ گیہوں۔ جو اور زیتون سب ہی تو زوروں میں باہر جانے لگا تھا۔

درحقیقت سنہ ۱۹۲۶ء سے عوام کی پارٹی کے ہاتھ میں گویا ملک کی حکومت سمجھی جانے لگی تھی۔ کمال اسکے منتخب شدہ صدر تھے اور جو شخص بھی ممالک ترکیہ کا باشندہ تھا وہ اس پارٹی کا رکن تھا۔ چاہے ملازم ہو یا مزدور کاشتکار ہو یا تاجر۔ آئین کے مطابق اب کوئی مخالف گروہ بھی اسمبلی میں نہ تھا۔ لہذا مجلس کا رکن یا کیبنٹ کے وزرا مستقل ملازم کرلئے گئے تھے۔ عوام ہی کی پارٹی سے ڈپٹی منتخب ہوکر اسمبلی میں آئے تھے۔ ہر ڈپٹی تنخواہ پاتا تھا اور کار خاص کے واسطے علیحدہ معاوضہ اوسکو ملتا۔ پارٹیوں کے سربراہ آخری اور مکمل اختیار کمال پاشا کا تھا گو ڈپٹیوں

کا کوئی ذاتی کاروبار ہوتا تو اسکی بھی سرپرستی حکومت سے ہوتی۔ سال میں چار پانچ ماہ صرف کام ہوتا اور جس پارٹی سے ڈپٹی منتخب ہوتے وہاں سے بھی انھیں معاوضہ دیا جاتا مگر تمام رعایتوں کا معاوضہ یہ تھا کہ کمال پاشا کی اطاعت اور تائید کریں۔ عوام ترک کو کمال پاشا ہی اب مثل اپنے بچوں کے سمجھنے لگے اور انکا برتاؤ ایک شفیق استاد یا معلم کا سا ہوگیا تھا۔ پہلے سمجھاتے اور پھر بجبر تعمیل کراتے۔ چنانچہ ایک بار یہ بھی فرما بیٹھے کہ "میں نے دشمن پر فتح پائی میں نے ملک پر فتح پائی۔ کیا میں عوام ملک پر بھی فتح حاصل کر سکتا ہوں" اور اسی وقت سے یہ خیال پختہ ہوگیا کہ پرانی باتوں کو جلد سے جلد ختم کرا دینا ہی مناسب تھا۔ چنانچہ پہلا نمبر ترکی ٹوپی یا فز کا آیا۔ بس اپنے باڈی گارڈ کو چھجے دار ٹوپی اُسکے بجائے پہنوا دی جب کسی نے اعتراض نہ کیا تو پھر فوج کو ویسی ہی ٹوپی دلوا دی اور بعدہٗ اسمبلی میں ۱۹۲۶ء کے موسم گرما میں فز کا دینا ہی جرم ہونا پاس کرا دیا۔ اور بذریعہ پولیس اُسے چھنوا کر ملک بھر کو یورپ کی ہیٹ یا دوسرے کسی قسم کی چیز سر پر دلوا دی۔

ادیب شہرت کو حج کے واسطے کوٹ و پتلون اور ہیٹ میں حرمین تک بھجوا دیا تھا اُنکا قول تھا کہ مذہب کے بلا رسم رکھے بیجا استعمال سے ترکی قوم میں تمام خرابیاں پیدا ہوگئی تھیں۔ مذہب ہر شخص کا ذاتی خیال اصل تھا۔ اور ہر شخص کو اپنے مذہب کے اختیار کرنے کا مجاز" درویشی۔ خانقاہ نشینی اور درگاہوں کی پرستش کو بھی قانوناً بند کر دیا۔ نیز اوقاف کی جاگیریں ضبط کر کے سلطنت کے قبضہ و اختیار میں دیدیں۔ فقراء کو کام و کاج کرنے کی عادت ڈلوا دی۔ ماہرین فن کو باہر سے بلوا کر نہ صرف قوانین ہی منضبط کرائے بلکہ اہل ملک کو تعلیم بھی دلوائی۔ تعدد ازدواج کو جرم قرار دلوا دیا۔ پردہ اور حرم بھی ٹوٹ گیا۔ یہانتک کہ مستورات ملک کی ذاتی شخصیت بطور ایک آزاد باشندہ ملک کے قوم سے منوا دی۔ قرآن پاک کا ترجمہ ترکی زبان میں حکومت ہی سے کرا دیا۔ اور ہر چیز اور ہر بات کو اب ترکی ہو کر رہنے پر قوم کو مجبور کرنا شروع کر دیا۔ تاتاری الفاظ اور فقرے تک کل زبان میں لانا ضروری کرا دیا۔ ہر مدرسہ میں ترکی زبان میں تعلیم لازمی کرا دی۔ ہر کاروبار میں ترکی سرمایہ اور کمپنیوں میں ترک ڈائرکٹروں و ملازمین کی شرط لازمی کر دی۔ بہت سے پیشے اور تجارتی کاروبار کو صرف ترکوں ہی کے لئے مخصوص کر دیا۔ سودیشی اشیاء نیز ملک ہی کی تیار کردہ چیزوں کے استعمال کی ترتیب و تنظیم بھی جاری کرا دی۔ اور یورپ ہی کے طریقہ کا سلام و مصافحہ نیز دن، و رات کا شمار اور جنتری وغیرہ سب حکماً جاری کرا دئے۔ ایسے ہی بھیک مانگنا بھی جرم قانونی ہوگیا۔ شادی و بیاہ تو مثل دیگر فرائض ملکی قرار پاکر زوجین کی صحت کا سارٹیفکٹ بھی لازمی کرا دیا گیا۔ زراعتی بنکوں سے ملک بھر کی امداد ہونے لگی۔ کہا جاتا ہے کہ انگورہ کی تعمیر میں اُسوقت تک تیرہ ملین ترکی پونڈ صرف ہو چکے تھے کیونکہ برلن اور ویانا سے ماہرین فن عمارات وغیرہ

طلب ہو کر خطوط حفظان صحت وغیرہ کے اصولوں پر زمانہ حال کے مطابق اُسکو آباد کرایا گیا تھا۔

صلح لازان کے بعد سے صوبہ موصل ترکوں سے نکلکر برطانیہ کے احاطۂ اختیار میں آ گیا تھا۔ لیکن ترکوں نے اُسپر اپنے حق کے جتانے میں کسی وقت بھی کمی نہیں کی ہے۔ مئی و جون ۱۹۲۴ء میں قسطنطنیہ میں ایک کانفرنس بھی دونوں کی ہوئی۔ جب کچھ طے نہ ہو پایا تو لیگ کی کونسل نے ایک کمیشن تحقیقات کے لئے مقرر کر دیا اُس نے عراق کی حکومت کو موصل کے دیئے جانے کی سفارش کی۔ اور برطانیہ کا عراق پر انتداب کی میعاد کی اور پچیس سال کے لئے توسیع کی سفارش کر دی۔ ترکوں کو اس تمام کارروائی سے اختلاف ہوا اب مستقل عدالت انصاف بین الاقوامی (Permanent Court of International Justice) کے کل معاملہ سپرد ہوا۔ اور اُسنے جنرل لیڈورز (Laidoner) کو تحقیقات کے لئے معاملہ سپرد کر دیا۔ کہا جاتا ہے کہ جنرل مذکور نے رپورٹ کر دی کہ ترکوں نے اپنی رعایا پر جو ترکوں کی طرف حد برسلز Brussels Line پر تھی اسکو جبر و ظلم کے ساتھ باہر کرنا شروع کر دیا ہے اسپر ۱۶ ر دسمبر ۱۹۲۵ء کو کونسل نے طے کر دیا کہ مقررہ برسلز لائن ہی مستقل حد فاصل درمیان ٹرکی و عراق رہیگی اور پچیس سال کے واسطے برطانیہ کو عراق پر حق انتداب حاصل رہیگا گر ٹرکی نے اسوقت تک فیصلے کو نہیں قبول کیا لیکن بعد میں خود برطانیہ اور ٹرکی کے درمیان کوئی مفاہمت ہو گئی۔

۱۷ ر دسمبر ۱۹۲۵ء کو روس اور ٹرکی کے درمیان بھی ایک جدید معاہدہ ہوا جسپر ایم چیچرن M. Chicherin اور توفیق رشدی بے کے دستخط ہوئے تھے جس سے کہ ایک دوسرے نے ایسی ہر جنگ سے علیحدگی کا اقرار کیا جس میں کوئی تیسری قوت معاہدین پر حملہ آور ہو نیز اپنے آپس کے جھگڑوں کے طے کرنے کے لئے ایک خاص طریقۂ کار بھی مقرر کر لیا۔

۲۴ ر نومبر ۱۹۲۳ء والا ہز ہائنس آغا خان اور جسٹس امیر علی کا وہ خط جو مصطفٰی کمال کو انھوں نے بھیجا تھا اور جسمیں خلافت کے قیام کی اپیل کی تھی وہ در اصل اوسی عاجزانہ طریقے اور مدلل طرز پر لکھا گیا تھا جیسا کہ قیام خلافت کے لئے برطانیہ کو بھی اُس سے قبل لکھا جا چکا تھا۔ لیکن قسطنطنیہ میں تو وہ انگورہ پہونچنے سے قبل ہی شایع ہو گیا تھا کیونکہ لندن کے اخبارات میں وہ شایع ہوتے ہی قسطنطنیہ کے اخبارات میں چھپ گیا تھا۔ اور جس کے حالات کا ذکر اوپر آ چکا ہے اسی وقت ترکی سیاست دانوں نے مسئلہ خلافت کے معاملہ کے بابت یہ کہا تھا کہ "ٹرکی نے اپنا خون اور خزانہ مدتوں اسلام اور اسلامیوں کے بچانے کے واسطے بہایا ہے۔ بلکہ اپنی قومی ہستی ہی کو مٹا دیا ہے .... اب دوسرے مسلمانوں کو چاہئے کہ اپنی ہمت دکھلائیں اور ترکوں کی طرح اپنی جنگ خود کریں ......

اسلام کے واسطے چھ صدیوں تک نیز اپنی ہستی کو قائم رکھنے کے واسطے بارہ سال تک اب جنگ بھی ترک قوم کر چکی اب تو اسکا وقت آگیا ہے کہ ترک اپنے ہی ویرانوں کی پھر تعمیر کریں اور اپنے ہی معاملات پر توجہ کریں *

۱۹۲۸ء میں غازی پاشا قسطنطنیہ گئے اور حکومت کا صدر دفتر پھر وہیں منتقل کیا گیا۔ وہاں اُنکے استقبال کا اسقدر بلیغ سامان کیا گیا کہ جسکی حد نہیں۔ شاہانہ و فوجی جلوس کے ساتھ اُنکی سواری نکالی گئی۔ تمام راستے و عمارات کی آرائش ہوئی توپیں چھوٹیں اور یہ غل ہو گیا کہ ملک کا بچانے والا آرہا ہے۔ جسپر جوق جوق خلقت بھی وہاں پہونچگئی قصر دولما باغچہ میں جا کر وہ ٹھہرے اور ایک بڑے دربار کے ساتھ عظیم الشان دعوت بھی حکومت کی طرف سے وہاں دی گئی۔ اُسی دربار میں غازی پاشا نے حروف تہجی کی مشکلات اور لاطینی و رومن حروف کی آسانی سب کو سمجھائی بلکہ دو شخصوں کو تختہ یا بورڈ پر بلا کر جو خاصکر وہاں رکھا گیا تھا اُسی وقت سمجھا کر اسکی تحریک بورڈ پر کرا دی تب تو سب نے اُسی وقت خوشی خوشی اس تجدید اور تحریک کو مان لیا۔ اور شہر بھر میں اُسکی مشق ہونے لگی۔ اسکے بعد تو کمال پاشا شہر بشہر بورڈ اور کھریا مٹی لیکر گھومے اور راستوں میں جو مواضعات پڑتے گئے وہاں بھی ٹھہر کر عام بازار میں لوگوں کے مجمع میں سب کو سبق دیتے جاتے جس سے اُن لوگوں کو بھی جنھوں نے کبھی قلم تک ہاتھ میں نہیں لیا تھا فوراً لکھنا آگیا اور تبدیل رسم خط کی تحریک ملک بھر میں جاری ہو گئی۔ لوگوں نے بھی اُسے دل سے قبول کر لیا۔ قیدیوں تک کی جیل سے اُس وقت تک رہائی نہ ہوتی جبتک کہ وہ لکھنا پڑھنا نہ سیکھ لیتے۔ اس کارروائی سے وہ اور بھی ملک بھر میں مرکز خیال و عمل بنگئے۔ چنانچہ ۳ نومبر ۱۹۲۸ء سے لاطینی حروف کے اجراء اور استعمال کا تمام کرنے کا حکم جاری ہو گیا۔

اب باجے اور گانے میں تبدیلی کا خیال بھی کمال پاشا کو پیدا ہوا اور اس کے بھی مدارس کھولدیئے۔ نیز تمام فنون لطیفہ مثلاً مصوری نقاشی اور مجسمہ سازی سب کو جائز قرار دیکر رائج کر دیا بلکہ بہت سے بتامی کو اپنی تہنیت میں لیکر عمدہ سے عمدہ ماہر فن بنوا دیا۔ مستورات ملک کو بھی اب میونسپلٹی وغیرہ میں ممبر بنوا کر ملکی پارٹی میں شریک کرا دیا۔ نیز بہت سی بیویاں بھی وکالت اور ڈاکٹری کا پیشہ آزادی سے کرنے لگیں۔ اور سب یہی یہ کہنے لگے۔ شعر

گھٹا ادبار کی سر سے ہمارے دور ہو جاوے ۔۔۔ جواب مغموم آتا ہے نظر مسرور ہو جائے

۱۹۲۹ء میں کردوں نے پھر دوسری بغاوت کر دی۔ اور حکومت کے ملازمین میں بھی کچھ بد دلی پھیل چلی۔ اپوزیشن نے بھی پھر سر اوٹھایا۔ کمال پاشا اور عصمت میں اختلافات بھی بڑھ گئے اور خزانہ تک خالی تھا جس سے فوج کو کئی

* دیکھو صفحات (۲۹۶-۲۹۷) دی ماڈرن ورلڈ ٹرکی از ڈائٹن بی وکرک دوڈ۔

ہفتے تنخواہ نہیں مل سکی تھی۔ فتحی بے نے بھی پیرس سے اب کمال کو یہ لکھا کہ "عصمت کے ہاتھوں ترکی کے برباد ہو جانے کا اندیشہ ہے" لہذا کمال نے پھر طے کیا کہ اسمبلی میں ایک مخالف پارٹی کی ضرورت ہو گئی تھی۔ کیونکہ عصمت پاشا اپنے کو بعید کامل الاختیار سمجھ کر کمال کے احکامات کی بھی پروا نہ کرتے تھے۔ چنانچہ فتحی بے کی سرکردگی میں پھر ایک دستوری قومی پارٹی (Republican Roplas Party) ۱۹۳۰ء میں قائم ہو گئی۔ اب کمال پاشا نے اپنی ہمشیرہ مقبولہ اور تین اپنے ہی یہاں کے لوگوں کو بھی اوسکا ممبر بنوا دیا اور چونکہ اخبارات و مطابع کو آزادی دیدی گئی تھی پھر کیا تھا دس سال کی بندش اور سختی نے جو ادھم مچا دیا اوسکا کچھ کہنا ہی نہ تھا ہر طرف سے حکومت پر اعتراضات کی بوچھار ہونے لگی تجارت کی بربادی۔ جدید ٹیکسوں سے بیزاری۔ ادنے ادنے ملازمین کی رشوت ستانی کے قصے وغیرہ کا غل مچ گیا اور حکومت کے ہر محکمے میں سخت سے سخت نقائص کا ایک پشتارہ عام طور پر خلقت نے کھول دیا۔ اور گویا یہ کہنے لگے۔ شعر

جس طرح بسر ہوتے ہیں اوقات ہمارے مفلس بھی تو اس طرح سے فاقہ نہیں کرتے

اب گویا بیچارے عصمت پاشا ہی کے سر سب الزامات تھوپ دیئے گئے۔ اور کہا جانے لگا کہ باہر سے سرمایہ تک ملک میں نہ آتا تھا۔ نہ جہاز ہی بندرگاہوں پر رہے تھے جو باہر سے سامان لا سکتے۔ بڑے اور چھوٹے تمام کاشتکاروں کی مالی امداد۔ تخم و آلات کشاورزی اور کلوں وغیرہ کے مہیا کرنے کے جو وعدے حکومت نے رعایا سے کئے تھے کوئی بھی پورے طور پر ایفا نہیں کئے گئے۔ غرضکہ ۱۹۲۶ء ہی کی طرح کے الزامات پھر عاید ہو گئے۔ اور جو کچھ کہ پیشتر کیا جا چکا تھا اوس پر کسی نے توجہ ہی نہ کی بلکہ اوسکو خیال تک سے محو کر دیا اور سب ہی یہ کہنے لگے۔ شعر

حلقۂ دام بلا ہے حلقۂ دام حیات تلخیٔ زہر آب سے لبریز ہے جام حیات

لیکن اس سب کے باوجود بچے سے لیکر بوڑھے تک کے دماغ سے یہ بات نہ نکل سکتی تھی کہ جبتک کمال پاشا کے دم میں دم ہے کچھ نہ کچھ آخر کار اچھا ہی ہو کر رہیگا۔ اخباروں میں بیشک عصمت اور کمال دونوں کو برا کہا جانے لگا۔ نیز ملازمین کی بد دلی سے کچھ گھبراہٹ حکومت کو ہو گئی تھی۔ اودھر دسمبر ۱۹۳۰ء میں ایک شیخ محمد نے بھی اپنے کو مہدی کہکر خروج کیا تاکہ بے دین کمال اور اسکی دستوریت سے ترکی کو نجات دلوا دے۔ اور بمقام مینیمن (Menemen) میں جو اسمرنا یا اسمیرنا کے پیچھے واقع ہے وہاں بغاوت بھی ہو گئی۔

فوج نے بھی کچھ کچھ تعمیل احکامات میں انکار سا کیا۔ قونیہ سے لیکر اداليہ بلکہ اسمرنا۔ اور بروصا تک مواضعات کے لوگوں نے سرکاری ملازمین کو نکال باہر کر دیا ہے۔ اس اور ادعی روم سے بھی ہنگاموں کی کچھ اطلاعات آنے لگیں تب تو

کمال پاشا کو یہ پھر اندازہ ہو گیا کہ جو کچھ انھوں نے تجربے کے واسطے تماشہ کرنا چاہا تھا یعنی عصمت پاشا کے گرانے کے واسطے مخالف پارٹی بنوا دی تھی بیز دیگر کارروائیاں بھی ہوئی ہوں وہ سب ہی تو رنگ لے آئیں۔ لہذا فوراً مارشل لا جاری کر دیا۔ اخبارات پر بھی نگرانی ہو گئی۔ تقریری و تحریری آزادی کو بھی روک دیا گیا اور عصمت سے صلح بھی ہو گئی نیز انکو یہ بھی محسوس ہو گیا کہ ترکی قوم اس وقت تک یورپ کی پارلامنٹری طریقوں پر عمل کے لئے تیار نہ تھی کردوں اور ازمیول کو توقعات سے سخت سزا ہی دی گئی۔ مہدی موعود کو پھانسی دیکر دوسروں کو سبق دیا گیا۔ اور پھر ہر ترک کی زبان پر یہ جاری ہو گیا

لڑتے ہیں جھگڑتے ہیں۔ نفاق اور حسد سے آپس میں مگر ال لے ہم ایسا نہیں کرتے

کمال پاشا کے زبردست ہاتھ نے پھر سب کو لرزہ بر اندام کر ہی دیا تھا اور ملک میں پھر مری پڑ گئی۔ گو کمال پھر خود ہی دورے کے واسطے بھی نکل کھڑے ہوئے اور جو اپنی شکایات قوم کو اور رعایا کو تھیں انکو سنکر انکی داد دینے لگے۔ نتیجے میں ۱۹۳۰ء میں بجز ڈکٹیٹر شپ کے دوسرا کوئی بھی علاج انکی سمجھ میں نہ آیا، چاہے اسے زبان سے نہ کہا جاوے۔

کمال پاشا نے جیسے ہی کہ ملک پر پھر قابو حاصل کر لیا ویسے ہی ۱۹۳۱ء میں ایک صلحنامہ کے ذریعہ سے جرائم کا ازالہ Surakhan سفیر سوویٹ روس اور رشدی اراس (Rushdi Aras) ترکی وزیر خارجہ کے دستخطوں سے ہوا تھا دونوں سلطنتوں کی حکومتوں کے درمیان باہمی امداد کا تخمینہ بودیا اور اسی وقت سے گو یا سرحدیوں کی دونوں کی عداوت کا خاتمہ بھی کرا دیا۔ چنانچہ جو دس سال کا صلح کا معاہدہ بعد میں کیا ہے۔ اس سے دوستی کی تجدید پورے طور پر ہو گئی ہے اور روس نے ترکی کے واسطے صنعتی ترقیوں کا پورا بندوبست کرا دینے کا ذمہ بھی لے لیا ہے مالی نیز تعلیمی امداد اپنے ماہرین فن کے ذریعہ سے بلا تکلف دے رہا ہے۔ ہوائی پروا کے ہر مول اور روئی کے کارخانوں کے لئے معلم اور کاریگر دار بھیجکر ترکوں کی ہر قسم کی تعلیم کرا دی ہے۔ اسی ۱۹۳۲ء میں ترکی تو لیگ اقوام میں بھی شامل ہو گیا تھا اور اسمبلی کی بھی جدید تعمیر کی گئی۔ نیز انکی وقومی پارٹی کی ترتیب پھر شروع ہو گئی جس سے ۱۹۳۳ء میں اسمبلی میں زائد تر مزدوروں کاریگروں، دوکانداروں اور کاشتکاروں وغیرہ کو شامل کرا لیا گیا ہے اور اب خود کمال پاشا تو ملکی زراعت و تجارت کی طرف توجہ کر رہے ہیں اور لوگوں کو بھی رغبت دلا رہے ہیں۔ مگر سیاسیات سے عوام کو علیحدہ رکھنے کی پالیسی پر نظر انداز ہو رہی ہے۔ ملک نے بھی آتا ترک کا خطاب دیکر انکو ہر طرح پر گویا معزز بنا دیا ہے۔ جسکے معنی "ترکوں کے باپ" ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ تنظیمات کے نوجوانوں کا سیاسی لیڈر شامی (Shamsudin) تھا اور سلطان عبدالمجید کے وقت میں اسکی بڑی قدر ہوئی تھی وہی مطابع کا بھی بانی تھا۔ اسکے بعد اسکا شاگرد عزیز نامک کمال (Namak Kamal) بہت مشہور ہوا۔

دونوں کی تحریرات اور شاعری نے بھی ملک میں بہت کچھ جمہوریت کے خیالات کی اشاعت کر دی تھی۔ اول الذکر کی کتاب "تصویر افکار" اور ثانی الذکر کا "قصیدۂ حریت" خاص طور پر مقبول ہوئے تھے۔ مگر سلطان عبدالحمید پر توشطحیات کے ادب ہی کو زائد تر جلا دینے کا الزام ہے اور اتحاد و ترقی کے تو انور پاشا ہی لیڈر رکھے گئے تھے۔ حالانکہ بعض تواریخ میں اُسکی ابتدا اور سلانیکا میں قائم کئے جانے کا زمانہ ۱۸۷۶ء تحریر ہوتا پایا گیا تھا۔ مگر کوئی معقول شہادت اُسکے بابت نہیں ملتی۔ اسی طرح دستوری حکومت کے لیڈر اب کمال پاشا ہوئے جنھوں نے کہ ٹرکی کی ڈوبتی ہوئی ناؤ کو بچا یا اور جبکہ ترکوں کی عزت آبرو ملک وغیرہ سب جا رہے تھے تو اُنھوں نے نہ صرف دنیا کے سامنے اُسے بچا ہی لیا بلکہ اپنی ذہانت، شجاعت، بہادری، جاں بازی اور ہر قسم کی قابلیت سے مذہبی، سیاسی اور ملکی حالتوں کو چار چاند بھی لگا دیئے۔ اسکا اندازہ وہ قومیں خوب کر سکتی ہیں جو دوسروں کی محکوم ہیں۔ اور انکا مذہب اُنکی سیاست اور ملک بھی کس طرح غیروں کے ہاتھوں ہر قدم پر پامال ہوتے رہتے ہیں۔ پھر ۱۹۲۳ء سے تو اُنکی شخصیت کا اثر ہر شجر و حجر طاری رہتا۔ بچے جوان۔ بوڑھے۔ کیا مدرسہ کیا گاؤں۔ کیا شہر کیا عدالتیں۔ کیا جنگل کیا سمندر۔ کیا ہوا۔ کیا بازار۔ کیا فوج اور اسکا سامان غرضکہ ہر شے وغیرہ سب ہی پر تو نظر آرہا ہے اور سب اپنی جرأت میں کمال ہی کا نام لے رہے ہیں۔ آپ مافوق الانسان ذات کی تصویر مجسم اگر کسی کو دیکھنا ہو تو اُن کو جا کر دیکھ لے وہ پیدائشی سیاسی ہونے کے علاوہ قربانی اور ایثار کے اوصاف بھی اپنے میں لائے ہیں۔ قوم اور ملک کا درد اور حب الوطنی کوٹ کوٹ کر خدا تعالیٰ نے بچپن ہی سے اُنکے دل میں بھر دی تھی۔ کل قوم اب اُنکے سخت سے سخت حکم کے ماننے پر نہ صرف تیار ہی ہو جاتی تھی بلکہ بطیب خاطر قبول میں یہ سمجھ کر کہ جو کچھ بھی وہ کرینگے قوم اور ملک کے نفع ہی کے واسطے کرینگے سب کو خوشی بھی حاصل ہوتی تھی۔ بچے سے لیکر بوڑھے تک کو گویا اُنھیں نے آزادی کی دھن میں مست کر کے ترقی اور محنت کی شاہراہ پر ایسا لگا دیا تھا۔ کہ صرف ملک کی محبت اور قوم کی شیدائیت ہی قوم بھر کا ایمان رہ گیا تھا۔ نہ اگلی روایات یا شان و شکوہ سے وہ تعلق رکھتے تھے اور نہ ملاؤں۔ خانقاہوں اور پیروں کے ڈھکوسلوں یا اُنکی قیل و قال وحال و جال سے کچھ واسطہ ہی اُنھیں رہ گیا تھا۔ فی الحقیقت غازی پاشا کی سیدھی سادی سپاہیانہ زندگی کا کچھ ایسا جادو چل گیا تھا کہ باید وشاید۔ قوم نے بھی اپنی شکرگذاری کے اظہار میں بخوشی سلطانیت اور خلافت تک تفویض کر دینا دل و جان سے چاہا تھا۔ مگر واہ ری ہمت مردانہ کہ مصطفےٰ کمال نے کسی انعام کو لینا منظور نہیں کیا اور خود ایک خادم قوم ہی بنکر رہنے میں اپنی عزت جانی بلکہ خالص خدمت قوم و ملک کو اپنا تمغہ امتیاز سمجھ رکھا تھا۔ اب یہ کہ خود قوم نے اُنھیں کوئی خطاب دیا تو اسکا علاج اُنکے پاس کیا تھا؟

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ کمال پاشا سے ملکر لوگ خوش ہوتے تھے ملاقات میں اس وجہ سے بے حد لطف آتا تھا کہ لطائف و ظرائف اور حاضر جوابی سے وہ دلوں کو مسخر کر لیتے تھے مسٹر ایچ۔ جی ویلز (H. G. Wells) کی تصنیفات کے بھی بڑے شایق تھے۔ بلکہ صفحے کے صفحے اُنکے مضامین کے اُنھیں حفظ تھے اور موقع بہ موقع اپنی تقریروں میں اُنکو دہرا تے تھے۔ اُنکے وزراء بھی معاملات کو مختصراً۔ صاف صاف اور جلد از جلد اُنکے سامنے پیش کر دیتے تھے اور اُنکی طرف سے جواب بھی چٹ پٹ ملتا تھا جس پر کاربند ہونا انکا فرض تھا۔ یہ تمام کمالات دراصل خداداد ہوتے ہیں۔ "تا نہ بخشد خدائے بخشندہ۔" ہر شخص نہیں حاصل کر سکتا جب کسی قوم کو خداوند عالم بنانا اور نوازنا چاہتا ہے تو ایسے ہی افراد پیدا کر دیتا ہے۔ "این سعادت بزور بازو نیست"۔ اُنکا حافظہ بھی زبردست کہا جاتا تھا۔ ہر معاملہ کے تصفیہ کے لئے گذشتہ تجربہ سے ایک نہ ایک واقعہ مثال کے طور پر وہ بیان کر دیتے تھے اور اُسی سے نتیجہ بھی غور و خوض کے بعد فوراً نکالکر دوسروں کو ہم رائے بنا لیتے تھے۔ چنانچہ اُنکے نتائج ابھی تک ہر معاملہ میں قوم کے نزدیک صحیح ثابت ہو رہے تھے۔ آگے چلکر خدا جانے۔ جب کسی کو سفارت پر بھیجتے تو تمام نشیب و فراز کو بحث و مباحثہ میں لانے کے ساتھ ساتھ امکانات کو بھی اپنے حتی الامکان داخل کر کے نتائج پر گفتگو کر لیتے تھے۔ چنانچہ عصمت پاشا کو جب لازان توفیق رشدی کو جنیوا۔ اور محمود اسد نے کو لیگ اقوام کے اجلاسوں میں بھیجا ہو تو قبل ہی سے وہ تمام مراتب حل اور طے کر لئے تھے جو وہاں ظہور میں آئے تھے۔ اُنکی فوجی قابلیت کا نتیجہ تو دنیا نے دیکھ ہی لیا ہے۔ اور سیاست بھی ظاہر ہو گئی ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ قوم کہاں تک آئندہ اُسپر عمل کر سکتی ہے۔ وزراء بھی ابھی تک تو اُسی ڈھرے پر لگے چلے جا رہے ہیں کہ جو کچھ گھر بیٹھ کر سب آپس میں طے کر تے ہیں اُسی کی پابندی سب کرتے ہیں جس سے نہ خود وہ غلطی میں پڑتے ہیں اور نہ وزراء بھی راہ خطا میں دھکے کھاتے ہیں*

بچپن ہی سے جبکہ دس سال کی عمر تھی اپنے قلم سے حکومت کی غلطیوں کو اپنی سمجھ کے مطابق لکھ کر اپنے ساتھ کے کھیلنے والوں اور تعلیم پانے والوں کو تقسیم کیا کرتے تھے۔ نیز ملک کی پسماندگی وغیرہ کا نوحہ پڑھکر اُسکے بچانے کے لئے مٹھی بند کر کے داہنے ہاتھ کا گھونسہ یہ کہکر دکھلایا کرتے تھے کہ "میں اپنے ملک کو بچاؤنگا۔ افسوس میرے ملک کی کیا حالت ہے" اور یہ تو وہ اب بھی کہتے تھے کہ "اپنے ملک کی ترقی کے واسطے میں نے دن و رات میں کبھی غفلت نہیں کی ہے"۔ اُنکے ہمعمر عصمت پاشا تو مدتوں سے اُنکو اپنا سردار اور افسر بنائے ہوئے تھے۔ ایسے ہی دیگر وزراء اور افسران فوج کا حال تھا کہ اُنکے اشارے پر چلنا وہ اپنا مذہب اور ہر قسم کا فرض عین سمجھتے تھے اور یہ سب

* دیکھو کتاب "ٹرکی حال" مصنفہ گریس ایلیسن (Grace Ellison)

دباؤ یا ڈر سے نہیں بلکہ ملکی خدمت۔ قومی حق اور وطن کی محبت کے باعث۔ اس وقت تو ترکوں کا کامل اعتماد کمال پاشا پر ہر کوچہ و بازار میں دکھلائی دیتا ہے بلکہ گھر گھر اُنکے تمام صفات۔ اُنکی قربانیوں اور خدمات کا چرچا ہی ہر وقت رہتا ہے۔ قوم در اصل اُنکی دل و جان سے شیدا تھی۔ اُنکے یہاں بھی اب کوئی سا فعل اُنکی ذات کے واسطے نہیں ہوتا تھا۔ وہ خود ملک و قوم کی ملک تھے اور ملک و قوم اُنکی ملک تھے یہ بھی مشہور تھا کہ اُنکی خارجی پالیسی سب سے میل و جول سے بسر کرنا ہوگئی ہے لیکن ترک قوم کے اسلحہ اور دماغوں میں جو زنگ آگیا تھا اسکو وہ ضرور دور کرنا چاہتے تھے اور سچائی کی حمایت کرنا انکا اصول حکمرانی ہے نہ کسی قوم سے ان کو خاص محبت تھی اور نہ کسی سے نفرت نہ حکومت کی غلطی کو قوم کا قصور مانتے تھے بلکہ ترکوں کی مدت سے کاہلی۔ بے علمی اور غلط بے عملی کو انکی تمام خرابیوں اور تباہی کا باعث بیان کیا کرتے تھے۔ اسی لئے ہر شعبۂ ملک کو قوم کے ہاتھ میں یعنی اسٹیٹ کے ہاتھ میں وہ رکھنا اپنا فرض کہتے تھے۔ اور جو بھی ترقی زمانۂ حال کے مطابق ہو اسکے وہ دل سے حامی تھے۔ فرسودہ اور اگلے لوگوں کے خیالات سے وہ اپنے کو اور اپنی قوم کو پابند کرنا بیشک مضر جانتے تھے اور زمانے کے مطابق نہ چلنا ہی وہ اُسوقت قوم بھر کی موت کا گجر بجنا بتلاتے تھے۔ کیونکہ اُنکی آنکھ کے سامنے وہ نظارے آچکے تھے جہاں بیرونی سلطنتوں اور اشخاص کا اثر رہ چکا تھا کہ جنھوں نے قوموں کے غلام بنانے میں اور خون کے چوسنے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی تھی۔ اونکا معیار تو صرف یہ کہا جاتا تھا کہ "نہ عرب کے لوگ اب انکو مذہب سکھائیں اور نہ یورپ کی حکومتیں تعلیم و تجارت کا سبق دیں بلکہ خود ترک قوم اپنا دین اور اپنی دنیا سنبھال لے" چنانچہ انھیں اصولوں کی پابندی میں تمام عیسائی ہمسایوں سے صلح کرلی تھی اور اُن سے صرف اسی قدر توقع رکھتے تھے کہ ترکوں کی آزادی میں کسی شکل سے ٹھیس نہ لگنے دیں۔ بلکہ تمام نزاعی معاملات کو بغیر جنگ کے حتی الامکان طے کرلیا کریں۔ اُنکی رائے میں دنیا کی تاریخ ہی تمام امور کا فیصلہ کرے گی اور کرتی رہی ہے۔ اور ایک بہادر مرد کی طرح وہ تاریخ ہی کو اپنے کارناموں کا آخری فیصلہ کنندہ جانتے تھے۔ یہ بھی مشہور تھا کہ ترک اس بات سے بیحد ناراض ہوتے تھے کہ اگر مصطفےٰ کمال کو مسولینی (Mussoulline) کا مقلد کہا جاتا۔ بلکہ مسولینی کو وہ کمال کا مقلد جانتے تھے۔ اور یہ بھی عجیب واقعہ ہے کہ کمال اور مسولینی کی ایک ہی سال کی پیدائش ہے۔

مصطفےٰ کمال تو علاوہ مدبر ہونے کے بڑے جفاکش اور محنتی بھی ہیں جس کام کے کرنے کا ارادہ کرتے ہیں اس میں ایسے محو ہو جاتے ہیں کہ دنیا مافیہا کی خبر ہی نہیں رہتی۔ انگورہ کی ہر تکلیف کو موسمی ہو یا کوئی

وہ راحت ہی جانتے۔ کھیل اور ناچ و تماشہ کے بھی شوقین تھے گر وقت وقت سے اور وہ بھی ضرورتاً اور مصلحتاً اُنکے وزراء اور اُنھیں اپنا دوست استاد اور حاکم بھی جانتے تھے اُنکا محافظ دستۂ فوج اُنکا شیدائی تھا اور یہ بھی کہنا صحیح ہوگا کہ ہر سچا ترک۔ اُنکا عاشق تھا۔ پیادہ ہوا خوری کے وہ شائق تھے۔ گو گھوڑے کی سواری اور شکار کا بھی شغلہ تھا۔ ہر صبح کو اپنے ذاتی فارم یا کھیت پہ جاکر کاشتکاری کی دیکھ بھال ضرور کر آتے تھے اور حکومت کی طرف سے دعوتوں کے موقع پر شاہی تزک و احتشام سے چلتے تو جاتے۔ مگر یوروپین اقوام کی طرح بعد میں ایک معمولی سپاہی کے مثل بات چیت۔ ہنسی مذاق کرتے ہوئے احباب میں گھل مل جاتے تھے کہیں سے بھی غرور کا شائبہ نہیں نظر پڑتا تھا اور اپنے قدیم غربت کے دوستوں کو کسی وقت بھی نہیں بھولتے تھے جس طرح ترک قوم اسوقت غازی پاشا کو اپنا حکمراں عادل اور قاعد اعظم مان رہی تھی اسی طرح وہ اپنے ہر قول و عمل سے قوم بھر کو یہ ثابت کرتے رہتے تھے کہ وہ محض ایک معمولی خادم قوم و ملک تھے۔

ترکوں کا وہ وحشی تورانی اثر جو اُنکی رگوں میں تھا اور جس کے باعث یورپ نے اُنکے فاتحین کو اچھا نہیں کہا۔ مگر پھر عربی اثر اور اسلامی تعلیم سے جب وہ وحشی اثر جاتا رہا تو اُسی سے عام طور پر ترک قوم کی وقعت دنیا نے کی اور اب بھی کر رہی ہے اور کرتی رہیگی۔

ابتدا ہی سے ترکی کاشتکار محنتی۔ وفادار۔ ایماندار۔ بات کا پاس رکھنے والا۔ سادہ مزاج غیر آرام طلب اور کسی نشہ وغیرہ کا کبھی عادی نہ تھا۔ مٹی کی جھونپڑیوں میں گذر کرنے والا۔ مگر پہاڑوں پر پتھروں کے مکانات بھی بنا کر کھڑے کر چکا تھا اور بڑی کاشت کاریوں میں شرکت کرکے کام چلاتا تھا۔ مالکان آراضی زمین کے ساتھ تخم بھی دیتے تھے۔ گیہوں۔ باجرا۔ رائی۔ جو۔ وغیرہ کی خاص پیداوار تھی۔ زمین جوتنے والے اپنے ہی جانوروں اور اپنی محنت سے کار برآری کرتے تھے اور پس پیداوار تقسیم ہو جاتی تھی۔ لکڑی کے ٹکڑوں میں نشان دیکر شمار اعداد کرتے تھے۔ زمیندار کے مختارین اور کارندے اکثر زاید نفع اُن سے اُٹھاتے تھے کافی اور حقے کے عادی تھے۔ مگر حقہ زاید نہیں۔ عیسائی کاشتکاروں میں گانے بجانے اور ناچ و رنگ کا چرچا ہمیشہ سے زاید تھا۔ مگر مسلمان تو مثل ہمیشہ کے قسمت پر شاکر رہ کر اور جو طرز زندگی پہلے تھا اوسی کو نباہ رہتے تھے۔ لکڑی کے ہل تھے اور بھینسوں سے کھیتوں کی جوتائی کرتے تھے یا گٹھڑوں سے غلہ روندواتے تھے۔ زمین کے شاداب ہونے کے باعث کھاد ڈالا [illegible] نہیں دیتے تھے [illegible] کا موسم [illegible] اور گرمی دونوں [illegible] ہوتی ہے۔ بہار کا زمانہ کم ہوتا ہے۔ نیز بارش پر دار و مدار تھا۔ پیداوار [illegible]

ملاؤں کا حق بھی پیداوار میں تھا۔ ٹیکس مقرر کرنے والے کی مرضی پر حیثیت کے اعتبار سے مالگذاری وصول کی جاتی تھی۔ لوکل کونسلیں بھی تھیں اور وہ حصہ رسدی وصول کراتی تھیں۔ اراضی پر مقررہ مالگذاری باقاعدہ نہ تھی۔ کاشتکار بیحد خلیق اور متواضع تھے۔ مذہبی جوش دلانے سے اور تعصب کی آگ کے بھڑکانے سے زائد متاثر بھی ہوتے۔ اگر دق نہ کیا جاتا تو بڑے شریف النفس تھے۔ ورنہ ہر کاشتکار بڑا ظالم اور مجرم۔ مسلم اور عیسائی رعایا دونوں آرام سے بسر کرتے رہے تھے۔ شادی ہوتے ہی مرد عورت عیسائیوں میں تو باپ ماں سے جدا ہو جاتے تھے مگر ایک عورت کی حکومت کا اصول اب بھی ہر گھر میں جاری تھا۔ برآمد کا سامان ملک میں کم تھا جس سے بجائے اشیار کی درآمد کے سونا چاندی ہی باہر چلا جا رہا تھا۔ برآمد کے سامان کی کمی سے باہر کا تیار شدہ مال بھی تبادلہ کر کے لانا گویا ناممکن ہی تھا اور جبتک کہ صنعت و حرفت کی ترقی نہ ہوتی اور کارخانے نہ قائم ہوتے تب تک مال بنا کر باہر بھیجنے کے واسطے تیار ہی نہیں ہو سکتا تھا۔ اور نہ سونے و چاندی کو باہر جانے سے کوئی روک سکتا تھا۔ نہ باہر سے اعتبار ہی ملک کا کیا جا سکتا تھا نیز سرمایہ کی کمی تھی انھیں حالات اور وجوہ سے کمال پاشا نے کارخانوں کے قیام کا خیال سب سے پہلے کیا اور جلد سے جلد اسکی فکریں کیں۔ تب ہی ۱۹۳۳ء میں پانچسال کے ایک طریقۂ کار کی اسکیم تیار کرائی گئی تھی۔ مگر اب بھی ملک میں غیر مسلم اقلیتیں یوں تھیں کہ نوّے ہزار تو صرف یونانی تھے اور اُنکے علاوہ ارمنی اور یہودی بھی گروہ لوگ نہایت خوشی کے ساتھ ترکی باشندگی کو قبول کر چکے تھے اور آرام سے اب رہ رہے تھے۔

نومبر ۱۹۳۴ء میں ایک مسٹر کلارک فورمین (Mr. Clark Foreman) نے جو ترکی کے حالات کی جانچ کے واسطے وہاں گئے تھے۔ اُنھوں نے اپنا ایک بیان شایع کیا تھا جو الہ آباد کے لیڈر اخبار نے بھی ۷ ار نومبر ۱۹۳۴ء کے پرچہ میں یوں نقل کیا تھا کہ "تمام اقتصادی تعمیر میں قومیت کی روح اب پھونکی معلوم ہوتی ہے۔ صنعت و حرفت کی وہ کمپنیاں جنمیں بیرونی سرمایہ لگا ہوا تھا سب میں کم از کم پچاس فیصدی سرمایہ مقامی ہونا قانوناً لازم کر دیا گیا تھا اور غیر ترکی کاروباریوں کے لئے سخت قواعد بنا دئے گئے تھے۔ مقامی صنعت کی ترقی ہی کی صرف خواہش نہ تھی بلکہ بندرگاہوں کی تجارت میں بیرونی اثر کو روکنے کی بھی حمایت کی کوشش تھی اور حکومت نے اُسے اپنے ہی ہاتھ میں لے لیا تھا۔ حالانکہ وہ بیشتر یونانیوں کے ہاتھ میں تھی۔"

۱۹۳۵ء میں چار کپڑے بنانے کے کارخانے اور ایک کاغذ کی مل بمقام ازمت (Izmit) چالو ہو گئی تھی

استنبول میں بھی ایک شیشے بنانے کا کارخانہ قائم ہوا۔ نیز ایک چھوٹا ریشم کا کارخانہ گملک (Gemlek) میں۔ شکر کے صاف کرنے کے کارخانوں نے۔ ایسکی شہر اور ترحال (Turhal) میں کام کرکے باہر کی شکر کا اب ترکوں کو محتاج نہیں رکھا ہے۔ جنگ سے قبل تو ڈھائی لاکھ ٹن گیہوں یا آٹا باہر سے آتا تھا مگر اب تو خود ترکی سے باہر جانے لگا ہے۔ ٹیکس بھی رعایا پر کم کیا گیا۔ بلکہ ۳۴ و ۱۹۳۵ء کا بجٹ بھی مداخل و مخارج کا برابر ہی کا بن گیا تھا۔ اور ان سب کے باعث ترکی پونڈ کی قیمت جو ۱۹۳۰ء میں تھی وہی جون ۱۹۳۵ء میں قائم رہی۔ اسی سال سلطنت نے دیہاتی صنعتوں کی بڑی امداد کی تھی اور اسی کو در اصل رعایا کی حقیقی فلاح کا ذریعہ سمجھ کر اسکی طرف ہر قسم کی توجہ شروع کر دی گئی تھی۔ خود وزارتیں ہر ضلع کی صنعت و حرفت کی ترقی کے واسطے مالی امداد کی انجمنیں بنوا کر نیز دوسرے طریقوں سے کوشش کر رہی تھیں۔ اور خود کمال پاشا معاشرتی زندگی سے گویا علیحدہ ہوکر سلطنت کے کاموں اور رعایا کی فلاح کی تدبیروں کے لئے محو ہوگئے تھے۔ عورتوں کو مکمل آزادی دینے کے بابتہ انکا اب یہ خیال مستقلاً قائم ہوگیا تھا کہ وہ مردوں کے برابر کام کرکے آئندہ دنیا میں بجائے جنگ کرانے کے صلح کا باعث ہونگی۔ لوگوں کا وہ فرسودہ خیال کہ مستورات ہی کے باعث بہت کچھ اختلاف گھروں اور ملکوں میں ہو جاتا ہے اوسکا حل اگر کوئی وہ سمجھے تھے تو یہی تھا اور اب عوام ترکوں کی رائے بھی انکی اس رائے کے مطابق ہوگئی تھی کہ جس قسم کی بھی تبدیلیاں رسمی و مذہبی انکے یہاں کی گئی تھیں تمام اسلامی دنیا رفتہ رفتہ وہی کریگی کیونکہ اسلام میں وہ زبردست حانی قوت ہے کہ اسکو کسی قسم کی دنیاوی ضرورتوں کی تبدیلی مٹا نہیں سکتی وہ ہر وقت اور ہر حالت میں اور ہر کشمکش کے بعد فتح پائیگا اور اپنی صداقت سے کبھی ناکامیابی کی صورت نہ دیکھے گا۔

۱۹۳۶ء میں دردانیال کا معاہدہ بھی ترکوں اور دیگر ریاستوں کے درمیان ہوگیا تھا۔ بلغاریہ نے سب سے پہلے دستخط اوسپر کئے تھے جس سے بقول لارڈ اسٹینلے (Lord Stanley) یہ ثابت ہوگیا تھا کہ "باوجود بین الاقوامی تلاطم اور انتشارات کے ایسے معاہدات آپس میں ہو سکتے تھے کہ جس سے سب کی حفاظت کا بندوبست ہو سکے"۔ ترکی میں اسکی بھی بیحد خوشی منائی گئی تھی۔ صلح کے دو ہی گھنٹے بعد ترکی فوجیں ممنوعہ حدود کے اندر داخل ہوکر دردانیال اور باسفورس پر قابض ہوگئیں اور یہ اندازہ کیا گیا تھا کہ کم از کم اسی کروڑ پونڈ انکی مضبوطی اور حفاظت میں ترکوں کو صرف کرنا پڑینگے۔ وہ ترکی جہاز جسکا نام گوبن تھا۔ اوسکو یاوز (Yavuz) کے نام سے موسوم کرکے دردانیال میں بیحد خوشی کے ساتھ

لایا گیا تھا۔ نیز جزائر امبراس (Embros) اور ٹینی داس (Tenedos) پر بھی قبضہ مانٹرے
کنونشن (Montreaux Convention) کے مطابق ترکوں نے کر لیا تھا یہ جزائر بحیرہ
ایجین میں واقع ہیں۔*

جون ۱۹۳۶ء میں تو یہ مشہور کیا گیا تھا کہ ترکوں نے صلح لازان کو پھاڑ ڈالا ہے کیونکہ کمال پاشا ہی تو ۱۹۲۷ء
پھر ۱۹۳۱ء اور پھر ۱۹۳۵ء میں برابر صدر اسمبلی ہوتے رہے اور بجز انکے کوئی بھی در دانیال پہ قبضہ کے ارادے
کا ذمہ دار نہیں ہو سکتا تھا۔ انکے آبنائے پر جبریہ قبضہ کر لینے اور ممنوعہ حصہ میں فوج کو داخل کرا دینے کا دعویٰ
اور بعدہٗ اسکی اجازت طلب کرنا بڑی جرت کی بات سمجھی گئی تھی۔ صلح لازان سے تو ترکوں کو در اصل بحر اسود
اور بحیرہ روم کے درمیان آبنائے پر قلعہ بندی کی ممانعت تھی کیونکہ جو کوئی آبنائے پر قابض ہوتا گویا وہ روس سے
تیل اور غلہ کے جہازات کے آنے کو روک سکتا تھا۔ نیز یورپ سے مشرق کا راستہ بھی بند کر سکتا تھا۔ مگر اب تو
جنیوا نے فیصلہ ہی کر دیا اور ٹرکی نے قبضہ کر کے معقول معاہدہ بھی کر لیا جس سے کسی کو دشواری نہ ہوگی اور اسکی
حفاظت بھی ہو گئی۔ نیز ٹرکی پھر دنیا میں ایک رکن اعظم بنگیا۔ گو ترکوں کی تعداد صرف ایک کروڑ ساٹھ لاکھ ہی
سہی تاہم انکے ہاتھ میں دنیا کی بڑی کنجی پھر آگئی۔ ہر بحری قوت کو آبنائے کی جنگ کے وقت انکی ضرورت
ہوگی۔ گو حیفہ (Haifa) کا بھی شمار اسی میں اب ہو رہا ہے ۱۹۳۶ء میں لڑکے اور لڑکیوں کو جبریہ اسکوٹ
(Scout) بنانے کے لئے بھی وزارت تعلیم عامہ نے حکم جاری کر دیا تھا۔ تیرہ سال سے سترہ سال کی عمر تک کے
لڑکے اس میں لئے جائینگے اور ہر ہفتہ میں ڈھائی دن تک ان کی مخصوص تعلیم اوسی کے بابتہ ہوا کریگی۔ ہلال احمر
کا بھی ایک شاندار جشن اب استنبول میں کرایا گیا تھا چالیس دن و رات یہ جشن رہا جسمیں مختلف قسم کے کھیل اور
تماشے بالخصوص قومی قسم کے زائد تر دکھلائے گئے اور یورپ سے بھی بکثرت لوگ انہیں آکر شریک ہوئے تھے۔

۹ جنوری ۱۹۳۷ء کے خبارات سے دنیا نے یہ بھی جانا کہ کمال پاشا ۸ جنوری کو یکبارگی قونیہ کے واسطے روانہ ہوگئے
اور دیگر اپنے وزراء سے گفتگو کر کے اینٹیوک (Antioch) اور ایلگزینڈریٹا (Alexandretta)
کے بابتہ جو اختلاف تھا اوسکو طے کرنے کا مصمم ارادہ کر چکے تھے۔ در اصل ترکوں اور فرانس کے درمیان سنجک کے
بابتہ کچھ مناقشہ تھا۔ اگرچہ وہ جنیوا کے سپرد ہو گیا تھا سنجک تو ایلگزینڈریٹا کا ایک موضع ہے۔ اوسکو فرانس نے حکومت
خود اختیاری کا حق دیدیا تھا (ایلگزینڈریٹا کو ترک و عرب اسکندرونا کہتے ہیں) اس کارروائی سے خیال تھا کہ

* دیکھو اخبار ہندوستان ٹائمس۔ جولائی ۱۹۳۶ء۔

کہ کوئی دوسری سلطنت اسکے بندرگاہ پر قابض ہوجائیگی حالانکہ ترک تو اس حصہ ملک ہی کو اپنا سمجھتے تھے اسی جھگڑے کے باعث خیال کیا جاتا تھا کہ شامی و فرانسیسی معاہدہ بھی رکا ہوا تھا۔ ترکوں نے تو جنگ عظیم کے بعد دونوں مقامات کو ایک معاہدہ خاص کے ذریعہ فی الوقت فرانس کے سپرد کردیا تھا۔ مگر۔ مصرع

رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گذشت

کہ یہ معاملہ بھی بخیر و خوبی طے ہوگیا اور جو لیگ کی طرف سے کمیشن مقرر ہوا ہے اسکی کارروائی آئندہ چلکر معلوم ہوگی

اینی ایس سوان (Annie. S. Swan) نے کمال پاشا کے متعلق لکھا ہے کہ "انکی ذہنیت اور حکمت عملی کا پتہ اس سے چل سکتا ہے کہ جب اونھوں نے یونانیوں کو شکست دی ہے تو ان سے پوچھا گیا تھا کہ کیوں یونانیوں سے تاوان جنگ نہیں طلب کیا گیا۔ تو کمال نے یہ جواب دیا تھا کہ تجارتی معاہدات ہمیشہ قرضہ جنگ کے لینے سے بہتر ہوتے ہیں جنکا وصول کرنا باعث اختلافات اور ناگواری ہوتا ہے اور وہ یونان سے دوستانہ تعلقات قائم کرنا اس بات سے بہتر سمجھتے ہیں کہ ہمیشہ اسکو ترکی فتح کی یاد دلاتے رہیں*

ایک دوسرے یوروپین ایمل لنگی ایل (Emil Lengyel) جسنے کہ غازی پاشا کو دیکھا ہے اسکی یہ رائے ہے "جو شخص انکو پہلی اسپاٹ میں دیکھتا ہے وہ حیرت ضرور کرتا ہے۔ وہ اکثر غور و خوض میں رہتے ہیں۔ سیاہ آنکھیں اندر گھسی ہوئی۔ ناک ہونٹوں کے اوپر خوب چوڑی اور نوک دار جسکو عموماً استقلال کی نشانی کہا جاتا ہے۔ خوش پوشاک [illegible] سال کے جوان۔ پتلا جسم بات کرتے وقت ہاتھوں کو مشکل سے جنبش دیتے ہیں۔ آواز زوردار ہے۔ لبوں پر مسکراہٹ کے ساتھ انکی آنکھوں میں ایک چمک بھی ہے جس سے شرارت بھی ٹپکتی ہے اور اپنی خوشی کے پورا کرا لینے کا انہیں خاص ملکہ ہے۔ وہ موجودہ ترکی کے نہ صرف معمار ہیں بلکہ دیگر ڈکٹیٹروں سے کچھ زائد ہی ہیں انہیں انھیں کے سر ملک کی حالتوں کی ذمہ داری بھی ہے اور انکے مافوق الانسان ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ وہ ایک پس ماندہ مشرقی قوم اور ملک کو موجودہ دنیا میں تمدن کا علمبردار بنا رہے ہیں۔ ایک خاص قوم کے رہبر ہونے کے علاوہ وہ اسلامی دنیا میں زبردست قوت ہیں کل مشرقی دنیا میں روح پھونک دینے کا سہرہ انھیں کے سر رہیگا۔ اور تقدیر کے بھی ایسے زبردست ہیں کہ دردانیال کی ایک جنگ میں انکی دستی گھڑی نے انکی جان بچائی نیز انگریزوں کو ایسی سزا دی۔ اور جبکہ وہ ایک بے آب وگیاہ صحرا بلکہ شوریدہ حصہ ملک میں جا کر پناہ گزیں ہوئے تھے جہاں اگر انکا مدفن ہوتا تو تعجب نہ تھا مگر اب تو

* دیکھو ہندوستان ٹائمس ۱۴ر مئی سنہ ۱۹۲۶ء

وہی مقام دنیا کے ایک بہت ہی مشہور مقاموں میں شمار ہو گیا ہے وہ تو محض مصطفےٰ سے کمال بنے پھر غازی ہوئے اور اب تو اتاترک ہو کر ملک بھر کو صنعت و حرفت سے مالا مال اور جہالت سے علم حاصل کرا دیا ہے ہیں*

۱۹۳۶ء میں اخبارات سے معلوم ہوا تھا کہ ٹرکی۔ ایران۔ عراق اور افغانستان میں ایک مشرقی ایشیائی اتحاد کا معاہدہ ہو رہا ہے۔ اسکی بنیاد تو رضا شاہ پہلوی شاہ ایران کی جون ۱۹۳۴ء کی ٹرکی میں سیاحت کے وقت کہی جاتی ہے۔ ٹرکی حکومت کو بیشک اسکی ضرورت ہے کہ اپنے مشرق و جنوب کی طرف جو ایران اور عراق سے ملحق ہے اودھر سے اطمینان کر لے تاکہ بحر روم کی طرف وہ اپنی پوری مضبوطی کر سکے۔

عراق کو موصل اور شط العرب کے دریائی حقوق پر ترکوں سے اندیشہ تھا۔ مگر اب عراق کو کچھ اطمینان سا ہو گیا ہے جس سے کہ لیگ اقوام کے اجلاس سے اسکی شکایات اوٹھالی گئی ہیں۔ پھر ایران اور افغانستان کے درمیان سرحدی کچھ نزاع تھی وہ بھی ترکوں کی امداد سے رفع ہو گئی۔ ہاں اگر کسی طرح مصر۔ نجد۔ حجاز۔ یمن۔ فلسطین اور شام کی حکومتیں بھی ٹرکی۔ ایران افغانستان اور عراق کے ساتھ مناسب معاہدے کر لیں اور اسلامی طریقہ پر سب ایک دوسرے کے حامی اور مددگار ہو جاویں تو سبحان اللہ۔

ٹرکی میں اب ریلوے لائن ۴۴۷۵ میل ہے نیز ایک تجارتی بیڑہ جہازات بھی جسکا کل وزن ایک لاکھ نو ہزار آٹھ سو نواسی (۱۰۹۸۸۹) ٹن ہے۔ برآمد میں اب انجیر۔ روئی۔ منقے۔ اخروٹ۔ چقندر۔ تمباکو اور زیتون ہیں۔

اخبار اسٹیٹسمین (Statesman) مورخہ ۱۴ ر جولائی ۱۹۳۵ء میں ٹرکی کی موجودہ حالت کو یوں دکھلایا ہے کہ فرانس میں ۱۷۸۹ء میں اور روس میں ۱۹۱۷ء میں انقلابات ہوئے مگر لینن (Lenin) وغیرہ کی طرح کمال پاشا کو صرف معاشرتی تعمیر کو ڈھانا ہی نہیں پڑا بلکہ مذہبی تعمیر کو بھی مٹانا پڑا۔ ٹرکی میں تو ہر شعبۂ زندگی مذہبی پہلو سے تھا یہاں تک کہ صنعت و حرفت وغیرہ بھی یعنی قرآن پاک کے احکامات کے مطابق جو ساتویں صدی میں رسول کریم پر اترا تھا پس ظاہر ہے کہ موجودہ صدی میں زمانہ حال کا رنگ ہر شعبہ پر چڑھانا ایک غیر ممکن العمل بات ضرور تھی اور جبتک کہ مذہب سے بالکل جدا کر کے دنیاوی رنگ نہ دیا جاتا تب تک کسی قسم کی کامیابی ناممکن سلطنت اور مذہب کے فرائض ایک ہی شخص کے سپرد تھے۔ وہی دینی و دنیاوی پیشوا تھا چنانچہ وزیر داخلہ جو کر دکا یاس (Chukru Kaya) نے اپنی تقریر میں کہا تھا کہ "ہمارے انقلاب کا ایک بڑا مقصد دنیاداری کا طرز حکومت بدلنا تھا طرز حکومت کو مثال کر قائم کرانا تھا۔ اور مقاصد انقلاب کو پیش نظر رکھنا ہمارا فرض ہے" اسی بنا پر ۲۴ مئی ۱۹۳۸ء سے پہلی ڈیوٹی الالہی

* دیکھو انگلش مین ہندوستان ٹائمس ستمبر ۱۹۳۲ء

اعداد و شمار کو اور ۳ر نومبر ۱۹۲۸ء سے لاطینی حروف کو اختیار کرنا اسمبلی نے طے کر دیا تھا۔ اور یکم جنوری ۱۹۲۹ء سے اوسکی پابندی ہوگئی تھی۔ جس وقت کہ سلطانیت کو توڑا ہے اور دار السلطنت کو تبدیل کیا ہے۔ تب ہی خلافت کے مٹانے کی بھی تجویز ہوئی تھی۔ مگر آپس کے اختلاف کے باعث خلافت رُک گئی تھی۔ اور جب ۳ر مارچ ۱۹۲۴ء کو خلافت کو مٹایا اسی وقت سے گویا مذہب و دنیاوی حکومت کو علیحدہ کر دیا پھر اسی کے چند ماہ بعد فز ٹوپی اوتروا دی یعنی یکم دسمبر ۱۹۲۵ء کو اور اسکو ترکوں نے مذہبی تعصبات پر گویا آزادی کی روح کی فتح سمجھی۔ پھر ۳ر دسمبر ۱۹۳۴ء کو دستوری حکومت نے مذہبی پیشواؤں کو بجز مذہبی مراسم کے وقت کے اور مذہبی عمارات کے اندر مذہبی پوشاک پہننے کی بھی ممانعت کر دی۔ لیکن ربیٔ اعظم و یونانی و ارمنی مقتدایان مذہب کو اس حکم سے مستثنیٰ کر دیا تھا۔ ..... اسی لئے مستورات کی آزادی کے لئے ۱۹۲۵ء میں بمقام ازمیر (Izmir) پہلا ناچ خود کمال پاشا نے دیا۔ نکاح کی رسم کو سول قانون میں داخل کر کے اُنکی اور مردوں کی برابری کر دی۔ نیز تعدد ازدواج کو روک دیا اور ہر ٹرکی رعایا کے حقوق و فرائض صرف برابر ہی نہیں کر دیئے بلکہ صنعت و تعلیم وغیرہ میں آزادی سے ترقی کے مواقع پیدا کر دیئے۔ تصویر کشی کو بھی جائز کر دیا۔ اور اب تو ہر شہر میں کمال کا مجسمہ اور ہر گاؤں میں اُنکی تصویر عزت سے آویزاں کی گئی ہے۔ استنبول میں تو مصوری و مجسموں کے کھودنے و بنانے کی ایک اکیڈیمی بھی کھولی ہے۔ عمارات میں عام طور پر مغربی طرز کو اختیار کیا جا رہا ہے اور انگورہ میں تو موسیقی کا نارمل اسکول بھی ہے۔"

کہا جا سکتا ہے کہ اتاترک نے کوئی ایسا کمال نہیں کر دکھایا ہے۔ آخر جرمنی کے ہٹلر نے۔ اٹلی کے مسولینی نے روس کے لینن نے بھی تو اپنے اپنے ملک کو بنا کر دکھلا ہی دیا۔ مگر فیسزم (Facism) اور بالشویزم (Balsheviom) سے کہیں بھی زاید کمالزم (Kemaliom) کے کارنامے ہیں۔ روس تو ابھی تک دنیا کے لئے ایک راز ہے باوجودیکہ اسکے انقلاب کو بیس سال گذر چکے ہیں۔ ترکی انقلاب تو اسکے بہت بعد ہوا اور علاوہ انتہائی پسماندگی کے۔ نہ ٹرکی میں کوئی ترتیب ہی تھی نہ باقاعدگی۔ بلکہ ملک بھر ویران ہو چکا تھا۔ قوم میں اتحاد نہ تھا۔ اقتصادیات ملک تو غیروں کے ہاتھ میں تھے۔ انتظام ملک بھی دوسروں کے مقابلہ میں ہزاروں برس پیچھے اور عمّال میں رشوت اور دغا بازی کا بازار ہر جگہ گرم و دائر سائر۔ سب سے بڑھ کر تو یہ ہوا کہ قومی مذہب کو قائم رکھ کر اوس سے اوہام پرستی اور غلط کاری کو نکال پھنکوایا۔ نازیوں اور بالشویک قسم کی مذہبی خرابیاں بھی پیدا نہیں ہونے دیں۔ اور قوم کو محض جبر و تقیید سے دور ہی کر لیا۔ جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ زمانہ حال کی سائنس اور ترقیوں سے آراستہ ہو کر ترک قوم تاریکی سے نکلکر روشنی میں آگئی۔ اور روز و روز لیں بیں کام کرنے لگی۔

اُنکی قومی پارلامنٹ کا اجلاس بھی روزانہ ہوتا ہے۔ اور خود اتاترک اپنے وزراء سے مشورے کیے بغیر کوئی بھی کام نہیں کرتے ہیں بلکہ اکثر ملک میں جاکر دیہاتیوں اور رعایا سے مشورہ لیتے ہیں نیز اُنکی سنتے اور اپنی کہتے ہیں اور وزراء تو یہ کہتے ہیں کہ اتاترک کبھی خود کوئی حکم اب نہیں دیتے ہیں نہ کسی کے کام میں مداخلت کرتے ہیں غرضکہ ہر شے اور ہر کس و ناکس میں ایک نئی روح پھونک دی گئی ہے۔

بابِ دُوُم
صفائی الزامات

مصطفےٰ کمال نے گویا مثل ایک باپ کے اپنی قوم سے ایک بار یہ کہا تھا کہ "تمہاری نشو و نما و تعلیم کا میں ذمہ دار ہوں اور تمہارا ہر جرم میرا ہی جرم ہے" اسلئے ترکوں پر جو سات بڑے الزامات ہیں اور جو مصطفےٰ کمال کے حکومت کو ہاتھ میں لینے کے بعد لگائے گئے ہیں انپر گفتگو بھی مناسب ہے۔ یعنی خلافت کو مٹانا۔ ترکی ٹوپی کو اتروا دینا۔ پردۂ نسواں کا موقوف کرنا۔ دارالسلطنت کو تبدیل کرنا۔ ملک کی تحریر میں لاطینی یا رومن حروف کو رائج کرنا تعطیل جمعہ کے بجائے اتوار کو تعطیل دینا۔ دنیاوی سلطنت کو مذہب سے جدا کرنا اور عام معاشرت کا بدلنا۔

اب چونکہ مصطفےٰ کمال کے قول کے مطابق وہی تمام جرائم یا الزامات کے ذمہ دار ہونگے نہ کہ اُنکی قوم اسلئے انھیں کے اقوال سے زیادہ گفتگو کی جانا بھی مناسب ہے۔ اور ہر مذکورہ الزام بالترتیب ہی بحث میں آئیگا۔

الزام نمبر ا خلافت و سلطانیت کو مٹانا

بغداد میں بنی امیہ کی خلافت و سلطنت ۷۵۰ء تک رہی اور پھر ۷۵۵ء سے ۱۴۹۲ء تک اسپین میں اُنکی خلافت اور سلطنت قائم رہی۔ اسی آخری سنہ میں گرنیڈا فتح ہوگیا تھا۔ مگر یہاں عبدالرحمٰن اول نے اپنے کو خلیفہ نہیں کہلوایا تھا۔ عبدالرحمٰن ثالث نے بیشک اپنے کو خلیفہ کہلوایا۔

بنی عباس کی خلافت و سلطنت بغداد میں ۱۲۵۸ء میں ہلاکو خاں نے ختم کر دی تھی۔ مگر پھر بھی کچھ لوگ اُنکی قوت تک عباسی خلیفہ کا نام سنی المذہب دنیا خطبوں میں لیتی تھی اور سکوں پر بھی انھیں کا نام

تاریخ ۱۹۳۷ء صفحات

ہلاکو کے پنجے سے بچ کر مصر کے سلطان بیبارس کے زیر سایہ پہونچ گیا تھا وہاں اسکو قاہرہ میں

اوس کو مستنصر باللہ کا خطاب بھی دیدیا۔ ابوالقاسم نے بھی امیر مصر کو سلطان کا خطاب عطا کر دیا۔ یہ ہتیار مملوک غلاموں خاندان سے تھے مستنصر نے بغداد کی فتح کا یہاں سے خیال کیا اور جنگ ہی میں ہلاک ہو گیا۔ خلیفہ مستعین کو تو چھ ماہ کے واسطے مصر میں سلطان بھی کیا گیا تھا مگر بعد میں خلافت و سلطانی دونوں ہی سے محروم بھی کیا گیا۔ سلیمان ذیشان کے وقت میں خلیفہ متوکل کو قاہرہ کی واپسی کی اجازت دیگئی تھی مگر ۱۵۴۳ء میں وہیں اوسکی وفات ہو گئی۔ عباسیوں کی خلافت اس طرح دو سو چالیس سال تک گزاری۔*

ساتویں امام حضرت اسمٰعیل سے فاطمی خلافت کی ابتدا کہی جاتی ہے اوسکا اول خلیفہ عبیداللہ ہوا۔ ٹیونیسیا میں جس کو اس وقت مہدیا کہتے تھے فاطمی دار السلطنت تھا۔ مگر ۹۷۲ء میں چونکہ فاطمی خلیفہ قاہرہ میں داخل ہوا تھا۔ اور اوس وقت سے وہیں دار الخلافت بھی ہو گیا تھا۔ ۱۱۷۱ء میں سلطان صلاح الدین نے اسکو ختم ہی کر دیا تھا اور مصر جو دو سو سال تک شیعہ حکومت رہ چکا تھا تب سے سنی حکومت ہو گیا تھا۔

جس وقت کہ خلافت عباسیہ اسپین سے اور بنی امیہ کی خلافت مصر سے ختم ہو لی تھی تو احمد چہارم امیر مراکش نے بھی (۱۵۷۸—۱۶۰۳ء) تک اپنے کو خلیفہ اسلام کہلوایا۔ اور مورخوں نے اوسکو خلیفہ بھی تسلیم کیا کیونکہ وہ بھی فاطمی تھا اور مغرب کی ہسپانوی خلافت کا وارث۔

ترکوں کی خلافت کا ذکر تو اوپر ہو چکا ہے۔ مگر خلافت کے واسطے امور ذیل ضروری سمجھے جاتے تھے:
(۱) انتخاب۔ (۲) قریشی ہونا۔ (۳) رسول کریم کا خرقۂ مبارک اور ڈاڑھی کے چند بالوں اور دو دانتوں کی مالکیت نیز نشان ہائے مبارک کے ساتھ عصائے شریف اور خلیفہ عمرؓ کی پگڑی۔ ان سب کی ملکیت کے علاوہ بادشاہت کا تنہا مالک ہونا بھی ضروری تھا۔

ترکوں کی خلافت تو ۲ مارچ ۱۹۲۴ء کو ختم ہو گئی تھی۔ اسی کے چند دن بعد شریف حسین شاہ حجاز نے اپنے کو خلیفہ ہونے کا مکہ میں اعلان کر دیا تھا لیکن اکتوبر ہی میں وہ اس سے دست بردار ہو گئے۔

خلافت اسلامی کے بابت ابھی تک تو یہ ثابت نہیں ہے کہ سلاطین ٹرکی کو اسلامی خلافت جائز طریقہ پر حاصل تھی اور خلافت کا مسئلہ خود ہی دنیائے اسلام میں ایک نزاع بارہ صدیوں سے چلا آتا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ اہل سنت والجماعت نے تو ترکوں سے باوجود اختلافات کے سلاطین ٹرکی کو خلیفۃ المسلمین تسلیم کر لیا تھا تو یہ بھی صحیح نہ ہوگا۔ جمعہ و عیدین کے خطبوں میں ہندوستان میں تو ان کا نام نہیں پڑھا جاتا تھا۔ ریاست حیدرآباد، بھوپال و دیگر اسلامی ریاستوں میں کم از کم ہندوستان

* دیکھو صفحات ۱۱۱-۱۱۵ کتاب سر ہیری لیوک مذکور۔

میں تو وہیں کے حکمرانوں کے نام خطبوں میں بجائے سلاطین ٹرکی کے نام کے لئے جاتے تھے۔ بھلا ایران، یمن، افغانستان، عراق، تو پیت، زنجبار وغیرہ کا تو ذکر ہی بیکار ہے۔ وہاں تو السلطان ابن السلطان، والخاقان ابن الخاقان کے بعد وہیں کے حکمرانوں کا نام لیا جانا ضروری تھا اور ہے۔ پین اسلامی تحریک کے وقت تو خاص طور پر یہ مسئلہ زیر بحث آ گیا تھا اور جب سلاطین میں وہ اوصاف نہیں سمجھے گئے تھے جو خلافت اسلامی کے واسطے ضروری تھے اور علمائے اسلام نے اُنکے حکم پر جہاد کو تسلیم نہیں کیا تھا نہ اُنکے خلاف جنگ کرنے کو مسلمانوں کو منع کیا تھا۔ بلکہ خود عرب کے لوگ اور شریف مکہ جنگ میں ترکوں کو فتح کرنے لگے تھے تو بھلا عام مسلمانوں کا سلطان کو خلیفہ سمجھنا کس طرح صحیح کہا جا سکتا تھا سلاطین ٹرکی کا کسی قسم کا روحانی یا نسبی تعلق بھی خلافت اسلامی کے واسطے نہیں مانا گیا تھا۔ نہ اُنکی وضع قطع ہی ایسی تھی کہ جس سے وہ مذہبا خلافت کے اہل سمجھے جاتے۔ در اصل تو اپنی تلوار اور دبدبہ سے اُنھوں نے اپنے کو خلیفہ کہلا لیا تھا۔ سچ ہے ہندوستان کے مسلمان تو وہ مجبوراً کسی مسلم شہنشاہ کے نہ ہونے سے سلاطین ٹرکی ہی کو خلیفہ تسلیم کر بیٹھے تھے اُنکو نائب رسول یا خلیفۃ الاسلام آل مکانوں میں کہ جنہیں خلافت کا اصلی مفہوم ہے کبھی بھی کسی نے نہیں سمجھا کیونکہ نہ انتخاب عام یا خاص سے وہ منتخب ہوتے تھے نہ اُنکے احکامات کی پابندی ہی مسلمان اپنا مذہبی فرض جانتے تھے۔

"خلافت اسلامی کے معنی شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ العزیز نے ازالۃ الخفاء میں لکھے ہیں جس سے خلافت کے فرائض معلوم ہوتے ہیں۔ اور وہ یہ ہیں علوم دینی کو قائم اور رائج رکھکر قرآن و سنت کی تعلیم دینا۔ ارکان اسلام نماز، روزہ، حج و زکوٰۃ وغیرہ کا قیام و استحکام لشکر کا تقرر و غزوات کا اہتمام، مقدمات کا انفصال۔ قاضیوں کا تقرر۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا منوانا، حکام وغیرہ کی نگرانی"*

اب کون کہہ سکتا ہے کہ ترکوں اور مصطفیٰ کمال کے اختیار میں وہ سب کچھ تھا جو کہ خلافت کے لئے ضرور تھا اور جسکا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔ بیچارے مصطفیٰ کمال یا حال کے کسی بادشاہ بلکہ انسان کے ان ہی کی بات اب خلافت اسلامی نہیں رہی ہے اور ترکوں کی کمزوری اور مجبوری کو دیکھتے ہوئے تو کسی طرح بھی اُنکے لئے اب خلافت کی پگڑی شایان ہی نہ نظر آئی۔ نہ اُس سے کسی قسم کا اُنکو سہارا یا امداد ہی ملنے کا کھٹکا معلوم ہوتا تھا اور نقصانات کا نہ صرف اندیشہ ہی تھا بلکہ اسکے احکامات کے نہ ماننے جانے میں خلافت کی انتہائی توہین معلوم ہوتی تھی۔ اب یہ کہنا کہ دستوری حکومت کے ساتھ ساتھ خلافت کا تمغہ بھی برائے نام اپنے گلے میں ترک لٹکائے رہتے تو کچھ حرج نہ ہوتا۔ کیونکہ دنیا کے کچھ لوگ اُنکی قوت

---

* دیکھو حوالہ کے لئے سیرۃ الصدیق مصنفہ نواب صدر یار جنگ شیروانی صاحب طبع ۱۹۳۷ء صفحات (۴۷ و ۴۸)

پھر بھی کرتے رہتے اور دوسروں پر رعب رہتا یا دوسروں سے ایک قسم کی یگانگت کے واسطے کچھ تو سہارا تھا لیکن یہ بحث تو اس وقت صحیح ہو سکتی ہے جبکہ خود ترک اپنی حکومت میں خلیفہ کے قیام سے نقصانات نہ دیکھتے لاکھ کچھ نہ تو تب بھی کچھ نہ کچھ تو اثر خلیفۃ المسلمین کا اُنکی قوم میں بمقابلہ صدر اسمبلی کے مانا جاتا اور یہی ہر قدم پر باعث تصادم ہوتا۔ اب یہ کہ خواہ مخواہ کا دوسروں پر رعب رہتا تو اسکا زمانہ اب نہیں رہا۔ آجکل کی دنیا میں تو جنکے پاس سونا ہو۔ ہوائی جہازات ہوں اور بحری قوت اوسی کا رعب ہوگا پھر ترکوں سے اب خلیفہ اسلام کے کسی طرح کے فرائض بھی نہیں ادا ہو سکتے تھے۔ پاپائے روم کی طرح کا خلیفہ رکھنا نہ اُن کو گوارا ہو سکتا تھا اور نہ شاید کوئی مسلمان جسکو اسلام سے سچی محبت ہو گوارا کریگا۔ حرمین شریفین ہی کی حسبی خدمت ترک کرتے تھے وہ نہ اب اُن سے ممکن ہی تھی نہ حرمین کے اندر اُنکے ذبح ہونے کے بعد کوئی بھی اُن سے اسکی توقع رکھ سکتا تھا اور حرمین شریفین پر اُنکا اب قبضہ بھی نہیں رہا تھا کیا ایک پاپائے روم اپنے یہاں بنا کر اسلام کی بھی وہی گت ترک بنواتے جو عیسائیت کی دنیا میں ہو گئی ہے ؟۔ استغفر اللہ۔ ترک کبھی ایسی حرکت نہیں کر سکتے تھے بالخصوص غازی پاشا سے تو ایسی نادانی کی حرکت کی توقع محض بے عقول ہی رکھ سکتے ہیں۔ خلافت کے واسطے اسلامی کانفرنسیں اور مؤتمر اسلامی کے جلسے بھی ہوئے۔ مگر یہ قضیہ طے نہ پا سکا۔ اور ترکوں نے صاف یہی کہہ دیا کہ جسکے سر پر اسکا تاج جچے وہ رکھ لے۔ پھر کسی کی ہمت آگے لینے کی کیوں نہ ہوئی ؟ در اصل تو دلائل عقلی یا نقلی سے اس مسئلے کے طے کرنے کی گنجائش ہی نہ تھی اور نہ اب کسی میں اسکی ہمت تھی کہ سلطان سلیم کی طرح آگے بڑھ کر۔ اعلائے کلمۃ اللہ کی تلوار ہاتھ میں لیکر اُمت مرحومہ کو زندہ کر سکتا یا اپنی حفاظت میں کر لیتا اور اُسکے بعد خلافت کا تاج نہ سہی کیلی ہی زیب تن کر لیتا۔

بیشک ترکی قوم کو مشرقی قوم کہی جاتی ہے۔ مگر یورپ پر صدیوں حکومت کے باعث انہیں تاد نہی اچھی طرح آ گئی ہے اب انسے ظاہری اور باطل الوہیت یا روحانیت کی توقع رکھنا غلطی تھی۔ اُن میں اب در اصل حب الوطنی کا جذبہ زائد زور پکڑے ہوئے ہے۔ جس طرح کہ جاپان۔ جرمنی۔ روس بلکہ اور سب جگہ بھی اسیکا زور ہو رہا ہے ملکی قومیت کو وہ مجبوراً دینی قومیت کے مقابلہ میں مقدم سمجھنے لگے ہیں کیونکہ تمام دنیا اب اسی خیال میں رنگ گئی ہے۔ وہ مذہب کے نام کو دنیا کے حصول کے لئے فروخت کرنا اصلی ایمان کی دلیل نہیں سمجھتے ہیں بلکہ ایسی ابلہ فریبی سے دور بھاگتے ہیں۔ مذہب کے نام سے خلقت کو ورغلانا اور روٹی کمانا کسی وقت بھی اسلام کے اصولوں کے مطابق ترکی قوم نے نہ صحیح سمجھا تھا اور نہ اب سمجھتی ہے۔

اس سب کے ساتھ یہ بھی قابل غور ہے کہ خلافت کو جس وقت سے ترکوں نے چھوڑا ہے کسی دیگر اسلامی حکومت نے

کیوں نہ قبول کرلیا۔ بیشک یہ ضرور ہوا کہ غیر اسلامیوں نے یا خود غرض حضرات نے سیاسی و دنیاوی اغراض کے لئے اسکو بخشد ینے پر دوسروں کو تیار ضرور کرنا چاہا۔ مگر بحمد اللہ کہ مسلمانوں نے کسی انسانی بنائی ہوئی خلافت کو منظور نہیں کیا اور اسی سے نہ اب کہیں خلافت ہے اور نہ کوئی صحیح خلیفہ۔ جسدن اللہ تعالیٰ کی مہربانی مسلمانوں کے اعمال و افعال سے اُنپر پھیر ہوگی۔ جب ضرور کوئی خلیفۃ المسلمین ہوجائیگا۔

الزام نمبر ۲ (فز ٹوپی کا اُتروا دینا)

یہ اعتراض ہے کہ ٹرکی ٹوپی کو اُتروا کر ترکوں کی پوشاکی خصوصیت کو برباد کردیا گیا۔ اور یہی وہ ٹوپی تھی کہ جس سے تمام دنیا میں مسلمانوں کو پہچانا جاتا تھا۔ مگر غور کرنے کا مقام ہے کہ ترک تو ترک ایرانیوں نے بھی اپنے کلاہ کو اُتار پھینکا ہے۔ جو افسران ایران کا قومی نشان تھا۔ لیکن اصلیت اس تمام تبدیلی کی اور ہے۔ زمانہ حال کی جو قومیں دنیاوی ترقی کی کوشاں اور خواہاں ہیں وہ ایسے بلیغ اور ممیز احتجاجوں سے اپنی قوم بھر کو انقلاب عظیم کی طرف لیجانے کے خیال میں ہیں جسکا اندازہ بھی اُن دوسری قوموں یا دوسرے مقامات کے رہنے والوں کو نہیں ہوسکتا جو ترکوں کی طرح ایک نہ ایک وقت میں کافی حصۂ دنیا پر حکومت نہ کرچکی ہوں یا غلامی کا طوق گردنوں میں پہنے ہوں جس طرح کہ چینیوں نے ۱۹۱۱ء کی بغاوت کے بعد اپنی چوٹیاں کاٹ کر پھینکدی تھیں اور اُسکے بعد سے جیسی کچھ ترقی وہ کررہے ہیں اُسی طرح اِن واقعات سے بھی نتائج اخذ کرنا چاہیئے۔ چوٹی رکھنا تو اُنکا بھی مذہبی فرض تھا۔ مگر حالات زمانہ اور فوجی یا دیگر ضرورتوں سے وہ ایسے مجبور ہوئے تھے کہ مذہب کی بھی اُنھوں نے پرواہ نہ کی۔ اور ایک دم سے قوم بھر کی چوٹیاں اُتروا دی گئیں۔ کہا جاتا ہے کہ چوٹیوں کے اُتروا دینے سے ایک بہت بڑا قومی دماغی انقلاب منظور تھا نہ کہ محض بالوں کا کتروا دینا۔ جسکا نتیجہ یہ ہوا تھا کہ پھر کسی بڑے سے بڑے ضروری انقلاب میں بھی قوم بھر نے کسی طرح عذر نہیں کیا بلکہ بطیب خاطر سب کچھ منظور کرلیا اور کرتی جارہی ہے اسی طرح ترکوں کے متعلق خیال کرنا چاہیئے نہ کہ محض تعصب سے اس مسئلہ پر نگاہ کرنا چاہیئے۔ امور مملکت خویش خسرواں دانند۔

دراصل تو مذہبی متعصبین اور یورپ کے نکتہ چین دشمنان اسلام و ٹرکی جو وقتاً فوقتاً ترکوں کے اس طرح کے افعال کو زیر بحث لاکر اُبھارا کرتے ہیں وہ محض ظاہری باتوں کو بتنگڑ بنا کر مسلمانوں کو ورغلاتے ہیں۔ ورنہ یہ فز ٹوپی تو آسٹریا کے کارخانوں میں بنائی جاتی تھی اور وہاں کے کارخانوں کے مالکوں ہی نے اپنے نفعصان و نفع کو مدنظر رکھکر اس ٹوپی کے معاملہ کی بہت کچھ دنیا میں مخالفت کرائی اور ترکوں کو بدنام کرنے کا

بیڑہ اُٹھا لیا کیونکہ اُنکے بہت سے کارخانے اس سے ٹوٹ بھی گئے"۔ تاریخ یہ بتلاتی ہے کہ بازنطینوی حکومت کی بچی کھچی یادگار بھی یہی ٹوپی رہ گئی تھی۔

سلطان محمود ثانی نے جب کہ یوروپین پوشاک اور اسلحہ سے ترکی فوج کی یورپ کے مطابق ترتیب کرائی ہے تو بجائے پگڑی کے اس ٹوپی کو بھی لے لیا تھا اسی طرح اپنے مقاصد قومی کو مدنظر رکھتے ہوئے موجودہ ترک فز ٹوپی کے اوتار ڈالنے میں یورپ کی ہر طرح کی مساوات و مماثلت کی طرف جا رہے ہیں۔ اور دیکھنے والوں کے لئے ترکی ایوان حکومت میں بالفعل یورپ کی کسی پارلامنٹ کے اجلاس سے ظاہری اختلاف اب اسی کے باعث تھیں نظر آسکتا ہے۔ پھر جبکہ عموماً یونانی وارمنی نیز دیگر عیسائی فز ٹوپی ہی پہنکر بڑے بڑے دھوکے ترکوں کو دے چکے تھے اور یورپ میں عام طور پر جو نفرت ترکوں سے چلی آتی تھی وہ بھی ظاہر تھی۔ بس ٹوپی دیکھتے ہی ہوٹلوں تک میں اُنکو جگہ دینے سے انکار کر دیا جاتا تھا۔ بلکہ دوکانوں تک میں نہ گھسنے دیا جاتا۔ اگر اس برتاؤ سے ترک قوم کو بھی ٹوپی کے پہننے سے ناگواری تھی تو بیجا نہ تھی اور جسمیں کوئی بھی مذہبی پہلو تک نہ تھا۔ اب جو اگر اسکو ترکوں نے مٹا دیا تو اسپر اعتراض صحیح نہیں ہے۔ یورپ میں نیز ابتو تمام متمدن دنیا میں یوروپین ٹوپی کا استعمال ہو رہا ہے۔ بالخصوص یورپ میں تو سب ہی لوگ اُسے پسند کرتے ہیں۔ ترک قوم تو مغربی تعلقات کے سبب اپنی معاشرت میں ہمیشہ سے بالکل مغربی طرز اختیار کر ہی چکی تھی بس صرف یہ ایک ٹوپی ہی باقی رہ گئی تھی۔ اور صرف اس ٹوپی ہی کے باعث اُنکی بہت کچھ ستیا ناسی بھی لگ رہی تھی۔ اُنکی شکل و شباہت۔ رنگ۔ ڈھنگ۔ عادات و خصائل۔ طرز ماند و بود سب ہی تو یورپ کے مثل تھے بس صرف اسی ٹوپی کے باعث عیسائی دنیا اُن سے دور رہا کی تھی۔ ہندوستان تک میں مسلمانوں کو دوسری اقوام ترک یا مسلمان کہدیتی ہیں جیسے کہ وہ لال ٹوپی سر پر دیکھتی ہیں اور اکثر تو فوراً تعلقات و گفتگو سے نہ صرف احتراز بلکہ مکان تک کرایہ پر دینے سے انکار کر دیتی ہیں۔ خود راقم الحروف کا بھی تجربہ رہا ہے۔ عیسائی دنیا تو مذہب اسلام کے بیچے اصولوں تک کو اس ٹوپی کے باعث سننا پسند نہ کرتی تھی۔ اور ہندوستان میں تو اب کرکے سنی و شیعوں کی ایک حد تک تمیز اس ٹوپی سے کی جانے لگی تھی۔ بلکہ بمبئی و کلکتہ وغیرہ میں گاڑی والوں تک نے ترکی ٹوپی پہنکر اسکی خاصی ذلت کرا رکھی تھی۔ اور ترکی سیاحوں سے یہ تک کہا جاتا تھا کہ یہاں گاڑی والے ترکی ٹوپی دیتے ہیں۔ اور اب تعلیم یافتہ گروہ تو انگریزی ٹوپی ہی پسند کرنے لگا تھا شیعہ حضرات نے بھی باوجود علیگڑھ کی تعلیم کے ایرانی ٹوپی کو ترکی ٹوپی پر فضیلت دے رکھی تھی۔ اور اسکو اتار ہی ڈالا ہے

مصطفےٰ کمال کے تو۔ قوال ہیں کہ "ٹوپی یا پوشاک کسی مذہب کا طرۂ امتیاز نہ ہونا چاہئے"۔ اور یہ صحیح بھی ہے جیسے کہ یورپ۔ امریکہ۔ افریقہ وغیرہ کہیں بھی وضع سے امتیاز نہیں ہوتا ہے۔ شاہان عراق۔ ایران۔ افغانستان۔ مصر

وامرائے ہندوستان نے بھی اب یورپ کی وضع کو اختیار کرلیا ہے اور ہیٹ پہنتے ہیں پھر اگر ترک ہیٹ پہن رہے ہیں تو اعتراض کیا ہے۔ کمال پاشا نے یہ کہا ہے "کہ مذہب ہر شخص کا اُس کے لئے ہے۔ دوسروں کو اُسمیں مداخلت کا حق نہیں اور لوگوں کو تو یہ چاہیئے کہ ظاہری اختلافات ونمائش کو دور کریں نہ کہ اُسکے بجائے مذہبی تعصبات اور غلو کو پیدا کر کے اُبھاریں جس سے کہ جمہوریت کے احکامات کی تو اطاعت کبھی بھی نہیں ہوسکتی۔ اور جبکہ ترک مذہبی غلو کو خیرباد کہنا اپنی موجودہ بقا کے لئے ضروری خیال کرتے ہیں تو فز ٹوپی دیکر گویا مذہبی غلو کے اظہار کا ٹیکہ لگوا لینا ہے" مشرقیوں کی وضع میں ہرگز بھی ترکوں کے مذہبی بھائیوں نے جنکی کہ اُنھوں نے مدتوں خدمت کی تھی نہ صرف اُنکی قدر نہیں کی بلکہ اُن بھائیوں نے ترکوں کا گلا ہی کاٹنا اپنا فرض سمجھا۔ دراصل تو اب بین بین کی زندگی ترکوں کے خیال میں اُنکے واسطے مناسب نہ رہی تھی اور نہ اس فز ٹوپی میں کوئی اسلامی شان کی یادگار ہی تھی بلکہ تاریخ کے اعتبار سے ایک طرح کی کفار کی یادگار کو وہ قائم کئے چلے آرہے تھے بیشک یہ ضرور تھا کہ دوسرے اُسے ترکی ٹوپی کہکر ترکوں سے منسوب کرتے تھے۔ حالانکہ اسوقت بھی اسلامی دنیا کی کوئی سرکی پوشاک نہیں رہی۔ کہیں پگڑی۔ کہیں ایرانی ٹوپی۔ کہیں عربی وضع کی سرکی پوشاک۔ کہیں دلی یا کشتی نما ٹوپی یا کہیں کارچوبی شملہ وغیرہ وغیرہ پھر ان میں سے کوئی بھی آجکل کے زمانے کے مطابق اسلامی نہیں سمجھی جارہی ہے اور نہ اسلامیوں کے واسطے مخصوص ہے۔ پگڑی تو یورپ میں کسی طرح اب چل ہی نہیں سکتی تب تو ترکوں کو کوئی خاص ٹوپی ایجاد ہی کرنا پڑتی۔ لیکن اب کیا کیا جاوے موجودہ ترکی قوم اور اُسکے راہنما تو اپنے قدیم رسم اور پارینہ روایات کو مٹانے ہی پر تلے ہوئے ہیں کیونکہ اُنکے مٹائے بغیر اُنکی ترقی زندگی ہی ناممکن ہے۔ تو اُنپر کسی پوشاک کی تبدیلی وغیرہ کی بابت معترض ہونا ایک قسم کی زیادتی ہے۔ اُنکی قوم بھر کے اہل الرائے اور اُنکا اتاترک کل قوم کا زاویہ نظر ہی بدل دینے پر مصر ہے اور اُنکی تمام کارروائیوں میں زندگی اور قوت عمل دکھلائی پڑرہی ہے نہ کہ وہ جمود ونیز دلی جو غلام قوموں کو مراسم اور قواعد قدیمانہ کی زنجیروں سے جکڑ بند کئے ہوئے ہو اور وطن سے مس نہ ہونے دے اور پھر ترک تو یورپ کے فاتح تھے متعدد تہذیبیں آئیں اور گئیں۔ مارکس اور روسو کے انقلابات بھی اُنھوں نے پڑھے اور خود بھی انقلاب کے بانی ہوئے۔ اتنے جدید علوم وفنون کے بھی ماہر ہونے کا دعویٰ رکھتے ہیں۔ تب اُنکے نزدیک ایک ٹوپی یا پوشاک کی محض تبدیلی معمولی سی بات تھی دوسرے خود غرضوں نے اُسے بات کا بتنگڑ بنا دیا۔

دنیا کا دستور ہے کہ جب حکمراں کسی وضع کو اختیار کرلیتا ہے اور اعلیٰ طبقہ بھی اُسکی پیروی کرتا ہے تو حکومت کے

کوڑے سے علماء، فضلاء، قاضی و مفتی سب ہی گھبرا کر خاموش رہتے ہیں۔ اور جبتک کوئی خاص قومی یا ملکی انقلاب اُسکے باعث واقع ہونے کا اندیشہ نہ ہو کسی کی بھی جرأت نہیں ہوتی کہ زبان کھول سکے۔ بس یہی انگورہ میں ہوا۔ وہاں تو رعایا کو غازی پاشا کی ہر جائز و ناجائز خوشی تک منظور تھی۔ ٹوپی کا تبدیل کرنا کون بڑی بات تھی۔ اکبر و جہانگیر نے ہندوستان آ کر کیا نہیں کیا جبکہ مسلمانوں کی بہت سی باتیں ہندوؤں نے اختیار ہی کر لیں۔ روس میں البتہ پیٹر اعظم نے جب ہیٹ یا انگریزی ٹوپی کو اپنے یہاں رائج کرایا تھا تو وہاں خون خچر ہو گیا تھا۔ مگر بقول ترکوں کے "غازی پاشا نے تو بحمد اللہ ذاتی اثر۔ قوت اور ترغیب سے بالکل ہی چپ چپاتے ایک دن میں فرادیٰ فرادیٰ کر لو۔ اور متمدن ممالک دنیا کی ٹوپی اپنی قوم کو پہنوا دی۔ بالخصوص یونان کے مظالم کے بعد تو انکی ٹوپی کا سر پر رکھنا کسی ترک کے واسطے شایان ہی نہیں رہا تھا۔ کیونکہ یونانی حکومت دراصل حکومت بازنطینوی ہی کا جز تھی جبتک کہ یونانی محکوم تھے انکی ٹوپی دیئے رہنا ان سے میل جول کی دلیل تھی۔ مگر اب یونان کے خود مختار ہو جانے اور مظالم کے بعد ترکی بچوں کو اُسکی ٹوپی دیئے رہنا خود ترکوں کو گوارا نہ تھی۔ چنانچہ غازی پاشا نے اپنی ایک تقریر میں یہی کہا تھا کہ "ہماری بہادر قوم کے لئے بین الاقوامی اور مہذب پوشاک ضروری ہے اور ہم اسی کو اختیار کرینگے۔ بوٹ پتلون واسکٹ قمیص کالر ٹائی۔ جاکٹ۔ اور ایسی ٹوپی جسمیں چھجہ نکلا ہو ہم پہنینگے۔ اسی ٹوپی کو ہیٹ کہہ لو اور جو اُس میں تامل کریں وہ جاہل ہیں اور بے وقوف۔ اگر یونان کی فیز پہننا جائز ہے تو ہیٹ کے دینے میں بھی کوئی گناہ نہیں۔ جو بھی لوگ مخاصمانہ خیالات نہیں رکھتے ہیں یا جنکی ذہنیت ازمنہ متوسط کی ہی ہے اور تمدن زمانہ سے لڑتے ہیں وہ ناکام غلام رہکر نقصان اُٹھائینگے۔ مگر ترکی جمہوریہ نے اپنی زنجیروں کو توڑ ڈالا ہے۔ اُنکی بہادری کی تاریخ اسکی شاہد ہے کہ وہ ایک متمدن قوم ہو کر زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں"۔ انکی قوم نے ٹھنڈے دل سے اس تقریر کو سنا اور ایک ہی دن میں قوم بھر کی ٹوپی اُتر گئی حالانکہ سلطان عبدالحمید خاں ثانی ہی کے وقت میں ۱۹۰۸ء میں اسینیا کی فوج نے احتجاجاً فز کو اُتار ڈالا تھا اور مجبوراً سلطان نے سیاسی مصلحتوں کے باعث اُس سے چشم پوشی کی تھی۔ پھر اگر سیاسی اور اقتصادی وغیرہ وجوہ سے اب کمال پاشا کے وقت میں بازنطینوی نشانات کو مٹایا جا رہا ہے تو اوس میں اعتراض کی کیا گنجائش ہے

الزام نمبر ۳ - (پردۂ مستورات کا اٹھانا)

ترکی قوم عرصے کے غور، تجربہ اور حالات دنیا کو اندازہ کرنے کے بعد اس نتیجہ پہ پہونچگئی ہے کہ پردے میں بیٹھنے والی بیویاں غلامی اور بزدلی کی عادی ہو جاتی ہیں اور اُسکا اثر اولاد پر بھی پڑتا ہے۔ اور ایسی اولاد سے یہ اُمید کرنا کہ وہ کوئی

بہادر قوم بن سکیگی غلطی تھی اور نہ پردے والی بیویاں اپنے بچوں ہی کی ویسی تعلیم و تربیت کر سکتی ہیں جس سے اُنکے بچوں کے ارادے بہادروں کے بچوں کی طرح ہو سکتے۔ ممکن تھا کہ ایک آدھ ماں ایسا کر سکتی یا کوئی خاص بچہ کسی وجہ سے ویسا پیدا ہو جاتا مگر الشاذ کالمعدوم کے تحت میں اوسکو رکھا جائیگا۔ مشہور تو یہ ہے کہ ایشیا میں خاصے جوانی کے سن تک بچوں کے والدین اور خود بچے بھی اپنے کو بچہ ہی سمجھتے رہتے ہیں، حالانکہ اُنکے ہم عمر یورپین دنیا کے بچے دنیا کے کاروباروں میں اور ملکی جنگوں میں جاں نثاری کے کھیل و کرتب دکھلاتے نظر آتے ہیں۔ اسی طرح ایک پردے دار بیوی کبھی اپنے شوہر کی ہر جگہ اور ہر حالت میں رفیق کار نہیں ہو سکتی نہ ایک دوسرے کے درد دکھ کی شریک۔ اور ترک قوم تو یہ سمجھ رہی ہے کہ اُنکی قومی ترقی اس وقت بھی بغیر اُنکی مستورات کے ہاتھ بٹائے ہوئے ممکن ہی نہ تھی۔ مردوں اور عورتوں دونوں نے دوش بدوش کام کر کے غلامی سے گردن چھڑائی تھی۔ اور جس طرح مردوں نے تلوار لیکر اپنی آزادی حاصل کی تھی اسی طرح خود مستورات نے اپنے قوت بازو سے اپنے حقوق قوم سے منوا کر حاصل کئے ہیں۔ نہ وہ اب کسی کے حکم کی محتاج رہی ہیں اور نہ کوئی بھی مرد اُنکے حقوق چھین کر اطمینان سے زندگی بسر کر سکتا ہے۔ بلکہ مردوں کا یہ اندیشہ غلط نہ تھا کہ اگر وہ اپنی مستورات کو پورا پورا ہمسری کے حقوق نہ دیتے تو ممکن تھا کہ اُنکی غلامی نہ مٹ سکتی اور تنہا خون کی ندیاں بہا کر بھی مردوں کو اور ملک کو آزادی کامل نہ نصیب ہوتی۔ بالخصوص اب جبکہ اُنکی مستورات زمانہ حال کی تعلیم سے مزین ہو گئی ہیں تو یہ ارتقائی واقعہ ترکوں کے یہاں ایک خاص اہمیت رکھتا تھا نہ صرف پیشوں میں بلکہ صنعت و حرفت ادب وغیرہ میں بھی وہ مردوں ہی کی طرح داخل ہو کر اُن سے برسر مقابلہ آگئی ہیں۔ اتحاد اُنکی مختلف اور متعدد قسم کی تعلیمی و پیشہ وری کی منظم جماعتیں بنگئی ہیں۔ نیز ہر طرح کے کھیلوں اور ورزشوں میں وہ پورا پورا حصہ لینے لگی ہیں۔ اُنکی حالت کو نظر انداز کرنا مردوں کے امکان کی بات ہی نہیں رہ گئی تھی۔ اعلیٰ طبقہ تو پیشتر ہی سے غیر ممالک کی تعلیم اپنی مستورات کو دلا چکا تھا۔ یورپ وغیرہ کی سیر و سیاحت اُنکا جزو زندگی بن چکا تھا۔ اور ۱۹۰۸ء سے تو متوسط درجے کی بیویاں بھی آزادی سے متمتع ہونے لگی تھیں۔ اُمرا کے گھروں میں یورپین عورتیں کثرت سے نہ صرف بطور بیویوں کے آگئی تھیں بلکہ ملازمت کے سلسلے میں اُنکی کوئی حد ہی نہ تھی۔ مگر بعد میں تو یہ ہو گیا تھا کہ اُنکے بجائے خود ترکی بیویوں نے اُنکی جگہ لے لی تھی اور آزادی پا کر جب فنون لطیفہ میں وہ اپنی یورپین بہنوں سے کسی طرح کم نہ دکھلائی دیں تو ترک مرد بھی اُنکی طرف راغب ہو گئے۔ اُن یورپین بیویوں نے تو اکثر بڑے بڑے سلاطین اور اُمرا کے محلوں میں رہ کر ترکی حکومت کے رازوں کو فاش کرنے میں بڑا زبردست حصہ لیا تھا بلکہ یورپین مستورات تو اپنی چالاکیوں سے اور دل میں جگہ کر کے حکومت کے رازوں کو دریافت کرنے کے لئے اکثر نقاب پوش بنجاتی تھیں اور نہ جانے کیا کچھ روس کی طرف کی تاتاری اور

شمالی حصہ کوہ قاف کی جو مستورات آتی تھیں وہ تو بے نقاب ہی رہتی تھیں۔ اور اُنکے واسطے کوئی نکتہ چینی بھی نہیں کرتا تھا کیونکہ وہاں کبھی پردہ نہ تھا اور کم از کم اس سے تو انکار ہی نہیں ہو سکتا کہ مسلم مستورات کا دیگر اقوام کی بیویوں کے مقابلہ میں تعلیم وغیرہ میں پیچھے رہنے کا بڑا سبب پردہ ہی تھا اور ہے اور رہے گا۔ اُنکے واسطے کون سا دوسرا ذریعہ اعلیٰ تعلیم اور پیشہ ور کی تعلیم کا ممکن تھا اگر وہ پردے میں بیٹھی رہتیں۔ اسوقت بھی دنیا میں جہاں کہیں پردہ ہے وہاں کی مسلم مستورات اپنی ہمسایہ دیگر اقوام کی بہنوں سے جو پردے سے باہر آگئی ہیں تعلیم وغیرہ میں ہر طرح پیچھے ہیں۔ مگر اپنی مستورات کو آزادی دیکر ترکوں نے اپنے بچوں کی پرورش و پرداخت کے باعث بڑے بڑے نفع بھی اٹھائے ہیں۔ کسی دوسری قوم کی اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت کے لئے اب اُنھیں حاجت نہیں رہی ہے اور اُنکے بچے جوانی تک پہونچکر اپنی ماؤں کو بے نقاب دیکھ کر کسی قسم کی توہین یا اعتراض کی بات کا خیال تک نہیں کرتے۔ اور اپنی ہی ماؤں سے آزادی و ذمہ داری کا سبق سیکھتے ہیں نیز جو بچے اس ماحول میں پلتے ہیں اُنمیں عزم کے ساتھ خود خیال اور عمل کرنے کی قوت بلکہ مضبوط رائے اور کیرکٹر پیدا ہو جاتا ہے اور ہر ترک اسکو سمجھ گیا ہے کہ اُسکے ملک میں پردے کی اب حاجت نہیں ہے وہ اپنی ماں بہنوں کو خود بچا سکتا ہے اور اسکی ماں بہنیں بھی اپنی آبرو و عصمت کی حفاظت خود اسیطرح کر سکتی ہیں جیسے کہ مرد کر سکتے ہیں۔

چہار دیواری میں بند کرنے کا پردہ تو کسی طرح بھی اسلامی پردہ نہ تھا۔ بلکہ وہ بھی بازنطینوی یا یونانی ہی قوم کی عطا کی ہوئی وراثت اُنکے پاس بشکل فرنڈپی کے آئی تھی۔ اس لئے اسے بھی خیرباد کہنا انھوں نے طے کر لیا تھا۔ اور اب جبکہ چہار دیواری کا پردہ وغیرہ دنیا میں سب ہی طرف متروک ہو رہا ہے تو ترکوں پر کیا اعتراض ہے۔ ایسے پردوں سے تو صرف امرا اور متوسط الحال ہی اپنی نصف آبادی کو بیکاری اور غلامی میں بسر کرانے کے لئے گویا رکھے ہوئے تھے غربا میں تو کہیں بھی سخت پردہ نہ تھا۔ اگر ہوتا تو انکو روٹی تک میسر نہ آتی۔

دستوریت یا جمہوریت تو عوام ملک ہی سے بنتی ہے اور محض خاص لوگوں کی حکومت کا نام جمہوریت نہ ہوگا۔ دستوریت تو درکنار۔ بغیر عوام کے شامل کئے ہوئے اور بلفرق جنس سے کہیں بھی نہ دستوریت بنی ہے اور نہ جمہوریت بلکہ کسی ملک میں اُسکی مثال نہ ملے گی۔ چنانچہ ٹرکی میں بھی مستورات کو ووٹ یا رائے کا حق بغیر دیئے کام نہ چل سکتا تھا اور پردے میں رکھ کر تو انکی رائے کبھی آزاد نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ کونسلوں میں کام ہی کر سکتی تھیں بلکہ اُنکے یہاں تو ہر جنگ کے بعد ہر جگہ غریب مستورات کو لونڈی باندی ہی بننا پڑتا تھا اور جہاں کہیں بھی پردے کا رواج مدت تک رہ چکا تھا وہاں بھی جنگ کے بعد یہی خمیازہ بھگتنا پڑا ہے جس سے نہ صرف عورتوں کی عصمت ہی پر داغ لگتا ہے بلکہ مذہب بھی چلا جاتا ہے اور یہ سب نتائج مردوں نیز قوم بھر کے لئے باعث ننگ ہے۔ عربی و ترکی نژاد بیبیوں نے تو تلوار ہاتھ میں لیکر مذہب، عصمت اور

ملک کو بچایا تھا اور اب بھی شکر ہے کہ انھوں نے وہی کیا جو انکو کرنا چاہیئے تھا۔ ترکی مستورات کو محض عیش و آرام کی کٹ پتلیاں بنا کر مردوں کے ہاتھوں کھلونوں کی طرح نچانے یا بچہ کشی کی مشینوں کے طور پر قائم رکھنا اب ترکوں کے واسطے تو کسی طرح ممکن ہی نہ تھا۔ اور نہ وہ خود ہی اسکو گوارا کرتیں پھر اسوقت کوئی بھی ملک یا قوم کی پردہ داری کا دعویٰ نہیں کر سکتا غباروں طیاروں۔ وغیرہ سے جو کام لیا جا رہا ہے اُس نے تو درحقیقت پردہ توڑ ہی دیا ہے بس صرف متعصب لوگوں کو اپنی خودداری اور غلط شرم و حیا کے ڈھکوسلوں سے ضد کے لئے ضرور چھوڑ دیا گیا ہے۔ طیاروں کے ذریعہ تصاویر برابر ہر قسم کی لیجا رہی ہیں اور فلم کمپنیاں۔ انکا کھیل دکھلا رہی ہیں جن مقامات پر کہ پردہ ہے وہاں تو۔ ریلوں موٹروں تانگوں و یکوں پر سوار ہو کر جس طرح خود مستورات جھوٹھ موٹ کا پردہ ڈالکر یا برقع اوڑھے ہوئے اور ذرا سے موقع پاتے ہی کھول کر بے نقاب ہوتی گلی کوچوں اور سڑکوں پر نظر آتی ہیں اس سے وہ بیوقوف مرد یقیناً آگاہ بھی نہیں ہوتے جو سوار یوں پر آگے یا پیچھے جیسی کہ حالت ہو سوار ہو کر عورتوں کے ساتھ جاتے ہیں یا اگر آگاہ بھی ہوتے ہیں تو بے غیرتی سے چشم پوشی کرتے ہیں بلکہ اکثر مرد تو اسی وہم میں مبتلا ہیں کہ انکی مستورات پردے میں ہونگی اور انھیں کوئی نہ دیکھ سکتا ہوگا۔ مگر افسوس کہ خود مستورات ہی مردوں کو دکھتی دکھاتی اور اُنکی آنکھوں کو اپنی سیر کراتی راستوں میں جاتی ہیں۔ کمال کا قول ہے کہ کسی رسم یا حکومت میں اصلاح ناممکن ہے جبتک کہ اوسپر عمل کرنے والے یا اُسکے پابند اصحاب بیرونی مداخلت سے آزاد ہوں جمہوریت کی شیدائی قوم کے ہر فرد کو اپنے گھر ہی میں جمہوریت کے اصولوں کو سیکھنا اور سکھانا چاہیئے اور جبتک کہ انکے دماغوں میں گھر کی محبت نہ ہوگی ملکی و قومی عمارت کی مضبوطی ناممکن ہے۔ اور یہ سب مستورات ہی کی تعلیم و تربیت سے حاصل ہو سکتا ہے پس جو بیچاریاں کہ پردے میں بیٹھی ہیں وہ تو خود ہی ایسی تعلیم نہیں حاصل کر سکتی ہیں چہ جائیکہ دوسروں کو ایسی تعلیم دینا تو انکے واسطے غیر ممکن ہی ہے۔ پھر پردہ تو اصل میں آنکھوں کی شرم ہے جب اور جہاں وہ باقی نہ رہے تو پردہ محض بیکار اور لغو حرکت ہے۔

ترکی مستورات کے پردے سے باہر نکلنے اور اپنے تمام قدیم روایات اور رویوں کے بدلنے کے تین بڑے سبب ہوئے۔ ایک تو جنگ یونان۔ دوسری جبکہ عام طور پر مستورات توپوں کے گولے اور سامانوں کے پورے میدان جنگ تک لادلا کر پیٹھ پر لے گئیں۔ دوسرے ملکہ یوجینی کی آمد نے ترکی بیویوں کو فرانسیسی مستورات کی نقل پر آمادہ کر دیا تھا۔ محل شاہی اور بڑے بڑے افسروں کی بیویوں نے فرانس کی تمام تراش و خراش اختیار کر لی تھی۔ تیسرے کمال پاشا کی شادی کے بعد سے جو طریقہ اور برتاؤ دیگر ترکی بیویوں نے اُن میاں اور بیوی کا دیکھا اُس سے بھی متاثر ہو کر نقل پر سب ہی تیار ہو گئیں اور "الناس علیٰ طریق ملوکہم" کے اصول پر بھی ترکی سوسائٹی کی زندگی ہی اب بالکل بدل گئی تھی۔ مغربی طرز کی سب ہی باتیں ہو گئی

تھیں۔ اس سب کے علاوہ مدتوں سے یوروپین بیویوں نے بھی اپنے ترک شوہروں کے گھروں اور خاندانوں میں انقلاب پیدا کر رکھا تھا۔ نیز ۱۹۲۲ء میں بکثرت بیویاں قسطنطنیہ وغیرہ سے اپنے شوہروں کے ہمراہ انگورہ آگئی تھیں اور یہاں کسی قسم کے وہ خطرات نہ باقی رہے تھے جو قسطنطنیہ میں تھے۔ یہی آزاد بیویاں۔ گھروں۔ مدرسوں اسپتالوں نیز سفروں میں اپنے شوہروں کے ساتھ رہکر نہ صرف اپنے مردوں کے چال چلن کی اصلاح ہی کر سکیں یا مریضوں کی خدمت اور بچوں کی پرورش و تعلیم۔ بلکہ قومی مطمح نظر ہی کو تبدیل کر لے گئیں۔ انھوں نے مرد و عورت کی تفریق و جدائی کے نتائج اپنے ہی یہاں خوب دیکھ لئے تھے۔ مثلاً بیکاری و مجبوری۔ دوسروں پر تکیہ ہے اور دوسروں کی محتاجی نہ خود کچھ سوچنا اور سوچ پر عمل کرنا نہ اپنی زندگی کا خود کوئی بندوبست ہی کر سکنا نہ ترتیب [illegible] یا اونکی منصوبوں کے حصول کا پورا سامان ہی کر لینا۔ نہ سنجیدگی و غور سے کام میں انہماک۔ اور نہ جسمانی یا روحانی ترقی کے حصول کے مواقع بلکہ مختصراً تو یہ کہنا صحیح ہوگا کہ ان تمام نعمات قدرت سے عورتوں کا گویا محروم ہونا مقدر تھا جیسے کہ معمولی باہر کی نکلنے والی استانیاں۔ دائیاں خادمائیں اور غربا کی عورتیں تک مستفید ہوتی تھیں۔ اگر کہیں پردے میں رہ کر ادنیٰ مکمل ابتدائی تعلیم کا بندوبست بھی ہو سکتا تب بھی انکے قوائے جسمانی اور ذہنی کو کوئی نفع نہ پہونچتا تھا۔ اور اس سب کے ساتھ ساتھ مردوں کو مطلق العنان ہونے کا عورتوں کے پردے کے باعث ایسا پورا موقع حاصل تھا کہ جس پر مستورات کو کسی قسم کا دسترس نہ تھا۔

فی زمانہ تو ترقی یافتہ اقوام کی نگاہ میں پردے کی بیویوں اور جانوروں میں کوئی فرق نہیں پایا جاتا ہے بلکہ سب جگہ جگہ ہنسائی ہو رہی ہے۔ خود کمال کے خیال میں "حال کے ارتقا سے آنیوالی [illegible] کے جوار بھاٹوں یا بھنوروں اور جھوکوں کے سامنے پردے میں مستورات کو رکھ کر مقابلہ کرنا کسی قوم کے امکان کی بات نہیں ہے۔ کیونکہ تاریخ شاہد ہے کہ ہر زمانے کے تمدن کی لہروں نے کسی وقت بھی ان لوگوں پر رحم نہیں کیا ہے۔ جنھوں نے کہ اسکی پیروی نہ کی ہو۔ چنانچہ وہ مستورات ملک کو دین و دنیا کے ہر کاروبار میں [illegible] رفیق کی صورت میں اور برابر کا طاقت ور دیکھنے کا خواب دیکھ رہے ہیں نہ کہ ایک عضو معطل کی طرح ناولوں کے پڑھنے اور عشق عاشقی کے قصوں اور کہانیوں یا غزلوں سے متاثر ہو کر گھروں اور خاندانوں کی بربادی کا باعث ہونا انکے خیال میں کچھ عرصہ میں ہر جگہ پردہ داروں کی نگاہ سے پردہ اٹھ کر زمانہ حال کی کشمکش کا اثر مستورات پر ہو جائیگا اور مشرق کی مستورات کی عزت و وقعت بھی اسی طرح ہو سکیگی جس طرح کہ انکے مردوں کی ہو سکتی ہے۔

سابق زمانے میں اتراک سفراء جبکہ وہ دیگر سلطنتوں میں سفارت پر جاتے تھے تو اپنے [illegible] کو ہمراہ نہ لیجا سکتے

تھے ۔ اور یورپ کے درباروں کے جلسوں میں تنہا شرکت کرتے تھے ۔ پھر وہ زمانہ آگیا کہ ترکوں نے مجبوراً یورپین
مستورات سے شادیاں کرنا شروع کردیں تب بھی ایسی عورتیں اُس وقت تک عام یورپ کی شاہی تقریبات
میں نہ جا سکتیں جب تک کہ مستورات کی خاندانی حیثیت و عزت ویسی نہ ہوتی کہ جن سے میل جول اور برابری
کے برتاؤ میں یورپ کے درباریوں کو عذر نہ ہوتا عموماً تو گھٹیا قسم کی مستورات اُن سے شادیاں کیا کرتی تھیں
کیونکہ معزز خاندانوں کی لڑکیاں تو انھیں غیر قوم و مذہب کے باعث مشکل ہی سے نصیب ہوتی تھیں نیز ترک
قوم کی کوئی بھی تو بات یورپ میں ایسی نہ تھی کہ جس سے وہ مرغوب خاطر ہوتے ۔ اُنکے مظالم اور اُنکے مذہب کی
سب ہی طرح کی تو خراب داستانیں گڑھ گڑھ کر مشہور کی جا چکی تھیں ۔ اخباروں ۔ رسائل اور ناولوں تک میں لکھکر انھیں
بدنام کیا جا چکا تھا جس سے بڑے بڑے خاندانوں کی مستورات کو ترکوں سے حقیقی و طبعی نفرت ہی ہوگئی تھی پھر کورٹ
شپ کے طریقے کے باعث ایسی حالت میں دلوں کے ملنے کا بھی کوئی سامان نہ تھا تب اُن سے شادیاں کس طرح
ممکن تھیں ؟ بیچارے سفراء کی بیویاں تو معمولی لوگوں کے یہاں چائے وغیرہ تک پر نہ بلائی جاتی تھیں ۔ ایسی
باتوں سے سلاطین کے وقتوں میں یہ غضب ہوگیا تھا کہ اکثر سفرائے دولت عثمانیہ غیر اقوام کے لوگ مقرر کئے
جانے لگے تھے ۔ لندن ہی میں ایک بار ایک پولینڈ کے باشندے کو اور ایک بار ایک یونانی صاحب کو سفیر بنایا
گیا تھا اُنکے بعد تین مسلم ترک سفیر ہوئے مگر کسی کی بیوی بھی ترکن نہ تھی بلکہ غیر اقوام کی تھیں جنکی وجہ سے اکثر یورپین
سکریٹری ہی سفراء رکھنے پر مجبور ہوئے اور اسکے نتائج آخر میں ہر طرح ترکوں کو بھگتنا پڑے ۔ مرحوم سلطان عبد العزیز
کے زمانے میں عورتوں کی نقاب تو بہت باریک رہ گئی تھی مگر سلطان عبد الحمید ثانی نے سیاہ اور سنگین نقاب کا رواج
کرا دیا تھا ۔ اُسی سے بےپردگی بھی پھیل گئی تھی تب ہی بڑے اور دولت مند ترکوں کے بچوں پر جو نرسیں یا دیگر یورپین
مستورات بطور نگران یا معلمہ کے رکھی جاتی تھیں تو حکومت سے اُنکی بھی نگرانی ہونے لگی تھی ۔ کیونکہ انھیں کے باعث
فرانسیسی و خراب کن یوروپین کتابوں کے پڑھنے اور سنانے کا مذاق روز بروز زائد ہوگیا تھا اسی لئے ترکی مستورات
اور یوروپین مستورات کی ملاقاتوں تک کی جانچ و پڑتال حکومت کرانے لگی تھی اور ادھر نوجوان مردوں اور عورتوں
نے چھپ چھپ کر یورپ سے آئی ہوئی کتابوں اور تصویروں کو بھی دیکھنا شروع کردیا تھا مگر حکومت کو ابھی تک در اصل
ترکوں کی عام اور خاص تعلیم کی پوری فکر بھی نہ ہوئی تھی ورنہ ممکن تھا کہ حالت سنبھل جاتی مگر بدقسمتی سے مستورات کا
قدم تو دراصل بہت بڑھ چکا تھا اور وہ اپنی دنیاوی مصیبتوں کا سنگین رخ خود ہی دکھلانے پر آمادہ ہوگئی تھیں اور جو
واقعی یورپین تعلقات کا اثر اور نتیجہ تھا ۔ غیر یورپ کے بڑے سے بڑے انقلاب اخلاق اور تمدن کا پہلو آزادی مستورات کے مطالبہ

سے گذر چکا تھا کیونکہ بعض نوجوان لڑکیوں کی مائیں یا عزیز خاص یورپ ہی کی مستورات ہو چکی تھیں یا بعض جگہ وہ ملازم تھیں اور تعلیمی خدمت کے واسطے گھروں میں داخل ہو چکی تھیں یا سینا۔ پرونا یا دستکاری کے سکھلانے کے لئے اکثر خود ہی گھس گئی تھیں اور مفت کرم داشتن کا اصول تو مشن کی مستورات نے مذہبی ایثار دکھلا کر خوب ہی قسم کا ایک ڈھکوسلا بنا رکھا تھا۔ اور خاصا میل جول بلکہ محبت پیدا کر کے مستورات میں خاصا اثر پیدا کر لیا تھا جس سے عام طور پر بیویاں بھی پردہ توڑنے پر خود آمادہ ہو گئیں۔

بیسویں صدی کے آتے ہی مستورات ترکی کو مظلومیت کا پورا سبق سب ہی طرف سے ملنے لگا۔ چنانچہ ایک صاحب جنکا نام پیئری لوٹی (Pierri Loti) تھا انھوں نے تو ایک کتاب جسکا نام لیس ڈیس اینشنٹیز (Les Desenchantees) تھا لکھ کر متمدن دنیا کے سامنے ترکی مستورات پر مظلومیت کا سچا فوٹو ہی گویا کھینچ کر پیش کر دیا تھا۔ اور ۱۹۱۲ء کے قریب ترکی مستورات کا پہلا کلب جسکو تعالی نسواں (Taali nisman) کہتے تھے وہ بھی بن گیا۔ اس میں مختلف پیشہ کے لوگوں کو دعوت دیکر تقریریں کرائی جاتی تھیں۔ مردوں اور عورتوں کا مشترکہ معاشرتی ایک ادارہ بھی قائم ہو چکا تھا جسکے ذریعہ سے دن اور رات کے مدارس کی تنظیم بھی کی گئی تھی تاکہ ہر عمر کے لوگوں کو اس میں تعلیم دی جا سکے۔ اس میں طبقہ امراء کی بھی بیویاں دل و جان سے کوشاں ہو گئی تھیں۔ اور حصہ لینے لگی تھیں۔ جنگ بلقان کے زمانہ میں جب مصیبت پر مصیبت نازل ہوتی گئی تو مستورات نے استنبول میں احتجاجی جلسے کر دیئے کہ جہاں بیوائیں اور یتامیٰ کسی قسم کی دستکاری وغیرہ سیکھ سکتے تاکہ پیٹ کے پال لینے کا بندوبست ہو سکتا جنکو ہمت نے بھی اسوقت تعلیمی حقوق دیکر مستورات کی جرأت بڑھا دی تھی۔ نیز انکے کالج بھی ملک بھر میں کھول دیئے گئے تھے اور عورتوں کے ٹریننگ کالج کی تو عمارت تک استنبول میں بڑی عمدہ بنوا دی گئی تھی پھر نوجوان ترکوں نے تو انکو تعلیم کے واسطے باہر یورپ سے بھیجنا شروع کر دیا تھا اور تب ہی ۱۹۱۶ء میں استنبول کی یونیورسٹی میں مستورات کو داخلہ کی اجازت ملگئی تھی۔ پھر کیا تھا۔

جنگ عظیم یورپ کے زمانے میں تو سماں ہی دوسرا ہو گیا مرد تو عموماً محاذ جنگ پر گئے ہوئے تھے اور ملک کا سب طرف سے اتحادیوں نے محاصرہ کر رکھا تھا بس مستورات ملک ہی افزائش و پیداوار ملک کی گویا ذمہ دار تھیں۔ بلکہ انکی ذری بٹالین (Women Battalia) یا قطاریں بنا کر فوجوں کے پیچھے کام کرنے کے لئے انھیں تیار کیا گیا تھا۔ وہی فوجوں کے واسطے کھانا اور کپڑا بھی تیار کرتی تھیں۔ بالخصوص قصبات اور دیہاتوں میں تو اگر وہ مدد سکر کے سمجھیں۔ بیماروں اور زخمیوں کی امداد نہ کرتیں اور روزمرہ کی چھوٹی چھوٹی ضروری اشیاء وغیرہ نہ پہونچاتیں تو قوم اور نسل بھر کا ایک طرح پر خاتمہ ہی ہو جاتا۔

اسی ۱۹۱۶ء میں الپ ضیا کی کوشش سے عورتوں کے لئے "خاندان کے قیام" کا ایک قانون بھی پاس ہوگیا تھا جس سے کہ طلاق اور خلع وغیرہ کا مسئلہ عدالتوں کے ہاتھ میں آگیا تھا۔

اسمرنا کی پہاڑیوں اور سائیلیشیا میں تو عورتوں نے خود جنگ میں شرکت کی تھی اور الپ ضیا نے "تاریخ" سے یہ ثابت بھی کیا تھا کہ تورانی اقوام میں اسلام لانے سے قبل بھی مردوں اور عورتوں کے حقوق برابر تھے۔ اس سب کے علاوہ جنگ یونان و ترکی میں بھی تو اگر مستورات ملک کام نہ کرتیں اور پردے میں بیٹھی رہتیں تو ترکوں کا آج دنیا میں پتہ بھی نہ لگتا۔

انگورہ کی حکومت کے اطمینان سے قیام کے بعد مستورات ملک نے خود جنگ میں جانا موقوف کردیا لیکن ہر شہر وقصبہ میں اُنکی جماعتیں "حفاظت حقوق قومی" (Defence of national right) کے نام سے قائم ہوچکی تھیں تاکہ ہلال احمر وغیرہ کی پوری امداد کی جاسکتی۔ سرجنٹ فاطمہ ایک بیوی نے جنگ کے زمانے میں ایک رسد رسانی کی فوج جسمیں بیل گاڑیوں پر سامان جاتا تھا قائم کی تھی۔ فاطمہ کی عمر ستر سال کی تھی مگر قد چھ فٹ لمبا تھا۔ اس فوج میں گاڑی ہانکنے والیاں ترکی بیویاں تھیں۔ یہ نظارہ قابل دید تھا کہ دلدل کیچڑ اور پہاڑ سے بے پرواہ ہوکر یہ قافلہ محاذ جنگ تک جہاں گولیاں برستی تھیں بلا خوف خطر جاتا تھا*

مذکورہ واقعات سے یہ ثابت ہوگا کہ مصطفےٰ کمال نے کوئی غیر متوقع انئی بات اپنی قوم کے واسطے نہیں کی جبکہ مردوں اور عورتوں کی تفریق اپنے ملک میں قانوناً مٹا دی اور پردہ اُٹھا دیا۔ ترکوں کو تو اب در اصل انکے عمل میں بھی کوئی خرابی نہیں نظر آرہی ہے۔ بلکہ ایک دوسرے کو ترغیب ہوکر خوب ہی سب کام بن رہے ہیں۔ کپڑوں پر اسراف اور آرائش و زیبائش ظاہری سے محفوظ رکھنے کے لئے نہ صرف مرد بلکہ خود ترکی مستورات زائد زور دے رہی ہیں تاکہ روپیہ پیسہ بچا کر ملک کی خدمت اور ترقی میں لگا سکیں۔ خانم فریدے کو تو کمال پاشا نے لندن میں ترکی سفیر بنا کر بھیجا تھا۔ انھوں نے وہاں اپنی قابلیت سے جھنڈے ہی گاڑ دیئے تھے۔ وہ پیرس میں بھی سفارت کرچکی تھیں۔

اس سب کے ساتھ البتہ قانون یہ بنا دیا گیا ہے کہ سفرائے ترکی محض ترکی عورتوں سے شادی کرسکتے ہیں اور اگر خلاف ہوگا تو ملازمت سے دست برداری کرنا ہوگی۔ کیونکہ اب خود ترکی مستورات ہر طرح سے قابل ہوگئی ہیں اور سب سے بڑھکر تو یہ خیال غالب ہوگیا ہے کہ اگر کسی سلطنت سے جنگ ہوگئی یا تعلقات ہی کشیدہ ہوگئے تو بیرونی بیویاں ممکن ہے دغا کریں اور جاسوسی کریں۔ برقع پوش ہوکر تو بیرونی حکومتوں کے مردوں نے بیشتر بڑی سازشیں کرا ہی دی تھیں اور غلط رپورٹیں

* دیکھو اخبار "دی ٹرتھ" مورخہ ۱۸ ر نومبر ۱۹۳۵ء ہندوستانی

پمفلٹوں کے ذریعہ بھی بڑی بڑی سازشیں ترکوں کے خلاف کی جا چکی تھیں۔ اسی سے ایسی تمام باتوں پر غور کر کے قوم نے متفقہ طور پر پردے وغلامی وغیرہ کو مٹا دیا ہے اور مردوں کے مقدر پر بیٹھ کر مستورات نے زندگی کا بسر کرنا خود ہی چھوڑ دیا ہے۔ تعدد ازدواج، پردہ نقاب نکاح۔ طلاق اور ووٹ یا رائے کے لئے حکومت سے خود مستورات نے قوانین بنوائے ہیں۔ ۲۰ مئی ۱۹۳۵ء کے اخبار ہندوستان ٹائمس میں ایک مضمون جسکی سرخی یہ تھی "دہلی میں مستورات کی کانگریس" شایع ہوا ہے جس سے معلوم ہوا تھا کہ استنبول میں پہلی عورتوں کی کانگریس ہو رہی تھی اور اسیوقت قصر یلدیز میں بین الاقوامی اتحاد مستورات کی بارھویں کانگریس بھی ہوئی تھی۔ جسکا مقصد تمام ممالک میں مستورات کو ووٹ دینے اور تمام برابری کے حقوق مردوں کے ساتھ حاصل کرانے کی تجویز پاس کرا لینا تھا۔ اور ایسی تجویز منظور بھی کرا لی گئی۔ اس تمام ترقی اور تبدیلی کا ایک دوسرا رخ بھی ترکوں کے زیر غور رہا ہے۔ یعنی یہ کہ اس تمام آزادی سے مستورات ملک کہیں اپنی خانگی اور حقیقی ذمہ داریوں کو نہ بھلا بیٹھیں۔ پیشتر تو مردوں پر انکی حفاظت انکے نان ونفقہ وغیرہ کی ذمہ داری تھی۔ اور وہ مستورات کے لئے جان تک دیدیتے تھے۔ اور اب جبکہ وہ خود اپنی ذمہ دار ہو رہی ہیں تو اپنی جسمانی مجبوریوں سے کہیں اس حالت کو نہ پہنچا دیں کہ اپنی امداد نہ کرسکیں۔ اور مرد انکے مقابلہ کے باعث کاہل ہو کر انکی فکر تک لینا اپنا فرض نہ جانیں یا اگر ایک صنف نے دوسرے کے حقوق میں اسی طرح کاٹ چھانٹ کی جیسے کہ ایک عورت اڈیٹر اخبار کسی مرد کے اس مضمون میں کاٹ چھانٹ کرے جسمیں کہ مرد نے مردوں اور عورتوں کے حقوق کا مقابلہ کیا ہو تو اسکا نتیجہ کیا ہوگا؟ اسوقت تو یورپ کے نمونہ پر اسکے ایک جزو بنجانے کا ترکوں اور انکی مستورات کو خیال ہے کہ جبدن سے آزادی کا ستارہ نصف النہار پر پہونچ جائیگا اور اسکی چمک۔ دمک سے عادی ہو کر وہ اسکی قدر وقیمت بھول جائینگی تو اسوقت کے منظر کو خیال کر کے دل ضرور گھبراتا ہے کیا پھر یہ کل سین بدل جائیگا اور مستورات گھروں میں بیٹھنا اختیار کر لینگی؟ اسکا جواب تو آزادی کے دعویدار یہ دیدیتے ہیں کہ جو اقوام مدتوں سے اپنی مستورات کو آزاد کر چکی ہیں انکی مثال اور عمل ایسے خطرات کا جواب ہے اور ایسے تمام مسائل کا تصفیہ زمانہ ہی کریگا۔ پردے کے بابت ہر ملکے دہرتے بر عمل کرنا حقیقتاً مردوں اور عورتوں کے ملکر تصفیہ کرنے کی بات ہے اور ترک یہی کر رہے ہیں۔

اکثر ترکی بیویاں جب ہندوستان آئی ہیں تو انکے اور ہندوستانی مسلمان بیویوں کے درمیان بڑا فرق نظر آجاتا ہے۔ میڈم خالدہ خانم ادیب کے لکچروں میں تو یہ نظر آیا کہ انکے صرف ہاتھ اور انکا چہرہ کھلا ہوا تھا۔ مگر اکثر مسلم بیویاں بھڑکدار ساریاں پہنکر گردن اور سینے تک کو برہنہ کر کے جلسوں میں جانا فخر ومباہات سمجھ گئی تھیں اور انکے شوہروں

سو بھی اس پر اعتراض ظاہر طور پر نہیں معلوم پڑتا تھا۔ اور گویا پردہ تو ٹوٹ ہی گیا معلوم نہیں کہ یہ کس قوم کی روایات یا رسم کی پابند ہوئی ہیں اور کس طرح اُسے جائز کر لیا ہے؟۔ اس سوال کا جواب ہندوستان کی مسلم خواتین کو دینا چاہیئے نہ کہ اب پردے کی بحث میں پڑ کر وقت کو ضائع کیا جائے۔

ایک ترک نے تو پردے کے خلاف تقریر کرتے ہوئے یہ کہا تھا کہ "جو لوگ پردے کے موافق تھے وہ دراصل پردے کے اصل مفہوم ہی کو نہیں سمجھے تھے بلکہ اُسے محض توہمات اور شکوک کے باعث رائج کر بیٹھے تھے۔ نیز مستورات کی بے تعلیمی اور پسماندگی سے جہاں اور جس طرح مردوں نے اُنکے حقوق تلف کر رکھے تھے اُسی طرح اپنی جسمانی قوت اور داب ناجائز سے پردہ کا بھی ظلم غریب عورتوں کے واسطے جائز کر رکھا تھا۔ پیغمبر اسلامؐ نے تو نہ صرف اُنکی اصلاح حال ہی کر دی تھی بلکہ ہر ضروری بات میں مرد کے برابر ہی انکا رتبہ کر دیا تھا۔ قرآن پاک میں ایک صورت بھی انکی تعریف اور ہر طرح کی بہتری میں نازل ہوئی ہے۔ رسول کریمؐ کا تو صاف صاف قول ہی موجود ہے "خداوند عالم کی محبت اور اُس کے سلوک میں مرد و عورت میں کوئی بھی فرق نہیں ہے اور نہ اُنکے اعمال کی سزا و جزا میں کوئی فرق ہوگا بلکہ برابر کا انصاف ہوگا"۔ روحانیت اخلاق اور دماغی قابلیت میں بھی مستورات کو اگر موقع دیا جائے تو وہ کسی طرح مردوں سے کم نہ رہینگی۔ قرآن پاک میں موجود ہے کہ "تم میں سے کسی کا عمل رائیگاں نہ کیا جائے گا چاہے مرد ہو یا عورت۔ تم ایک دوسرے سے ہو"۔ مردوں اور عورتوں کے حقوق کے متعلق بھی لکھا ہے کہ "مرد جو کمائیں وہ اُنکا اور عورت جو کمائے وہ اُسکا"۔ یا "جو کچھ متروکہ والدین یا رشتہ دار چھوڑ دیں اُسمیں سے ایک حصہ مردوں کا حق ہے اور جو کچھ متروکہ والدین یا رشتہ دار چھوڑ دیں اُس میں ایک حصہ عورتوں کا ہے"۔ یعنی مستورات بھی مالک متروکہ ہو سکتی ہیں جس سب کا نتیجہ یہ ہے کہ ہر طرح پر عورتوں کو آزاد کیا گیا ہے مستورات اپنی ضروریات کے لئے باہر نکل سکتی ہیں۔ اور کسی لفظ سے بھی اُنکی آزادی کو روکا نہیں گیا ہے۔ مساجد میں مردوں سے علیحدہ بیٹھ کر نماز میں شریک ہو سکتی ہیں۔ اپنے مردوں کے ساتھ کھیتوں میں کام کرنے کی اونکو اجازت ہے۔ لڑائیوں میں مردوں کے دوش بدوش جنگ کرنا۔ بیماروں اور مجروحین کی خدمت کرنا تمام روایات مذہبی سے بھی ثابت ہے۔

پردے کا اصلی مفہوم تو یہ لیا گیا ہے کہ مستورات اپنے جسم کے اُن حصوں یا اعضا کو جنسے کہ مردوں کی نفسانی خواہشات کو اشتعال ہو یا اونکی دلی تحریکوں کو جنبش ہو اسکو ظاہر نہ کرنا چاہیئے۔ اسی واسطے بجز چہرے۔ ہاتھ اور پیر کے کل جسم کو بند رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ لیکن ساتھ ہی اُس کے مردوں عورتوں دونوں کو حکم ہے کہ جب دوسری جنس سے ملیں تو آنکھوں کو نیچا کر لیں اگر وہ نامحرم ہوں یعنی اپنے نفس امارہ کو دونوں دبائے رکھیں اور الفاظ قرآنی ذیرہ ہیں "مسلمان

عورتوں سے کہدو کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں ستر کی حفاظت کریں اور زیورات و زینت کی نمائش نہ کریں بجز اسکے کہ جو مجبوراً ظاہر ہو جاوے اور دوپٹہ سے سینہ و سر کو ڈھاکیں اور زینت کو بجز باپ اور شوہر کے نہ دکھلائیں اور نہ اسطرح پیروں کو ماریں کہ جس سے جو زیور و زینت وہ چھپانا چاہتی ہیں وہ ظاہر ہو جاویں۔ مذکورہ احکامات سے صاف ظاہر ہے کہ حسن و زینت کو بیجا ظاہر کرنے کی صرف ممانعت ہے۔ اور کوئی حکم یہ کہ کسی طرح بھی کسی کاروبار یا میل جول کو نہیں روکتا بلکہ صرف معاشرتی زندگی میں عورت کی عصمت کی حفاظت اور نفسانی برائیوں کی روک کا ذریعہ ہو بلکہ بے حجابی و بیبا کی وغیرہ سے آخر میں تمدن اور سوسائٹی کو بھی نقصان کا اندیشہ ہوتا ہے اور در اصل قرآن پاک میں نفس امارہ کے روکنے کی ہدایات دی گئیں ہیں جس سے ہر طرح پر برائی سے انسان محفوظ رہ سکتا ہے۔ اور کوئی بھی خرابی ایسی معاشرت اور حجاب سے کسی حال میں نہیں نظر آتی ہے۔ نیز سب ضروری کام بھی خوبی سے انجام پا سکتے ہیں۔

اب دنیا کو یہ تو معلوم ہو گیا ہے کہ نہ عرب میں وہ پردہ ہے نہ ایران میں اور نہ ترکوں میں جو کہ ہندوستان کے مسلمانوں میں ہے پھر جبکہ حضور نظام دکن خلد اللہ ملکہ اور دیگر مسلم والیان ملک ہندوستان وغیرہ کی سی ہستیوں نے اپنے گھروں سے وہ پردہ اٹھا دیا ہے جو کہ شریعت کے خلاف تھا تو ان سے کم درجے کے لوگوں کو اسپر اڑے رہنے کا کیا سبب ہے؟ ہمارے ہندو بھائیوں نے تو رامائن اور مہابھارت کے احکامات کو بالائے طاق رکھدیا ہے جسمیں کہ یہ دعویٰ تھا کہ ہماری رانی سیتا کو دیوتاؤں تک نے نہیں دیکھا تھا اور دروپدی کو سورج اور ہوا تک نے نہیں دیکھا تھا۔

اسی طرح ہندو آریوں کے مقدس قانون میں ہے کہ "مستورات کا پردہ اور بچپن کی شادی" اُنکے مذہب میں جائز تھی مگر اب تو تمام مراسم روایات اور مذہبی قیود کو ہندو بھائی بھی مٹا چکے ہیں اور زمانہ کے مطابق مثل چینیوں جاپانیوں اور تمام دنیا کی عیسائی و بدھ اقوام کی طرح ہر ترقی کے لئے کوشش کر رہے ہیں تو محض مسلمانان ہندوستان افغانستان یا ایران و عرب ہی کیوں سب سے پیچھے رہیں جبکہ اُنکے ترکی بھائیوں نے بھی تمام تمہید اور غیر ضروری باتوں کا چھوڑنا ہی طے کر لیا ہے۔ غربا تو ہر جگہ پردے کی رسم سے الگ تھے مسلمان امرا بھی کچھ کچھ تعلیم دیکر اپنی مستورات کو اب باہر لا چکے ہیں۔ بس صرف متوسط الحال مسلمان یا وہ لوگ جو ملاؤں کے اثر میں ہیں یا بلا دلیل تعصبات کے ساتھ مراسم کے پابند ہیں وہی صرف مذہب کے نام کی آڑ میں اپنی مستورات پر جبر کر کے پردے میں بٹھائے ہوئے ہیں اور اس طرح نہ صرف اُن غریبوں کی زندگی کو برباد کر رہے ہیں بلکہ اپنی آئندہ نسلوں کی ترقیوں کو روک رہے ہیں۔ اور اس سب کا علاج صرف اب خود مستورات ہی کے ہاتھ میں ہے۔ یا پھر قانوناً اصلاح ممکن ہے۔

الزام نمبر ۴ (تبدیل دار السلطنت)

۱۳ اکتوبر ۱۹۲۳ء کو مصطفےٰ کمال پاشا نے دار السلطنت قسطنطنیہ سے ہٹا کر انگورہ کو منتقل کر دیا اور قسطنطنیہ کا نام بھی استنبول رکھ دیا۔ کیونکہ جب کبھی کسی یورپین حکومت کی بحری قوت قصر دولما باغچا کے مقابل پہونچ گئی اُسی دم حکومت قسطنطنیہ کو ہتھیار ڈال دینا پڑے تھے۔ ہر قوم پرست اس کمزوری کو محسوس کرتا تھا مگر کسی میں کام کی ہمت نہ تھی۔

اب انگورہ پہونچ جانے سے گویا ترک پھر اناطولیہ میں پہونچکر بیرونی دست درازیوں سے محفوظ ہو گئے۔ اور اُنکا یہ خیال بھی ہو گیا کہ یہ قدم اُنکی ہمت۔ جرأت اور شجاعت نیز قومی غیرت کو اُن میں واپس لے آئے گا۔ سلاطین کے وقت میں اناطولیہ جانا ہی بلا فوجی امداد کے غیر ممکن تھا۔ مگر اب بے کھٹکے ایشیائے کوچک تک کی سیر ممکن ہو گئی ہے۔ والیان صوبہ کے اوپر بھی یہاں سے پورا اختیار ہو گیا ہے اور صوبجات کو بیدار کرنے و منظم بنائے رکھنے میں یہاں سے بڑی آسانی ہو گئی ہے۔

دستور ہے کہ جب کوئی تحریک کسی قوم میں اُسکی اصلاح کے واسطے اٹھائی جاتی ہے تو اُس کے مخالف پہلو وہ خود بھی سوچ اور سمجھ لیتی ہے اور اُسکے نکتہ چین بھی ہر طرح سے اُس تحریک کے اچھے اور برے دونوں رخوں سے قوم کو آگاہ کرتے ہیں۔ مگر کسی غیر قوم یا شخص کو اسکا حق نہ ہونا چاہیئے کہ وہ حالات سے باوجود ناواقفیت کے اعتراضات کی بوچھار کردے۔ ترکوں کو تو دوسروں کی ایسی کارروائیوں سے بجبر رنج پہونچا ہے۔ وہ اسکی شکایت بھی کرتے ہیں پھر دوسروں کا اخلاق بھی اسی کا مقتضی ہے کہ ترکوں کی نکتہ چینی کے بجائے یا اُن سے جوابدہی کرانے کے بجائے سکوت سے کچھ دن کام لیتے اور اُنکی تعمیری کارروائیوں میں اگر مدد نہیں کر سکتے تھے تو اونکو انھیں کے حال پر چھوڑ دیتے۔ دار السلطنت کا منتقل کرنا اُنکی موجودہ کیفیات اور اُنکے سیاسی مسائل کے بالکل ہی مطابق تھا اور اسکی مصلحتیں وہی سمجھ سکتے تھے۔

اہل ہند کے واسطے تو دہلی کی مثال ہی موجود ہے۔ کس کس طرح وہاں دار السلطنت بنائے گئے اور مٹتے رہے اور پھر بنے۔ اور ضرورت مجبور کرتی رہی۔

ترکوں کے خیال میں جب سے کہ اُنھوں نے بازنطینوی تقلید میں قسطنطنیہ کو اپنا دار السلطنت بنا رکھا تھا۔ اُس وقت سے برابر ہر قسم کی۔ اخلاقی۔ تمدنی۔ تجارتی۔ نیز فوجی انحطاط سے روشناس ہو گئے تھے۔ اگر کسی سلطان

نے نوج کو درست بھی کرلیا تو میدان سیاست میں شہامت نصیب ہوئی۔ اگر عمارات بنا ڈالیں تو قرضہ کرلیا نیز اس سب کے علاوہ دیگر سلطنتوں نے قسطنطینیہ میں ملکیتیں حاصل کرلی تھیں اور ہر قسم کی سازشوں کے بھی سب کو خاص مواقع حاصل ہوگئے تھے۔ غرضکہ ہر قسم کی سیاسی۔ مالی اور روحانی تکلیفوں کا ترکوں کو وہاں دارالسلطنت قائم رکھنے سے اندیشہ تھا۔ بالخصوص جنگی جہازوں کی زد کا۔

الزام نمبر ۵ (تبدیل حروف تحریر وغیرہ)

یکم جنوری ۱۹۲۹ء سے لاطینی حروف کی تحریر کے جاری کردینے پر دشمنان ترکی نے انھیں خوب ہی برا بھلا کہا۔ حالانکہ ترکوں کا بیان ہے کہ اس کارروائی سے انکے یہاں ہر قسم کی چھپوائی میں بے حد کفایت ہوگئی ہے۔ اور کتابیں بکثرت اور بآسانی شائع ہونے لگی ہیں۔ ٹائپ کی ہر زبان کی مشینیں بھی کارآمد ہوچلی ہیں۔ اور انکی ترویج کے باعث کتابت میں بہت آسانی معلوم ہورہی ہے پڑھے لکھے بھی بکثرت بڑھ رہے ہیں پھر جیسے کہ خواتین ملک نے مختصر نویسی یا اشارہ نویسی (سٹینو) اور ٹائپ کرنا سیکھ لیا ہے۔ تب سے کم تنخواہ پر تمام دفاتر میں انھیں سے زیادہ کام لیا جارہا ہے اور اس تبدیلی حروف سے انکو بڑی آسانی ہوئی تھی بلکہ بیرونی تعلیم یافتوں کی ضرورت ہی نہیں رہی ہے نیز ہر قسم کے اعتبار کا کام اب ملکی خواتین بھی مردوں سے بہتر کررہی ہیں۔ اور یہ سب عورتوں کے جلد پڑھ لکھ جانے سے ہوا ہے۔

ترکوں کے مصلحان قوم تو یہ دعوی کررہے ہیں کہ جو تبدیلی انھوں نے کی ہے اس سے لاطینی حروف تہجی کے اختیار کرنے کا الزام بھی۔ نیز نہیں عاید ہوتا ہے۔ کیونکہ نالئیہ کی ابجد اور لاطینی ابجد میں صرف خفیف سی آواز ہی کا فرق تھا۔ مثلاً انکے حرف (س) کی آواز لاطینی (ج) یا (چ) کی ہے اور (ش) کی آواز (ایس) کی۔ حروف میں لحن ولہجہ استنبول ہی کا زائد ہے۔ گویا اس رسم خط کی تبدیلی سے یوروپین تمدن کے حصول میں انھیں آسانی ہوگئی۔ نیز دیگر یوروپین اقوام کو ترکی زبان کے جلد سیکھنے اور ترکی ادب کے پڑھنے میں بڑی مدد ملے گی۔ اسیطرح ترکی اعراب زبان بھی ویسے ہی ہیں جیسے کہ جرمن زبان۔ کہتے ہیں اس تبدیلی سے املائی غلطیاں بھی عملاً بالکل ہی رفع ہوگئی ہیں۔

سیاسی لغت اور زبان کی ترقی اسی کے باعث اب ایسے بڑے پیمانہ پر ہوگئی ہے کہ جسکا جواب ہی نہیں خود ترکی زبان میں بڑا بھاری انقلاب ہوگیا ہے یعنی موجودہ ترکی زبان میں اور سلطان عبدالحمید ثانی کے وقت کی

زبان میں کوئی مناسبت ہی نہیں رہی ہے بلکہ بحد وسعت ہو گئی ہے جس کے باعث آزادی کے کلچر یا افسانے بالترتیب مساجد و سینما کے فلموں میں اب سنکر اور دیکھ کر کسی طرح ترک لوگ سیر ہی نہیں ہوتے بلکہ واقعات پر خوب روتے اور ہنستے ہیں۔ اور انھیں واقعات اور قصوں کو قومی کلچر یا تہذیب و ارتقا کے طور پر ماننے لگے ہیں۔ انکے شعرا اب انکی قومی آزادی اور فتح کی نظمیں اور قصائد اپنی موجودہ زبان اور اپنے لحن میں لکھکر اور آسانی چھاپ کر بچوں کو یاد کراتے ہیں۔

حال میں پہلی بار قومی زبان میں ٹرکی کے عیسائی پادری ڈاکٹر انجیلو (Dr. Angelo) نے ایک خطبہ استنبول میں دیا ہے جسمیں کیتھولک عیسائی رعایائے ٹرکی اور ترکوں کے درمیان پورے دلی اتحاد کا ذکر کیا ہے جسکو مسلمان ترک یہ سمجھتے ہیں کہ گویا ایک غیر قوم والے نے انکی قومی بیداری اور تعمیری اقتصادیات کی اتحادی ترقی کی قدر شناسی ایسے وقت کی ہے جبکہ ترک فخر و مباہات کے ساتھ اپنی قوم کو درست کر رہے ہیں۔ ۴ر جولائی ۱۹۳۵ء کے اخبار اسٹیٹسمین میں ہے کہ یکم جنوری ۱۹۲۹ء جب سے کہ لاطینی حروف جاری ہو گئے تھے تو اس تبدیلی سے ایک کتاب کے چھاپنے میں صرف نوے حروف کے کیسوں کی ضرورت پڑتی ہے حالانکہ پیشتر بارہ سو بارہ حروف کے کیسوں کی حاجت ہوتی تھی اور اسی کے باعث اب بیس لاکھ نوجوان پڑھے لکھے ہو گئے ہیں۔

الزام نمبر ۶ (تبدیلی یوم جمعہ)

ٹرکی میں بجائے تعطیل یوم جمعہ کے اتوار کے دن کی تعطیل اب دی جانے لگی ہے کیونکہ ترکی تجارت کی تمام منڈیاں دنیا بھر کے خلاف جمعہ کی تعطیل کے باعث کاروبار نہ کرنے سے کروڑوں کا کاروبار اپنے ہی ملک میں غیر اقوام کے سپرد کئے ہوئے تھیں جس سے کہ غیروں کو ترکی مفاد کے خلاف اسکا موقع ملتا تھا کہ وہ نفع اٹھا لیں اور اتوار کے دن ترکوں کو کسی سے بھی کاروبار کا موقع ہی نہ تھا تمام بنک وغیرہ بند رہتے تھے جس سے گویا ہفتہ میں دو دن ترک کاروباری بیکار رہتے یہ تو ترکوں کے امکان کی بات ہی نہ تھی کہ دنیا بھر کو اپنے قواعد کے مطابق جمعہ کے لئے مجبور کر سکتے۔ دنیا کی منڈی انکی پابند نہیں ہو سکتی تھی۔ عیسائی دنیا کا تمام کاروبار اور کھلتے وغیرہ اتوار ہی کو بند رہتے ہیں۔ تار وغیرہ کا بھی نرخ اسدن دوگنا کر دیا جاتا ہے پھر ردی کے کاروبار کا بڑا بازار اداتا ہے اور یورپ ہی سے مسلمان ترکی تجار زائد کاروبار روئی کا کرتے تھے۔ انھیں نے در اصل قومی مجلس اعلیٰ سے تعطیل جمعہ کے بند کر دینے کی درخواست بھی کی تھی تب مجلس کو بھی تمام مالی اور اقتصادی نقطہ نظر سے نفع و نقصان کے ہر پہلو کو جانچکر درخواست

کو منظور ہی کرنا پڑا تھا اور ظاہر ہے کہ بغیر تجارت کے آجکل کسی ملک کا کام نہیں چل سکتا۔ پس ملکی تجارت کی بقا ہی کے لئے ترکوں نے یہ تبدیلی ضروری سمجھی ہے۔ تجار کا بیان تھا کہ اتوار کو بنکوں کے بند ہونے سے اور کاروبار کرنے سے لاکھوں کا سود ترکوں کو بلا وجہ دینا پڑ رہا تھا۔ اور جمعہ کے دن نماز کے لئے دو گھنٹوں کے واسطے ترکوں کو کاروبار بند کرنے میں کوئی بڑا نقصان نہ تھا۔ ترکوں کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ جبتک تمام اسلامی سلطنتیں ملکر اپنے تمام دنیاوی کاروبار وں اور حکومت کے تمام معاملات کو ویسی ہی یکرنگی نہ دے لیں جیسے کہ عیسائی سلطنتوں نے دے رکھی ہے۔ تب تک تنہا ترکوں یا ایرانیوں کے مان کی یہ بات نہیں ہے کہ دنیا بھر سے اپنے بنائے ہوئے قوانین و قواعد کی پابندی کرا سکیں مگر یہ بھی اُسی وقت ہو سکتا ہے کہ جب کل اسلامی سلطنتوں میں آپس میں اتفاق ہو جائے اور سب کے پاس ایسی فوجی بحری اور ہوائی قوت ہو جاوے کہ جس سے وہ عیسائی سلطنتوں کا مقابلہ کر سکیں۔ اور جبتک ایسا نہ ہو سکیگا کسی سمجھدار انسان کے لئے کسی طرح بھی یہ قرین انصاف نہیں ہے کہ ترکوں کو ملزم قرار دے۔

الزام نمبر ۷ (دنیاوی سلطنت کو مذہب سے جدا کرنا اور تمام معاشرت کا بدلنا)

ترکی میں مذہب کو سلطنت سے جدا کرنے کا تجربہ تو در اصل البانیہ نے ۱۹۱۲ و ۱۹۱۳ء کے دوران جنگ میں ہی کر دیا تھا جبکہ ہلال احمر کی تحریک اُٹھائی گئی تھی اور ترکی نیز ہندی مسلمانوں نے خوب ہی دل کھول کر اُسکے واسطے چندے بھی دیئے تھے۔ اب تو در اصل ترکوں میں مذہب کا خیال ہی دوسرے رنگ پر ہو گیا ہے۔ وہ اسلام کو ایک سچا اور حق مذہب سمجھنے میں کسی سے بھی دنیا میں پیچھے نہیں ہیں اپنے مذہب کی سادگی اور آسانی میں اُنکا کامل اعتقاد ہے مگر حکومت کی پالیسی اور قوم کے مذہب سے اُنھوں نے بیشک رابطہ رکھنا اسوقت صحیح اصول زندگی نہیں سمجھا ہے۔ وہ تو اسکا دعویٰ کر رہے ہیں کہ جس طرح مادی ارتقا کے میدان میں اُنھوں نے قومی زندگی کا ثبوت دیا ہے اُسی طرح انشاء اللہ روحانی اور مذہبی ارتقا کے احاطہ میں آئندہ چلکر ویسا ہی کر کے دنیا کو دکھلا دینگے جیسے کہ اُنکے اسلاف نے خلافت کو ہاتھ میں لے کر اسلام کے نام کو اٹھارھویں صدی تک بلند رکھا تھا اور وہ ارتقا انشاء اللہ ایسی ہوگی کہ جس سے اسلام پر جو غلط اتہامات لگا کر دوسری اقوام نے اُسے بدنام کر رکھا ہے اُن سے اُسے پاک و صاف کر دیگی اور تمام دنیا کو ہمیشہ کے لئے حلقہ بگوش اسلام بنائے گی۔ موجودہ دنیا تو اس طرف جا رہی ہے کہ مذہبی عقیدت کو محض ظاہری رسم و رواج اور صرف طریقہائے ماند و بود سے نہ جانچنا چاہیئے بلکہ مذہبی عقیدہ تو ہر انسان کا ذاتی خیال ہے اور اُسکا تعلق صرف ذات پاک باری تعالےٰ سے ہے جس میں کسی دوسرے انسان کو دخل نہیں ہو سکتا الا اس صورت میں کہ وہ

انسان خود کسی دوسرے کو شریک کرے۔ مگر شریک کرنے کا بھی اب یہ حال ہے کہ خدائے تعالےٰ کے وحدہ لاشریک ہونے کو تو اب تقریباً تمام اقوام ماننے لگی ہیں۔ بت پرستی۔ اوہام پرستی یا اوصاف خداوندی کو مجسمہ کے طور پہ پیش کرکے انکی پرستش پر اب زندہ اقوام دنیا زیادہ زور نہیں دے رہی ہیں۔ اور یہ اقوام تک اب اس سے اجتناب کر رہی ہیں "تثلیث" کا عقیدہ تو یورپ میں بالکل ہی باطل سمجھا جا رہا ہے اور یہ سب اسلام ہی کا تصدق ہے۔ مگر یادر ہے کہ یورپ کو اسلام سے اسقدر نفرت دلائی گئی ہے کہ محض اُسی عداوت میں سلطنتوں کا مذہب ابتک عیسائیت کے زیر سایہ برائے نام چلا جا رہا ہے ورنہ عیسائیت کا تو یورپ میں پتہ تک نہ ہوتا اور اسلام غالب ہوتا۔

روسیوں کی طرح ترکوں اور ایرانیوں کا بھی یہ خیال غالب ہو گیا ہے کہ مذہب اور معاشرتی زندگی کبھی جدا نہیں ہو سکتے اور جو بھی جمعیت یا سوسائٹی مذہبی قیود سے مبرا ہو وہ کبھی عرصہ تک کامیاب نہ ہو سکیگی۔ لیکن ساتھ ہی جسطرح سویٹ روس نے مذکورہ خیال کو عملی جامہ پہنانے کے واسطے حکومت کو جدید ڈھانچے میں ڈھال لیا ہے اور بعد میں پھر مذہب کی طرف عود کر رہا ہے اور کریگا۔ اُسیطرح ترک قوم بھی مذہبی معاملات کو ابھی اس حد تک نظر انداز کرنے کیلئے تیار ہے جہانتک کہ قومی معاشرتی زندگی وغیرہ کو نقصان نہ پہونچے نیز اُسکے قومی تعمیری پروگرام میں خلل نہ پڑے اور روس ہی کی طرح وہ بھی بیشتر قوم بھر میں اتحاد خیال و عمل کی پوری کوشش کرینگے تاکہ تمام دنیاوی و دینی کاموں میں آسانی ہو جاوے۔ کیونکہ بغیر آپس کے اتحاد کے کوئی سا کام نہیں بن سکتا تھا بالخصوص موجودہ یورپ میں تو کسی قوم کی زندگی یا آئندہ نشوونما ناممکن تھا جبتک کہ وہی چالیں نہ چلی جاویں جنکو چل کر یورپ نے دوسروں کو شہ مات دی تھی پھر جس وقت تک کہ ہر قسم کے علم اور سائنس سے ترک بھی ماہر نہ ہو جائیں گے جیسے کہ یورپ اور کل زمانہ علمی ترقی میں ماہر ہو رہا ہے اُسوقت تک تو وہ اپنے کو بتیس دانتوں کے دشمنوں میں مذہبی متعصب کہلوانا کسی طرح نہ گوارا کرینگے۔ بلکہ بے تعصبی ہی دکھلا کر اسلام کی صداقت کو منوا سکینگے۔ انکے خیال میں وہ سوسائٹی جو کہ بالکل جمود کی حالت میں پڑجائے اور بوسیدہ و پارینہ طریقوں میں زمانہ کی روش اور علمی ترقیوں سے آنکھ پر پردہ ڈال لے یا مادی تحقیقات سے نفع اُسی قدر نہ اُٹھائے جتنا کہ دوسری اقوام اُٹھا رہی ہیں یا اُنھیں گناہ سمجھکر اُنسے دور بھاگے تو اسکا نتیجہ فی زمانہ بجز خرابی کے کچھ بھی تصور کرنا صحیح نہ ہوگا۔ وہ مذہب کو معاشرت سے اور معاشرت کو مذہب سے مطابق کرنے ہی کے دراصل کوشاں ہیں۔

اگر غور کیا جاوے تو ایک زمانہ وہ تھا کہ دوسری زبان کو سیکھنا بھی گناہ سمجھا جاتا تھا نہ کہ آج بغیر دوسری زبانوں کے جانے ہوئے زندگی ہی محال ہے بلکہ تبلیغ مذہب یا ترویج دین کی حقانیت دوسرے لوگوں کے مقابلہ میں دکھلانا کسی طرح ممکن ہی نہیں ہے۔ تمام دنیا میں اسکی جانچ ہو رہی ہے کہ مذہب حق کون ہے اور کانفرنسیں بھی اسی کے واسطے

موجود ہی نہیں پھر جبتک کہ ایسے مبلغ یا علماء نہ ہوں کہ جو متعدد زبانوں کے ماہر ہوں تو یہ کام کس طرح نکلیگا۔ مگر خیر اب عموماً علماء کو اس میں عذر نہیں رہا ہے بس اسی طرح اور سب امور پر بھی قیاس کرنا چاہئے یعنی پوشاک۔ رسم خط۔ تبدیل سیاست وغیرہ۔ ترکوں نے کسی وقت بھی خدا کے وجود سے انکار نہیں کیا نہ رسول مقبول ﷺ ہی سے انکار کیا۔ اسی کے ساتھ اگر نوجوان ترکوں کے زمانہ کے واقعات کو یاد کیا جاوے تو یہ نظر پڑے گا کہ دراصل انھیں نے یہ طے کر دیا تھا کہ "مذہب کو حکومت کے احاطہ اثر میں دے کر منضبط کر دیا جانا ضروری تھا" تو یہ کیوں نہ سمجھا جاوے کہ انقلاب کی ابتدا ہی سے ترکوں نے مذہب کے متعلق یہ پالیسی طے کر لی تھی اور اسکی تکمیل اب آترکمال پاشا کے ہاتھوں ہو رہی ہے۔

بیشک ترکوں کا یہ بھی مضبوط عقیدہ ہوگیا ہے کہ مذہب کو دنیاوی زندگی کی مستقل بنیاد نہ جانا جائے اور دونوں کو بچانے کے واسطے زور دار عمل کیا جاوے اور عمل کو بھی اپنی ذات واحد تک نہ محدود رکھا جائے۔ بلکہ کل سوسائٹی و قوم اور تمام دنیا کے لیے مذہب کو اس طرح عام کیا جاوے کہ اصلاح ماحول پوری طرح ہو سکے۔ ایشیا میں تو عام طور پر ابھی وہ جمود دائم و سائر ہے کہ جس سے صرف "عمل صالح" کے معنی نماز روزہ وغیرہ لیا جارہا ہے۔ مگر یورپ اور ترکوں نے ان الفاظ کے معنی اسی طرح وسیع کر دیئے ہیں جیسے کہ خلافت کبریٰ کے وقت میں تھے یعنی یہ کہ دنیا میں نکل کر دوسروں سے بھی عمل صالح کرالینا اور منوا دینا کیونکہ بغیر اسکے شخصی اور معاشرتی دونوں قسم کی زندگی ناممکن ہے۔ اسمیں سعادت دارین ہے ورنہ شقاوت دارین پھر وہ اسکو بھی مانتے ہیں کہ واقعات زندگی اور عالم دنیاوی کو روحانیت سے متعلق کئے بغیر کچھ نہ حاصل ہوگا اور وہ بھی کسی طرح ممکن نہیں ہے جبتک کہ بانی مذہب کے اقوال پر عملاً کام کرکے نہ دکھلایا جاوے گا محض اقوال کو رٹنا رٹانا کہیں بھی معاشرتی زندگی کے لئے کار آمد نہیں ثابت ہوا ہے۔ چنانچہ بزرگان سلف یہی کرتے تھے کہ گھروں سے نکل کر جنگلوں پہاڑوں اور سمندروں کو طے کرکے تبلیغ اسلام اور فتوحات دونوں کے ذریعہ سے عملاً اسلام کی حقانیت اور اسکے رسول اور خلفائے راشدین و خالد بن ولید وغیرہ کی پاک زندگی کو پیش کرکے دنیا کو مسخر کرتے تھے اور اس طرح بانی مذہب کی روحانی قوت کو اسکے پیرووں کی طرف متوجہ کرا دیتے تھے۔ مگر جب سے کہ اسلامی دنیا نے صرف لفظی و منطقی مباحث میں قیل و قال اور مناظروں کو اصل حقیقت بنایا نیز دنیاوی زندگی کو حقیر کرکے دکھلانا شروع کر دیا اور انکے مترجمین اور محققین کے مطابق ویسے ہی پیروکار و مریدین یا متبعین ہونے لگے۔ اسی وقت سے روحانیت تو فنا ہوگئی بس فرقہ بندی کی بدترین بنیادیں پڑ گئیں۔ حقانیت تو گئی اور محض لفظی نزاع رہ گئی اور گویا غار حرا کی سچی ندا کو اپنے دلوں یا گھروں میں بند کرکے رکھ لیا گیا یہ کبھی خیال نہ کیا گیا کہ دنیا ہر وقت اور ہر جگہ سچی تبلیغ کی منتظر رہتی ہے اور جبتک کہ مذہب کو ہر کسوٹی پر پورا اترنے کے لئے اور ہر آب و ہوا و ملک میں خود ہی پھیل جانے کے لائق۔ نہ ثابت کیا جاوے گا اور نہ پہونچایا جائے گا جسکی کہ تلقین

وہ ہدایت بھی شریعت اسلامی میں ہے جب تک کوئی بھی نہ مانے گا۔ اور پھر شریعت اسلامی جس طرح پر مدون ہو گی ازل سے ابد تک کے لئے ایک مکمل تحریری صورت میں خلفائے راشدین نے دنیا کے لئے محفوظ کرا دی ہے اسکی نظیر تو دنیا کے کسی مذہب میں باقی تک نہیں جاتی۔ اور وہ ہر جگہ و ہر موسم و ہر قوم میں متمدن ہو یا غیر متمدن۔ مہذب ہو یا غیر مہذب سب کے واسطے عملاً صحیح ثابت ہو چکی ہے اسی کو پھر منوانا کوئی بڑی بات نہ ہو گی مگر اسکے واسطے قربانی نفس۔ ایثار۔ مال ومتاع وجہاد جسم وجان نیز دوسروں تک رسائی کے لئے تو ہی زندگی ومعلومات ضروری تھے اگر ایثار مال وغیرہ نہ سہی تب بھی قربانی نفس کر کے روحانی قوتوں سفروں اور مجاہدات کے ذریعہ دوسرے لوگ کچھ تو عمل صالح کر کے دکھلاتے تب بھی کچھ بات تھی۔ مگر کہیں بھی عمل کو یہ تو نہیں کہا گیا ہے کہ گھروں پر بیٹھ کر باپ دادا کی کمائی سے پیٹ پال کر نامردوں کی طرح محض دوسروں کی تنقید۔ نکتہ چینی۔ اعتراض۔ الزام۔ کفر و بدعت کے فتوے وغیرہ دیئے جائیں اور ترکوں۔ ایرانیوں۔ یا دیگر جانباز مسلمانوں کو نشانہ ملامت بنالیا جائے بالخصوص وہ اقوام کہ جو خود غلام ہیں اور کسی طرح اپنی دنیاوی و دینی آزادی کیلئے کوشاں نہیں ہیں۔ نیز آزادی کے نام تک سے ڈرتے ہیں اور اپنے کو مجبور ظاہر کر کے دوسروں کی ہمدردی کے مستحق بننا چاہتے ہیں یہ لوگ تو در اصل اسلام اور اسکے بانی مذہب کے مشن ہی سے ناواقف ہیں۔ ایسے مسلمانوں سے تو وہ کفار بدرجہا بہتر ہیں جو کروڑوں کی خیرات و مبرات کر کے اسپتال۔ مدرسے وغیرہ بنواتے ہیں۔ اور خلق خدا کی خدمت کرتے ہیں۔ پھر جن مسلمانوں کے دامنوں پر محض دنیاوی فائدوں کے عوض مسلمانوں کے خون کا دھبہ۔ چندے۔ اور سپاہی دیکر اور لڑائی کر کے لگا ہوا ہے معلوم نہیں وہ کب اور کس طرح اس داغ کو مٹا سکیں گے اور کس منہ سے دوسروں پر اعتراض کرینگے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ ترکوں نے جان ومال سے اسلام کی خدمت نہیں کی۔ اور کس کے منہ میں زبان ہے کہ ترکوں کی طرح اسلامی خدمات کا خود دعویٰ کر سکے؟ ۔ یہ ضرور ہے کہ وہ بے عیب و داغ نہیں ہیں یا جس طرح دنیا میں کوئی فرد یا قوم مکمل انسان کا لقب نہیں حاصل کر سکتی الا ماشاء اللہ!

ترک تو اس سبق کو کبھی پڑھ چکے ہیں کہ انیسویں صدی کے متکلمین نے ارسطو کے فلسفہ کو یاں کر مذہب میں سختی کر دی تھی اور اجتہاد کے دروازے تک کو بند کر دیا تھا۔ اور جس طرح قرآن پاک میں پیدائش عالم کی پوری تشریح نہیں ہے بلکہ معاشرتی واخلاقی زندگی پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔ اچھائی۔ برائی۔ گناہ و ثواب کی پوری تشریح ضرور کر دی ہے اور بتلا دیا ہے کہ اسلام میں روحانی اور ماورائے دنیا کے حالات زائد پیچیدہ نہیں ہیں صرف وحدہٗ لاشریک کو کون ومکان کا خالق بتلا دینا کافی تھا جس سے صاف طور پر مذہب کی سادگی

ہر شخص کو معلوم ہو سکتی ہے اور اسی سے ہر مسلمان کو مادی دنیا کے خلق وغیرہ کے معاملات میں سوچنے کا حق آزادی سے دیدینا بھی ثابت کر دیا تھا۔ اسی طرح حضرت مسیحؑ نے بھی آفرینش عالم کی تشریح نہ کی تھی۔ نہ کسی پیغمبر یا رشی منی ہی نے اب تک کی اور اگر کسی نے کی بھی مثلاً سینٹ پال یا عیسائی پادریوں نے یا ڈارون و اسپنسر نے تو اون سے مذہب اور ایمان سب ہی اور بھی خراب ہو گئے۔ عقلی دلائل سے مذہب کو ثابت بھی کرنا جب چاہا گیا تو منطق کی بنا ڈالی گئی۔ اور جہاں جہاں آفرینش عالم کے مسائل اور ان کے منطقی دلائل ہیں لوگ پھاند پڑے مذہب اور اوسکے پیرو تباہ ہی ہو کر رہ گئے۔ اسی سے منطقی دلیلوں سے اب کام نہ چلے گا۔ بلکہ عمل کر کے دوسرے بھی دکھلا دیں تو ترک قائل ہونے کو تیار ہیں۔ قرآن پاک کی تعلیم تو یہ ہے کہ سب انسانی اقوام حضرت آدم کی اولاد ہیں اور ایک ذات ہیں۔ ان میں کالے بھی ہیں اور گورے بھی سب کے جسم کی ترکیب اور اجزائے جسمانی تقریباً ایک ہی وضع کے ہیں۔ کان۔ ناک۔ ہاتھ۔ پیر۔ دماغ وغیرہ۔ بلکہ روح بھی سب میں ہے۔ غرضکہ اصولی فرق بالکل نہیں ہے۔ اور وہ انسان اشرف المخلوقات بھی ہے۔ اس میں الوہیت اور بہیمیت دونوں موجود ہے۔ شان و شوکت کے اظہار جفا و کفا کی برداشت۔ لذت و آسایش کا احساس وغیرہ کیا گورے اور کیا کالے کیا مشرقی اور کیا مغربی۔ کیا سپاہی اور کیا بادشاہ سب میں ایک ہی طرح ہوتا ہے بس صرف یہ ہو جاتا ہے کہ سپاہی جان دیتا ہے۔ مزدور زمین و پہاڑ کھودتا ہے اور جب امیر لوگ آرام کرتے ہیں اور بادشاہ تخت پر بیٹھکر حکومت اور شان و شکوہ دکھلاتا ہے تب ہی غرور و عیش کی انکے واسطے زیادتی ہو جاتی ہے۔ اسراف بڑھ جاتا ہے اور ہر قسم کی خرابیوں کے ساتھ ظلم و ستم بلکہ سخت قوانین سے غربا اور اصلاح پسندوں کی سخت گیری شروع کر دی جاتی ہے اور فوج و پولیس کی مداخلت سے غربا کو جو اپنی حالت کو سنبھالنا چاہتے ہیں دبایا جاتا ہے جس سے اصلاحات کی ملک کو ضرورت پڑ جاتی ہے۔ اور اہل ملک کی کوششوں میں اور حکومت کی [illegible] میں تصادم ہو کر جنگ ہی سے اوسکا آخری حل ہوتا ہے۔

پس ترکوں نے مذکورہ حالات و کیفیات کو نہ صرف پڑھا ہے بلکہ خود برتا ہے اور دوسروں کو برتتے دیکھ لیا ہے اور اسی تجربے کی بنا پر پھر وہ اپنے [illegible] معاملات کو حل کر رہے ہیں جس کسی کا دل چاہے دیکھ آئے محض اعتراضات سے دوسروں کو پھر [illegible] اب کام چلنے کی امید رکھنا ایک فعل عبث کہا جائیگا۔

مذہب کے متعلق تو ترکوں کا یہ دعوی ہے کہ جس قدر خدمت سرزمین قسطنطنیہ کی ترکوں کی قوم نے کی ہے کسی نے نہیں کی ہے۔ بادشاہ سے لیکر معمولی ترک نے جان و مال سے عذر نہیں کیا ہے۔ مگر جب انکو یہ

نظر آگیا کہ مقامات مقدسہ میں دراصل اسلامی حکومت نہ رہی اور مسلمانوں کو آپس میں ایک دوسرے کے گلے کاٹنے میں عذر نہ رہا تو مذہب کے زور پر حکومت کرنا اُنکے خیال میں حکومت کی کمزوری کی دلیل ہوگئی تھی۔ اور درحقیقت ایک دھوکے کا جال بچھا کر قوم کو پھانسنا ٹھہرا تھا۔ وہ تو اپنے خیال میں اب مذہبی غلو کو بالائے طاق رکھکر سچے دستوری یا جمہوریت کے اصولوں پر اپنی سلطنت کی بنیاد قائم کرنا چاہتے ہیں اور موجودہ حکمرانوں کا تعلق رعایا کے ساتھ زمانہ ہی کے مطابق ہونا جائز کہتے ہیں۔ نہ کہ ایک مسلم کے اور اُسکے خدا کے درمیان میں کسی کو بھی مداخلت کا حق دیں نیز ہر انسان اُنکے یہاں مذہب میں آزاد ہے اور حکام یا شاہک کو کسی کے مذہب میں جبر کا بالفعل استحقاق نہیں ہے تب ہی تو مذہب کے معاملات میں ترک حکام رعایا کو پورا آزاد رکھنا ایمانداری جانتے ہیں۔ اُنکے یہاں اب بھی ہر رعیت کو جو بادشاہ یا حکمراں کے ذاتی مذہب کے خلاف بھی ہو تب بھی اُس کی پرورش۔ تعلیم اور ہر قسم کی نگرانی کا اُتنا ہی حق ہے جتنا کہ اُن لوگوں کا جو کہ حکمراں کے مذہب کے ہوں اور دنیا نے بھی ہمیشہ اُسی حکومت کی تعریف کی ہے جو رواداری اور بے تعصبی سے اپنے کسی معاملہ میں مذہب کو دخل نہ دیتی ہو اب جس طرح مذہب میں اُنکے نزدیک انفرادی آزادی ہونا ضروری ہے اُسی طرح اُسکے برخلاف دنیاوی حکومت میں انفرادی آزادی کو ایک حد تک محدود کیا جانا ضروری جانتے ہیں۔ ورنہ انتظامی صورت میں خلل پڑنے کا قدم قدم پر اندیشہ ہونا لازمی کہہ رہے ہیں۔ لہذا دونوں کو جدا رکھنا منطقی دلیل سے ہی ضروری ہوا۔ اور آخر حضرت خالد بن ولید نے فوجی اور ملکی انتظام کو ایران میں ایک دوسرے سے کس طرح علیحدہ کرکے حکومت کو چلا کر دکھلا دیا تھا۔

اگر دنیاوی حکومت میں مسلمان ترک بنک بناتے ہیں اور سود کے لینے اور دینے کو جائز ٹھہراتے ہیں۔ شراب اور مسکرات کی تجارت کی اجازت دیتے ہیں۔ تو مذہب کی طرف سے مخالفت لازمی ہوگی۔ پھر ایک عیسائی اور مسلمان کے درمیان اگر کسی مذہبی معاملہ میں اختلاف ہو جاوے اور عدالت ترکی عیسائی کے موافق فیصلہ دیدے تو مذہبی نقطۂ نظر سے ممکن ہے کہ وہ جرم ہو۔ علاوہ اس سب کے اگر قوانین بھی زمانے کے مطابق اور قومی حالات میں ہمسایوں اور عام رعایا کی مناسبت سے نہ جاری کیے جائیں تو دیگر دول دنیاوی تو ضرور ایسے انصاف اور اُسکی عدالت بلکہ حکومت ہی کی بساط کو ہر وقت اُلٹ دینے کے واسطے تیار رہینگی۔ جیسا نتیجہ یہی صورت ترکوں کی اب تک بھی واقعات میں ہوگئی تھی۔ اور اسکے جہاں کہ جمہور کو رائے کا پورا حق ہوگا تو ایک فرد یا قوم کے واسطے قوانین نہیں بنائے جاسکتے جمہوریت کی رائے کی پابندی کرنا ہوگی اور سب کے لئے ملکی قانون بنانا

ہوگا بجز مذہبی قانون کے۔ ترکوں نے آزادی دیکر قوموں اپنی ہر قسم کی رعایا پر حکومت کی کوشش کی تھی اور جبتک کہ وہ قوی رہے اور زمانہ کے مطابق اُنکے پاس سامان جنگ رہا کسی دوسرے کی جرأت اُنکے خلاف نہ ہوسکی۔ مگر اب اُنکی حالت تو بالکل ہی مختلف ہوگئی تھی۔ چنانچہ کمال پاشا اسی کی کوشش کررہے ہیں کہ ایک معمولی بوڑھیا بھی اُنپر اُسی طرح اعتراض کرسکے جیسے کہ خلفائے راشدین کے وقت میں ممکن تھا۔ یہ صرف مشکل یہ ہے کہ جبتک قوم پھر کو اُنپر پورا اعتبار نہ ہوجاوے اور اُنسے ویسی ہی محبت جیسے کہ ہر فرد کو اپنے ساتھ ہوتی ہے اور غازی پاشا کی قوم کی تمام امیدوں کو سب ہی طرح سے پورا نہ کرسکیں نیز اُنکے گرد و پیش کی حکومتیں بھی ترکوں اور اُنکے حکمرانوں سے پورے طور پر راضی نہ رہیں۔ اُسوقت مذہب اور سلطنت دونوں کو ساتھ ملاکر کام کرنا نہ صرف مشکل ہی معلوم ہوگا۔ بلکہ ترکی قوم کو کچھ مصیبت پیش آجائے گی۔ ایک قرآن پاک کے ترجمے ہی سے ترکوں پر اس لئے لوگ معترض ہیں کہ بجائے عربی زبان کے اُسے ترکی زبان میں پڑھا جاتا ہے۔ مگر ترک اپنی رائے میں اسی کو بہتر سمجھ رہے ہیں۔ طوطے کی طرح رٹ کر اور اصلی مفہوم سے دور ہوجانا وہ کسی مسلمان کے واسطے اچھا نہیں سمجھتے کیونکہ معانی و مطالب سمجھ ہی کر اصلی مذہب سے ترک اپنے کو واقف کرانا چاہتے ہیں اور تب ہی ان کو آسانی سے بھڑکا کر بلوہ وغیرہ کرا دینا بھی دوسروں کے لئے آسان کام نہ ہوجائیگا۔ مذہبی نیم ملاؤں اور درگاہوں کے چھوٹے پیروں کو روپیہ پیسہ دیکر جس طرح کہ امان اللہ خاں شاہ افغانستان کے ساتھ کارروائی کرائی گئی ویسی ترکوں میں بیشک اب مشکل ہوگئی ہے۔ انھوں نے تو نذر و نیاز۔ جھاڑ پھونک۔ گنڈے تعویذ اور عمل غائب وغیرہ کی کارروائیوں تک کو قانوناً بند کرادیا ہے کیونکہ مذہب کی جگہ تنہا اسی رہ کر وہ اپنے خیال میں اپنی تعلیمی، اقتصادی، تمدنی، اخلاقی، قانونی، سیاسی اور فوجی ترقی نہیں کرسکتے تھے۔ اُنکے یہاں اب مذہبی عہدوں پر بیٹھنے کے واسطے بھی یونیورسٹی کی ڈگری حاصل کرنا ضروری ہوگیا ہے جس طرح ڈاکٹری وغیرہ کیلئے۔ اب یہ کہنا کہ ترکوں کا کوئی مذہب نہیں رہا سراسر غلط ہے۔ وہ پکے مسلم ہیں۔

عصر حاضر کے زمانہ میں جو تخت ناتمام ایرانیوں سے کرکے خون کی ندیاں ترک بہاتے تھے یا خواتین پر جو مظالم اور حکومت جابرانہ اُنکے مرد کرتے تھے۔ یا ملاؤں اور پیروں نے جو مراسم مذہبی کے ذریعہ قوم پر تسلط حاصل کر رکھا تھا سب کو جمہوریہ ترکی نے قطعاً مٹا دیا ہے اس طرح خطبہ اور نماز بھی ترکی زبان میں جائز کردی ہے۔ مگر مؤذنوں کی اذان اب بھی ہر گوشہ سے عربی ہی میں سنائی دیتی ہے مصطفیٰ کمال کے ہاتھ یہاں ہر طرح سے جان اور قربانی کرنے کو ہمت سے قوم تیار ہے وہ بھی اپنی جمہوریت اور آزادی کے واسطے بھی آمادہ ہے اور جو آگے

غربت مصیبت۔ غم والم ہی کے وقت اُنکے ہاتھ آئی تھی۔ بلکہ اتنو ہر ترک کے خیال میں اگر حکومت کسی وقت کمزوری بھی دکھلائی دیگی یا قومیت کے اصولوں کے خلاف چلے گی تو قوم خود اپنی آزادی کو ہاتھ سے نہ جانے دیگی۔ چاہئے مذہب کا کتنا ہی جوش انھیں دلایا جائے کیونکہ انکو مذہب کے تعصبات کا پورا تجربہ ہو چکا ہے اس لئے جس قدر بھی سلطنت کے دامن کو وہ مذہب سے جدا رکھ سکتے ہیں اُسکی وہ پوری تائید من حیث القوم کرنے پر کمر کے کل آمادہ نظر آرہے ہیں۔ پھر علوم دنیاوی اور سائنس کے کرامات سے بھی کمال پاشا نے اُنھیں خوب ہی آگاہ کرادیا ہے۔ نیز محنت و مشقت سے اپنی روزی حاصل کرنے کا سبق ہر ترک بچہ خوب ہی جان گیا ہے۔ اور اس سبق کو بھی پڑھ گیا ہے کہ صرف دعاؤں اور نماز و روزہ سے اس طرح کی ترقی دنیاوی وہ نہیں حاصل کرسکتے جس سے کہ وہ موجودہ دیگر اقوام دنیا سے تمدن، سیاست، فوج اور دولت میں بہتر ہو سکیں یا برابر ہی انھیں بناویں پر اُنکی مجلس ملی کبیر نے اسکا اعلان کردیا ہے کہ حکومت کا کوئی بھی مذہب بالفعل نہیں ہے۔ بلکہ تنہا ایک قومی حکومت کی شکل میں وہ دنیا کے سامنے آگئے ہیں۔

ترکی حکومت کے واسطے کسی خاص مذہب کے نہ رکھنے کے مسئلہ کو سمجھنے کے لئے اسکی بھی ضرورت ہے کہ ذرا یورپ بلکہ عیسائی اقوام اور مسلم ترکوں کے عام خیالات کا بھی اندازہ کرلیا جاوے۔ عیسائیوں کا تو صرف یہ عام خیال تھا بلکہ انھوں نے دنیا بھر میں ترکوں کو متعصب کہکر بدنام کیا اور رائے عمل کر کہ صرف دنیاوی طرح کی جنگ کی بلکہ جہاد و مذہبی بھی کہکے یہ ظاہر کردیا کہ ترک گویا غیر مسلم اقوام کے دشمن تھے۔ اور یہ انھوں نے اسلام کو بزور شمشیر پھیلایا۔ نیز ظلم و ستم کے ساتھ حکومت کرتے رہے تب بھی کہ مدتوں سے اُسی خیال اور عمل کا نتیجہ سلطنت سیوا رہے ہیں بالتفصیل لکھ بھی دیا گیا تھا۔ اُسکے مقابلہ میں اگر یہ دیکھا جاوے کہ سلاطین کے وقت میں ملک کی تمام تجارتیں اور مالی نفعے عیسائیوں ہی کے ہاتھ میں رکھ کر اپنی قومی ہستی تک کی ترکوں نے کبھی پرواہ نہ کی نیز دیگر اقوام کے کلیساؤں عبادتو کو ہر طرح کی آزادی دی۔ عیسائیوں کے کلیسائے اعظم اور یہودیوں کے مذہبی مقتداؤں کو ہر طرح مختار کل بنائے رکھا۔ مذہب کے معاملہ میں یہودیوں کی مداخلت اور یونانیوں و ارمنیوں کی عداوت اور مخالفت کے ان سے بدلا بھی نہیں لیا اور جب کبھی کسی جگہ اونکی سرکوبی کی تو محض بغاوتوں اور سازشوں کے روکنے کے لئے کی۔ جنگ عظیم یورپ کے وقت تک تقریباً پندرہ لاکھ یونانی عیسائی ترکی رعایا تھے۔ اُنکی تعلیمی، تمدنی اور اقتصادی ترقی بھی ترکوں سے بہتر تھی جو ہر دیکھنے والے کے نزدیک ایمانداری سے اسی کی شاہد تھی کہ کسی قسم کی روک ٹوک دیگر اقوام کی کسی ترقی کی کوشش میں ترکوں نے نہیں کی۔ اُنکے گرجے اور معبد گاہیں اُنکے قومی اجتماع کے لئے گویا قلعے ہی تھے جو کہ ہر

برباد یا مسمار نہیں کیا پندرہ صدیوں کی انکی روایات تہذیب۔ اقتصادی حالات اور مذہبی آزادی کی وہ برابر وقعت کرتے رہے۔ یہ کہنا کہ کسی قوم یا قوت کے ڈر سے یا انکی ضد سے ترکوں نے غیر اقوام کی خاطر و مدارات کر رکھی تھی کسی صاحب عقل کے یقین کی بات نہ ہوگی۔ ترک پہلے سے لیکر کمزور بھی نہ تھے کہ اس بات کے یقین کی گنجائش کی جا سکے۔ بلکہ واقعی رواداری ہی انکی تمام حکومت کا قومی شیوہ رہا کیا۔ چنانچہ دریسم (Benamin) سے سبب ہوش (Mustafa) کر جاؤ تو چنگالی (Changala) کا ارمنی عبادت خانہ ملتا تھا جہاں کے گھنٹہ کی ٹھن ٹھناہٹ تک ترکوں نے یہ کہکر کہ ترکوں کی خود کی عبادت میں فرق آتا تھا کبھی نہیں روکی[51]۔

ترکی تواریخوں سے بھی یہ بخوبی ثابت ہے کہ غیر اقوامی رعایا کی غداری اور سازشوں کے ترک ہمیشہ شکار ہی تو رہے۔ کیا کوئی دعوی کر سکتا ہے کہ جب یورپ میں ترکوں کی حکومت کے ہر کونے اور ہر گوشہ میں گرجاؤں اور کلیساؤں وغیرہ کی بھرمار تھی اور ان میں آزادی سے عبادتیں کیجا رہی تھیں انگلستان۔ فرانس۔ جرمنی۔ روس۔ اٹلی۔ یا آسٹریا وغیرہ میں مسلمانوں کی مساجد وغیرہ کہیں بھی دکھلائی پڑتی تھیں؟ اگر اسپین کی تاریخ کے صفحات الٹے جاویں یا ہندوستان کی مساجد کے کھنڈر دیکھے جاویں تو مذکورہ دعوی کا مقابلہ اور موازنہ بخوبی ہو سکیگا۔ پھر اس بات سے بھی کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ جبل ایتھاس (Mount Athos) میں بکثرت عیسوی خانقاہیں زار روس کی جانب سے ترکوں نے جاری رکھنا ہمیشہ کے لئے جائز رکھا تھا۔ اور اسی لئے وہاں کی عیسائی رعایا نے کبھی روس کی سیادت کو ترکوں کے مقابلہ میں قبول کرنا منظور نہیں کیا۔ دوران جنگ عظیم یورپ تک اناطولیہ کے عیسائی یونانی باشندوں کے خلاف کوئی بھی تدارک ترکوں نے باوجود انکی سازشوں اور مخالفتوں کے اسوقت تک نہیں کیا تھا جبتک کہ ۵ امئی سنہ ۱۹۱۹ء کو یونانی افواج اسمرنا میں داخل نہ ہولیں اور دریائے سکاریہ پر تو یونانیوں کی شکست نے انکی قسمت کا ہمیشہ کے لئے وہاں فیصلہ ہی کرا دیا تھا۔ بس ترک اب بھی اپنی اگلی سی رواداری اور عالی حوصلگی کے باعث مذہب کو سلطنت سے جدا کرا کے دنیا کو پھر ثابت کر رہے ہیں کہ گو دنیا کی تمام عیسائی حکومتیں اپنا خاص مذہب رکھے ہوئے ہیں تب بھی ترک اس سے مستثنی ہیں اور اونکے یہاں مذہبی تعصب کا وجود ہی نہیں ہے۔ اور اسی سے پھر یہ ثابت کر دینگے کہ دوسروں میں تعصب تھا اور ہے مگر ترکوں میں وہ نہ کبھی تھا اور نہ اب ہے۔

اتاترک نے تو اب مذہبی عقائد کو پختہ کرا کے دنیاوی کاروبار میں انپر عمل کرا دیا ہے۔ روس کی طرح مذہب کی کسی جگہ اور مذہبی کسی قسم کی مخالفت نہیں کی ہے بلکہ صرف شیوخ اور خود ساختہ اماموں کے اثرات کو ضرور مٹا دیا ہے اور حکو

[51] کتاب ونا ظم صاحب مذکور .... صفحات (۱۳۷ و ۱۳۸)

کی طرف سے لوگوں کے مذہب میں اُنکی مداخلت کو بیشک روک دیا ہے بلکہ ملک کے تعلیمی پیشہ وری اور قوانینی اداروں یا روزانہ زندگی میں سے اُنکی دست اندازی کا سدباب ضرور کر دیا ہے مسجدوں میں تو اب بھی بوڑھے اور نوجوانوں کا وسیلہ ہی مجمع ہوتا ہے۔ جیسے کہ پہلے تھا۔ ہیں قومیت کی لہر بیشک ایسی دوڑ گئی ہے کہ اُسکے مقابلہ میں ترک اب کسی بات کی وقعت نہیں کرتے ہیں۔ اور اتاترک تو مذہب کی گفتگو تک کسی سے نہیں کرتے۔ اور صلح پسندی کو اپنا خاص عقیدۂ زندگی بنائے ہوئے ہیں۔

اب یہاں سے ترکوں میں انکے انقلاب قومی کے وقت سے جو ترقیات ہوئی تھیں اُنکا بھی ذکر کچھ کچھ کر دینا مناسب ہے تاکہ پڑھنے والوں کو اُنکے حالات کے جاننے کا زائد موقع ہو۔ اور حسب ضرورت سبق بھی حاصل کر سکیں۔

باب سوم

ترقیات۔ اقتصادی۔ وصنعتی وغیرہ

یورپ میں تو یہ کہا جا رہا ہے کہ ترک اسوقت کسی کا بھی اعتبار نہیں کر رہے ہیں اور خود ہی سب کچھ کر لینا چاہتے ہیں۔ حالانکہ ہر ایک ملک اُنکی ہنڈیوں کو سکھارنے کے واسطے جان ومال سے تیار ہے کیا ریلوں کے بنانے اور کیا اندرون ملک کی ترقی۔ بلکہ ہوائی پرواز اور بحری جہازوں کے سامان تک کے مہیا کر دینے میں کسی کو عذر نہیں ہے۔ اور یہ سب بھی قرض پر غرضکہ ہر ایک بڑے سے بڑا خوبرو اسٹ اور گرگ باراں دیدہ اپنی تاک میں لگا ہے۔ مگر اتاترک اور اسکی کل قوم قرضداری سے ایسے بھاگتے ہیں جیسے کہ بٹیر بچے سے کہری۔ اور ہر وقت صلح سیدا ہر نتیجہ مثبتا کو سامنے رکھے رہتے ہیں کیونکہ غلامی کی راہ اُسکے یہاں اُنکا اتفاق نہیں رہی ہے اور نہ کسی طرح سے دوسروں کی ظاہری ہمدردی اور بے غرضانہ اعتبار کا اب سکہ ہی اُنکے دلوں پر جمتا ہے نہ تو اب صرف اپنی زبان اپنے قول اور فعل ہی کو ضمانت میں دے سکتے ہیں۔ اگر کوئی یہ چاہے کہ کسی حصہ یا املاک کو یا چنگی اور آمدنی رہن لیکر پھانس لیجاوے تو وہ زمانہ گذر گئے جبکہ بڑے بڑے تجارتی اور مذہبی قسم کے حقوق وغیرہ اُن سے حاصل کر کے معاہدات کر لئے گئے تھے

بعض لوگ تو یہ کہہ رہے ہیں کہ سوویٹ روس کے اثرات کا بہت کچھ مال ترکوں کے یہاں بھی نظر آ رہا ہے۔ جیسے کہ سرمایہ داری کے خلاف ہونا یا ہر قسم کے امتیازی اور عوام کے نقصان کی باتوں کو ترک کر دینا وغیرہ اور ممکن ہے کہ یہ ایک حد تک صحیح بھی ہو کیونکہ عوام و خواص سب ہی تو ترکوں میں قوم پرست و ملک پرست ہو گئے ہیں بلکہ مزدوروں یا

سپاہیوں کی طرح زندگی بسر کرنے کے لئے پیشتر سے بہت زائد آمادہ دکھلائی دیتے ہیں۔ غیر ملکی مصنوعات اور تمام کی اشیاء کی خرید سے انکو اب ضرور عار ہے معاہدہ لوزان کے وقت ہی سے انہوں نے اپنی اقتصادی حالت کے درست کرنے کا بیڑہ اوٹھا لیا تھا۔ اور اسیوقت یونانی و آرمنی درمیانی ایجنٹوں کو نکالکر بد معاملگی کا دھبہ اپنے دامنوں سے دھلوادیا تھا کیونکہ یوروپین اور ترکی تاجروں سے تمام معاملت انہیں کے ذریعہ سے ہوتی تھی۔ وہی روپیہ لیتے تھے۔ اور کھا جاتے تھے اور غریب ترکی فلاح اور تاجروں کو بدمعاملہ اور نادہندہ کہہ کر بدنام کرتے تھے۔ اگر نقد کے بجائے جنس بھی دینے پر ترک آمادہ ہوتے تو یہی لوگ یا تو خود ہضم کر جاتے یا اظہار دوستی و ہمدردی کر کے مانع ہوتے۔ کل درآمد و برآمد ملک ہی جب غیروں کے اختیار میں تھی تو اکثر اجناس کے معاوضہ میں غیر ملکی مصنوعات دوگنی قیمت پر دیکر غریب ترکوں کو لوٹتے تھے۔ ایسے تجار کی انجمنیں۔ اور قسطنطنیہ میں بڑی بڑی املاکیں اور جائدادیں تھیں۔ انکی امداد پر تو یوروپ وغیرہ کی بڑی سے بڑی ملکی و مذہبی جماعتیں یا انجمنیں بھی ہمیشہ آمادہ رہتیں۔ اسوقت بھی باوجود اخراج و تبادلہ رعایا کے تقریباً پینتالیس[45] ہزار ارمنی اور اسی ہزار یونانی رعایا استنبول ہی میں رہ رہی ہے اور باوجود اسکے کہ ترک ظالم کہے جاتے تھے اور کہے جاتے ہیں پھر بھی یہ لوگ ملک کے باہر نہیں جاتے اور اطمینان سے کاروبار میں بیٹھے ہیں۔ اور ترک قوم سے خاص طرح راضی ہیں۔ نیز سرمایہ بھی دل کھولکر لگا رہے ہیں۔

ترکی زبان کے لازمی ہو جانے سے تمام بیرونی کارخانوں اور تجارتی کوٹھیوں یا کمپنیوں میں ترک ملازم ہو گئے ہیں اور کم از کم پچاس فیصدی ترکی سرمایہ کی شرط سے بھی درمیانی لوگوں کو وہ نفع نہیں رہا ہے جو پیشتر تھا۔ تمباکو، نمک و دیگر اجناس نیز اشیائے استعمال کی برآمد وغیرہ کا کاروبار حکومت ہی کی زیر نگرانی اب قانوناً کر دینے سے سب کام ملکی لوگوں ہی کے ہاتھ میں آگیا ہے۔ نیز باہر سے کلوں اور پرزوں کی ملک میں درآمد کے لئے محصول کے معاف کر دینے سے۔ ریل کے کرایہ کے نرخ میں بھی تیس فیصدی کی کمی کر دی گئی ہے اور اسی طرح تمام صنعتوں کے ساتھ ضروری رعایات کر کے ہر طرح کی ترقی کا سامان خود حکومت ہی کرا رہی ہے

۱۹۱۱ء سے مسلسل جنگ کی بدولت نیز بیرونی قرضہ جات کے باعث ترکوں کو اپنے یہاں کاموں کا آسانی سے چلانا مشکل تھا صرف فرانس ہی کا قرض سات ملیرڈ (milliard) سونے کے فرانک (Franc) کا تھا جو سلطنت کی ضمانت پر سخت شرح سود پر لیا گیا تھا۔ اور وہ بھی سامان جنگ کے مہیا کرنے میں محسوب ہوا تھا۔ اسی طرح انگلستان بلجیم اور نیدرلینڈ سے بھی بڑی بڑی رقمیں قرض لیجا چکی تھیں۔ مگر ۱۹۲۸ء میں اتاترک کی ہوشمندی سے کمپنی سے معاملت ہو کر نیز نوٹوں کے چلا دینے سے طویل اقساط وغیرہ پر قرض کی ادائی طے ہو گئی تھی۔ کل تعداد قرضہ بیاسی[82] ملین ترکی پونڈ

قرار دیا گیا تھا اور ایک اعلیٰ اقتصادی قومی کونسل بنا کر اُسکے سپرد ادائی کا انتظام ہوا تھا۔ نیز قومی تجارتی بنک بھی علاوہ قدیم آٹومن اور زراعتی بنکوں کے خوبی سے چلکر قومی قرضہ جات کی ادائی میں مصروف ہوگئے تھے اور ملکی کاموں کے چلانے میں حصہ لینے لگے تھے۔ صنعتی و معدنیات اور رہن و دستی بنک بھی اسی وقت سے قائم کرکے ہر قسم کی ضرورتوں کا بندوبست کیا گیا تھا۔ صدر اعظم کی خاص نگرانی میں ایک "قومی تعمیر اقتصادیات" کے نام سے بنک بنا یا گیا تھا جسمیں علاوہ عوام   کے سرمایہ کے بڑے بڑے کارخانون اور امرانے بھی سرمایہ لگایا تھا۔ غرضکہ ۱۹۳۵ء میں تقریبًا تین قسم کے ترکی بنک جاری ہوگئے تھے۔ اُن میں سابق خدیو مصر عباس حلمی پاشا جیسے ہمدردوں نے بھی سرمایہ لگا کر قومی امداد کی تھی ۱۹۳۱ء کے بجٹ میں ایک سو لاکھ ملین پونڈ کی آمدنی صرف اُن ہی بنکوں سے ہوئی تھی اور اب تو تمباکو اور سگریٹ کی تجارت بالکل ہی حکومت کے ہاتھ میں ہے ریلوں میں سوئس ([illegible]) اور جرمن سرمایہ داروں نے بیشک اپنا روپیہ ضرور لگا یا ہے اور یہ کہاں نہیں ہوتا ؟ جسوقت ترکی حکومت کے پاس روپیہ کافی ہوگا وہ معاوضہ دیکر خرید کر سکیگی۔ اناطولیہ ٹارس ایکسپرس۔ استنبول سے آدانہ تک کی لائن وغیرہ کھل چکی ہیں اور مصر تک تو ریل ہی پر سفر ممکن ہوگیا ہے اناطولیہ ایکسپرس تو حیدر پاشا سے سات بجے شام کو چلکر دوسرے دن صبح کو منزل مقصود تک پہونچا دیتی ہے ٹارس ایکسپرس ہفتہ میں تین ہی مرتبہ گو ابھی تک جاتی ہے جو حیدر پاشا سے چلکر آلیپو پہونچتی ہے۔ قاہرہ اور بصرہ کو مسافروں کے جانے کے لئے اسی میں آسانی ہے۔ انگورہ سے سیواس اور بندرگاہ سمسون تک پہونچنے کے لئے بھی انتظام اب ہوگیا ہے۔ نیز ترکی ایشیای کوچک میں بہت سی جدید لائنوں کے جاری کرنے کا بھی بندوبست کیا جارہا ہے۔

ملک میں ہر جگہ میونسپلٹیاں قائم ہوکر سڑکوں اور بندرگاہوں کی ترقی کی طرف بڑی دلچسپی سے خود ترک کام کر رہے ہیں۔ مکانات۔ دفاتر۔ فلیٹ (Flat) اور ولسے (Villas) بھی تعمیر کرائے جارہے ہیں۔ ارغنا کی کان سے تانبا جو برآمد ہورہا ہے اُس نے بھی حکومت کے کاموں میں بیجا امداد دیدی ہے۔ اور اب تو خود ملکی اور سودیشی اشیاء سے زائد تر ملکی ضروریات بلکہ خانہ داری کی آرام و آسائش کے سامان کی پوری تحریک ہوکر بیرونی مال کی درآمد کم کرادی گئی ہے۔

پیشتر تو مذہبی تعصبات اور احکامات کی بدولت بہت سی صنعتوں۔ حرفتوں مصوری غنا اور ڈراما وغیرہ سے دلچسپی ہی نہیں لیجاتی تھی۔ مگر اب یہ خیال ہوگیا ہے کہ صنعت خیال ہی کی غذا ہے اور بغیر خیال کے کوئی قوم پہلی کی زندگی نہیں حاصل کرسکتی۔ پھر خیال ہی شاعرانہ نہیں ہے بلکہ اظہار کے ساتھ اور وہ کسی شکل ہی میں کیوں نہ ہو، قومی

حیات کے واسطے جزو لازمی ہے۔ دراصل تو روح کی بالیدگی کے واسطے بھی صنعت کی ضرورت ہے۔ اب یہ کہ خدائے تعالےٰ نے قدرتی مناظر بھی ترکوں کے واسطے اُنکے ملک میں پیشتر سے مہیا کر دیئے تھے۔ مگر اُنکا اظہار اور راشد صفحۂ قرطاس پر وہ نہ لا سکے اور اسی سے دوسرے متاثر بھی نہ ہو سکے۔ یہ اُنکی بدقسمتی تھی مثال کے طور پر یوں اگر کہا جاوے کہ کسی نے ایک بہشت کو خواب میں دیکھا اور شب بھر لطف اُٹھا کر حسرت سے آنکھ ملتا ہوا اُٹھ پڑا اور کف دست ملکر رہ گیا۔ نہ اُسکی تصویر ہی کھینچ سکتا تھا نہ وہاں کے حور و قصور کو نقش و نگار سے مرصع کر سکتا تھا تو ایسے خواب سے کیا فائدہ ہوا؟ پھر آخر زمانہ میں مساجد و مقابر کی تعمیر میں بھی مسلمانوں نے کسقدر اپنی صنعتوں کو مدفون کر دیا تھا۔ اور کوئی شبہ نہیں کہ بعض اُن میں سے ایسی ہیں کہ جو دنیا کی دیگر اقوام کے منصوروں۔ گرجاؤں اور کلیساؤں بلکہ شاہی قصور کو اپنی خوبصورتی و سنوار میں شرما رہی ہیں۔ اور کوئی بھی اُنکا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

بعض تو اپنی سادگی میں وہ لطف دکھلاتی ہیں جو دوسروں کی رنگ آمیزی و آرائش میں نہیں ہے۔ بیت المقدس کی حضرت عمرؓ کی مسجد۔ آگرہ کا تاج بی بی کا مقبرہ کیا دنیا میں بے نظیر مرتبہ نہیں رکھتی ہیں؟ اُسیطرح اب ترکوں کے خیال میں جس طرح مصوری مذہبا ناجائز تھی ویسے ہی مقابر کی تعمیر مقابر میں مذاقِ صنعت کا اظہار ہر جگہ حکومت مذہبی نے بھی بالآخر آج تک دنیا میں جائز ہی کر رکھا تھا۔

الغرض اسی قسم کے دلائل نے ترکوں کو صناعی اور مصوری کی طرف مجبوراً مائل کر دیا ہے اور اُسیکا اثر ہے کہ انھوں نے ایک بہت بڑا عجائب خانہ بھی بنایا ہے جسمیں صنعتی۔ حرفتی مصوری۔ اور مجسمے تک کے عجائبات اکٹھا کئے جا رہے ہیں غازی پاشا کا مجسمہ اور قومی فتح و بقائے نام کی تاریخیں بھی اب کندہ کی جا رہی ہیں۔

ڈراما کے بابت تو یہ کہنا صحیح ہوگا کہ ہر ترک۔ ایرانی۔ اور عرب کی گھٹی میں گویا فطرتاً پڑا ہوا تھا۔ آنکھ۔ ہاتھ۔ سر بلکہ کل جسم کی حرکت کا خیال کے ساتھ چلا لیجانا تو اُنکا حصہ تھا اور ہے۔ اور واقعی یہی ڈرامے کی تعریف میں بھی ہے کہ بغیر الفاظ کے کہے ہوئے دوسروں پر خیال کا اظہار ہو جائے۔ ایشیائی ممالک کے ناچوں اور بھاؤ کے تماشے میں بھی یہی لطف سمجھا گیا ہے جس سے ظاہر ہے کہ ایشیائی اقوام کا یہ بھی مایۂ ناز تھا۔ ترکی میں پیشتر تو ڈراما میں مسلم خواتین کا جانا ہی نہ ہو سکتا تھا نہ وہاں مسلم طوائفوں کے ناچ گانے کا دستور تھا۔ صرف ارمنی مستورات اور مرد اُسکو کرتے تھے لیکن اُنکی زبان کی کرختگی اور لہجہ ڈرامے کے لطف کو بالکل ہی ضایع کر دیتا تھا۔ اب جب سے کہ ترکوں نے اُسے بھی اختیار کر لیا ہے زبان کی شیرینی اور لہجہ کی عمدگی نے اُسکا بھی لطف دوبالا کر دیا ہے اسیطرح تھیئٹر (Theatre) کی حالت بھی ہو گئی ہے جن میں ملکی اور قومی کارناموں کے قصے و نتائج دکھلائے

جاتے ہیں۔ بیشتر تو ترکوں میں اُسکے بجائے درویشوں کے ناچ ہی میں تاریخی واقعات دکھلائے جاتے تھے۔ لہذا اب اسکو باقاعدہ علمی حیثیت دیدی گئی ہے۔ بیشک مذہبی عبادت کے عنصر کو اس سے خارج کرکے صنعت کا جامہ پہنا دیا گیا ہے۔

گانے میں بھی اب ترکوں نے اپنی ذہانت سے ایسی ترقی دکھلائی ہے کہ موجودہ یورپ کو اپنے قدیم سرگم میں کہنگی نظر آرہی ہے اور ممکن ہو کہ اس تازہ بتازہ نوبہ نو خون سے اس میں بھی کوئی نیا سُر ٹھونک جاوے۔ ٹرکی میں تو جو باجا عود کے پردے سے بجایا جاتا تھا اب اُسکا کہیں پتہ بھی نہیں ہے نہ غزلیں ہی جو گائی جاتی تھیں انکا پتہ ہے۔ بلکہ اُنکے بجائے قومی وملکی ترانے گائے جاتے ہیں۔ غزلیں تو جزو نغمہ ہی نہیں مہیں جمال رشدی بے نے مشرقی نغموں کو مغربی طرز پر درست کرلیا ہے۔ محمد ابن عبد الحق حامد بے اور روشن اشرف بے ایسے شعرا پر بالفعل ملک کو ناز ہے۔

رائٹر کے تار مورخہ ۲ استمبر ۱۹۳۶ء سے یہ اطلاع بھی دنیا کو ملی تھی کہ ٹرکی نے اپنی پنجسالہ اقتصادی کوشش کی جدید فیکٹریوں (Factories) یا کارخانوں کے علاوہ برطانیہ عظمٰے سے بھی اپنے معاہدہ تجارتی ۴ر جون ۱۹۳۵ء کے بجائے ۷ار ستمبر ۱۹۳۶ء سے نافذ ہونے والا ایک معاہدہ جدید کرلیا ہے جس سے ادائے رقوم قرضہ بھی ہوتی رہیگی اور صفائی معاملات کا ایک محکمہ قائم کرلیا ہے جو ستر فیصدی آمدنی کا قرض میں لے لیگا اور تیس فیصدی سنٹرل بنک ٹرکی کو واپس کردیا کریگا۔ کیونکہ اس وقت دس لاکھ پونڈ تجارتی سرمایہ برطانیہ کا ٹرکی کو ادا کرنا تھا۔ اب تو ترکوں کا انتصادو کالتی ہر طرح کی اقتصادی ترقی ملک کے واسطے پوری کوشش کررہا ہے۔

ستمبر ۱۹۳۶ء کے اخباروں سے ہندوستان میں یہ اطلاعیں ملی تھیں کہ "کمال پاشا نے کوئی اسکیم تیار کی ہے جس سے پانچ سال میں ملک ٹرکی ہر صنعت وحرفت میں یوروپین ممالک کی ہمسری کرنے لگے گا...... آتا ترک کمال پاشا کی ان تھک کوششوں سے ایک طرف ترکی میں ہر چیز کے لئے عظیم الشان کارخانے قائم ہوگئے ہیں جن سے ٹرکی کی اقتصادی حالت درست ہوگئی اور دوسری طرف فوجی طاقت میں حیرت انگیز اضافہ ہوگیا ہے"[۱۵]

ترقیاتِ تعلیمی وغیرہ

دراصل مذہبی کٹھ ملاؤں نے ٹرکی حکومت بھر میں نوجوانوں کی تعلیم کو ایسا محدود اور فرسودہ کردیا تھا کہ وہ

---

[۱۵] اخبار حقیقت لکھنؤ مورخہ ۱۰ر ستمبر ۱۹۳۶ء صفحہ ۲

کل یورپ سے عام طور پر تعلیم دنیاوی میں تقریباً دو ڈھائی سو سال پیچھے پڑ گئے تھے۔ دوران جنگ عظیم یورپ نیز اس سے بھی کچھ قبل مغربی طریقۂ تعلیم کی طرف ترکوں نے زائد توجہ شروع کر دی تھی۔ دو ہزار سے زائد ترکی لڑکے جرمنی ہی میں، دوران جنگ میں بھیجے گئے تھے اب وہ گروہ بھی واپس آگیا ہے اور زمانہ کے قابل ترین لوگوں میں اُنکا شمار ہو رہا ہے۔ پرانے معلمین تو اُنکے مقابلہ میں جہلا میں شمار ہوتے ہیں۔ اور اُنکے باعث ایک جدید مذہبی خیالات کی جنگ جو جبل الطارق سے لیکر لاہور ہوتی ہوئی حیدرآباد دکن (ہندوستان) تک میں پہونچگئی ہے اور چونکہ روس کے نوجوان مسلم تو اپنے ترکی بھائیوں سے بہت ہی زائد آزاد خیال ہو گئے ہیں۔ اسکا بھی اثر یقیناً ترکوں پر پڑ رہا ہے جس سے جدید نصاب تعلیم کے مدرسے حکومت کی طرف سے جاری ہو رہے ہیں جبریہ تعلیم تو ہو ہی گئی ہے۔ طلبا کو کتابیں وغیرہ بھی مفت دی جانے لگی ہیں۔ لڑکے اور لڑکیاں یکجا بیٹھکر ابتدائی تعلیم حاصل کرتے ہیں قسطنطنیہ کی یونیورسٹی تو اب بالکل ہی زمانہ حال کی کر دی گئی ہے۔ اسی سترہ سالہ قدیم یونیورسٹی کو دار الفنون کہا جاتا تھا۔ اسکے بابت لندن کے اخبار منیچسٹر گارڈین (Manchester Guardian) کے نامہ نگار نے اخبار لیڈر الہ آباد میں ستمبر ۱۹۲۵ء میں یوں لکھا تھا کہ "جدید یونیورسٹی میں چار فیکلٹی اور آٹھ انسٹیٹیوٹ کے اوقاف مقرر کئے گئے ہیں۔ فیکلٹیوں (Faculties) میں ادب، سائنس، قانون اور طب ہیں۔ انسٹیٹیوٹ (Institute) میں ترکی انقلاب کی تاریخ۔ قومی اقتصادیات۔ معاشرت۔ جغرافیہ ترکی تاریخ۔ ذہنیات۔ علم کیمیا۔ برقیات۔ وآلات سازی۔ اور اسلامی تعلیمات نیز ایک مدرسہ زبان ہائے غیر کی تعلیم کے لئے بھی قائم ہوا تھا۔ انڈر گریجویٹ طلباء کو دو زبانوں میں جو غیر ممالک کی ہوں اُن میں کامل ہو جانا لازمی تھا۔ جرمن اور سوئس پروفیسر تک سائنس کی اعلیٰ تعلیم کے واسطے اُسمیں رکھے گئے تھے۔"[*] پھر ستمبر ۱۹۳۶ء تک کو وزیر تعلیمات کی رپورٹ سے جو شائع ہوئی ہے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت ابتدائی مدارس کی تعداد (۵۹۶۲) ہے جن میں (۱۳۶۲۶) مدرس ہیں اور طلباء کی تعداد (۷۶۵،۰۰۰) ہے۔ اور تحقیقات سے اسکا پتہ بھی چلا ہے کہ دنیا بھر میں (۶۵) ملین اشخاص ترکی زبان بول سکتے ہیں اور ترکی قومیت سے تعلق رکھنے والوں کی تعداد تو (۸۰) ملین ہے جسمیں سے حدود حکومت ترکیہ میں کل (۱۷) ملین ترک آباد ہیں۔ ابتدائی تعلیم کے مدارس میں ۱۹۳۳ء تک تین لاکھ (۶۶) ہزار لڑکوں کی تعداد اور دو لاکھ ایک ہزار لڑکیوں کی تعداد پہونچگئی تھی اسی طرح درمیانی یعنی سکنڈری مدارس اور نجی (Private) کالجوں میں (۱۱۵۰۰) لڑکیاں اور (۳۲۰۰۰) لڑکے تھے جبکہ یونیورسٹی میں (۸۷۰) لڑکیاں اور (۴۶۰۰) لڑکے تعلیم پا رہے تھے :*:

---

[*] دیکھو اخبار اسٹیٹس مین ہندوستان مورخہ ۱۴ جولائی ۱۹۳۵ء

انگورہ میں قانون کی تعلیم کا ایک مدرسہ کھولا گیا ہے نیز زرعی و صنعتی تعلیم کی طرف خاص توجہ آتا ترک کی ہے۔ دفاتر کے ملازمین کے واسطے بھی کالج بنائے گئے ہیں جس سب کا نتیجہ یہ نکالا گیا ہے کہ شاید صرف دس ہی فیصدی لوگ جاہل رہ گئے ہیں۔ والیان حکومت کو وعظ میں قومی تعلیم پر زور دینے کی سخت ہدایت ہے۔ نیز قومی بجٹ میں بڑی رقم تعلیم ہی کے واسطے رکھی جاتی ہے۔ ڈراما اور ایکٹنگ (Acting) یعنی بھاؤ بتلانے کی تعلیم کے ساتھ ساتھ نظریات اور مشاہدات سے بھی کالجوں میں امداد لیجاتی ہے۔ ہر مدرسہ میں ایک عجائب خانہ بھی ہے جسمیں بچوں کی خود ساختہ اشیاء تصاویر اور تجربات کا ذخیرہ رکھا جاتا ہے۔ بلکہ اصلی خیال اور اُس کے عکس کو ظاہر کرانے کی طرف معلمین زاید زور دیتے ہیں۔ علم ریاضی۔ علم کیمیا۔ راگ اور مصوری کی تعلیم کے ساتھ قومی تحریکات اور قومی تاریخ کا عنصر بھی زائد ہوتا ہے۔ تاریخ میں قومی شکست۔ اُسکے اسباب۔ نیز فتح کے واقعات کے سلسلہ میں حقوق افراد و قوم بھی بالتصریح جزو تعلیم رکھے گئے ہیں۔ بچوں کی جسمانی سزا کی بھی مدارس میں سخت ممانعت ہے۔ شب کے مدارس میں تو بچوں کے علاوہ بوڑھے اور جوان شامل ہوتے ہیں۔ ان میں ملازمین تک مالکوں سے اجازت حاصل کر کے شرکت کرتے ہیں۔ قسطنطنیہ کی یونیورسٹی میں خاندانِ عثمان کا شاہی کتبخانہ اُسکی ملک قرار دیدیا گیا ہے بلکہ جلیل خالد بے نے مشہور انگریزی ادب کی کتابوں کے ترجمے بھی ترکی زبان میں کر دیئے ہیں اور نور الدین بے یونیورسٹی کے ریکٹر (Rector) ہیں۔

شاہی عمارات ہی میں یونیورسٹی اور شفاخانہ ہیں۔ اسپتالوں اور زچہ خانوں کی تو پیشتر ہی سے ترکوں کی حکومت میں تعریف کی جاتی تھی جس سے بچوں کی اموات میں بھی اب بیحد کمی ہوگئی ہے۔ نرسیں اور دائیاں تو گلی گلی کوچہ کوچہ میں موجود پائی جاتی ہیں۔ معاشرتی اصلاح کے واسطے مستورات کے اتحاد (Union-des-Femmes) ہر طرح کی کوشش میں مصروف رہتے ہیں۔ چنانچہ شراب نوشی۔ بدکاری۔ اور جوے کا بیحد انسداد اُنھیں سے ہوگیا ہے اُنکے نارمل کالجوں کے قیام سے جسمانی ورزشوں کا بھی مستورات میں بڑا رواج ہوگیا ہے جسمانی ترقی کے لئے ایک سویڈن (Sweden) کی خاتون کو لاکر پروفیسر سلیم سری بے نے یہ انتظام کیا تھا کہ تیس جوان ترکی بیویوں کو تعلیم دلوا کر نو مہینہ میں ملک بھر کا دورہ اُنکے ہمراہ کرلو۔ جس سے ورزش کی تعلیم پورے طور پر ملک میں رائج ہوگئی۔ اُنھیں پروفیسر صاحب کی دو صاحبزادیوں نے یورپ میں ناچ کی تعلیم لیکر اپنا ایک قومی ناچ خود تیار کر کے جاری کر لیا ہے۔ بالخصوص زیبک (Zu[illegible]k) کا طریقہ ناچ جسمیں خنجر اور گولی کی ضربوں پر ختم توڑا جاتا ہے جاری کر دیا ہے۔

تعلیم کی ترقی سے تمام شہروں میں مرتب طریقہ پر اخبارات کے ادارے بھی قائم ہوگئے ہیں جس سے علاوہ عوام کی تعلیم کے عوام کے ہاتھ میں ایک آلہ اظہار رائے وغیرہ کا زوروں میں آگیا ہے۔ حکومت کی طرف سے اخباروں کو بذریعۂ تار ہر بات کی اطلاع دیجانے لگی ہے۔ دراصل ابتو سیاسی ٹرکی اور اخباری ٹرکی کے درمیان ہر امر میں بیحد میل جول اور یکرنگی خیال ہے۔ روزانہ و ہفتہ وار اخبارات اور رسائل کی دن دونی ترقی ہو رہی ہے اور وہ ملک کی ترقی کا پورا ساتھ دے رہے ہیں۔ صرف ترکی ہی زبان میں اخبارات نہیں شائع ہوتے ہیں بلکہ دوسری زبانوں میں بھی۔

۱۹۳۶ء میں ملک حبش کی اٹلی کے ہاتھوں بربادی پر غازی عصمت پاشانے جو تقریر مدرسہ حربیہ کے طلباء کو انعام تقسیم کرتے ہوئے کی تھی وہ یہ تھی "ملک کی عزت نوجوانوں کی قوت عمل پر منحصر ہے۔ اگر ہمارے وطن کی سلامتی اور اپنی قوم کا وقار باقی رکھنا ہے تو اپنی اقتصادی جسمانی اور حربی طاقتوں کو ترقی دیجئے۔ مشرقی افریقہ کا واقعہ تو یہ سکھلاتا ہے کہ دنیا میں کمزور کے لئے کہیں بھی جگہ نہیں ہے۔ صرف وہی لوگ زندہ رہ سکتے ہیں جن میں کشمکش حیات میں حصہ لینے کی قوت ہو۔ دنیا کی ایک قدیم ترین سلطنت آج اس لئے صفحۂ ہستی سے مٹ رہی ہے کہ اس نے رفتار زمانہ کا ساتھ نہ دیا۔ اور اپنی حربی طاقت کو مستحکم نہ کیا...... مجھے یہ دیکھکر خوشی ہوتی ہے کہ ترکوں میں قوت عمل پیدا ہوگئی ہے۔ اور اُن کا ہر مرد و زن یہ سمجھنے لگا ہے کہ ترک قوم اور دوسرے بھائیوں کے درمیان جو ٹرکی کے باہر رہتے ہیں تحفظ ناموس کا ذریعہ صرف عمل ہے...... آپ لوگوں کے سامنے ایک وسیع میدان ہے جسکا اولین سبق قومی طاقت ہے۔ نیز ٹرکی کے ہر فرزند و دختر سے امید کرتا ہوں کہ وہ اپنے وطن اور قوم کی عزت کو برقرار رکھنے کے لئے جان توڑ کوشش کریگا۔ اور اسلام کا یہ پہلا اصول یاد رکھیئے کہ نجات کا ذریعہ صرف قرآن اور تلوار ہے۔"

استنبول کی ایک خبر ہے جو ہندوستان ٹائمس کے ذریعہ ۲۳ ر جون ۱۹۳۷ء کو شائع ہوئی تھی اس سے معلوم ہوا تھا کہ دس لاکھ ترکوں پر آتا ترک نے تین لاکھ پونڈ کا جرمانہ صرف اس بنا پر کردیا ہے کہ انھوں نے جولائی ۱۹۳۴ء کے اُس قانون کی پابندی نہیں کی تھی جس سے کہ انکے لئے مقرر کردہ ناموں کی رجسٹری ترکوں پر واجب کی گئی تھی جو حکومت کی طرف سے انکو دیئے گئے تھے۔ دراصل تو حکومت کو ہر ایسے تحفظ کے ناموں اور ان کی پہچان میں دقت ہو رہی ہے جو ایک ہی نام رکھتے ہوں۔ مثلاً ہزارہا اشخاص کا نام "زید بن خالد" ہے لہذا جن لوگوں کے ناموں کی رجسٹری نہیں ہوئی تھی۔ اُن پر جرمانے ہو رہے ہیں۔ کیونکہ دوبارہ آتا ترک انھیں معافی دے چکے تھے۔

ترقیات فوجی اور انتظام ملک

اناطولیہ کے ترکوں کی بے پناہ تلوار کا زور اُسوقت سے چار دانگ عالم میں مشہور ہے جبکہ وہ ایشیائے کوچک کے جنگلوں سے خروج کر کے سنہ ۱۸۷۷ء تک پلونا کے میدانوں میں غازی عثمان پاشا کی کمان میں نام کر چکے تھے۔ اور دنیا بھر نے اُنکو ایک بہادر اور شجاع قوم مان رکھا تھا لیکن زمانہ حال کو دیکھتے ہوئے وہ اچھے حکمراں نہیں سمجھے گئے۔ سارے بلقان کو فتح کر کے وی۔ اے۔ نا (Vienna) کے دروازوں کی کنڈی کھٹکھٹا چکے تھے اور عیسائیاں بلقان و انگورہ کو حلقہ بگوش اسلام کرنے کا سہرہ بھی ترکوں ہی کے سر ہے اور اُنھیں سے مشہور جنیسری یا جاں نثاروں کی افواج بنی تھیں۔ مگر حال کی اُنکی فوجی ترقی کا سہرہ ضرور جرمن قوم کے سر رہیگا۔ کیونکہ وہ فوج جسنے کہ ابتدا میں بغاوت کی تھی وہ جرمنوں ہی کے زیر تعلیم درست ہوئی تھی۔

آخری جنگ عظیم یورپ سے ترکی فوج کو بیحد نقصان تو ضرور پہونچا تھا اور صلح میوڈرا س سے تو دو تہائی ملک تک ہاتھ سے جاتا رہا تھا کیونکہ اہل یونان تو سنہ ۱۸۲۱ء سے ترکوں کی حکومت سے لڑ کر لڑا کے آزادی حاصل کر چکے تھے اور تمام عیسائی صوبہ جات بھی جنگ ہی کر کے قریب قریب آزاد ہو گئے تھے۔ اور ہر ایک نے جنگ کر کے ترکی سپاہ کو رفتہ رفتہ کمزور کر ہی دیا تھا۔ اور اگر جنگ کریمیا جو سنہ ۱۸۵۴-۱۸۵۶ء تک جاری رہی تھی اور جسمیں روس کے خلاف انگریز و فرانسیسی ترکوں کے شریک ہو گئے تھے اور جس کے واسطے صلحنامہ پیرس کیا گیا تھا اور جس سے روس کی بحری طاقت کو بالکل گویا توڑ دیا گیا تھا۔ اور ترکی سلطنت بچگئی تھی نہ ہو گئی ہوتی تو ترکی نوجوں کا کہیں پتہ تک نہ لگتا۔ پھر جنگ بلقان جو سنہ ۱۸۷۵-۱۸۷۷ء تک جاری رہی تھی جس نے "مشرقی مسئلہ" کو یورپ کے واسطے بہت کچھ آسان کر دیا تھا اور جسمیں کہ روس اور انگلستان نے ترکوں کا ساتھ نہیں دیا تھا۔ اور روس کے قبضہ قسطنطنیہ ہی کے باعث محض یورپ کی تمام مملکتوں کی ایک کانگریس سنہ ۱۸۷۸ء میں برلن میں کی گئی تھی اور رومانیہ۔ سرویا و مانٹی نیگرو کی خود مختار ریاستیں بنا دی گئیں تھیں پھر متعدد جنگیں جو ترکوں کو روس کی مخالفت بلکہ انگلستان کی مشرقی پالیسی کی بدولت کرنا پڑیں یا اٹلی وغیرہ سے لڑنا پڑیں اور بالآخر جنگ عظیم یورپ ہو گئی۔ غرضکہ سب ہی نے تو فوجی اور مالی ہر قسم کا نقصان ترکوں کو پہونچایا تھا۔ مگر صلح لوزان کے بعد سے پھر فوج کی ترتیب کمال پاشا نے کی تھی اور ترکی فوج کو ہر قسم کے زمانہ حال کے اسلحہ، ہوائی پرواز اور بحری قوت کا مکمل سامان نصیب کرا دیا تھا اور مدافعۃ وکالتی یعنی وزارت مدافعہ تو دل را ت فوجی ترقی و ترتیب کے لئے اب جان لڑائے ہوئے ہے۔ چنانچہ حال کی کردوں کی بغاوت اور یونانی انقلابی جنگ یا بلووں نے ترکی تیاریوں کا مظاہرہ

بھی کچھ حد تک یورپ کو دکھلا دیا ہے۔ گلجک (ɡ neldyuk) کی گودی جو بحیرہ امید کے مشرقی کنارے پر واقع ہے وہ بھی خاصی ترقی کر گئی ہے۔ سوویٹ روس نے تو ۱۹۳۱ء ہی میں ایک بحری معاہدہ ترکوں سے کر لیا ہے اور درۂ دانیال کا استحکام بھی ۱۹۳۶ء میں وہ پھر کر لئے ہیں جسکی منظوری بھی یورپ کو کان دبا کر دے، ہی دینا پڑی تھی۔ مگر حبشہ پر اطالوی قبضہ نے ٹرکی کو بے اطمینان ضرور کر دیا ہے اور اپنے صدر دروازوں کی طرف جو بحر روم میں کھلتے ہیں تیزی سے کمل انتظام کی طرف اب مجبور ہی گیا ہے اور اگر وہ اپنے جنوب مشرقی دروازوں کی طرف سے جو عراق و ایران کی طرف کھلتے ہیں مطمئن ہو جاوے تو بحر روم میں زائد قوت صرف کر سکتا ہے۔ چنانچہ اوائل ۱۹۳۶ء میں بمقام جنیوا جو ایک مشرقی ایشیائی اتحاد۔ ایران۔ افغانستان، عراق اور ٹرکی میں ہونا کہا جاتا ہے اُس سے اُمید ہے کہ جنوب مشرق کی طرف ٹرکی کو زائد دقتیں نہ پیش آئینگی۔

جب مصطفےٰ کمال نے فتح کے بعد سات سال تک قسطنطنیہ میں قدم نہیں رکھا تھا تو عام طور پر لوگ یہ سمجھتے تھے کہ اپنے دشمنوں نیز یونانیوں۔ ارمنیوں اور بوڑھے ترکوں کے ڈر کے مارے وہ اُس طرف کا رُخ ہی نہیں کرتے تھے۔ مگر جیسے ہی کہ وہ بلا کسی اطلاع یا ڈھول دھمامے کے ایک دم سے وہاں پہونچکر قصر دولما باغچہ میں فروکش ہو گئے اور آزادی سے ہر جگہ آنے جانے اور ملنے جلنے لگے تب سے اُنکی ہر دلعزیزی کا دنیا کو پتہ چل گیا اور سب ہی مان گئے کہ موجودہ حکومت ٹرکی دراصل قوم کی خوشی اور خواہش اور مرضی پر ہے اور قوم ہی اب بادشاہ ہے۔

حکومت کے دارالعوام یا ٹرکش گرینڈ نیشنل اسمبلی میں (۳۸۰) ممبر یا ڈپٹی بیٹھتے ہیں۔ اور صرف چھ ماہ اُسکا اجلاس ہوتا ہے سفر کے لئے مفت ریل کا پاس اُنکو ملتا ہے نیز سب کے اجلاسوں میں کھانا بھی حکومت کی طرف سے ہوتا ہے ایوان حکومت صرف ایک ہی ہے جسکو کہ ترک جمہوریت کی جان سمجھتے ہیں۔ اور ڈپٹیوں کا عوام پبلک میں بھی بسبب صحیح نیابت کے خاص اثر ہے۔ ایوان عام میں وہی مسائل پیش ہوتے ہیں جو کمیٹیوں میں طے ہو جاتے ہیں نیز اُن افراد قوم کی جنہوں نے کہ حقیقی قربانی، محنت اور جانبازی کے کارناموں سے ملک اور قوم کو بچایا ہے اور بڑی ذمہ داریاں اپنے سر لی ہیں اُنھیں کو وہ حکومت کے جہاز کے چلانے کا مستحق سمجھتے ہیں۔ اور اُنکو ہر قسم کی آزادی بھی ملکی انتظام کے واسطے وہ دیدینے کے لئے تیار ہیں۔ بے سبب مداخلت اور بے محل و بیجا اعتراضات یا بے جا حملوں سے بھی وہ اپنے لیڈران قوم اور رہا دیان ملک کو بچانا اپنا قومی فرض جانتے ہیں۔ اتاترک کی صدارت عصمت پاشا کی وزارت عظمیٰ۔ توفیق رشدی بے کی خارجی وزارت، محمود السبب بے کی وزارت انصاف نیگاٹی بے کی وزارت تعلیمات اور عبدالخالق بے کی وزارت مالیہ کو ایک ترک بھی اُلٹ پلٹ کرنے کے واسطے ابھی تک تیار نہیں ہے۔ اور قوم بھر کو تمام

وزراء اور صدر ایوان عام کاظم پاشا پر کامل اعتماد ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ترکوں کو ایک ہیرو ہی کی ضرورت تھی اور وہ ہمیشہ سے فوجی جنرلوں کی اطاعت کے عادی بھی رہ چکے تھے اور جب کبھی انہیں کوئی اچھا رہبر مل گیا تو وہ وفاداری اور سچائی کے ساتھ اسکی پیروی کرتے رہے ہیں۔ اور اسکی اطاعت میں جان تک دے کر قومی خدمت کو اپنا فرض جانتے رہتے ہیں۔ اور اس وقت تک تو ملک بھر یہ کہہ رہا ہے کہ غازی مصطفےٰ کمال نے اگر دردانیال پر فتح نہ حاصل کر لی ہوتی تو پوری قوم ترک آج غلامی کر رہی ہوتی۔

انگورہ پہونچکر ترکوں نے جس تیزی سے فوج کی ترتیب کی تھی اسکا اندازہ دوسروں سے مشکل ہے کاشتکاروں پر لگان کی کمی نے خود ہی انکو فوجی خدمت کی طرف دوڑا دیا۔ اور ان کاشتکاروں کو تمام ایسے حقوق حاصل ہوگئے ہیں کہ جنکا ادنیٰ وہم وگمان بھی نہ تھا۔ روپیہ اور تخم وغیرہ بھی بلا سود دیا جاتا ہے۔ اور جہاں سے بھی فصل کی پیداوار خراب ہو جاتی ہے تو لگان کی التوا دیدی جاتی ہے۔ والیان صوبہ گاؤں گاؤں جاکر بھائیوں کی رعایا کو آزادی کا سبق خود پڑھاتے ہیں۔ نیز قانونی جہات سمجھا کر رجسٹروں وغیرہ کو صاف رکھنے کے ساتھ ساتھ حسابات کے طریقے بھی سکھلاتے ہیں۔ ہر گاؤں کی تاریخ تک تقریر ہوگئی ہے۔ پچاس پونڈ کی چوری تک کے مقدمات گاؤں ہی کی عدالت میں فیصل کئے جاتے ہیں۔ گو عموماً بھیڑیوں کی ہی چوری گاؤں میں ہوتی رہتی ہے اور اگر چند کیے جاتے ہیں تو بعض تک مقدمات پہنچتے نہیں رہتے۔ خود گاؤں کے لوگ اپنی اور گاؤں کی حفاظت و انتظامات کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ مدارس مساجد اور سڑکیں بھی وہی بنواتے اور درست کرتے ہیں۔ صفائی وحفظان صحت کا انتظام بھی قانوناً انہیں کا فرض ہے اور انکو اپنے جمہوریت کے باشندے ہونے کا فخر ہے۔ والیٔ حکومت کی حیثیت ایک بھائی اور دوست کی سی ہے۔ نیز عوام کو اپنی محنت کی قدر وقیمت بھی خاصی طرح معلوم ہوگئی ہے اور سب خوشی کے ساتھ اسی کی طرف متوجہ ہیں۔ انکے دلوں سے یہ خیال جاتا رہا ہے کہ ہر پیداوار وہ کرینگے ایک نہ ایک دن حکومت کا زبردست بازو ان سے بطور کسی ٹیکس کے بالجبر ضرور لوٹ لے جائے گا۔ عشر تو موقوف ہی ہو چکا ہے بلکہ جلد ادائے ٹیکس یا لگان پر کچھ چھوٹ بھی بطور انعام کے ملتی ہے۔

اخبار پانیر ہندوستان مورخہ ۲۱ اپریل ۱۹۲۶ء کے صفحہ ۲۰ کی خبر ہے کہ "سنجک الگزنیڈریٹا کے بابت جو بین الاقوامی کمیشن بمقام جنیوا لیگ کی کونسل کی طرف سے مقرر ہوا ہے اوس میں ترکی نمائندوں کی فطرتاً یہ کوشش ہے کہ انکی اقلیت کو پورے طور پر عملی سرگرمی وہاں سے حاصل ہو جاوے جس سے یہ نظر آرہا ہے کہ معاملت میں تاخیر اور دقت ضرور ہوگی۔ اور گو فرانس کی حکومت کو سنجک کے اندرونی معاملات میں ہر طرح آزادی دینا

منظور ہے مگر اسکے بیرونی تعلقات کو وہ شام کی حکومت کے تحت ہی میں رکھنا چاہتے ہیں۔ اور اوس فرانسیسی فوج کو جو پولیس کا کام وہاں کرتی ہے اور جسکو جینڈآرمری (gendarmerie) کہتے ہیں اوس کے باعث بھی دقتیں پیدا ہو رہی ہیں۔ ترکوں کے خیال میں مقامی لوگوں کو پولیس میں بھرتی کیا جانا بہتر ہے اور بالخصوص ترکوں کو لیکن ماہرین کی رائے میں ایسی پولیس سے غیر جانب داری کا برتاؤ مشکل ہوگا۔ وغیرہ وغیرہ اور اسی سے وہ ایک بین الاقوامی پولیس کی ضرورت پر زور دے رہے تھے۔ مگر ۲۴ رمئی ۱۹۳۷ء کو یہ خبر بھی ہندوستان ٹائمس نے دی تھی کہ لیگ اقوام نے ترکوں کے خلاف فیصلہ دیا ہے جس سے ترکوں نے الیگزینڈریٹا میں ہڑتال کر دی ہے اب ترکوں کی زبان پر تو یہ مضمون جاری ہے جو کہ جوش ملیح آبادی نے اپنے اشعار میں کہا ہے

پائندہ باش اے خم ابروئے دلنشیں — اب کھیلتے ہیں موت کے تیر و کماں سے ہم
کیا کم یہ ہے کہ دور سے ارباب کیف و کم — با ہر کھڑے ہیں حلقۂ سود و زیاں سے ہم
یہ طرفہ بات ہے کہ با ایں فقر و بیکسی — ہیں بہرہ یاب دولت کون و مکاں سے ہم

باب چہارم

دیگر ممالک و مقامات

یہاں سے اول دیگر ممالک اور حکومتوں بلکہ مقامات اور اقوام وغیرہ کا مختصر ذکر کر دینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے جن سے کہ سلطنت ترکیہ کا خاص تعلق رہا ہے اور اس ذکر سے ترکی تاریخ میں گونہ اضافہ ہوسکیگا۔

ایران اور رضا شاہ پہلوی

سلطنت ایران میں فتوحات اسلامی کا نتیجہ ایک مستقل شیعہ مذہب کی حکومت ہے جس طرح کہ ترکی میں سنی المذہب بادشاہوں کی حکومت تھی۔ مگر جب سے کہ ایشیائے کوچک میں ترکوں کی حکومت قائم ہوئی تھی ایران و ترکی میں ایسے تعلقات دوستانہ قائم نہیں رہ سکتے تھے جیسے کہ اس سے قبل تھے ۱۸۲۸ء سے ایران میں زوال شروع ہو گیا تھا اور برطانیہ و روس کی چراگاہ ہی تھا اوسکا اقتدار ہو گیا تھا۔

ایرانی تاریخ تو اپنے تین ہزار سال کے واقعات کو کبھی زندگی کی حالت میں اور کبھی موت کی حالت میں دکھلاتی ہے۔ جب کبھی قومیت کا خیال آگیا تو زندگی اور رونق بھی اُسمیں آگئی۔ نیز جب جب ایران قعر مذلت میں گرا تو ایک نہ ایک بندہ خدا ایسا ضرور وہاں پیدا ہوگیا جس نے پھر اوسکا ستارۂ اقبال بلند ہی کر دیا۔ اور قومیت ہی کے خیالات کے ساتھ زندگی بھی اسکی قسمت میں شامل رہی۔

سنہ ۱۸۷۴ء میں آسٹریا کے کچھ لوگ ڈاکخانوں کی ترتیب کے واسطے ایران میں آئے تھے مگر روس نے کسیطرح بھی کسی قسم کی ترتیب نہ ہونے دی۔ اگر مالیہ کی درستی کے واسطے امریکہ سے شوسٹر سا ماہرِ فن طلب ہوا تو اُسے بھی ناکام ہی واپس جانا پڑا۔ برطانوی اور روسی حکمت عملیاں برابر گاؤ زوری میں لگی رہ کر کسی کام کو خوبی سے نہ چلنے دینے ہی کو اپنا فرض ہمسائگی سمجھتی رہیں سنہ ۱۹۰۶ء تک تو ایران بالکل ہی جمود کی حالت میں تھا اسی سال کی گرمیوں کے زمانہ میں ایک خفیف سا ہنگامہ بھی قومی ترقی کی خواہش میں ہوگیا تھا۔ خود اہل ملک حکومت کی اصلاح کی طرف متوجہ ہو چلے تھے اور پندرہ سال تک برابر اسی کی کوشش ملک میں ہوتی بھی رہی۔ کاغذی آئین بھی حاصل ہو چکا تھا۔ مگر پرانے خیالات کے لوگوں اور مولویوں و مجتہدین کی طرف سے آئین جدید کی مخالفت بھی جاری ہی تھی۔ احمد شاہ قاچار شاہ ایران کی فضول خرچیوں اور یورپ کی سیر سے ہر طرح کا اور بھی خرابا لگا ہوا تھا بس یہ غنیمت ہوا کہ جنگ عظیم یورپ میں ایران نہیں شامل ہوا۔ تاہم غیر جانب داری کی حالت میں بھی مالی صرفہ بہت برداشت کیا گیا۔ اوسی درمیان میں وبائیں اور قحط سے بھی ملک بھر روشناس ہوا۔ دول غیر کی افواج نے کچھ حصص سلطنت پر قبضہ بھی جما رکھا تھا بلکہ واقعی ملک کی آزادی کو ٹھیس لگنے کا پورا اندیشہ بھی تھا۔ شاہ کو تو ان باتوں سے کوئی واسطہ ہی نہ تھا۔ وہ عیش و نشاط کے بندے ہو رہے تھے۔ خزانہ بالکل ہی خالی تھا۔ اور جسقدر بھی رعایا سے وصول ہوتا وہ شاہ کی فضول خرچی کے نذر ہو جاتا۔ قربت روس سے بالشیوک تحریک کا خطرہ ہر لمحہ سر پہ موجود رہتا۔ ترکستان اور بخارہ کی طرح وہاں بھی اس تحریک کا تخم آ ہی چکا تھا کہ سنہ ۱۹۲۱ء میں رضا خاں پہلوی نے جو اوسوقت وزیر جنگ تھے کروٹ لی۔ یہ حضرت ایران کے ایک قدیم باشندے معزز خاندان سے ہیں اور سفید کوہ (مازندراں) کے اصلی باشندے ہیں۔ اور خالص ایرانی النسل ہیں۔

رضا شاہ کا خاندان ہمیشہ سے دولت ایران کا خیر طلب رہا کیا تھا۔ اور ملک کے بچاؤ نیز تحفظ کے واسطے بہادری سے ہر مقابلے کے واسطے تیار ہو جایا کرتا تھا۔ رضا شاہ پہلوی مارچ سنہ ۱۸۷۸ء میں پیدا ہوئے اُن کے باپ عباس علی خاں سفید کوہ کی رجمنٹ کے کمانڈر تھے اور دادا مراد علی خاں ساتویں رجمنٹ مذکور میں کپتان

رہ چکے تھے بلکہ ۱۸۵۶ء کے ہرات کے محاصرہ میں میدان جنگ ہی میں مارے گئے تھے۔ عباس علی کی وفات پر رضا خاں بالکل بچہ تھا۔ اسکے چچا نے اوسکی تعلیم و تربیت کرائی۔ اوسکا نام جنرل نصر اللہ خاں تھا۔ سفید کی رجمنٹ اوسکی کل کمان کا ایک حصہ تھی۔ رضا خاں کو بھی فوجی ہی تعلیم پر لگا دیا گیا تھا چنانچہ ۱۹۰۰ء میں وہ ایرانی بریگیڈ میں داخل ہوا اور اپنی ذاتی لیاقت سے بہت ہی جلد ترقی کرکے آزاد کامک کور کا کمانڈر ہو گیا۔ اب ایسے ہر طرف سے اوسکی مانگ ہونے لگی۔ یہاں تک کہ فروری ۱۹۲۱ء میں اوسکو کمانڈر انچیف مقرر کر دیا گیا۔ اور اسی کے دو ماہ بعد وزیر جنگ کے عہدے پر مامور ہو گیا پھر تو تھوڑے ہی دنوں کے بعد وزیر اعظم بنا لیا گیا

رضا خاں خود نہایت خاموش۔ بردبار۔ اور مضبوط ارادے کے آدمی تھے۔ صبر و استقلال تو کوٹ کوٹ کر اللہ تعالے نے اونکو عطا کیا تھا۔ قانون و قواعد کی پابندی تو اونکی فطرت ہی میں گویا تھی۔ سب سے پہلے انھوں نے فوج کی ترتیب ہی کر لی تھی۔ اور فوج کو بالکل ہی ایرانی النسل کر لیا۔ اضلاع کے قبیلوں کو بھی یہ بتلا دیا کہ قوانین کی پابندی ہی کرانا حکومت کا اولین فرض تھا اور رعایا کو بھی حکومت کی اسمیں امداد کرنا لازم تھا۔ چنانچہ سرحدوں پر جو بے ضابطگیاں ہوتیں اونکا تدارک فی الفور کیا جانے لگا جس سے ملکی اور فوجی عزت بھی قائم ہونے لگی۔

اب چونکہ احمد شاہ قاچار طہران سے عرصہ کے لئے باہر چلے جا چکے تھے اور قوم بھر میں ترکوں۔ روسیوں۔ نیز دیگر ممالک کے حالات کے باعث بےچینی پھیل چکی تھی۔ لہذا اکتوبر ۱۹۲۵ء میں اونکو تخت ہی سے محروم کر دیا گیا اور رضا خاں کو ریجنٹ بنا دیا گیا۔ در اصل تو احمد شاہ نے پیشتر ہی سے اوسکی سن گن پالی تھی اور وہ اپنے میں قومی تحریکات کی بڑھتی لہروں کو روکنے کی ہمت بھی نہیں پاتے تھے چنانچہ نومبر ہی کے قریب طہران میں اعلی مجلس قومی (Constituent [illegible]) کا اجلاس ہو گیا اور احمد شاہ قاچار کو معزول کرکے رضا شاہ پہلوی کو اتفاق آرا سے شاہ ایران منتخب کر لیا گیا۔ اور اوسی کے پانچ دن کے بعد وہ تخت نشین ہو گئے۔

بادشاہ ہوتے ہی اس نے ملک کی سڑکوں کی درستی کرا دی اور ملک بھر میں جدید سڑکیں بنوا دیں۔ احمد شاہ نے تو خزانہ بالکل ہی خالی چھوڑا تھا۔ مگر اب انتظام سے وصولی کی گئی اور انصاف کا دروازہ کھول کر ملک میں اعتبار بڑھا دیا گیا۔ اور ایک قومی بنک بھی کھولا گیا۔ تمام خطابات وغیرہ بھی مٹا دیئے گئے اور ایک قانون بنا کر بجٹ کا بھی توازن کرا لیا۔ حتی الامکان کفایت اخراجات بھی کی گئی۔ اب تو موٹروں کی ہر جا بھرمار ہے۔ تیل کی تو وہاں کمی ہی نہ تھی۔ چائے اور کافی کی جنگی ہی سے اکثر سڑکیں وغیرہ تعمیر کرائی گئی تھیں۔ اور اب تو طہران سے اصفہان ایک دن میں موٹر پر سفر ہو سکتا ہے۔ عدالتیں بھی باقاعدہ قائم کر دی گئی ہیں جس سے غربا کو ہر طرح کا انصاف نصیب ہونے لگا ہے وہ قبیلے جو لوٹ مار کے عادی تھے اونکی پوری سرکوبی ہو کر زراعت کی طرف مائل کرا دیئے

گئے ہیں۔ جبریہ فوجی خدمت سے جو فوج تیار ہوئی تھی وہ ہر طرح بہ وفاداری سے کام کر رہی ہے۔ اُمرا اور علما کے گروہ سے اُنکے مناسب کام لیکر سب کو کاروبار میں لگوا دیا گیا ہے مدارس بھی قائم کر دیئے گئے ہیں جب سے تعلیمی بیکاری کم ہو رہی ہے اور قومی تربیت میں بھی ترقی ہو گئی ہے۔ شاہ نے تو در اصل اندرونی امن و امان اور قومی ضمانت و ذمہ داریوں کو ہر کام پر مقدم کر دیا تھا۔ اُنکے یہاں فوج ہی پولیس کا کام دیتی ہے۔ اور جو آمدنی فوج پہ خرچ سے بچتی تھی سب تعلیم ہی پر لگا دی جاتی تھی۔ معلموں کے واسطے بھی مدارس بنائے گئے تھے۔ ابتدائی تعلیم کے مدارس کے ساتھ ساتھ صنعتی اور ثانوی تعلیم کے بھی مدارس کھلوا دیئے تھے نیز ایک یونیورسٹی جس میں قانون، فلسفہ، ادب، طبابت یعنی زمانہ حال کے شعبہ جات ہیں قائم ہو گئی ہے۔ اعلیٰ تعلیم کے واسطے بکثرت طلبا بیرون ملک پڑھ کر واپس آ گئے ہیں انجنیری اور سائنس وغیرہ حاصل کرنا اُنکا اصلی مقصود رکھا گیا تھا۔ خود شاہ کا لڑکا جنیوا کے قریب کے ایک مدرسہ میں بھیجا گیا ہے جو عام مدارس کی طرح کا ہے۔

ایک وقت وہ تھا کہ روس نے بین الاقوامی اتحاد میں ایران کی شرکت تک کرنے میں رخنہ اندازی کی تھی مگر اب تو اپنی ہمسایہ سلطنتوں سے ایران عدم مداخلت اور برابری کے معاہدات کر کے کامیاب ہو رہا ہے اور لیگ اقوام کی ممبری تو اُسے ابتدا ہی سے حاصل ہے۔ ایران کی مردم شماری بھی ہو کر اب اُنکی آبادی پندرہ ملین سے کچھ زائد ہی کی ہے سولھویں صدی سے ایران اور انگلستان میں دوستی کا تخم بو گیا تھا جبکہ شاہ عباس صفوی اور ملکہ ایلزبتھ کا دور تھا۔ اُسوقت سر انتھنی شرلے (Sir anthony sherly) کو ایران نے اپنا سفیر بنا کر یورپ میں بھیجا تھا۔ مگر اب تو خود ایرانی سفیر سب جگہ موجود ہیں اور بحری و ہوائی بیڑہ جات نیز تجارتی جہازات چل رہے ہیں۔ ہر شہر میں میونسپلٹی ہے۔ قومی اور زراعتی بنک بھی قائم ہیں۔ بلکہ ۱۹۲۸ء سے تو تجارتی معاہدات مساوات اور انصاف کی بنیاد پر کر لئے گئے ہیں ملک بھر میں خود تار اور ریل کا انتظام ہو گیا ہے اور جو رعایات کہ تار برقی کی بدولت یورپ کو حاصل تھیں وہ جاتی رہی ہیں۔ ۱۹۰۱ء کے معدنی تیل کے نکالنے کا جو ٹھیکہ وغیرہ دیا ہوا تھا وہ بھی ۱۹۲۳ء سے منسوخ ہو گیا ہے اور جانبین کے نفع کے واسطے جدید معاہدہ کمپنیوں سے کر لیا گیا ہے۔ سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ اندرون ملک کسی کا قرضہ نہیں ہے اور نہ کوئی جزو مالیہ ملک رہن ہے نیز غیر سلطنتوں کو کوئی خاص حقوق بھی ملک بھر میں کہیں نہیں حاصل ہیں۔ بیرون ملک کی صرف ایک ملین اسٹرلنگ کی ذمہ داری ملک پر رہ گئی ہے جو سالانہ اقساط سے ادا کی جا رہی ہے۔ شاہ نے تو خود مثال بنکر ملک بھر کو محنت اور کوشش سے ہر شے کے حصول کا سبق پڑھا رکھا ہے۔

۱۹۰۷ء میں برطانیہ اور ایران کے معاہدے نے تو ایران کی آزادی کا خاتمہ کر دیا تھا۔ روس کی سازشوں نے ۱۹۱۲ء میں مجلس ایران کو توڑ دا دیا اور بڑے بڑے ایرانی قوم پرستوں کو بمقام تبریز موت کے گھاٹ اتروا دیا۔ اور امریکہ کے ماہر فن مالیات مسٹر شوسٹر کو جو ایران کو صلاح مالی دیتے تھے انکو بھی نکلوا ہی چھوڑا جنگ عظیم یورپ کے بعد سے بیشک ایران کی گردن سے روس کا ہاتھ علیحدہ ہوا۔ مگر ۱۹۱۹ء میں جب ایران و برطانیہ میں ایک صلحنامہ ہوا تو اوس وقت سے برطانیہ نے ایران کو اپنے زیر حفاظت لے لیا حالانکہ روس ہی ایران کی تمام پیداوار کا سب سے بڑا خریدار تھا۔ در اصل تو روس کی آپس کی جنگ سے ایران کی تجارت کو نقصان ہوا تھا لیکن مئی ۱۹۲۰ء بالشیوک روس نے انگریزوں کے جنرل آئرنسائڈ (Ironside) کو مقام ریشٹ (Resht) سے باقاعدہ طور پر واپس کرا کے گویا شمالی ایران پر پھر اپنا اثر قائم کرا لیا تھا تاہم اسیوقت ایران نے زار روس کے وقتوں کے اُن تمام معاہدوں سے جو روس و ایران کے درمیان ہوتے رہے تھے سب ہی سے اپنے کو آزاد کرا لیا۔ اور ۱۹۲۳ء میں طہران میں ایک روسی بنک قائم ہو کر ایران کے تجارتی معاملات پر پورا بالشیوک اثر قائم ہو گیا نیز جمہوری ملکی حکومت پر بھی خاصے بالشیوک اصول ہر طرف سے دائر و سائر نظر آنے لگے جس سے بیچارے نوجوان شاہ ایران احمد شاہ پہلوی نے پیرس بھاگ کر اپنی جان بچائی۔ اسیوقت سے ایران میں رضا شاہ پہلوی کا دور دورا قائم ہو گیا اور فوجی قوت کا ظہور ہر طرف سے نمایاں ہونے لگا۔ اس نئے دور نے بالشیوک تحریکات کا زور تو ضرور کم کر دیا تھا مگر تیل کے ذخائر نے جو ایران کی خوش قسمتی سے وہاں خاصی طرح موجود ہیں اور ملک کی دولت کے بڑھانے میں کافی معاون ہو رہے ہیں دوسرے ممالک سے تصادم کے کچھ کچھ آثار نمایاں کر دیئے تھے جسکا علاج ایرانی مجلس حکومت نے مارچ ۱۹۳۱ء میں یہ کیا کہ تجارت ملک کو کلیتاً حکومت کے اختیار میں دیدیا۔

قبل جنگ عظیم یورپ جرمنی کا بنایا ہوا ایک کالج طہران میں تھا اور بعد از جنگ انگریزوں نے ایک مدرسہ شیراز میں قائم کیا ہے شمالی صوبہ جات میں روسی زبان زیادہ رائج ہے کیونکہ روسی مدارس میں اُس طرف کے ایرانیوں نے تعلیم پائی تھی۔ اب اس وقت تو سیکڑوں ایرانی نوجوان جرمنی۔ بلجیم۔ فرانس۔ سوئٹزرلینڈ اور انگلستان وغیرہ سے حکومت ہی نے تعلیم دلا کر واپس بلائے ہیں جو ترکوں کی طرح اپنے ملک کی خدمت کی طرف متوجہ ہیں۔ اور ترکوں کی تقلید میں ہر قسم کا شوق قومی ترقی کے واسطے اُن میں بھی پیدا ہو گیا ہے۔ بندر عباس سے بحیرہ کیسپین تک ریل نکل رہی ہے اور یہ ریل خود حکومت نے نکالی ہے۔ طہران اور بیروت کے درمیان کرمان شاہ ہو کر موٹر کی سڑک بھی تیار ہو گئی ہے۔ شیخ محمود کو روکی بھی جو ایران کی سرحد پر سے ترکوں پر حملہ کیا کرتا تھا۔ اب روک تھام مصالحت سے

ہوگئی ہے مشرقی اناطولیا سے ایرانی سرحد تک بھی ریل کے بننے کا سامان ہورہا ہے جس سے کوردول کو پورے طور میں قابو میں کرلینے کا بھی بندوبست ہوا ہے۔ انگریزی ایرانی تیل کی کمپنی (Anglo Persian Oil Co.) سے ایران کو بیحد فائدہ ہے اور روس سے ایک جدید معاہدہ بھی ہوگیا ہے۔ انگریزی بحری بیڑہ جہازات کو بھی اس معاہدہ سے اہواز (Ahwaz) کے تیل کے کنوؤں کی بدولت بڑی مدد ملتی ہے۔

رضا شاہ پہلوی نے ١٩٣٤ء میں انگورہ و قسطنطنیہ کا سفر کرکے ترکوں سے دوستانہ تعلقات بھی زیادہ بڑھا لئے ہیں۔ مگر برطانیہ کا بھی پورا اثر دو جانب سے بڑھ گیا ہے۔ بلوچستان سے لیکر بحیرہ عرب و خلیج فارس ہوتے ہوئے عراق تک عرب و عجم کے درمیان سے برطانیہ ہی برطانیہ کی سیادت نظر پڑتی ہے۔ تاہم برطانیہ کا شاہی ہوائی بیڑا کا طیارہ خلیج کے عربی حصہ سمندر کی طرف سے ہوکر جاتا ہے۔ ایران کے اندر سے اجازت نہیں دی گئی ہے بغداد سے کرمانشاہان یا ہمدان و شیراز ہوتے ہوئے۔ ایران تک سڑک اچھی بھی ہے۔ گرمیوں میں برف باری نہ ہونے سے سفروں میں آسانی ہے حالانکہ گرد بہت ہوتی ہے۔ مواصلات یا چارخانے جو راستہ میں پڑتے ہیں وہ بھی ناصاف اور قدیم طرز کے ہیں۔ پاس پورٹ یا پروانہ راہداری کے حصول میں بھی سخت دقتیں ہوتی ہیں۔ پولیس تو ہر غیر ملکی کو جاسوس یا بالشیوک ہی تصور کرتی ہے۔ اور طہران سے تو کوئی شخص بھی بغیر "جواز" یعنی سیاسی پولیس کی اجازت کے نکل ہی نہیں سکتا۔ انکا سکہ ایک تومان تقریباً ہندوستانی ڈیڑھ روپیہ کے برابر ہے۔ لیکن شہر دلی وغیرہ میں اب حکومت کی طرف سے خاصی ترقیات کی جا رہی ہیں۔ شہروں کی قدیم گلیوں کے بجائے وسیع سڑکیں نکالی جا رہی ہیں۔ اور مکانوں کے سوا دیہی خوبصورت اور مضبوط بنوائے جا رہے ہیں۔ جدید مدارس بھی کھولے جاتے ہیں اور فرانسیسی زبان کی بھی ہائی اسکولوں میں تعلیم دی جاتی ہے لیکن طہران تک میں آب و ہوا کی صفائی یا صاف پانی کے ملنے کا نیز صفائی کی نالیوں تک کا انتظام اچھا نہیں ہے باوجودیکہ تارکول کی سڑکیں اور یورپین طرز کے کافی خانے ناچ گھر۔ اور اول درجہ کے ریسٹوران موجود ہیں۔ بس صرف برطانیہ کے کانسل خانہ میں ایک چشمہ ہے جہاں سے لوگ تازہ اور عمدہ پانی خرید کر سکتے ہیں غرضکہ پانی کی صفائی کا کوئی بندوبست نہیں ہے۔

پہاڑی باشندے تو کسی طرح بھی میدانی مقامات پر باوجود حکومت کی کوشش کے رہنے پر راضی نہیں ہوتے اور اس سے نسلوں کے قوی و قد و قامت میں ترقی پذیر ہونے میں گونہ مشکل ہو رہی ہے در اصل اب اصفہان اور مشہد کی عمارات قابل دید ہیں۔ بالخصوص حال کی برآمد شدہ عمارات مقام پرسیپلس جو قدیم ایرانی سلطنت کا دارالسلطنت تھا اور جو ٣٣٠ برس قبل حضرت عیسیٰ کے برباد ہوئی تھی۔ آبادی ملک بھی تقریباً صرف نو ملین کی

ہے۔ اور زراعت ہی پر ملک کا دارومدار ہے لیکن پیداوار ملک تو آبادی کی ضرورتوں سے ضرور زائد ہے اور ہر صوبہ دوسرے کا محتاج نہیں ہے۔ نیز زمانہ حال کی ضروریات زندگی سے عام رعایا روشناس ہی نہیں ہوئی ہے جس سے قناعت اور آرام سے سب کی بسر بُرد کا سامان ہے یہ ضرور ہے کہ اجناس کی قیمت کی کمی سے دیگر ضروریات زندگی کا سامان اچھی طرح نہیں ہوتا ہے۔ بالخصوص پوشاک میں تو عام طور پر سخت کثافت دکھلائی پڑتی ہے تجارتی حالات یورپ کے حالات سے بھی بہتر ہیں۔ درمیانی طبقہ کے لوگ آراضیات و مکانات میں روپیہ لگاتے ہیں اور خود حکومت بھی عمارتوں کی تعمیر اور راستوں کے بنانے کا ٹھیکہ لیتی ہے لیکن قالین سازی کا کام گر رہا ہے کیونکہ قدیم زمانہ کی صنعتوں کو لوگ بھول رہے ہیں اور رنگ آمیزی اب اچھی نہیں رہی ہے نہ مناظر ہی ویسے بنائے جاتے ہیں جیسے کہ پیشتر بنتے تھے۔ روئی کی کاشت بیشک بڑھ رہی ہے لیکن انناس اور کشمش کی جو مشہور تجارت تھی وہ گھٹ رہی ہے۔ چائے کی کاشت کو ترقی ہے۔ چاول کی خرید زیادہ کرتا ہوا اور روئی کی جاپان

آخر سنہ ۱۹۳۲ء کا بڑا واقعہ تو وزیر اعظم تیمور تاش کی گرفتاری اور تیل کے کنوؤں کے معاہدے کی منسوخی ہے۔ جو رضا شاہ کے حکم سے ہوئی تھی کیونکہ وزیر کی خارجی پالیسی کی بدولت برطانیہ سے تعلقات میں ناچاقی کے ہر طرح کے مواقع پیش آتے تھے۔ مگر امریکہ اور روس کی تیل کی کمپنیاں ضرور اسکی طرفدار نہیں۔ گر برطانیہ سے جنگ کا بھی اندیشہ بڑھ گیا تھا۔ وزیر کی گرفتاری و قید میں مر جانے سے امریکہ سے تو کاروبار ختم ہی ہو گیا۔ روس سے اب ایک جدید اقتصادی معاہدہ ہو گیا اور برطانیہ سے تیل کے معاہدہ میں ریلوے کی تعمیر میں آسانی ہو گئی ہے شہر رشت و اصفہان میں تو ذاتی رضا شاہ کے کپڑے بنانے کے کارخانے ہیں سیمنٹ کا ایک کارخانہ حکومت نے طہران کے قریب قائم کیا ہے۔ اور مازندران میں شکر کے کارخانے بھی حکومت کی امداد سے کھل گئے ہیں۔ بیرونی قرضہ کسی جگہ کا بھی اب نہیں ہے اور بجٹ کا توازن تو ایک معجزہ ہی سمجھا جاتا ہے بلکہ نوجوان قومی بنک کے ہاتھ میں ملک کی بازار کا کاروبار و نرخ سب ہی کچھ آگیا ہے اور ایرانی نوٹ یا چاندی تو ملک سے باہر کسی طرح جا ہی نہیں سکتی۔ خالص چاندی کا سکہ تو دنیا بھر کے واسطے ایک معاملہ ہے جس سے افغانستان و بلوچستان کی سرحد پر لوگ خالص سکوں کو چھپا کر نکال لیجانے کی بڑی کوشش کرتے ہیں۔ اور اسکی خاصی چوری ہوتی ہے۔ ملک میں بیکاری اور غربی نہیں ہے اور اسی سے سیاسی بے چینی کا بھی وجود نہیں۔ اور اہل ایران بھی موت اور زندگی کو اس طرح سمجھ رہے ہیں۔

زندگی اصل میں ہے اک قفس طائر روح   موت کیا ہے اسی زندان سے گریزاں ہونا   راز ہستی وہ گرہ ہے جو کبھی کھل نہ سکی
فلسفی کے لئے آخر ہے پشیماں ہونا   سب کو آخر ہو فنا حسن ہو یا عشق و وفا   اہل ہستی کبھی ہستی پہ نہ نازاں ہونا

افغانستان

سنہ ۱۸۵۷ء کی بغاوت ہندوستان کے بعد سے افغانستان کی بھی دنیا میں کچھ اہمیت ہو گئی تھی۔ یہ سلطنت تو دراصل روس و انگلستان کے درمیان ایک سد فاصل ہے۔ ایران سے بھی اسکا بہت کچھ تعلق ہے۔ اسلامی حکومت ہونے کے باعث ترک و ایرانیوں سے برادری بھی ہے۔ روس و انگلستان کے سنہ ۱۹۰۷ء کے معاہدہ سے افغانستان کو گونہ چین نصیب ہو گیا ہے۔ اور اسکو اپنی خارجی پالیسی کا پورا اختیار ہو گیا ہے۔ مگر سنہ ۱۹۱۷ء کی بالشویک بغاوت کے بعد سے جبکہ خیوہ و بخارہ کی حکومتوں کو روس نے مٹا کر بالشویک بنا دیا تب سے افغانستان کی ہمت اور بھی بڑھ گئی ہے۔ گو اسی زمانہ میں انگریزوں سے کچھ ہش پش ضرور ہو گئی مگر پھر صلح ہو گئی۔ روس نے بھی اسکی آزادی کو تسلیم کر لیا تھا اور ایک افغانی وفد ماسکو، برلن، اٹلی و امریکہ تک پہونچا تھا اور ہر جگہ اب اسکے سفیر بھی رہنے لگے ہیں۔ اٹلی نے تو ساٹھ نفر ماہرین فن بھیجکر علمی اور عملی سب طرح کی امداد افغانستان کی کردی تھی۔ روس نے بھی مالی امداد کی۔ بلکہ شاہ امان اللہ خاں کے سامنے تو سرخ فوج نے اسکو اوسوسیٹ میں پریڈ اور سلامی بھی دی تھی مگر افسوس کہ وہ اپنی قوم اور اپنے ملک کی حالت کا پورا اندازہ کئے بغیر یورپین اقلیم پر تل گئے۔ اور ہمسایہ حکومتوں کی ریشہ دوانیوں سے بھی بے خبر رہے۔ غریب خاتون نے نقاب ہی ملکہ سے مغربی پوشاک تک وغیرہ کو زیب تن کر لیا تھا اور یوروپین مستورات کے ناچ بھی سب نے دیکھ لئے تھے لیکن ابھی وہ اپنے ترکی روسی۔ اور ایرانی بھائیوں کی طرح نہ تو تعلیم یافتہ تھے اور نہ متمدن تھے۔ بس امان اللہ کو برطانیہ کے شاہی ہوائی جہاز پر سوار ہو کر اپنے محبوب وطن ہی کو ہمیشہ کے لئے چھوڑنا پڑا یہ ہے تیزی سے دوڑنے اور بے وقت کی شہنائی بجانے کا نتیجہ۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ایک حکمراں کے لئے رعایا اور کل قوم کی نبض شناسی سب سے اولین فرض ہے جس کسی نے یہ نہ کیا خود نقصان اٹھایا اور اسکے ساتھ ملک کی ترقی بھی رک جاتی ہے چنانچہ کابل میں جتنے بھی جرمن یا اطالوی معلمین وغیرہ آئے تھے وہ سب ہی باہر کر دیے گئے۔ بلکہ جو مختصر طلبا بغرض تعلیم برلن بھیجے گئے تھے وہ بھی غریب واپس طلب کر لئے گئے تھے۔ اسی طرح سینکڑوں ترکوں کا دستہ جو افواج کی ترتیب تعلیم وغیرہ کے واسطے آیا تھا وہ بھی واپس ہوا۔

دراصل تو امان اللہ خاں کے خیال میں دیگر مشرقی حکومتوں اور ہندوستان سے امداد کی توقع تھی اور سرحدی جرگے بھی ہندوستان کی طرف گونہ بے چینی دکھلا رہے تھے۔ خود ہندوستان میں ہڑتالیں ہو رہی تھیں۔ بلکہ ہجرت تک

کاشتکار تک بلووں پر آمادہ دکھلائی پڑے تھے بمصر، ایران اور مشرقی عرب تک میں برطانیہ کے خلاف کچھ تحریکیں بھی جاری تھیں۔ کہا تو یہ بھی جاتا ہے کہ بالشیوک روس سے ہر طرح کی امداد کی توقع بند ہو ائی گئی تھی۔ حالانکہ امیر بخارہ سے بھی اسی وقت تعلقات اچھے تھے۔ بلکہ پین اسلازم کا خواب امان اللہ خاں بھی دیکھنے لگے تھے جمال پاشا نے آکر فوج کی کچھ ترتیب بھی کر دی تھی۔ امان اللہ خاں ہی نے تو بادشاہت کا اعلان کرکے امیری ترک کی اور ۱۹۱۹ء میں وہ ہز مجسٹی ہو کر ۱۹۲۹ء تک حکومت پر رہے۔

نادر شاہ مرحوم جو شاہ امان اللہ کے بعد تخت نشین ہوئے انھوں نے ہندوستان، روس اور انگلستان سے تجارتی تعلقات خوبی سے قائم کر لئے اور باہر سے ماہرین فن بلا کر اپنے لوگوں کو ملک میں تعلیم دلوانے کا طریقہ جاری کر دیا اور اب تو در اصل برٹش حکومت کا خاصا اثر افغانستان میں قائم ہو گیا تھا اور سرحد پر گڑ بڑی میں بھی ایک دوسرے کو عذر نہیں تھا۔ اپریل ۱۹۳۱ء میں نادر شاہ نے دریائے پی ۱۰ منج (Pianj) پر ابراہیم بک کی فوج کو شکست دیکر بخارہ کی آخری مہم کو جو سوویٹ روس کے خلاف وہ کر رہا تھا ختم ہی کر دیا تھا۔ وہ ۱۹۲۹ء میں تخت پر بیٹھے تھے لیکن نومبر ۱۹۳۳ء میں شہید ہوئے۔ تب انکے بیٹے ہز مجسٹی محمد ظاہر شاہ ۸ نومبر ۱۹۳۳ء کو بادشاہ ہوئے ہیں۔ نادر شاہ کا قتل تو کسی طالب علم کا فعل مشہور کیا گیا تھا۔

ڈاکٹر شیخ محمد یعقوب ایک سرکاری ملازم نے اپنا ایک بیان ہندوستان ٹائمس میں ۲۰ ستمبر ۱۹۳۵ء میں شایع کیا تھا جس میں موجودہ افغانستان کی حالت دکھلائی تھی اور جسکا خلاصہ ذیل میں درج ہے:-

"تقریباً پچھتر فیصدی افغانوں نے مغربی طرز کی پوشاک کو اختیار کر لیا ہے انکی مستورات بھی انگریزی پوشاک کی شیدائی ہو رہی ہیں لیکن نقاب و برقع ابھی ان میں سلسلہ ہے۔ مرد تو اپنی افغانی ٹوپی سے پہچانے جاتے ہیں ورنہ ان میں اور یورپین لوگوں میں تمیز مشکل ہے۔ پولیس اور فوج بالکل ہی یورپ کے طرز پر بنائی گئی ہے اور اسکے پاس زمانہ حال کے تمام آلات حرب و ضرب موجود ہو گئے ہیں۔ فوج میں جبریہ بھرتی کا قانون بھی جاری ہے۔ پولیس تو اب تمام شاہراہوں پر حال کے قواعد کے مطابق انتظام کرتی ہے مجرموں کا کھلی عدالت میں مقدمہ ہوتا ہے اور مولویوں اور ملاؤں کا اثر بہت کچھ گھٹ رہا ہے سیاحوں کو بھی ہر طرح پر حفاظت اور امن کا منظر ہر طرف نظر آتا ہے۔ ملک میں کشت و خون کا کہیں بھی اب پتہ نہیں ہے۔ لیکن خاندان شاہی کو ابھی تک امان اللہ شاہ کا ڈر غالب ہے محمد ہاشم خاں وزیر اعظم ہیں جو شاہ کے چچا ہیں۔ در اصل انھیں کی بیدار مغزی اور فراست سے ملک کا انتظام نہایت ہی معقول

طریقہ پر چل رہا ہے۔ دن رات میں اٹھارہ گھنٹے کام کئے بغیر وہ سوتے ہی نہیں بیشک امان اللہ شاہ کے وقت کی عمارات اور سڑکیں ابتک اُنکی یاد کو نہیں بھولنے دیتی ہیں اور باطناً لوگ اب بھی اُن سے ہمدردی رکھتے ہیں۔ ہندوؤں کو اسوقت یہاں بھی ہر قسم کے حقوق حاصل ہیں مگر اُنکی مستورات بھی برقع پوش ہیں"

اسی طرح ۸ ارنومبر ۱۹۳۵ء کے اخبار "بٹر یٹھ" کے صفحہ ۷ پر موجودہ افغانستان کی بابتہ جو مضمون ہے اسکا خلاصہ ناظرین کے لئے درج ذیل ہے :-

"یوم آزادی کے موقع پر بیس ہزار سپاہی بادشاہ کے سامنے سے گذرے اور یہ رسم پانچ گھنٹے تک قائم رہی۔ فوج کے پاس ہر طرح کے زمانہ حال کے اسلحہ ہیں۔ سردار محمد خاں فوجی وزیر ہیں اور فوج کو اُنپر کامل اعتماد ہے۔ فوجی سپاہی عموماً "پختون" قوم کے ہیں۔ اُنکے واسطے فوجی اکیڈمی ہے اور کیڈٹ سکول ہے اور اب باہر کے افسر تک قومی تعلیم کے واسطے نہیں رہے ہیں۔ اُنکے مشہور شہر مثلاً کابل، قندھار، ہرات، مزار شریف اور کابل تک میں موٹروں کے چلانے کے لائق عمدہ سڑکیں بنی ہوئی ہیں متعدد ڈاکخانے اور تار گھر بن گئے ہیں۔ ٹیلیفون کا سلسلہ بھی خاصا پھیلا ہوا ہے۔

تعلیم کی طرف بھی حکومت کو خاص توجہ ہے۔ ملک کے تقریباً چھ سو طلبا حکومت کے صرف سے تعلیم پا رہے ہیں ہندی، ترکی، جرمن اور فرانسیسی پروفیسر تعلیم گاہوں میں ملازم ہیں۔ نہروں کے بنا دینے سے بڑے بڑے حصہ ملک جو ویران تھے زیر کاشت آگئے ہیں۔ مصری روئی کی کاشت زائد تر ہونے لگی ہے۔ نیشکر بھی آزمائش کے طور پر بویا جا رہا ہے۔ جیل کا انتظام بھی معقول ہوگیا ہے۔ کپڑے اور کھانا قیدیوں کو ملنے لگا ہے۔

بادشاہ کے نیچے قومی پارلامنٹ ہے اور اسی سے وزرا منتخب کئے جاتے ہیں اور اہم معاملات میں وزارت اور پارلامنٹ کا مشورہ طلب ہوتا ہے بیکاری کا تو وہاں وجود ہی نہیں ہے۔ اور صرف اہل ملک ہی موٹر وغیرہ چلا سکتے ہیں۔ صفائی کا محکمہ قائم ہے مگر قدرتی سامانوں کے باعث اسکی زائد ضرورت نہیں ہوتی۔

سردار محمد ہاشم خاں وزیر اعظم کی وزارت ۱۹۲۹ء میں قائم ہوئی تھی جبکہ بچہ سقہ نے بغاوت کی تھی۔ اور جس سے کہ ملک بھر برباد و تباہ ہوگیا تھا۔ اسی وزارت نے بڑے بڑے کام کر کے دکھلا دیئے ہیں اور رفتہ رفتہ ہر قسم کی ترمیمات اور ترقیاں ملک میں ہو رہی ہیں ۱۹۳۵ء کے پروگرام سے تعلیمات کے محکمہ نے کثرت مدارس ابتدائی و ثانوی تعلیم کے واسطے کھول دیئے ہیں ایک افغانی محراب احمر مثل ہلال احمر ترکی بھی ترتیب دی گئی ہے

اسی طرح اسپتال بھی جدید طرز پر قائم ہو رہے ہیں اور فنی و علمی تحقیقاتوں کے واسطے محکمہ جات بھی بنائے گئے ہیں
مرحوم نادر شاہ نے جو ایک حفظان صحت کا ادارہ قائم کیا تھا اور جو قوم کے نذر کیا تھا اسکو بہتر طریقہ پر درست کر کے
متعدد اسپتال اور شفاخانہ جات وغیرہ کو اس سے ملحق کیا گیا ہے۔ جدید تعلیم یافتہ ڈاکٹر جو طبی کالج سے نکلتے ہیں
انھیں کو تمام ملک میں مقرر کیا جا رہا ہے اور جبریہ تعلیم بھی غالباً جلد جاری ہوگی

افغانی قومی بنک حکومت کی طرف سے جو قائم ہوا تھا اس نے نوٹوں کو بھی جاری کر دیا ہے۔ اور سال کی آمدنی میں اس سے بچت ہو رہی ہے ٹیلیفون، ریڈیو، تار وغیرہ میں بھی خبر رسانی کے انتظامات بھی ہو گئے ہیں بلکہ جرمنوں سے قندھار کی ایک سونے کی کان کے متعلق بھی معاہدہ ہوا ہے۔ اور امریکہ سے ہرات کے تیل کے کنوں کے کام کے بابت۔ اسی طرح اب ریل نکالنے کا بھی ارادہ ہے مگر جاپانی ماہرین فن کی تعداد ملازمین میں زائد

اخبار ہندوستان ٹائمس مورخہ ۵ جولائی ۱۹۳۷ء کی خبر سے یہ معلوم ہوا تھا کہ "سردار فیض محمد خان وزیر امور خارجہ افغانستان ۳۰ جون کو کابل سے طہران تشریف لے گئے تاکہ غیر جانبدار معاہدہ (Non-aggre-ssion) کے صلحنامہ پر جو ایران سے ہوا ہے دستخط کرائیں۔"

سوویٹ روس

سوویٹ روس کا رقبہ کل دنیا کا ۱/۶ ہے اور آبادی بھی تقریباً ڈیڑھ سو ملین نفوس کی ہے۔ تاہم سمندر کا راستہ اس کے قبضہ میں مکمل طور پر کہیں نہیں ہے۔ دراصل وہ اب بھی ایک زبردست بری اور ہوائی طاقت ہے ۱۹۰۵ء کی جاپان و روس کی لڑائی سے جس میں روس کو شکست ہوئی تھی اسکے باعث روس کا اگلا سا جبروت تھا کچھ ان سے بہت کچھ جاتا رہا تھا مگر اب تو مزدوروں اور کاریگروں بلکہ عوام ملک کی حکومت کے سبب وہ پھر دنیا بھر کے لئے بہت ہی زبردست خطرہ ہو چلا ہے۔ شہنشاہیت کی پالیسی سے کل رعایا نے بیزار ہو کر ان سب کو تہ و بالا کر کے طاق رکھ دیا تھا اور اپنی ہمسایہ سلطنتوں سے ہر طرح کا میل کر کے اور انکی امداد کر کے خاصا اثر سب طرف پھیلا لیا

زار روس کے وقت تک وہ دوانیال پر اسکا ہمیشہ دانت رہا اور باسفورس پر کامل الاختیار ہونے کی آرزو بھی ہمیشہ قوم بھر کے دل میں رہی دنیا میں عیسائیت کو پھیلانا اور یورپ و ایشیا میں روسی سکہ چلانا حکومت کی تمنا رہی۔ جنگ عظیم یورپ ۱۹۱۴ء کا باعث بہت کچھ زار روس کی شہنشاہی کی پالیسی بھی تھی۔ اسلام اور اسلامی سلطنتوں کا مٹانا نیز ہندوستان پر بڑھنا وغیرہ بھی روسیوں کی سلطنت کا بہت بڑا

ارمان تھا۔ مگر قدرت کا کھیل کسی کو نہیں معلوم ہے۔ روس و جاپان کی جنگ اور ۱۹۰۵ء کی خود اندرونِ روس کی بغاوت نے ملک بھر کی آنکھ کھول دی تھی چنانچہ بخارا، سمرقند بلکہ مرکزی ایشیا بھر کے خیالات میں ایک عظیم انقلاب شہنشاہیت کے مٹانے اور کمیونزم کے رائج کرنے کا پیدا ہو گیا تھا۔ اسی طرح پر گویا یہی دوسری بین الاقوامی جماعت (Second International) تو مدتوں سے قائم تھی اور لندن میں ۱۸۹۶ء میں اسکی کانگریس ہوئی تھی اور دنیا کی تمام قوموں کو اپنے متعلق "خود تصفیہ" کا اختیار اسی کانفرنس میں دیا جا چکا تھا۔ نیز پیرس میں ۱۹۰۰ء میں اور ایمسٹرڈام میں ۱۹۰۴ء میں مذکورہ پالیسی کی تجدید بھی کر دی گئی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ ۱۹۰۳ء سے بالشویک فرقے کی ابتدا ہوئی تھی اور یہی کمیونزم کے اصلی حامل تھے اور ان کی دوسری بین الاقوامی جماعت بھی اصول کمیونزم ہی کی حامی تھی۔ مذکورہ تمام دنیا کی اقوام کو اپنے اپنے "خود تصفیہ" کرنے کا اصول انکی ۱۹۰۷ء کی کانگریس نے بمقام اسٹٹگارٹ (Stuttgart) نیز اسٹیلن (Stalin) نے ۱۹۱۳ء میں اور نیز روس کی بالشویک کانفرنس نے ۱۹۱۷ء میں بمقام لینن گراد (Leningrad) منظور کیا گیا۔ بلکہ [illegible] زار کے کل خاندان کو قتل بھی کیا گیا۔ اور اس انقلاب کا مقصد یوں بیان کیا گیا کہ سلطنت اور امارت اور زمینداریوں کو مٹانا۔ عوام ملک کو آزادی انقلاب کا مقصد یوں بیان کیا گیا تھا کہ "سلطنت، امارت اور زمینداریوں کو مٹانا۔ عوام ملک کو آزادی، صلح اور اراضیات دینا۔ کاشتکاروں، مزدوروں اور کاریگروں کی حکومت کو ملک میں رائج کرنا" اور اُن کا نعرہ "انقلاب زندہ باد" تھا۔ جب [illegible] کیرنسکی روس سے بھاگ نکلا اور بالشویک قوت بڑھ گئی تو روس کے چند دن بعد اہل ملک نے مساوات، حریت اور آزادی کے نصب العین کا اعلان کر دیا۔ نیز اصلی قومی حکومت بھی قائم ہو گئی بلکہ ہر شہر و قصبہ، گاؤں میں وہاں کی علیحدہ علیحدہ خود اختیاری حکومت کے قیام کی منظوری دیکر تمام قومی و مذہبی رعایات بھی کی گئیں اور آزادی سے اقلیتوں نیز ہر قوم و مذہب کے لوگوں کو ترقی کی اجازت بھی دی گئی۔

آخری شہنشاہ روس کی حکومت تو دو براعظموں پر تھی جس میں ۱۷۵ مختلف اقوام و فرقے تھے اور ۱۵۰ قسم کی زبانیں بولی جاتی تھیں۔ سلطنت کا رقبہ جو آٹھ لاکھ مربع میل ۱۵۰۵ء میں تھا وہ ۱۹۱۷ء میں ۸۵ لاکھ مربع میل تک پہنچ گیا تھا۔ مگر ظلم، جبر اور ہر قسم کے استبداد و شہنشاہیت کے حملوں کے باعث تمام رعایا نہایت ہی پس ماندہ اور بے تعلیمی کی حالت میں رہتی تھی۔ اقتصادی حالت تو اس قدر خراب تھی کہ پیٹ بھر روٹی ملنا غرباء اور عوام کو مشکل تھا۔ تب لینن (Lenin) اور اسٹیلن (Stalun) وغیرہ [illegible] مسلم رعایا کے واسطے اُسی وقت ایک ایسا اعلان شائع کر دیا کہ جس سے سب کو یہ اطمینان دلایا گیا کہ اُنکے حقوق [illegible] رسوم و رواج [illegible]

اور مذہبی ادارے اور تہذیب تک بالکل محفوظ رکھے جائینگے۔ پس دیگر اقوام کے ساتھ ساتھ خیوہ۔ بخارا۔ اور گویا وسط ایشیا تک مخصوص ملک آزاد ہی ہو گئے۔ جہاں کہ تین کروڑ کے قریب مسلمان آباد تھے بخارا کے اعلان نے تو دنیا بھر کی آنکھیں بھی کھول دی تھیں اور اسکا مضمون یہ تھا "اے وسط ایشیا کے مسلمانو۔ ایرانیو ترک۔ عرب اور ہندو۔ تم سب جنگی جانیں۔ مال۔ جائداد آزادی اور رسومات سیکڑوں برسوں سے یورپ کے خونخوار اور خون چوسنے والے جانوروں کے ہاتھوں بک چکے تھے وہ لوگ جنگی کارروائیات ڈاکوؤں کے درمیان تقسیم ہوا کئیں اور جو جنگ کے بانی مبانی تھے۔ ہم تم سے کہتے ہیں کہ قسطنطنیہ کے حاصل کرنے کا اقرار جو بذریعہ ایک خفیہ معاہدہ کے ہوا تھا اور جس پر معزول زار روس اور معزول وزیر کرنیسکی کے دستخط تھے وہ منسوخ کیا گیا۔ روسی دستوری حکایت یعنی عام ملک کے سوویٹ کا معیار کہ لوگوں کی زمین پر قبضہ کرنے سے انکار ہے قسطنطنیہ بھی مسلمانوں کے ہاتھوں میں رہیگا۔ ہم اعلان کرتے ہیں کہ ایران کی تقسیم کا معاہدہ بھی منسوخ کر دیا گیا۔ اور جیسے ہی کہ فوجی کارروائی ختم ہوگی۔ ایران سے روسی فوجیں ہٹا لی جائینگی ایرانیوں کو بھی اپنی سیاسی قسمت کے فیصلے کا آزادی سے طے کرنے کا یقین دلایا جائیگا۔ ہم یہ بھی اعلان کرتے ہیں کہ جو صلحنامہ ٹرکی کی تقسیم کے بابت اور آرمینیا کی علیحدگی کے بابت ہوا تھا وہ بھی منسوخ اور ختم سمجھا جائیگا۔" چنانچہ ۱۹۱۷ء میں مشرقی دنیا کے متعدد دشمن بھی اسکو اپنے اوپر مظالم کی فریاد میں لیکر پہونچ گئے تھے در اصل تو روس نے ۱۸۲۸ء سے ایران کو بھی قرض دیکر ایک طرح پر اپنا غلام ہی بنا رکھا تھا اور شمالی ایران کے غلہ کی پیداوار پر نہ صرف اسکا دانت ہی رہا بلکہ اسپر قابض ہی تھا جس طرح کہ برطانیہ کا جنوبی حصہ پر دانت تھا اور نتیجہ میں تو دونوں نے گو ۱۹۰۷ء میں ایران کی تقسیم ہی کر لی تھی تیل۔ کوئلہ۔ اور لوہا سب پر قبضہ کر لیا گیا تھا اور دو کروڑ ایرانی کچھ نہ کر سکے تھے۔

جنگ عظیم یورپ ۱۹۱۴ء کے واقع ہونے کے وجوہ میں روس کی شہنشاہیت کی پالیسی بھی کہی جاتی تھی مگر سوویٹ روس کی پالیسی تو شاہان روس کے زمانے کی پالیسی سے بالکل ہی مختلف ہے یہ تو بین الاقوامی انقلابات اور قومیت ہی کو پورے طور پر لئے ہوئے ترقی اقتصادیات کے ساتھ مذہب سے سیاسیات کو بالکل ہی جدا کر کے اپنی اندرونی اور خارجی حکمت عملی میں عمل کرنے پر اڑا ہوا ہے اور ہندوستان۔ افغانستان ایران بلکہ ڈچ ایسٹ انڈیز و چین وغیرہ ممالک میں اپنے انہیں اصولوں کی بنا پر کامیابی سے کوشش کے لئے اسکا آئندہ کا پروگرام صاف صاف دنیا کو دکھلا رہا ہے۔ اور ممکن ہے کہ دنیا کی دیگر بڑی بڑی سلطنتوں تک

میں اُسکا جال پھیلا ہو۔ کیونکہ ہر جگہ کچھ نہ کچھ معاشرتی و سیاسی انقلابات سوویٹ روس کے مثل دکھلائی پڑ رہے ہیں اور جب سے کہ خود روس میں سرمایہ داری اور شہنشاہیت کو مٹا کر خود کسانوں کو زمیندار بنا دیا گیا ہے اور مزدوروں ہی کو کارخانوں کا مالک اسوقت سے دنیا بھر میں سخت انقلابات کی لہر دوڑ گئی ہے۔ یہ بھی واقعہ ہے کہ جرمنی ہی کی توپوں نے روس شاہی افواج کا خاتمہ کیا تھا حالانکہ خود جرمنی کو سوویٹ روس سے اتفاق نہ تھا اور نہ ہے۔ بس صرف یہ ہوا تھا کہ فرقہ کمیونسٹ نے صناعوں۔ کاریگروں۔ مزدوروں اور کاشتکاروں کی امداد سے ایک سرخ فوج تیار کر لی تھی۔ جس سب کا نتیجہ یہ ہوا کہ شہنشاہیت مٹی اور کل اراضیات و ملکی اداروں اور کارخانوں بلکہ ہر شئے کی مالک خود قوم ہو گئی اور اب اسی کی حکومت ہر جگہ ہے۔ ملک کے بڑے بڑے دولتمندوں، زمینداروں اور علاقہ داروں کے گروہ کے گروہ جنکو کولک (Kulak) کہتے تھے اور جنکی تعداد تقریباً سولہ ملین تھی" سب ہی کو تو شمالی حصہ روس اور سائبیریا کی طرف نہ صرف ملک بدر کیا گیا بلکہ غلام مزدوروں کی طرح انکی سب طرح کی گت بنوا دی گئی۔ سوویٹ کے حال کے پروگراموں سے تو دنیا کو یہ نظر آ رہا ہے کہ ہر قسم کی شئے جو روس سے بنکر باہر جاتی ہے وہ دنیا بھر سے ارزاں قیمت پر فروخت ہوتی ہے۔ اور اسی سے اسکے سکہ کی بھی قیمت کم ہو گئی ہے نیز سلطنت کی طرف سے جو تجارت ہوتی ہے وہ بیحد بڑھ گئی ہے گر فرداً فرداً تاجر پریشان ضرور معلوم ہوتے ہیں۔ کل حصہ سلطنت میں تقریباً ہر شہر و صوبہ سوویٹ اتحاد کا ممبر ہے۔ آذربائجان و ترکستان میں مسلم آبادی زیادہ ہی ہے۔ اور تقریباً اٹھارہ ملین ترک اب بھی روسی رعایا ہونے کے دعویدار ہیں اور جبل یورال کے صوبہ قازان اور دریائے والگا (Volga) کے کنارے پر نیز اورن برگ (Orenburg) سے لیکر استراخان تک تاتاری مسلم آبادی زائد ہے۔ خاص ترکستان میں تو اوزبیک (Uzbeks) اور کرگیز (Kirgiz) کی اقوام بھی ترکی نژاد ہیں۔ ماورائے قاف و آذربائجان میں شیعہ مسلم آبادی ہے اور وہاں تو مستورات کو رائے دینے اپنی ووٹ کا حق عرصہ سے حاصل ہے۔ ڈیوما۔ جو کہ روسی پارلامنٹ ہے اس میں بھی مسلمانوں کی خاصی طرح نمائندگی ہے۔ ملک کی صنعتی پیداوار کے بڑھانے میں ہر قوم و مذہب کا حصہ ہے اور وہ بہت تیزی سے بڑھ رہی ہے۔ مگر قاف کی معدنی پیداوار کے حصول کے لیے شمالی حصہ ایران پر سوویٹ کا دانت ابتک لگا ہوا کہا جاتا ہے جو سوویٹ کے اصولوں کے خلاف ضرور ہے۔ اسکے لیے زلفاد (Zulfa) سے تبریز تک ریل بھی بنگئی ہے۔ ایسے ہی خیال کیا جاتا ہے کہ گویہ وہیں حصہ روس میں جنگل و پہاڑ زیادہ ہیں

مگر اس کے جانب جنوب یوکرین (Ukraine) کے زرخیز و لہلہاتے ہوئے میدانوں پر سوویٹ کی نگاہ حرص بھی ہر وقت لگی رہتی ہے۔

اناطولیا کی خام پیداوار کے عوض اپنی صنعتی تجارت دیگر اور دردانیال پر ترکوں کے قبضے کے باعث استنبول کے ذریعہ عام ملکی تجارت کو بڑھانے کا اب روس کو بڑا موقع ملگیا ہے اور اسی سے دردانیال پر ترکی کے قبضہ کی اسنے تائید بھی کردی تھی لیکن کچھ عرصے سے روس کی سوویٹ حکومت کے خلاف اسی کے ایک فرزند ارجمند ایم ٹراٹسکی (M. Trotsky) نے سخت خلفشار مچا رکھا ہے اور روس میں پھر بغاوت کی بنیاد ڈالدی ہے۔ جرمنی اور جاپان تو اسکے کھلے دشمن ہی ہیں مگر خفیہ دشمنوں کی تو حد ہی نہیں ہے۔ تاہم فرانس سے دوستی کرکے روس کے متعلق یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ شاید اسی سے اس کی جان بچ جاوے اسکے پاس اب (۱۵۳۵۰۰۰) تو باقاعدہ فوج ہے۔ اور (۱۹۴۶۰۰۰) سپاہیوں کی تعلیم بھی ہو چکی ہے مگر وہ محفوظ فوج کے طریقہ پر رکھے جاتے ہیں۔ جنگ عظیم یورپ کے درمیان گو اسکو اسٹیم رولر کا نام دیا گیا تھا۔ مگر وہ غلط ہی ثابت ہوا۔ لیکن موجودہ سرخ فوج کے پاس پورا اور خاصا سامان جنگ موجود ہے۔ اسی کے بعد اٹلی کے متعلق فوج کا اندازہ کیا جاتا ہے کیونکہ اسنے بھی (۱۲۴۳۱۲۰۰) باقاعدہ فوج تیار کرلی ہے مگر اسکی ریزرو فوج صرف (۵۹۹۴۳۲۹۶) ہے۔ اب روس کی فوجی قوت کو دیکھتے ہوئے جبل یورال پر کسی کو حرص کی نظر ڈالنا آسان نہیں رہا ہے۔ افسوس ہے کہ آجکل بھی کچھ بدلی ہے اور انکی سازش کی سزائیں اسوقت بڑی احتیاط سے نہیں دی بھی جارہی ہیں بلکہ سینکڑوں موت کے گھاٹ اتارے جارہے ہیں۔

منگولیا

چنگیز خانی حملوں کا ذکر اس کتاب میں آچکا ہے اسلئے کچھ حال چنگیز خاں اور منگولیا کے خوانین کا بھی یہاں بیان کردینا ضروری ہے۔ چنگیز خاں نے تیرھویں صدی عیسوی میں حملے کرکے نہ صرف منگولیا کے قریب کے حصوں کو فتح کیا تھا بلکہ صحرائے گوبی، وسط ایشیا، چین، پولینڈ، ہنگری اور دیگر یورپ کی ریاستوں کو بھی زیر، روسی شاہزادوں کی چھوٹی چھوٹی حکومتوں کو اپنا حکم بردار بنا رکھا تھا۔ مگر اس وقت کے بادشاہوں اور شہزادوں کا اصول حکومت یہ تھا کہ لوٹ مار کرکے اپنے گھروں یا دار السلطنت کو واپس چلے جاتے تھے۔ اور گھر بیٹھ کر سب مل جلکر مال غنیمت کو کھا پی لیتے اور پھر عیش و عشرت کے بعد بالکل کنگلے ہو جاتے تھے۔

چنگیز کا دار السلطنت تو پہلے یورگا (Urga) تھا لیکن بعد میں پیکنگ (Peking)
ہوگیا اور اسکے لڑکوں نے سلطنت کو تقسیم کر لیا جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ اسکے مفتوحین نے بدلا لیکر اسکی بچھائی
ہوئی حکومت کی بساط کو پلٹ ہی دیا اور وسط ایشیا میں متعدد خوانین مختلف حصوں پر قابض ہوگئے۔ مگر
روسیوں نے وہاں انکے ختم کر دینے میں خاصا حصہ لیا تب ہندوستان میں آکر وہ منگولین سلاطین بنگئے
مگر چین میں سے تو ۱۳۶۸ء میں انکی حکومت ہر طرح ختم ہوگئی۔ بلکہ بدھ مذہب کے پیروؤں نے تبت سے نکلکر
اپنا مذہب بھی ان میں پھیلا لیا۔ یہاں تک کہ تھوڑے ہی دنوں میں منگولیا میں ایک لاکھ لاما یا بدھ مذہب کے
فقرا جنکو کہ منک (Monk) کہتے ہیں پھیل گئے۔ اور جنگ عظیم یورپ سنہ ۱۹۱۴ء کے وقت تک وہاں
انھیں لاماؤں کی حکومت تھی جس طرح کہ روسیوں اور چینیوں کے ہاتھ میں وہاں کی تجارت تھی۔ گو بعد میں
چینی بھی وہاں سے خارج کئے گئے اور سنہ ۱۹۱۹ء تک تو وہاں بھی ایک آزاد خود اختیاری حکومت بنگئی۔ مگر اسی
سنہ ۱۹۱۹ء میں ایک چینی جنرل نے جو جاپان کا ایجنٹ تھا منگولیا پر حملہ کر دیا اور اسکی آزاد حکومت کا خاتمہ بھی۔ نیز
جنرل بیرن آن جرن (Baron Ungern) نے جاپان کی امداد سے یورگا پر بحیثیت ایک
ڈکٹیٹر کے حکومت بھی کر لی بلکہ خلیج بنگال اور ساہیریا کو مسخر کرنے کا بھی خواب دیکھنے لگا۔ اسپر منگولیا کی قومیت
کے گروہ نے سویٹ روس سے ۱۰ اپریل سنہ ۱۹۲۱ء کو فوجی امداد کی خواہش کر دی۔ اور روس کی مدد سے آن
جرن اور اسکی فوج کا بھی خاتمہ کر دیا گیا۔ تب ایک قومی حکومت جیپر لونگد الاما کی سرداری منظور کی گئی تھی قائم
ہوگئی مگر جب وہ سنہ ۱۹۲۴ء میں مرگیا تو دستوری حکومت قائم ہوگئی اور سویٹ روس سے باہمی معاہدہ ہوکر روس نے
انکی آزادی کی ذمہ داری بھی کر لی۔

جرمنی

جنگ عظیم یورپ سے قبل جرمن قوم کے بابت عام طور پر یہ خیال تھا کہ اسے غصہ تک مشکل سے آئے گا
اور اپنی سمجھداری اور بہادری پر کامل بھروسے کے باعث وہ کسی بڑی آگ میں نہ پھاندے گی بلکہ دنیا بھر کا
سوشلسٹ گروہ بھی انکا ہم خیال ہو کر سامان جنگ تک لڑنے والوں کے لئے مہیا نہ ہونے دیگا۔ یورپ والے
تو یہ بھی سمجھ رہے تھے کہ جرمن لوگ بلا کے جفاکش۔ کفایت شعار۔ علم و ہنر میں ہر طرح سب سے بڑھے چڑھے
قوانین و قواعد کے پورے پابند۔ اپنے ملک پر جان و مال قربان کرنے والے اور اپنی سائنس دانی و بہادری

سے میدان جنگ کے زبردست پہلوان تھے۔ نیز اپنی دماغی قابلیتوں سے انھوں نے ایسے آلات حرب ایجاد کر لئے تھے کہ دم کے دم میں دشمن کو فنا کر سکتے تھے۔ مگر ۱۹۱۴ء میں کچھ ایسی ہوا چل گئی کہ لڑائی میں نہ صرف وہ پچھاڑ پڑے بلکہ درحقیقت وہی اتحادیوں کے اصلی حریف مقابل بنگئے اور ایک وقت میں تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ بس دنیا بھر کو محکوم بنا لینگے۔ ترکوں کی بھی وہ خاصی مدد جنگ میں کرتے رہے۔ مگر تقدیر کا پانسہ انکے خلاف تھا۔ اتحادیوں کا اقبال زور پر ہوتے ہی وہ ہارنے لگے اور جب جنگ ختم ہوئی تو معلوم ہوا کہ اپنی نو آبادیات تک سے وہ محروم کر دئے گئے۔ مگر یورپ میں انکا زیادہ نقصان نہیں ہونے پایا۔ مگر انکے سکہ اور نوٹ تک کی کوئی قیمت نہیں رہی تھی جرمن مارک کے گر جانے سے کروڑوں بندگان خدا مفلس و محتاج ہوگئے تھے اور جرمنی کے واسطے بجائے دعا کے ہر ایک کے دل سے بددعا نکل رہی تھی اور نکل رہی ہے جسکا نتیجہ یہ ضرور ہوا کہ قیصر ولیم کو تخت سے محروم ہونا پڑا اور گو ہر سلطنت کی زبان پر صلح دائمی کے الفاظ تھے مگر دلوں میں ایک دوسرے سے بدلا لینے کا خیال یورپ میں گھن کی طرح کام کرنے لگا۔ ترکوں نے بھی یہ سمجھا کہ جرمن قوم نے غلط انداز سے کر کے انکو بھی پامال کرا دیا۔ تاہم جرمن قوم نے پھر اپنی ملکی اقتصادی تعمیر کی طرف پوری توجہ کر دی اور بجائے بادشاہ کے ایک معمولی گھرانے سے یہ کام کرنے والے رہنے کو جو بڑھکر اپنی قابلیت سے اونچا ابھر گیا تھا۔ حکومت عالم اعلیٰ کے منصب کا موقع قوم بھر نے دیدیا اور جسکا نام ہٹلر ہے۔

جرمنی کے مشہور فیلڈ مارشل ہنڈنبرگ تک نے ہٹلر کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا اور دنیا نے یہ دیکھ لیا کہ انفرادی استبدادیت (Dieta lozopahy) اور دماغی قابلیت کے سامنے آلات حرب بھی کند ہو سکتے تھے۔ ہٹلر نے تو حکومت کو ہاتھ میں لیتے ہی یہودیوں کی خبر لے لی اور ترکی کی طرح انہیں کو تمام تر فسادات عالم کا سبب قرار دیکر سلطنت سے اخراج کا حکم دیدیا ساتھ ہی اسکے جرمن قوم کا آرین نسل سے ہونا ثابت کر کے نوآبادیات کی واپسی کا مصمم ارادہ بھی ظاہر کر دیا اور ترکی کی اقتصادی و فوجی ترقی میں جرمنی کی بھی بہت بڑی امداد شامل ہے جرمنوں میں خود قومی معاشرتی اتحاد (National Solu tion) کی روح ہٹلر نے ایسی پھونک دی ہے کہ ہر قوم اور ملک کی ترقی کے واسطے وہ ہاتھ بڑھانے کو پھر آمادہ نظر آرہے ہیں اور اقتصادیات صنعت کی وہ ترقی انھوں نے پھر ۱۹۳۶ء تک کر کے ایسی پر دکھلا دی ہے کہ دنیا بھر انکی ویسی ہی قائل نظر آتی ہے جیسے کہ ۱۹۱۴ء سے پیشتر تھی اور انکا قومی معاشرتی اتحاد بھی سیاسی سرحدوں کو اب پھر پار کرتا نظر آرہا ہے ہر ملک ان سے اور وہ ہر ملک سے صلح کے خواہشمند کہے جاتے ہیں۔ آلات حرب کے محدود کرنے کے بھی ...

لیکن دنیا کی کوئی بھی حکومت انکی جانب سے مطمئن نہیں ہے۔ کہیں بھی کسی قسم کا کوئی جھگڑا ہوا اونکا قدم درمیان میں ضرور دکھلائی پڑتا ہے۔ حبشہ و اٹلی کی جنگ میں یا اسپین کی اسپین کی لڑائی میں انکا نام اور انکے اسلحہ درضاکاروں کا ذکر ضرور اخبار وں سے کسی نہ کسی طرف امداد دیتا ہوا ظاہر ہوتا ہے۔ فرانس کو تو سار پر قبضہ کرکے انھوں نے یہ بھی دکھلا دیا کہ جس وقت بھی وہ اپنی کھوئی ہوئی ملکیت کو لینا چاہینگے تو ضرور لے لینگے اور دوسرے منھ دیکھتے ہی رہ جائینگے۔ بالخصوص آسٹریا۔ اور ہنگری کی موجودہ منقسم سلطنتوں کو تو ان سے ہر وقت ہر قسم کا اندیشہ ہی لگا ہوا ہے اور اب تو ہر ہٹلر اور مسولینی کے اتحاد سے پھر دنیا لرزہ بر اندام ہے اور جس وقت بھی جو نہ ہو جائے تعجب نہیں ہے۔ مصطفےٰ کمال پاشا بھی اپنی خیر ہی مناتے رہتے ہیں۔ ہنگری کو بھی یہ ڈر ہے کہ جس دن آسٹریا اور جرمنی مل گئے تو اسکا پتہ بھی صفحہ ہستی پر نہ لگے گا۔ کیونکہ جرمن نازی افراد کی کوششوں سے ایسا واقعہ بعید نہیں ہے اخباروں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ دریائے ڈینیوب کے گرد کی ہر حکومت جرمنوں سے خائف رہتی ہے انکی اقلیت تک کو ہر ایک اپنے یہاں خطرے کی چیز سمجھتا ہے۔ اور پریسیڈنٹ ولسن کے اقلیتوں کے حقوق کے اعلان نے اگر کسی کو دنیا میں نفع پہونچایا ہے تو جرمنوں ہی کو ورنہ دوسروں کے واسطے تو وہ کاغذی حقوق ہیں اور عملاً انکی کوئی قیمت نہیں ہے۔ یوگوسلیویا (Yugoslavia) میں نو چھ لاکھ جرمن باشندے موجود ہونا بیان کئے جاتے ہیں۔ ہنگری کی آبادی میں جرمن لوگ بکثرت ہیں۔ اور شمار سے معلوم ہوا ہے کہ سات فیصدی کل آبادی کی نسبت سے جرمن لوگ ہنگری میں بسے ہوئے ہیں جنمیں سے ۴/۳ حصہ محض کسان ہیں۔ اسی طرح بوڈاپسٹ کے گرد سوابی اقوام مواضعات میں نیز صحرائے بیکن اور پکس (Pics) کے گرد کا ضلع بھر جسکو سوابین ٹرکی (Swabian Turkey) کہتے ہیں وہاں بھی جرمن لوگ بکثرت ہیں اور یہ سب لوگ دولت کے حصول کے طریقوں سے ایسے آگاہ ہیں کہ وہ سلطنت کے واسطے جہاں ہر طرح باعث فخر اور قدر سمجھے جاتے ہیں۔ وہیں بیحد خطرناک بھی۔

ہنگری اور جرمنی کے تجارتی تعلقات اسقدر بڑھ گئے ہیں کہ علیٰحدگی مشکل ہے اور ہنگری کی حکمت عملی نے ہنگری کو اسپر مجبور کر رکھا ہے کہ جرمنی سے اوسکا اتحاد بھی ضروری ہے۔ نیز رومانیا اور یوگوسلیویا کو جو صوبہ جات ہنگری سے لیکر اتحادیوں نے دلوا دیئے ہیں انکے واپس لینے کی بھی فکر ہر وقت ہنگری کو لگی رہتی ہے اور اسکے خیال میں بجز جرمنی کے انکی خواہش کے پورا کرانے میں کوئی امداد نہیں کرسکتا۔ گو ساتھ ہی اسکے یہ ڈر بھی لگا ہوا ہے کہ کسی دن یہ جرمن لوگ اپنی قومیت کے زور میں دوسروں سے ساز کرکے انکی تسخیر نہ ہم

ٹل جائیں بلکہ نتیجہ میں تو سب کو یہ نظر آرہا ہے کہ ہر قوم اپنے کو آلات حرب وضرب سے آراستہ کر کے پورے
طور پر آئندہ کی کسی بڑی جنگ کے واسطے دنیا میں تیاری کر رہی ہے۔
غرضنکہ آب و آتش خاک، باد سب ہی عناصر موجودہ دنیا کے لئے بجائے رحمت کے زحمت ثابت ہو رہے
ہیں پھر انفرادی استبدادیت کا زور جس قدر جرمنی میں ہے۔ ویسا ہی اٹلی میں اور ویسا ہی ٹرکی و ایران
میں بلکہ سب ہی جگہ۔ گو یہ ضرور ہے کہ شہنشاہی انفرادیت سے دنیا ضرور دور جا رہی ہے اور شہنشاہیت کے اصول
کو مٹانے کے لئے اب سب تیار ہیں۔ مگر امن و امان کے سامانوں کے بجائے بربادی اور غارت کے سامان
بھی ہر حکومت خوب ہی طرح مہیا کر رہی ہے۔ بس آگ لگنے کی دیر ہے۔
دنیا بھر میں تو سونا چاندی اور ہر قسم کی دھات کو بھی جنگ کے سامانوں کے مہیا کرنے میں ابھی زائد صرف
کیا جا رہا ہے اور یہ کہا جاتا ہے کہ دنیا میں دولت بہت بڑھ گئی ہے۔ جب بھی سونا سخت گراں ہو گیا ہے۔ کوئلے
تیل اور لوہے کی قدر جواہرات تک سے زائد ہو گئی ہے۔ جھوٹا مال بھی ایسا بن گیا ہے کہ اصلی سوتی کی ذات نہیں
رہتی ہے۔ پیداوار کی زیادتی کے باوجود افزائش نسل انسانی کو روکنے کی بھی تدابیر ہو رہی ہیں۔ کیونکہ ہر ملک آبادی
کے بڑھنے سے دوسری قسم کے خطرے دکھلائے جا رہے ہیں۔ بیکاری بھی دنیا میں بڑھ رہی ہے اور جو ممالک
کہ محکوم ہو کر رہ گئے ہیں ان کی لوٹ زوروں میں جاری ہے۔ بلکہ کثرت میں فاقہ کشی کی صورتیں بیان کی جاتی ہیں۔ اور
اگر انفرادی استبدادیت کا زور بڑھ گیا تو کیا عجب ہے کہ جمہوریت و دستوریت کو دنیا پھر خیر باد کہہ کر شخصی
بادشاہت کی طرف ایک جائے جیسا کہ جنگ کے بعد خود دنیا ہی بہت کچھ خاتمہ کر چکی تھی۔ مگر بالفعل تو ہر طرف
جنگ کی صورتیں نمودار رہی ہیں۔ فرانس نے تو جرمنی ہی کے خوف سے روس اور سرویا سے باہمی امداد کے
معاہدے تک کر لئے ہیں۔ اور برطانیہ عظمیٰ کی دوستی ہی سے دراصل اس کی جان بچی ہوئی ہے۔ نیز ۱۹۳۶ء کے
۲۲ مئی کے اخباروں میں بیان تھا کہ "اگر جرمنی و برطانیہ ایک دوسرے سے علیحدہ رہے تو جنگ لازمی
ہے۔ جرمنی نے جب ایک دم سے سار پر قبضہ کر لیا تو فرانس کو صحیح ہی نظر آگئی تھی اور یہ قبضہ بھی انتخابی اصول
پر تھا اور جس نے یہ ثابت کر دیا کہ باوجود جرمنوں کے تمام نقائص کے ان سے میل کرتے ہیں اور ان کی رعایا ہونے
میں لوگ اپنا فخر سمجھ رہے ہیں اور ہر جگہ انہیں شرارت دنیا آسان نہیں ہے۔ دراصل تو جنگ عظیم خود ہی
قہر الٰہی بن کر آئی تھی مگر اس کے بعد وسیلز کی صلح تو اور بھی یورپ کے واسطے عذاب ہو گئی۔ جس کا اثر انسان
جو چکی گئی تھی اس نے تو آسٹریا کے نہ صرف ٹکڑے پارچے پارچے کرا دیئے بلکہ مختلف نئی حکومتیں بھی
Tiaman

آئندہ سر کھیلوں کے واسطے بنوا دیں۔ اور میگیار قوم کو بالکل ہی تتر بتر کر دیا۔ نیز سوویٹ اتحاد نے ترکوں
کے واسطے ہوائی پرواز کا سیدھا راستہ جرمنوں پر حملے کے لئے کھول دیا۔ تاہم یہ شکر کا مقام ہے کہ برطانیہ عظمیٰ
نے اپنی خارجی حکمت عملی کے واسطے یہ طے کر لیا ہے کہ زائد سے زائد سامان جنگ کی تیاری کر لی جاوے اور کم سے
کم ذمہ داری لی جاوے اور اب چاہے جو چھوٹے اوسکی جوتی سے۔

اسمرنا۔ قونیہ۔ ادانا۔ طارس

اسمرنا ترکمال پاشا کے عہد میں ایک زمانہ حال کا شہر ہو گیا ہے۔ عمدہ سے عمدہ مکانات بنگلے ہیں۔ آب
و ہوا معتدل ہے برقی روشنی موجود ہے۔ ٹریم بھی جاری ہے اسکا ساحل بھی اچھا بنا ہوا ہے۔ اسکے تاریخی کھنڈر بھی
قابل دید ہیں۔ انگورہ سے چھ گھنٹے میں موٹر پر یہاں پہونچا جا سکتا ہے اور ۳۶ گھنٹے میں ریل سے۔ اسی دریائے [illegible]
میں اسکی شہر بھی پڑتا ہے۔ ۲۰ آدمی کی راستہ میں خوب گنجائش ہے اراضی بھی افتادہ ہے جس سے کاشت
کا بندوبست بھی ہو سکتا ہے۔ یہاں کی طرح قونیہ۔ بروسا۔ اور ادانا میں غازی کمال پاشا کے لئے علیحدہ عمارت
تعمیر کی گئی ہیں جو سب سادگی میں آپ اپنی نظیر ہیں۔ انکے مذاق کے مطابق آراستگی مکان بھی زائد نہیں کی گئی ہے
قونیہ میں مشرقی و مغربی دونوں طرز نظر آتے ہیں۔ سلجوقیوں کا قدیم دار السلطنت یہی تھا۔ ایک بڑے
صحرا میں یہ ایک نہایت ہی سرسبز و شاداب مقام ہے۔ گو گرمی بہت ہوتی ہے۔ برقی روشنی اور پانی کے لانے کا
یہاں بھی انتظام ہو گیا ہے۔ [illegible] کے مقام سے یہاں پانی آتا ہے جو یہاں سے بیس میل پر ہے۔
ادانا میں کپاس کا بڑا کاروبار ہے۔ اور طارس سینٹ پال کی پیدائش کی جگہ ہے۔ یہاں بھی زمانہ
حال کی سب ترقیاں موجود ہو گئی ہیں۔

حکومت قسطنطنیہ اور استنبول

استنبول سمندر کے کنارہ پر واقع ہے اور ایسے بادشاہوں کا تعمیر کیا ہوا ہے اور سجایا ہوا مقام ہے کہ
جنکی دولت و حوصلہ مندی، شان و شوکت، جبروت اور فیاضی وغیرہ کے قصوں سے تاریخ کے صفحے بھرے ہوئے
ہیں۔ مختلف اقوام کے عماراتی معیاروں اور صنعتوں کا یہ شہر مخزن ہے۔ موسم بہار و خزاں دونوں کے علیحدہ علیحدہ
روپ کا نظارہ یہاں ایک عجیب دلکش منظر ہے۔ سمندر کے درختوں کی وہ بہار ہے کہ گویا قدرت نے انہیں کے

واسطے اس شہر کو خلق کرایا تھا۔ بڑی بڑی عالیشان عمارات اور اُن کے منارے، جہازوں کا سمندر کے کنارے جھرمٹ۔ گورے گورے رنگ کے خوش لباس مرد و عورات کا کاندھے سے کاندھا ملائے چلنا پھرنا۔ ریل کے ساتھ ساتھ ہر طرح کی سواریوں کی افراط۔ محلات شاہی اور اُنکی اندرونی و بیرونی سجاوٹوں کے لئے بیش قیمت اسباب۔ نیز ہر قسم کے عیش و راحت کے سامان کی موجودگی اور یورپ و ایشیا کے دل کا اصلی موقع بھی یہی ہے غرضکہ دل کو لبھانے اور طبیعتوں کے بہلانے کے واسطے یہ شہر دنیا میں آپ اپنی نظیر ہے ہر قوم اور ملک کے لوگ یہاں ملجاتے ہیں۔ کیونکہ دنیا کی تمام سلطنتوں کی ریشہ دوانیوں کا بھی شہر آماجگاہ رہ چکا ہے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ کون چیز ہے جو یہاں نہیں ہو۔ ترکوں کو اس مقام سے محبت بھی ہے۔ کیونکہ انکی تمام گذشتہ روایات اسی شہر سے وابستہ ہیں۔ لیکن یہ امر واقعہ ہے کہ ترک تو آٹومن نہیں ہیں وہ تورانی النسل ہیں اور یہاں کے ہر قسم کے خیالات و روایات آٹومن ہی حکومت کے ساتھ وابستہ ہیں۔

قسطنطنیہ کو بائزاس (Byzas) نے تقریباً ۶۵ سال قبل حضرت مسیحؑ تعمیر کیا تھا اور اُس کا نام بائزنٹیم (Byzantium) ڈلیفی کی پیشینگوئی (Delphic Oracle) کے مطابق رکھا گیا تھا جب روما کی حکومت نے اسپر فتح حاصل کی تو اوسکا نام Constantinople (قسطنطنیہ) کر دیا گیا ۱۲۰۴ء سے ۱۲۶۱ء تک یہ لاطینی حکومت کا دار السلطنت رہا اور چوتھے عیسوی جہاد میں اسپر قبضہ حاصل ہوا تھا۔ لیکن پھر یونانیوں نے اُسے لے لیا اور دو صدیوں تک پھر وہ اسپر قابض رہے۔ جب ترکوں نے فتح کیا تو اس پر آٹومن حکومت قائم کی اُس کے پرانے حصہ شہر کے تین طرف سمندر رہے۔ یعنی بحر مارمورہ۔ باسفورس اور گولڈن ہارن۔ دراصل اسکی خوبصورتی اور موقع کو کوئی بھی دنیا کا شہر نہیں پہونچ سکا ہے۔ اسی شہر کو استنبول بھی کہتے ہیں[۵۱]۔

استنبول کی مساجد اُنکے مینار اور سلاطین کے جواہرات جو اُنکے شاہی محلات میں محفوظ رکھے گئے ہیں قابل دید ہیں۔ مگر یہ ضرور ہے کہ انکارہ کو دار السلطنت منتقل ہو جانے سے وہ اگلی سی شان و شوکت اب کچھ کم ہو رہی ہے۔ تاہم سمندر سے تو اُسکی خوبصورتی کا مقابلہ کوئی مقام نہیں کر سکتا اور اتاترک مصطفیٰ کمال وہاں

---

[۵۱] دیکھو اخبار ہندوستان ٹائمس صفحہ ۱۴ - ۴ مئی ۱۹۳۸ء

بھی جا کر ٹھہرتے ہیں

ترکوں نے جس وقت کہ قسطنطنیہ پر فتح پاکر یونان سے قبضہ پایا تھا تو بکثرت عیسائی ہجرت کر کے اپنے ہمراہ تمام پرانی قلمی کتابیں اور علمی تحریرات کے مسودوں تک کو کتبخانوں سے چرا کر لے گئے تھے اور یورپ میں مختلف مقامات پر وہ لوگ پھیل گئے اور تحریک انقلاب جدید (Renaissance) کی بنیاد ڈالکر مطمئن ہو گئے تھے ترکوں نے اس فتح سے بازنطینوی سلطنت کی تمام خرابیاں ورا ثتاً حاصل کر کے انکی طرف زمانہ کی ضرورت کے مطابق اور انصاف پسندی شجاعت اور غیر جانب دارانہ پالیسی کی بدولت مطلق توجہ نہیں کی اور سب کو بحالہ برقرار رکھا۔ اُسوقت تو اون کی عزت دنیا بھر میں اس فتح سے بیحد بڑھ گئی تھی۔ لہذا رعایا پروری کے خیال سے اُنکے حقوق جیسے بھی تھے ویسے ہی رہنے دیئے تھے جسکا نتیجہ یہ ہو گیا کہ غیر مسلم رعایا نے خوب فائدہ اُٹھایا اور بازنطینوی زھریلا اثر پھیلتا ہی گیا۔

قسطنطنیہ میں اُس وقت بیرونی اور تقریبًا تمام یورپی اقوام کے محلے علیحدہ علیحدہ قائم تھے۔ اور ایک طرح کی نوآبادیوں کی حیثیت اُنھیں حاصل تھی۔ اُن کی عدالتیں گرجے۔ کارخانے۔ تنور۔ مسلخ حمام وغیرہ سب علیحدہ علیحدہ اُنکے محلوں میں بنے تھے۔ جنسے دوسروں کو کوئی تعلق نہ تھا۔ مثلاً جنیوا اناطفی۔ پیسا۔ وینس۔ اینکونا۔ اور فرانس وغیرہ کے باشندوں کے محلے۔ یہ کل نوآبادیاں مثل تجارتی آبادیوں کے تھیں۔ انھیں کے ملکوں سے انکے منتظم افسران اکثر مقرر ہوا کرتے تھے ان کے خطابات بھی پوڈسٹا۔ کانسل۔ بیلو۔ یا اکزارک کی طرح کے قائم رہتے اور اُنھیں خطابات سے یاد کئے جاتے اُن سب کو خاص شہر میں رہنے دینے کا سلسلہ حکومت بازنطینوی کی تھی اور پھر ترکوں نے بھی جائز کر رکھا تھا تاکہ وہ اپنی بحری تجارتوں کا سلسلہ قائم رکھ سکیں اور ہر قسم کی امداد میں اُنکو آسانی ہو۔ در اصل تو بازنطینوی یونانی سلطنت اور اُس سے قبل کی لاطینی سلطنت سے بھی پہلے جو حکومت تھی انہیں بھی اسی طرز کی نوآبادیات قائم تھیں اور سب کو تجارتی حقوق بھی حاصل تھے وہ سب ہر قسم کے ٹیکسوں سے مستثنٰے تھے یا کم وبیش ادا کرتے تھے۔ خاص گیلاٹا میں جو مینار کہ اب تک بنا ہوا موجود ہے وہ جنیوا والوں کی اُس مشارشت کے طور پر بنی ہوئی نوآبادی کی یادگار ہے جو مائکل ہشتم پیلیالوگس بازنطینوی عیسائی بادشاہ نے اُن سے اپنے دوستانہ تعلقات کی یادگار میں جنیوا والوں کو زائد حقوق دیکر بنانے کی اجازت دی تھی چنانچہ اُنھیں نے ایک قلعہ بھی آہنا ئے پر اپنے

لئے بنا رکھا تھا اور ترکوں نے اسکو بھی بحالہ قائم رکھا تھا ان معاہدات کے شرائط کبھی گھٹائے جاتے یا بڑھائے جاتے اور معاہدات جدید بھی ہوتے رہتے۔ انھیں کا نام کیپی ٹولیشن تھا۔ چنانچہ ۱۵۳۶ء میں فرانس کا معاہدہ ہوا تھا۔ اور ۱۵۸۰ء میں انگلستان کا۔ انھیں معاہدوں کے ذریعہ سے علاوہ تجارتی اور بحری حقوق کے کانسلوں کا تقرر، دیوانی کے معاملات کا اپنے اپنے لئے تصفیہ یا فوجداری کے جرموں کی پیشیوں کے عدالت میں حقوق وغیرہ دے گئے تھے اکثر تو یورپی کے سامنے بعد میں فوجداری کے مجرم پیش ہونے لگے اور مجرم ہی کا ہم قوم ایک ترجمان مقرر ہو جاتا اور آخر آخر میں تو فرانس نے تمام رومن کیتھولک غیر اقوام کے لئے حفاظت تک کا حق حاصل ہی کر لیا تھا۔

سنہ ۱۶۰۶ء تک جو بھی معاہدات مقدس سلطنت روما سے اور سلاطین ٹرکی سے ہوتے تھے انکو ذیل کے الفاظ سے شروع کیا جاتا تھا "شاہانہ عنایات سلطانی سے جو کہ دولت فتح نصیب ہے بنام کافر بادشاہ ویانا جو ہمیشہ مفتوح ہے"[1]۔ ترک لوگ ہمیشہ اپنے کو "عثمانلی" کہلواتے تھے اور اپنی مملکت کو ممالک عثمانیہ بازنطینوی اثرات کے باعث انکی زبان اور طرز گفتار میں جو سیدھا اور سادا پن تھا وہ جاتا رہا تھا اور اس کے بجائے شیرینی اور خوش گفتاری بھی آگئی تھی۔ جب عربی اور ایرانی اثر بڑھا تو شائستگی اور لطافت بھی اگرچہ بالکل شیرینیت اور بڑھ گئی۔ نیز ترکی مستورات ابتداً بے پردہ تھیں۔ مگر محض بازنطینوی اور عجمی تہذیب کے اختلاط سے حرم نقاب اور پردہ ان کے یہاں بھی رائج ہوگیا تھا۔ خواجہ سرائے کا دستور بھی انھیں کی بدولت ترکوں میں آیا تھا۔ سلطنت سلجوقیہ جا کو در اصل روم کی سلطنت کہا جاتا تھا اور روما سے اسے کوئی تعلق نہ تھا۔ عیش و نشاط کا مرض بھی بازنطینوی میل کا نتیجہ تھا۔ ورنہ ترک تو نرے کھرے سپاہی تھے۔ بیشک بازنطینوں کا تمدن ہر طرح ترکوں کے تمدن سے اعلیٰ تر تھا۔ سونے اور جواہرات کی نمائش تخت نشینی کی تقاریب اور درباری شان و شکوہ سب کچھ ترکوں نے انھیں سے سیکھا تھا۔ بعد میں تو سلاطین نے قسطنطنیہ میں مجبوراً نقل ہی کر کے مردانہ درباروں میں نیز محلات شاہی میں ملازمین تک کی پوشاکوں اور وردیوں کو جواہرات اور سونے سے لاد کر مغربی حاکموں کو وہ چمک دمک

---

[1] دیکھو صفحات (۱-۷) دی میکنگ آف ماڈرن ٹرکی از سر ہیری لیوک سنہ ۱۹۳۶ء

دکھلائی کہ جسکا جواب ہی نہیں۔[۱]

ترکوں نے قسطنطنیہ میں اپنے آخر زمانہ تک وہی طرز حکومت قائم رکھا جو کہ یونانی لاطینی عیسائی اور ارمنی بادشاہوں کا صدیوں پہلے سے چلا آتا تھا اور جو شاہان روما نے سیزر کے تخت پر بیٹھ کر قائم کر دیا تھا یعنی محصل ٹیکس صوبوں سے روپیہ وصول کر کے خزانہ شاہی میں حتی الامکان داخل کر دیتے اور رعایا کے واسطے کچھ بھی نہ کرتے۔ باہر کے لوگ بھی دربار شاہی سے مقرر ہو کر ملازم ہو جاتے۔ اور امراہی کا گروہ بڑے عہدوں پر معمور ہوتا تھا۔ عیسائی بادشاہوں کی طرح قسطنطنیہ میں عیسائیوں کے مقتداؤں کو اسناد اور خلعت اونکی اپنی تقریبات کے طریقوں کو ملحوظ رکھ کر عطا ہوا کرتی تھیں بلکہ بعد میں ترکی مراسم کے باعث عصا اور گھوڑا بھی جو مرصع اور طلائی سامانوں سے پر اور لدا پھندا ہوتا وہ بھی دیا جانے لگا تھا[۲]

ینی چری فوج جس کو جان نثاروں کی فوج کہئے ۱۳۳۰ء میں وزیر چندریلی کے مشورہ سے بنائے جانے کے متعلق مورخین میں اختلاف ہے۔ بقول گبن اوسکا تعلق حاجی بکتاش سے صحیح ہے مگر ابتدا اُنکی اُن غلام لڑکوں سے کی گئی تھی جو خرید ہوتے یا جنگ میں گرفتار ہو کر لائے جاتے۔ اونکو فوجی تعلیم بھی مذہبی تعلیم کے ساتھ دی جاتی تھی۔ بعد میں فدائیوں کی طرح یہ فوج حاجی بکتاش ہی کی مرید ہوتی چلی گئی تھی۔ محمود ثانی نے بالآخر اس کو ختم ہی کرنا مناسب سمجھا تھا۔ اس فوج نے بڑے بڑے کارنامے کئے۔ مگر آخر میں بے وفا غلاموں کی طرح یہ بھی بے وفا ہی ثابت ہوئی تھی۔ اسی فوج نے ۱۸۰۷ء میں سلیم ثالث سے قابل اور جفاکش سلطان کو تخت سے اُتروا کر مصطفےٰ چہارم سے بے عقل سلطان کو تخت دلوا دیا تھا جس نے سلیم کو محل ہی میں قتل کروا دیا۔ صلح کارلووٹیز ہی سے ترقی سلطنت رک گئی تھی ورنہ ترک کے نام تک سے یورپ کانپتا تھا۔ بایزید اول کا خطاب تو یورپ میں برق تھا۔ محمد ثانی کا فاتح سلیم اول کا گرم (Grim ۱۵۱۲) یعنی بے رحم سلیمان اول کا ذیشان (magnificent) اور محمد چہارم کا شکاری (Hunter) (انگلستان) کے بادشاہ جیمس اول کے عہد میں سر ٹامس رو سفیر ہو کر سلیمان ثانی کے وقت میں قسطنطنیہ آئے تھے اور سلطنت کی کمزوریوں کو جان گئے تھے۔ در اصل تو وزیر اعظم ولادر نے اٹھارھویں صدی میں حکومت ٹرکی کی قوت کو

---

[۱] دیکھو صفحات (۷ - ۱۰) کتاب سر ہیری لیوک مذکور [۲] دیکھو صفحات (۱۲ - ۱۹) کتاب ہیری لیوک مذکور ۱۲

کھٹکتے ہوئے سمجھ لیا تھا۔ پھر تو ۱۷۷۴ء میں صلح کوچک کینارجی نے بحر اسود کے کنارے انکی قوت کو بالکل ہی مٹا دیا اسی صلح سے تاتاری قوم پولینڈ سے لیکر بحیرہ کیسپین تک دولت عثمانیہ سے علیحدہ ہو گئی تھی گو خلافت اسلامی کچھ کچھ ضرور باقی تھی۔[1]

سلیم ثالث نے آئینی طرز کو رائج کیا۔ اور نظام جدید کے نام سے آئین میں ترمیمات کی گئیں۔ بلکہ ہر طرح کی مالی اور فوجی ترقی بھی کی گئی ۱۸۲۹ء میں صلح ایڈریانوپل ہو گئی۔ اور دردانیال۔ باسفورس اور بحیرہ اسود کو دیگر دول یورپ نے سب کے واسطے کھلوا ہی لیا اور قسطنطنیہ محفوظ رہا محمود ثانی کے وقت سے بجائے مطلق شاہی کی حکومت کے گویا پورٹی کی حکومت بنوا دی گئی یعنی وزراء کی کونسل جو مغربی طرز کی "کیبینٹ" تھی۔ اور مغربی طرز کی پوشاک اور فیز ٹوپی بھی اسی عہد میں رائج کرائی گئی تھی بہ زمانہ سلطان عبدالمجید ۱۸۳۹ء میں "خط شریف" کے ذریعہ سے "تنظیمات" کی ابتدا ہوئی تھی جس سے کہ غیر مسلم رعایا کو وہی حقوق دیئے گئے جو مسلم رعایا کو حاصل تھے "تنظیمات" کے ممبر صرف ترک لوگ تھے اور وہ بڑے قابل بھی۔ انکے معیار زندگی بھی بہت بلند تھے۔ پھر ۱۸ فروری ۱۸۵۶ء کو اسی سلطان نے قسطنطنیہ میں خط ہمایوں جاری کر دیا جس سے مذہبی ہر قسم کی آزادی رعایا کو دیکر انکے اوقاف تک پر انہیں کا انتظام ہونا منظور کر لیا گیا۔ بلکہ ہر قوم و مذہب والوں کی عزت اور ذاتی ملکیت کی حفاظت کی تصدیق کی گئی تھی جبر یہ تبدیل مذہب کرانے کی ممانعت ہوئی اور فوج میں پھر عام بھرتی کی اجازت دیدی گئی۔ اسی زمانہ میں عثمانی حصہ سلطنت یورپ میں ترک۔ یونانی۔ سرب۔ بلگر۔ رومانی (کیونکہ مالڈیویا اور ولاشیا کو ملا کر رومانیہ کی ایک جدید حکومت قائم کی گئی تھی) البانی۔ باسنوی۔ یہودی۔ جپسی وغیرہ اقوام تک حکومت قسطنطنیہ کے زیر نگیں۔ آرام و آسائش سے بسر کرتے تھے۔ حصہ افریقہ میں مصری۔ کاپٹ۔ بربر اور متعدد نسلوں کے حبشی بسے ہوئے تھے۔ حصہ ایشیا میں ارمنی۔ کرد اور وہ نسطوری اور جیکوبائٹ جو شام والوں کی شامی زبان بولتے تھے۔ نیز بھوت پریت کے پوجنے والے یزیدی اور وہ سابئی جو دریائے ٹائگرس کے کنارے آباد تھے اور ماہتاب کی پرستش کرنے والی سابق قوم حاران کی باقیماندہ یادگار تھے۔ نیز دروزی اقوام۔ اور مسلم لبنیز جو چار رحبیہ کی نسل سے سب ہی آرام سے رہتے تھے عربیا میں مختلف قسم کی زبانیں بولنے والے قبائل نیز عراق اور شام کے متمدن باشندے تک قسطنطنیہ ہی کی

---

[1] دیکھو صفحات ۲۸۔۳۰ / کتاب ہیری لیوک مذکور

رعایا تھے۔ اور اگر یہ کہا جاوے کہ ایتھنز، کارنتھ اور اسپارٹا پر سلطان کی حکومت نہیں رہی تھی تب بھی قسطنطنیہ کی شہنشاہیت اینٹیاک۔ الیگزینڈریا اور بیت المقدس پر تو اب بھی مانی ہوئی تھی اور انہیں تین مقامات پر مذہب عیسوی کے سب سے بڑے مشرقی پیٹریارک رہا کرتے تھے۔ اسی طرح وہی سلطان اوس وقت ایڈریانوپل۔ سلانیکا۔ اور ہر دو یورپی ایشیائی حصص اسکوٹری۔ اسمرنا۔ قونیہ۔ بروصا ٹریبیزانڈ۔ الیپو۔ بیروت۔ نزریتھ۔ بیتھلحم۔ ہیبران۔ بغداد و بصرہ وغیرہ سے مشہور مقامات اور مسلمانان عالم کے مقامات مقدسہ مدینہ و مکہ کا حقیقی بادشاہ تھا۔ نیز اوسی کی قلمرو اور شہنشاہیت کے مقامات میں سومر اکاد۔ بیبیلان۔ نینوا۔ قدیم مصر اور کریٹ کے مینوآن کے تمدن نے نشو ونما پایا تھا بلکہ حضرت موسیٰ نے اعلان کلمۃ اللہ اور حضرت عیسیٰ نے انسانی جسم اختیار کر کے اپنا مذہب پھیلایا تھا۔ سینٹ پال نے اپنے سات گرجے اپوکلپس کے قائم کئے تھے اور نبی کریمؐ نے اپنی پاک زندگی بسر کر کے اسلام پھیلا دیا تھا۔ اسی کے ساحل پر فلسطینیوں اور یہودیوں میں جنگ ہوئی تھی۔ نیز فینیشین قوم اپنے بزرا سے بحری سفروں پہ نکلی تھی۔ نے اپنی وسیع سلطنت بنائی تھی۔ اسی سلطنت کے کنارے کنارے بہت سے یونانی اور ٹروا والوں کے قدیم مشہور شہر نکلے تھے اور ٹرائے کے تو مشہور شہر بھی قسطنطنیہ ہی کی حکومت میں ایک وقت میں موجود تھے اور دنیا کے سات عجائبات میں سے چھ عجائبات ترکوں ہی کی حکومت میں ایک وقت میں پائے جاتے تھے۔

ترک بادشاہوں نے عیسائی مستورات سے ابتدا میں شادیاں کر کے اپنی نسل میں مسیحیت کا خون لے لیا تھا۔ اور ان سے خوب میل جول بھی بڑھا رکھا تھا۔ چنانچہ سلطان آرخان نے علاوہ نیلوفر سے شادی کرنے کے جس کا باپ یارحصار کا امیر تھا، تھیوڈورہ (Theodora) عیسائی بیوی کے ساتھ بھی شادی کی تھی اور وہ بازنطینی شہنشاہ جان ششم کانٹاکیوزائن (John VI Cantacuzine) کی بیٹی تھی اور اوس وقت بھی دونوں اپنے حسن خداداد کے لئے شہرۂ آفاق تھیں۔

حکومت قسطنطنیہ ہی کے زیر سایہ درویشوں گروہ جلال الدین نے ترکی میں قائم کیا تھا۔ اوس کے چالیس مرید تھے۔ جنکا سردار چلپی قونیائی تھا۔ قونیہ ہی میں قدیم آئیکونین (Ikonian) تھا جہاں کہ زینوفن (Zenofon) کے دس ہزار شاگرد جا کر ٹھہر گئے تھے۔ اور جہاں پال اور برنباس

۱؎ دیکھو صفحات ۴۶-۴۸ کتاب مسٹر ہیری لیوک۔

نے انجیل مقدس کی تعلیم سائپرس سے نکل کر دی تھی۔ نیز جہاں سلاطین روم یعنی سلجوقیوں کے بادشاہوں نے اپنا کمال فن تعمیر میں ختم کر دیا تھا بلکہ بڑی شان سے سلطنت کی تھی یہیں افلاطون کو ابتک لوگ اسکی کرامات کی بدولت یاد کرتے ہیں۔[1]

فرانس نے ۱۸۶۸ء میں گیلاٹا کے مقام پر خاص قسطنطنیہ میں ایک مدرسہ کھولا تھا جس میں ادنیٰ و اعلیٰ ہر قوم و ملت کے طلباء کی تعلیم جاری کرا دی تھی اور وہ بالکل زمانہ و وقت کے مطابق تھی اسیکا نتیجہ تو ۱۹۰۸ء کا انقلاب کہا جاتا تھا۔ اسی سے "اتحاد و ترقی" کے نوجوان ترک پیدا ہوئے تھے جو مغربی طریق حکومت و آئین کے حامی بنے تھے۔ وہ ملت اسلامی کے حدود کو وسعت دینا اسی لئے چاہتے تھے کہ رعایائے سلطانی میں یگانگت اور باہم مذہبی نیز مساوات پیدا کر سکتے ہیں۔[2]

کمیٹی اتحاد و ترقی ۱۸۹۱ء میں جنیوا میں بنی تھی۔ پھر پیرس میں منتقل ہو گئی، مگر ۱۹۰۶ء میں سلانیکا میں پہونچ گئی۔ اسمیں ترک۔ یونانی۔ سرب۔ بلگر۔ ولاش۔ البانی۔ بوسنین۔ ہرزیگوین غرضکہ تمام بلقانی اقوام ممبر تھیں اور بالخصوص یہودیوں کا اسمیں بڑا ہاتھ تھا۔ ان یہودیوں کی کثرت تو دراصل اسوقت سے بڑھی تھی جبکہ شاہ فرڈیننڈ اور ازابیلا نے بکثرت یہودیوں کو اسپین سے خارج کیا تھا تو سلطان ترکی ہی نے انھیں اپنے یہاں بسنے کا حکم دیدیا تھا۔ یہ سب اتحاد و ترقی کے ممبر بنے تھے اور عموماً کل یہودی فری میسن تھے اور تمام تر فسادات اور بلاؤں کے باعث زیادہ تر وہی ہوتے تھے۔ سلطان عبد الحمید خان ثانی کی ۳۲ سالہ حکومت جس نے کہ یورپ اور دشمنان اسلام کو ایک دوسرے کے مقابلہ میں حسد اور رشک سے اپنی انگلیاں کاٹنے کے لئے چھوڑ دیا تھا اور خلافت اسلامی کو بھی ایک حقیقت کر کے عرصہ تک دکھلا دیا تھا اور جن سے ۱۸۷۸ء سے کسی بڑی جنگ کرنے کی مجال تک دوسروں کی نہ پڑ سکی تھی اور جسکے نتیجہ میں رعایا اور کل ملک کو آرام و آسائش سے بسر کرنے کا موقع ملا تھا۔ مگر انھیں یہودیوں کی بڑی امداد اور انور نیازی کی سازش سے موناستر اور سلانیکا میں حسین حلمی پاشا کے زیر سایہ جو خود دنیا کا انسپکٹر جنرل تھا جدید آئین کا اعلان کرا دیا تھا اور قسطنطنیہ سے نکلے ہوئے فرمان سلطانی سے ملک بھر میں تار برقی سے آئین جدید کی خبر بھی پہونچوا دی تھی اور عبد الحمید کو زیر کر دیا تھا یہ کارنامہ بیشک اسی اتحاد ترقی کا تھا۔ یہودیوں کا اقتدار یہاں تک ہو گیا تھا کہ ان چار شخصوں میں جو سلطان عبد الحمید ثانی کے پاس قصر یلدیز میں یہ کہنے گئے تھے کہ انکی سلطنت ختم ہو گئی

---

[1] دیکھو صفحہ (۱۲۸) کتاب سر ہیری لیوک۔ [2] دیکھو صفحات ۱۳۰-۱۳۱ کتاب سر ہیری لیوک۔

ایک یہودی بھی تھا جسکا نام کہ ایمینوئل کیرا سو آفندی (Emmanuel Carasso Effendi)
تھا[1]۔ نوجوان ترک تو ہیں آلمبن ترکی کے اصول کے گرویدہ اپنے کو کہتے تھے مگر پین اسلامزم سے بھی انھوں نے بڑا نفع اٹھایا تھا چنانچہ جسوقت
کہ مخدونیا میں البانیوں نے دق کیا تھا تو سلطان رشاد کو سلانیکا اور کوسوداکے میدان تک یہ نوجوان ترک بطور خلیفہ اسلام لے گئے
تھے اور تمام مراسم خلافت اسلامی کو بڑی شان و شوکت سے کر کے دکھلایا تھا تاکہ البانی مسلمانوں میں اسلامی اخوت اور جوش پیدا کرسکیں[2]
مگر بلوں سے بلغاریہ اور کریٹ میں تو اب مسلم و عیسائی رعایا میں مذہبی نفرت پیدا ہو گئی تھی۔ اور مخالفت زور
پکڑ گئی تھی۔ اور ان تمام اڑن کے بانی مبانی اور پردہ یہودی تھے۔ حالانکہ عبد الحمید ثانی کے وقت میں عیسائی
یونانیوں کو کسی قسم کی تکلیف نہ تھی۔ خود مسٹر ہیری لیوک کا بیان ہے کہ بمقام میوڈراس اپریل ۱۹۱۵ء میں اون
یونانیوں نے جو البانی سے بھاگ آئے تھے اونکا خود اُن سے بیان تھا کہ عبد الحمید ثانی کے وقت میں اُن یونانیوں
کو پورا آرام تھا اور عہد جدید آئین سے اونکو زندگی مشکل ہو گئی تھی۔

قسطنطنیہ میں ۲۳ دسمبر ۱۸۷۶ء جبکہ عبد الحمید ثانی نے آئین جدید کا اعلان کیا تھا تو اگر چوتھی روس و
ترکی کی جنگ نہ ہو گئی ہوتی تو کسی طرح آئینی تحریک ختم نہ کی جاتی۔ روس نے حملہ کرکے ارادتاً ترکی کی آئینی تحریک
کے مٹانے کا انتظام کیا تھا۔ اوسی کے بعد سلطان نے یورپ کے بابت جب اسکا اندازہ کر لیا کہ عیسائی سلطنتیں حالوں
سے متفقہ عزم سلطنت ترکیہ کے مٹانے کا کر چکی تھیں اور عبد المجید و عبد العزیز کی بیجا کمزوریوں اور اسراف سے
انکو ہر طرح کا قابو حاصل ہو چکا تھا تو مجبوراً ایشیاہی کے حصہ حکومت کو اپنے ہاتھ میں لیتے اور خلافت اسلامی کو
کو چمکانے پر وہ تل گئے تھے اون سے قبل ہی رومانیا، سربیا اور بلغاریہ نے علیحدگی کا اقدام ہی کر لیا تھا۔ مگر اب روس
کی چالوں نے بیشک ۱۹۰۸ء تک کے لئے جمہوریت کے خواب کو ختم کر دیا[3]

عبد الحمید نے انھیں بناؤں پر جنرل خیر الدین ساکن ٹیونس کو صدر اعظم کرکے یہ دکھلادیا تھا کہ مسلمان کہیں کا
بھی ہو اگر قابل ہو گا تو خلیفہ اوسکی قدر کریگا۔ اور فرمان شاہی میں ظاہر کر دیا تھا کہ بطور خلیفہ اسلام وہ تمام مسلمانان
عالم کی خدمت اپنا حق سمجھتے تھے۔ بیشک اس تقرر سے ترکوں میں ایک قسم کی کھلبلی پھیل گئی تھی۔ مگر سلطان
عبد الحمید تو شیر کا دل اور اعلیٰ انسانیت کا دماغ لیکر دنیا میں آئے تھے جس سے مدتوں کام نباہی لیا گئے۔ خود اسی
سلطان نے مسلمانان افریقہ۔ ہند اور مشرق بعید تک کے حالات میں دلچسپی لی تھی۔ شام کردا اور البانی

۱؎ دیکھو صفحہ ۱۵ کتاب مسٹر ہیری لیوک مذکور ۲؎ دیکھو صفحہ ۱۵ کتاب مسٹر ہیری لیوک مذکور ۳؎ دیکھو صفحات ۱۳۴ - ۱۳۵ تاریخ مذکور مسٹر ہیری لیوک

اقوام کو بھی اپنا لیا تھا مسلم مہاجرین کو صرف ایشیا سے جب وہ بھاگ کر عرب میں بسایا تھا جس وقت کہ آسٹریا ہنگری نے باسینا اور ہرزگو دینا کو ۱۸۷۸ء میں لے لیا تھا حجاز ریلوے بھی بنوا ہی دی تھی - نیز شاہ ولیم ثانی کی دوستی سے یورپ میں بھی ایک خلا ساپڑا ادھر اپنے قابو میں کر لیا تھا کیونکہ برطانیہ اور فرانس قسطنطنیہ کے اسی عبدالحمید کو "قاتل" اور "خونی سلطان" کے ناموں سے مشہور کر رہے تھے - یہ واقعہ ہے کہ اس وقت کے دنیا کے دس سنی مسلمان تو ضرور ان کو اپنا خلیفہ وقت تسلیم کر چکے تھے اور خاص قسطنطنیہ میں یورپ کے ہاتھ سے اختیارات نکال کر پھر قیصر یلدیز کو حکومت کا مرکز بنا لیا تھا تحسین پاشا جو چیف سکریٹری تھے انکی تیرہ سال کی رفاقت کا اپنی بہت کچھ حصہ سلطان کی کارروائیوں میں کہا جا سکتا ہے -

اب جبکہ جی میں آوے عبدالحمید ثانی کو برا کہیے اور خلافت اسلامی کی دھجیاں اڑا ئیے ستمبر ۱۹۱۱ء میں اٹلی نے بھی ترکوں سے جنگ چھیڑ دی تھی اور لیبیا اور رائز بیٹشیا لے لئے تھے - پھر گو اکتوبر ۱۹۱۲ء میں صلح اوچی بھی ہوئی مگر تب بھی بلقان میں آگ لگوا دی گئی تو انور پاشا نے باوجود صلح مذکور کے طرابلس میں سوا سال تک گز گز بھر زمین پر جنگ کر کے شیخ سنوسی کی امداد سے پین اسلامزم سے نفع اٹھایا تھا اور اسی کے باعث جولائی ۱۹۱۳ء میں اڈریانوپل پر فتح حاصل کر کے دنیائے اسلام میں چراغاں کروا دیا تھا بلکہ نوجوان ترکوں کے نام پر مسلمانانِ عالم دعائیں دیتے تھے - یہ اثر تو صرف خلافت اسلامی کے اعلان ہی کے بدولت دنیا نے دیکھ لیا تھا کہ اب پین ٹیورینزم چل رہا ہے اور پیشتر پین اسلامزم چلا تھا مگر سب کا نام خلافت اسلامی کی بدولت روشن ہوا اور ہوگا - پھر ۲ اگست ۱۹۱۴ء کو جب ترکی جنگ عظیم یورپ میں شامل ہوا ہے - تب بھی تو جہاد کا اعلان ترکوں کی طرف سے کیا گیا تھا اور یہ بھی حقیقت ہے کہ ترک ایک سچے خادم حرمین شریفین تھے اور نوجوان ترک تو خود ۱۹۱۱ء سے ہر تورانی اقوام کو اپنی سلطنت میں لا کر بسانے لگ گئے تھے - نیز ۱۹۱۳ء میں ایک اکیڈمی قسطنطنیہ میں اسی لئے تو کھولی گئی تھی کہ ترکی زبان کو پاک و صاف کر لیا جائے - نیز کلام پاک کا ترجمہ بھی ترکی زبان میں کرایا گیا تھا - تاکہ قومیت اور مذہب کو ترقی دی جاتی - مگر صلح میوڈراس جو ۳۰ اکتوبر ۱۹۱۸ء کو ہوئی اسی سے ترقی و اتحاد کا اعتبار چلا گیا - بلکہ دول اتحادی کی حکومت قسطنطنیہ میں ہو گئی - اور مئی ۱۹۱۹ء میں یونانی افواج کو اتحادیوں کی سپریم کونسل کے اسمرنا میں داخل کرا دینے اور مصطفےٰ کمال کے شمالی اناطولیا میں بھجوا دینے نے ترکوں کے اقبال کو پھر واپس کرا دیا -

سر ہیری لیوک کا خیال ہے کہ قسطنطنیہ میں سلطان وحید الدین اور داماد فرید قومی بھی خواہی میں کسی سے پیچھے

نے تھے۔ مگر اتحادیوں نے ان سے وفاداری نہیں کی۔ داماد فرید بے تو بعد میں فیلڈ مارشل علی رضا جو کمالی تھا
اس کے ساتھ ہو گئے تھے۔ اسی سے ۲۶ جنوری ۱۹۲۰ء کو قومیت والوں نے گیلی پولی میں جو فرانسیسی گولہ بارود
کا خزانہ تھا چھین کر ایشیائی کوچک پہنچا دیا تھا۔ یہ ضرور ہوا تھا کہ ۱۲ فروری کو قسطنطنیہ کے سامنے انگریزی بیڑہ
جہازات آ گیا اور ۱۶ مارچ کو قبضہ بھی کر لیا گیا اور عباس حلمی پاشا تک کو سلطانیت کا دعویدار بنوا دیا گیا۔ علی حیدر
پاشا جنکو ترکوں نے ۱۹۱۶ء میں مکہ کا امیر بنوا دیا تھا۔ اور جسکو شریف حسین نے بغاوت کرکے نکال دیا تھا۔ اسی
علی حیدر نے ایک مسیحی سے شادی بھی کر لی تھی جو عیسائی ہی رہی۔ اگر خدانخواستہ وہ شریف رہتا تو شریف
مکہ کی بیوی ایک عیسائی انگریزن ہی رہتی۔

اسی درمیان میں خدا کا کرنا یہ تھا کہ مصطفیٰ کمال پاشا نے جدید اسمبلی جسکو (Constituent Assembly)
کہا جاتا ہے اپریل ۱۹۲۰ء میں انگورہ میں طلب کرکے ۲۳ اپریل ہی کو اعلیٰ قومی مجلس (Grand
National Assembly) قائم کر دی کیونکہ قسطنطنیہ میں سلطان نے خود ہی پارلامنٹ کو برخاست کر دیا تھا۔
مئی ۱۹۲۰ء میں قسطنطنیہ کی حکومت کو شرائط صلح پہنچ گئے جبکہ سان ریمو کی کانفرنس ہو چکی تھی۔ اور ۱۰ اگست
کو صلحنامہ سیورے پر دستخط بھی سلطان نے قسطنطنیہ میں کرائے۔ پھر ترکی تک قسطنطنیہ کی حکومت سلطانی سے
باہر ہو گیا۔ فروری میں [illegible] لندن میں کانفرنس ہوئی۔ مگر بے نتیجہ۔ اور ستمبر [illegible] اگست ۱۹۲۲ء میں دوبارہ
سکاریہ پر یونانیوں کو شکست ہوئی اور ۹ ستمبر کو کمال پاشا سمرنا میں داخل ہوئے بلکہ ایشیائے کوچک کو یونانیوں
سے خالی بھی کرا لیا تب ۱۱ اکتوبر کو مودانیہ کی صلح عارضی ہو کر نومبر ۱۹۲۲ء میں لوزان کانفرنس بیٹھ گئی۔ اس
کانفرنس میں قسطنطنیہ کی سلطانی حکومت بھی طلب ہوئی تھی لیکن رفعت پاشا نے قسطنطنیہ پہنچکر وہاں کی حکومت
کو مجبور کیا کہ دعوت نامہ کی جو منظوری دی گئی تھی اسکو واپس لیا جاوے اور اعلیٰ قومی مجلس نے اپنی حکومت
کا اعلان کر دیا۔ بلکہ ۴ نومبر کو رفعت نے قسطنطنیہ پر پورا قبضہ بھی کر لیا۔ مگر پھر بھی سلطان نے خط ہمایوں اور
شیخ الاسلام نے اپنے فتوے سے قومی حکومت کو ناجائز اور قومیت والوں کو باغی قرار دیا لیکن جب ۱۰ نومبر
۱۹۲۲ء وحید الدین سلیم لیاپ کے واسطے جمعہ کو گئے تو کسی نے بھی ساتھ نہ دیا۔ نہ عزت کی۔ اسی کے ایک ہفتہ بعد
وحید الدین اپنے بیٹے ارطغرل کو ہمراہ لیکر انگریزی جہاز سے مالٹا کو روانہ ہو گئے۔ انگورہ سے تو سلطان
کی روانگی سے سولہ یوم قبل ہی سلطانیت کو توڑ دیا گیا تھا۔ تب ہی ۲۴ نومبر کو رفعت نے عبدالمجید کو خلیفہ بنایا۔ وہ ڈولما
باغچہ سے نکل کر خلیفہ محل شاہی میں جب آئے تو اعلیٰ مجلس قومی کا سپاس نامہ پیش کیا گیا اور سونے کی کنجی بھی اس

صندوق کی دی گئی جس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تبرکات رکھے تھے۔ وہاں سے پھر رفعت ہی کے ہمراہ خلیفہ مسجد محمد فاتح کو گئے جہاں علماء نے اطاعت کی اور خلیفہ کے لئے پہلا سلیم لیک وہاں کیا گیا۔ مگر اسوقت خلیفہ فزلوپلی اور ترکی کورٹ سے مبعوث تھے[1]۔ ۲۰ر اکتوبر ۱۹۲۲ء اتحادیوں نے قسطنطنیہ کو خالی کرنا شروع کردیا تھا دنیا میں (۱۵ ½) ملین ترک کہے جاتے ہیں جس میں سے (۱۱ ½) تو ٹرکی میں (۲۸) ملین روس میں۔ پانچ ملین ایران میں (۳ ½) ملین چین میں (۱ ½) ملین افغانستان میں اور ایک ملین بلقان میں[2]۔ اپریل ۱۹۲۸ء میں اسلام کو سلطنت کا مذہب کمالیوں نے نہیں قائم رکھا۔ کیونکہ ۲۹ر اکتوبر ۱۹۲۳ء کو وہ ریپبلک ہو گئی تھی۔

انگورہ یا انکارہ

انگورہ تو اناطولیہ کے قلب میں واقع ہے۔ اور ایک پہاڑی شہر ہے جسکی گذشتہ تاریخ بھی شاندار کہی جاسکتی ہے۔ سلجوقیوں کے پتھر کے شیروں، روما اور بازنطینیہ کے وقتوں کی بکثرت و قیمتی یادگاریں حضرت داؤد کی قبر اور شاہ آگسٹس کا مندر وغیرہ سب ہی اسکا پتہ دیتے ہیں کہ باوجود پہاڑ و جنگل کے شاہان سلف وغیرہ نے یہاں بھی منگل منایا تھا۔ موسمی اعتبار سے گو تکلیف کا مقام ہے۔ ہر موسم سخت ہوتا ہے۔ گرمی بھی زور کی ہوتی ہے اور سردی بھی بہت زائد۔ ترکوں کو انگورہ سے گھر کی سی محبت ہے۔ کہا جاتا ہے کہ مراد اول یا اسکے بیٹے بایزید اول نے انگورہ کو بھی بہت کچھ رونق دی تھی۔ اسکے ایک جانب تولق و دق ریگستان ہے جس میں جا بجا دلدلیں ہیں بلکہ خود انگورہ میں بھی وہ پائی جاتی ہیں اور زمین تو سدد رہ شور ہی ہے۔

تاریخ بتلاتی ہے کہ خلافت شیعہ کا یہی قدیم دار السلطنت تھا۔ اور مصطفیٰ کمال نے فوجی اسباب اور سیاسی مصلحتوں سے ۲۷ر دسمبر ۱۹۱۹ء کو القرہ یا انگورہ کو مستقل طور پر اپنا مستقر بنا لیا تھا۔ ان کی جدید اور مستقل قیام گاہ بذریعہ ریل باسفورس سے ملی ہوئی تھی جس سے فائدہ یہ ہوا کہ دار النائبین کے انتخاب کی نگرانی مشکل نہ رہی تھی یہیں ۱۸ر مارچ ۱۹۲۰ء سے مجلس ملی کبیر کے انتخاب کے کام کی ابتدا ہوئی تھی اور ۱۳ر اکتوبر ۱۹۲۳ء کو قانوناً انگورہ کو مستقل پایۂ تخت بنا لیا گیا تھا۔

---

[1] دیکھو صفحات ۱۸۰-۱۶۶ کتاب مسر ہیری لیوک مذکورہ [2] دیکھو صفحہ ۲۱۰ کتاب مسر ہیری لیوک مذکور

پایۂ تخت بنا لیا گیا تھا۔

یہاں کی زمین میں اس قدر نمک تھا کہ جہاں کہیں بھی زمین کھودی جاتی وہیں بارش کے بعد نمک سطح پر آجاتا اب تو دلدلوں کو خشک کرکے گھوڑ دوڑ کے میدان اور باغات وغیرہ بنائے گئے ہیں۔ سنہ ۱۹۲۵ء میں انقرہ کے قدیم شہر سے متصل جدید شہر کی بنیاد ڈالی گئی تھی۔ اسی سال ہلال احمر اور مدرسہ قانون کے ادارے بھی قائم کردیئے گئے تھے اور اُس وقت سے لیکر اب تک دو ہزار سے زائد مکان بن چکے ہیں۔ سرکاری اور قومی عمارتیں بھی بکثرت بنگئی ہیں۔ وزراء کی قیام گاہیں۔ اعلیٰ سے اعلیٰ ہوٹل۔ دفاتر۔ اسپتال۔ مدرسے عجائب خانہ۔ بالخصوص عصمت پاشا کے نام کا لڑکیوں کا مدرسہ قابل دید ہیں۔ مئی سنہ ۱۹۳۵ء میں اس کی آبادی بچاسی ہزار تک پہونچگئی تھی گرمی کے موسم میں سرکاری عہدہ دار عموماً استنبول چلے جاتے ہیں اور کمال پاشا بھی استنبول یا یالوا کو چلے جاتے ہیں مگر اب تو انگورہ کی ایک محبان وطن کی جماعت نے یہ کوشش شروع کردی ہے کہ گرمی کے موسم میں بھی سب لوگ وہیں قیام کیا کریں۔ متعدد دیگر عالی شان عمارت۔ فوجی اداروں اور بنگلوں کی بھی تعمیر ہوگئی ہے۔ شہر اور مضافات شہر میں بجلی اور گیس روشنی کا انتظام بھی ہوگیا ہے۔ رومن حکومت کے زمانہ کی پانی کی نہریں تو مسمار ہوچکی تھیں۔ مگر اب بڑے بڑے حوض بنائے گئے ہیں جن میں پانی جمع رہتا ہے اور انھیں میں سے شہر میں تقسیم ہوتا ہے چوڑی چوڑی سڑکیں جن کے کنارے پر عمارتیں اور درخت نصب کئے گئے ہیں۔ اور باغات بھی لگائے گئے ہیں نکالی گئی ہیں مجلس ملی کبیر کا باغ تو خصوصیت سے قابل ذکر ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملیریا کی وبا سے بھی نجات مل گئی۔

مصطفےٰ کمال کے دارالسلطنت کو منتقل کرنے کے خیال سے پیشتر جرمن فوجی مشن کے افسر اعلیٰ وان ڈر گولٹز نے بھی یہ تجویز پیش کی تھی مگر دراصل قسطنطنیہ کی مشکلات کا اندازہ کرکے جدید حکومت کو محفوظ رکھنے کا خیال اُس کا باعث تھا۔ تمام صوبوں پر قسطنطنیہ کے دارالسلطنت رکھنے سے مالی بار بھی بہت غیر معمولی تھا۔ ہر قسم کے اخراجات دوری کے سبب زائد ہوتے تھے۔ بحر ایجین کے یورپ کی طرف کے ساحلوں کے ہاتھ سے نکل جانے کے بعد قسطنطنیہ کی حفاظت تو زائد مشکل ہوہی گئی تھی۔ تب ہی تمام وجود کے غور کے بعد یا تو قونیہ کو یا انگورہ کو منتخب کرنا لازمی تھا۔

جب مصطفےٰ کمال نے سلطان مراد اول کے عہد دارالسلطنت ہی کو قونیہ پر ترجیح دی تو کل شہر اور اسکی تمام تعمیرات کمال پاشا ہی کے خیال کی تصویر بن گئیں یہاں پہونچکر اب تو وہ بیرونی

خطرات اور مخلوط آبادیوں کی خطرناک سازشوں سے مزید محفوظ ہو گئے ہیں۔ اور واقعتاً اگر غور کیا جائے تو انگورہ کوئی آرام و لطف کی جگہ نہیں ہے بلکہ ابتداء میں تو محض رہائش کے لئے اور غریبانہ پیمانے پر نئی ضروریات کے لئے وہاں قیام گاہیں بنائی گئی تھیں اور جنہیں کہ وہ باری زندگی بسر کرنے کے لئے کمال پاشا اور ان کے ساتھی یہاں آئے تھے لیکن اب یہ شہر بھی بڑا ہی شاندار ہو رہا ہے اور ترکی تراش و خراش کا مرکز ہو کر قوم کے خیالات اور ارادوں کا دلکش ترجمان بن رہا ہے۔ اپنے خیال میں ترک تو یہاں کھیل و تماشے کے لئے نہیں آئے ہیں۔ بلکہ یہیں سے پھر ترقی کا سبق حاصل کرکے دنیا میں اپنے کو ایک زندہ قوم بنا کر دکھلانے کا ارادہ کر چکے ہیں۔ اور جس طرح ماہرین فن کی امداد سے انگورہ بن رہا ہے اسی طرح قوم اتاترک کی مدد سے اپنے کو نئے سانچوں میں ڈھال رہی ہے۔

سلطنت کے عہدہ داروں اور سفرائے دول غیر کا قیام زیادہ تر انگورہ ہی میں اب ہونے لگا ہے اور حال میں وزارت اقتصاد نے تین لاکھ کے سرمایہ سے ایک بڑے بنک کی عمارت بنائی ہے۔ نیز محکمہ اوقاف نے تعمیر و ترمیم مساجد کی طرف خاص توجہ شروع کر دی ہے اور تقریباً چھ سو مساجد خود انگورہ اور اس کے گرد و جوار میں بن گئی ہیں۔ جنہیں علمی کتابوں کا ذخیرہ بھی رہا کرے گا۔ اور عوام کے لئے وہی مطالعہ گاہ کا کام دینگی۔

ہندوستان ٹائمس اخبار مورخہ یکم جون ۱۹۳۴ء کے صفحہ ۲ سے یہ خبر بھی معلوم ہوئی ہے کہ "انگارہ کی میونسپل کمیٹی نے ارادہ کر لیا ہے کہ اپنے شہر کو خوبصورت ہی بنا کر رہے گی۔ چنانچہ ایک حکم کے ذریعہ سے اس کی ممانعت کر دی گئی ہے کہ کپڑے سکھلانے کے واسطے بھی ڈھیلے کپڑے تک کسی عام راستہ یا گلی میں مکانوں پر لٹکے نہ دکھلائی پڑیں اور باشندگان شہر کو اُنکے مکان کے احاطوں اور باغات میں مرغیوں وغیرہ کے رکھنے پالنے کی بھی ممانعت کر دی گئی ہے۔"

شام

شام جو عرب اور ترکی کی حکومت کی سرحد پر اب ایک علیحدہ حکومت بنا دیا گیا ہے اور اس پر بھی مختلف حکومتوں کا ہمیشہ دانت رہا۔ بیروت اور الیگزینڈریٹا کے سواحل ہی سے ہر کاروان ترقی اور فتوحات کے لئے بڑھا کرتا تھا مگر جب سے کہ نہر سویز کھل گئی شام کی طرف سے حرص کی نگاہ کم ہونے لگی تھی۔ کیا ایرانی اور کیا رومن سلطنتیں، کیا بازنطینی اور کیا ترک سب ہی اسی طرف سے بڑھے تھے انیسویں صدی کے آخری حصہ میں تو روس بھی شام کے معاملات میں خاص حصہ لینے لگا تھا عربی نژاد قوموں کی نگاہ میں تو دمشق کی جو شام کا ایک شہر ہے بڑی وقعت تھی۔ بلکہ وہ تو روحانیت اور اسلامی تمدن کا مرکز ہی سمجھا جاتا تھا۔ بیروت کی بھی وہی حالت تھی مگر یہاں تو عیسائی مشنوں نے امریکہ و فرانس کی بدولت لاکھوں عربوں کو عیسائی بنا لیا ہے اور علم و ہنر سے بہرہ مند ہو کر ان میں بھی قومیت کا خیال خوب زور پکڑ گیا تھا۔ سنہ ۱۹۲۲ء تک تقریباً ۲۰ لاکھ کی آبادی شام میں تھی جس میں ۱۵ لاکھ کے قریب سنی المذہب مسلمان عرب تھے۔ لاذکیا کی صرف آبادی تقریباً دو لاکھ ۲۵ ہزار تھی اور وہاں بکثرت علوی النسل مسلم آباد ہیں لبنان میں جمہوری حکومت تو پہلے سے ہے جبل دروز میں تو ایسی آبادی تھی کہ جس سے ترک ہمیشہ مصیبت میں رہتے اور اب وہاں بھی خاصی ترقی ہو رہی ہے۔ فرانس کو جنگ کے بعد سے شام کی سیادت دیگئی تھی اور الجیریا و ٹیونس کی طرح شام میں بھی فرانس کی یہ کوشش تھی کہ آزاد مرکزی حکومت کے طریقے وہاں سے جاری کر کے خوبی سے کام چلا دے۔ مگر مختلف اقوام و مذہب کی موجودگی سے کامیابی نہ ہو سکی۔

ہر فرقہ اپنی آزادی اور فوقیت کا خواہشمند ہو گیا تھا جس سے ان کا ایک اتحاد (فیڈریشن) بنا کر چلانے کی تدبیر ناکام رہی۔ کہا جاتا ہے کہ اٹلی کی سازشوں سے مشکلات بڑھتی رہی تھیں۔ کیونکہ اس کی خواہش یہ معلوم ہوئی تھی کہ ٹیونیشیا سے شام کا تبادلہ کر لیا جاتا۔ مگر اب تو فرانس نے شام کو آزادی دینے کا اعلان بھی کر دیا ہے اور عیسائی، مسلم۔ اور یہودی سب ہی مکمل آزادی کی کوشش کر رہے ہیں۔

دراصل تو سنہ ۱۹۲۰ء میں امیر فیصل اور فرانس سے جو جنگ ہو گئی تھی اس کا باعث بھی عرب کے مشہور کرنل لارنس ہی ہوئے تھے۔ کیونکہ دمشق میں بھی وہ عربوں کی حکومت قائم کرا دینے کے کوشاں تھے

مگر جب فرانس نے فیصل کو شکست دی تو وہ منصوبہ خاک میں مل گیا۔

۳۰ جون ۱۹۳۷ء کے اخبارات کی خبروں سے دنیا کو عربوں۔ ارمنیوں اور سنجکوں کے اوس سخت احتجاج بلکہ اسٹرائک کی خبریں بھی معلوم ہوئی تھیں جو انھوں نے لیگ اقوام کے فیصلے کے بابت انٹیاک اور الیگزینڈریٹا میں سنجک کے آیندہ انتظام ملکی کے متعلق کر رکھی تھی اور جس کے متعلق لیگ کو احتجاجی تار بھیجے گئے تھے۔ مگر ابھی تک اسکا پتہ نہ تھا کہ کسکا ہاتھ اس ریشہ دوانی میں کام کر رہا تھا۔ تاہم ترکوں کے حقوق لیگ نے وہاں تسلیم کر لئے ہیں۔

آرمینیا و ارمنی اقوام

سرزمین اناطولیا۔ ایسی بدقسمت کہی جاتی ہے کہ رومن فاتحین۔ پھر تیموری۔ پھر سلجوقی۔ اور پھر عثمان کی اقوام سب ہی نے تو اس پر اپنی تلوار کے جوہر دکھلائے جس طرح کہ عربوں نے اسکی آزادی کو خاک میں ملانے کے واسطے زیر کیا تھا۔ اناطولیا ہی میں ارمنیوں کی آبادی بھی زیادہ تھی اور باوجود بازنطینوی حکومت کے عروج کے ارمنیوں کو کبھی آزادی نہ نصیب ہو سکی۔ روس نے بھی انپر حکومت کی بلکہ ۱۸۲۹ء کے صلحنامہ ایڈریانوپل سے تو بکثرت ارمنی روسیوں ہی کی رعایا ہو گئے تھے۔ جبکہ حصہ ملک بھی ترکوں سے روس نے لے لیا تھا۔ اسوقت انکا قاعد اعظم بھی روس کی حفاظت میں چلا گیا تھا۔ یہی وہ زمانہ تھا کہ جب سے ارمنیوں نے ترکوں کے خلاف ہر قسم کی سازشیں کرنا شروع کر دی تھیں ۱۸۷۷ء میں جب روس نے ارض روم پر قبضہ کر لیا تھا تو ارمنی والنٹیر روس ہی کی جانب سے ترکوں سے لڑے تھے جنیوا کے مقام پر اونکا قومی سازشی مرکز بھی قائم تھا جسکی شاخیں تمام ترکی حکومت میں پھیلی ہوئی تھیں اور رہا ان کا ترکوں کو اسکا پتہ تھا مگر روس کی امداد کے باعث ترک ہر قسم کے مواخذے سے مجبور تھے ۱۸۹۳ء میں تو انہوں نے ایک صبح کو ایشیائے کوچک کے بڑے بڑے تمام مقامات پر ترکی حکومت کے خلاف اشتہارات چسپاں کرا دیئے تھے جسکو کہ واقعۂ آفت کے نام سے مشہور کیا گیا تھا۔ ان اشتہاروں میں سلطان عبدالحمید ثانی کے مظالم کے بیان کے ساتھ بغاوت کی ترغیب[1] تھی۔

---

[1] دیکھو صفحہ ۱۳۲ اسر ابرٹ ونڈھم کی کتاب اسٹارم سنٹر آف الیسٹ مطبوعہ ۱۹۳۳ء۔

اسی لئے مقامی ترکی افسروں نے واقعۂ یافہ کے بعد حکومت کے حکم سے تمام اناطولیا میں ارمنیوں کو قید میں لینا ضرور شروع کر دیا تھا۔ سر رابرٹ ونڈہم نے اپنی کتاب "اسٹارم سنٹر آف نیر ایسٹ"[۱۳۸] صفحہ ۱۳۹ میں مجبور ہو کر یوں لکھا ہے کہ "گو ارمنوں کے خلاف اسکا ثبوت ملنا مشکل تھا کہ وہی واقعہ یافہ کے ذمہ دار تھے اور انھیں کے حرکات و ترغیبات کے باعث بلوہ ہوا تھا تاہم یہ اغلب سے بھی زائد ہے کہ وہ تمام باغیانہ اور بیہودہ مظاہروں کے ذمہ دار ضرور تھے" انھیں کی تحقیقات سے یہ بھی نتیجہ نکالا گیا تھا کہ "دو سو جماعتیں جنکو ہنچیک (Hunchak)، "دیشنگ" (Dashnak) کہتے تھے ارمنی ایجنٹوں کی شہر بہ شہر پھیلی ہوئی پائی گئی تھیں جہاں جہاں کہ ارمنی قوم کی آبادی زائد تھی اور وہ سب ہتھیار بند تھے کیونکہ کھلے بندوں تو جنگ انکے امکان میں نہ تھی۔ ترک اور کرد بہادر دل سے وہ گھبرے ہوتے۔ فوج اور پولیس بھی سرکوبی کو تیار رہتی۔ مگر در اصل تو ارمنیوں کا مقصد صلحنامہ برلن کی پابندی کرانا تھا نہ کہ بغاوت۔ مگر وہ یکہ دکا پاکر فوجی دستوں پر بھی حملہ کر دیتے تھے۔ انکی فوج جسکو کامی ٹیڈجیس (comitadjis) کہتے تھے اس سے تار برقی وغیرہ کٹوا کر سرکاری مکانات پر بم کے گولے بھی دو ڈھلکواتے تھے تاکہ ان حرکتوں سے ترک برخاست ہو کر ظلم کرتے اور تب ترکوں کا ظلم بیان کرکے دول یورپ کے واسطے وہ مداخلت پیدا کر سکتے۔ اپنی ان حرکتوں کو وہ قربانی کہکر خود شہید قوم کا خطاب بھی حاصل کر سکتے تھے اور آخر میں حصول آزادی و حقوق کا ذریعہ اسی کو یقین کرتے تھے گو وہ لوگ جو اس طرح کی بیہودگیاں کرتے وہ خود کسی طرح کی آگ میں نہ پھاندتے اور محفوظ رہتے[۱۴۰]"

یونانیوں کی طرح ارمنیوں کے ہاتھ میں بھی ترکی میں بہت کچھ تجارت تھی گو انکے قلوب پر روس ہی کی حکومت تھی اور اکثر مورخین کی رائے ہے کہ ارمنیوں کی بدقسمتیوں کی بہت کچھ ذمہ داری دول اقوام کے سر تھی۔ اسی طرح بعض مورخین کی رائے میں ارمنیوں نے اسوقت سے انقلابی تحریک اٹھائی تھی جب سے کہ ۱۸۹۵ء میں ترکوں نے بے وجہ انکو تہ تیغ کرنا شروع کیا تھا۔ مگر واقعات اس رائے کے خلاف ہی ہیں۔ ۱۹۰۹ء میں تو ارمنیوں اور ترکوں سے ایک زبردست جنگ بھی ہوئی تھی یہاں شہزادہ گولٹزن (Galitzin) نے انیسویں صدی کے آخر میں قاف کے گورنر مقرر کرائے گئے تھے انھوں نے وہ تمام مصالحہ اور سرمایہ جو کہ ارمنیوں نے اپنے مدرسوں اور گرجاؤں میں ترکوں کے خلاف غداری اور فسادات کے لئے جمع کیا تھا ضبط کر کے انکی تحریکات کا پورا راز بھی افشا کیا تھا جس سے تمام دنیا نے ارمنیوں کی اصلی حالت کو جان لیا تھا[۱۴۱]

۱۳۸ [illegible] صفحہ ۲۲۳ ۱۳۹ کتاب اسٹارم سنٹر سر رابرٹ ونڈہم [illegible] ۱۴۰ کتاب سر رابرٹ ونڈہم اسٹارم سنٹر آف نیر ایسٹ صفحہ [illegible]

"کردوں اور ارمنیوں میں جب ۱۸۹۴ء ۱۸۹۵ء میں ساسون کے پہاڑوں میں بڑی جنگ ہوئی تھی اسکا بھی الزام متعصب مورخین نے ترکوں ہی پر لگایا تھا اور یورپ بھر میں بھی کہکر واقعات کو خوب اچھالا گیا تھا۔ لیکن اس وقت انگلستان کے اخبارات نے ترکوں کی خوش قسمتی سے انکو غلط ثابت کرکے دکھلا دیا تھا۔ اور ۲۴ نومبر ۱۸۹۴ء کو حکومت ترکی کی جانب سے ایک کمیشن بھی اسکی مکمل تحقیقات کے واسطے بٹھلایا گیا جو دسمبر میں ارض روم پہنچا اور جنوری ۱۸۹۵ء میں موش گیا۔ گواہوں کے اظہارات لئے گئے اور کمیشن کی رپورٹ پر سلطان عبدالحمید ثانی نے مشرقی صوبجات ایشیائے ترکی میں ہر ترکی گورنر جنرل کے ماتحت ایک عیسائی کا بھی تقرر کردیا اور شاکر پاشا کو اصلاحات کے واسطے انسپکٹر جنرل مقرر کرکے عیسوی حکومتوں کا پورا اطمینان بھی کرادیا تھا۔ پاشا مذکور نے علاوہ دیگر ممبر کے سفرا کو بھی شہروں میں شریک کرکے ہر طرح پر ارمنیوں کی دادرسی اور حفاظت کا سامان کردیا تھا۔ گو پھر بھی ارمنیوں نے انکی تمام اصلاحی تدبیروں کو ٹھکرا دیا اور ماننے بغیر ترکوں سے ملکر کام کرنے سے گریز ہی کیا۔"[1]

غرضکہ ارمنیوں نے خود شعلہ بیانیوں کا جال تمام یورپ میں ترکوں کے خلاف پھیلا رکھا تھا۔ یہانتک کہ نومبر ۱۹۱۳ء میں ترکی اور ارمینیا کے معاملہ کے واسطے عیسائی حکومتوں نے سلطان وقت کو مجبور کردیا کہ ایک ویسا ہی معائنہ کنندہ افسر ارمنیوں کے حقوق کی حفاظت کے لئے مقرر ہو جیسا کہ تھریس کے عیسائیوں کے واسطے کرا چکے تھے۔ تاہم یکم نومبر ۱۹۱۴ء کو جنگ عظیم کے شروع ہوتے ہی روس نے ایک کثیر والنٹیر ارمنی فوج کے ساتھ مشرقی اناطولیا میں مسلمان ترکوں کا خاصا قتل کرایا۔ تب ہی تو اس ترکی فوج نے جو میدان جنگ سے واپس ہورہی تھی ارمنیوں سے سخت بدلا لیا حالانکہ ۱۹۱۶ء میں روس نے ارض روم کو لے لیا تھا۔

سر رابرٹ ونڈھم کو بھی تسلیم ہے کہ "ارمنیوں کی خفیہ مجالس کے کارکن قاف، یونان، نیز سوئٹزرلینڈ تک میں بغاوت کے مشابہ خیالات اور تحریکات کا اعلان کرتے تھے اور امریکہ کے مشنری بھی ولایت [illegible] میں رعایا کو حقوق طلبی پر ترکوں کے خلاف بیدار کرتے تھے۔"[2]

صاحبزادہ سید احمد نے جس طرح یونانیوں کے حقوق کو چمکایا تھا۔ اسی طرح ارمنیوں کے حقوق بھی سلطنت ترکیہ میں قائم کررہے تھے مگر لوزان کے معاہدہ سے عیسائی ارمنی رعایا ایشیائے کوچک سے باہر ہی کرادی گئی۔ جنگ عظیم یورپ سے قبل تک تمام ترکی حکومت میں ارمنی عیسائی تقریباً اٹھارہ لاکھ کہے جاتے تھے۔ اور جنگ بلقان کے زمانہ میں تو ارمنیوں نے مکمل آزادی کی کوشش کی تھی بلکہ ایک وفد بھی لندن [illegible] سے بھیجا تھا۔

---

[1] دیکھو صفحات ۱۴۵، ۱۴۸، ۱۵۵ کتاب سر رابرٹ ونڈھم مذکورہ [2] دیکھو صفحہ ۱۲۰، ۱۲۲ کتاب سر رابرٹ ونڈھم۔

فلسطین - بیت المقدس - اور یہود

فلسطین کی قدامت کرۂ ارضی پر کسی نہ کسی قسم کی تحریر یا نشانوں میں آفرینش عالم کے وقت سے ابتک دکھلائی پڑ رہی ہے اُس کے موجودہ شہر بیت المقدس کا وجود بھی امارنا (amarna) کی تختیوں پر کھودے ہوئے نقوش میں یعنی تحریری نقوش سے پہلے مانا گیا ہے اور انسان کی یاد میں دنیا کا کوئی مقام بیت المقدس سے قدیم اسقدر نہیں دریافت ہو سکا ہے ۔

یہود نے بیت المقدس کے تقدس کو اُس وقت مانا تھا جب کہ اُنھوں نے انٹی اوکس ایپی فینس (antiochus Epiphanus) کو شکست دی تھی ۔ عیسائیوں نے تو سینٹ ہیلینا (Saint Helana) کی ایجاد صلیب (Crosse) کے باعث کہا مگر مسلمانوں کے قرآن ہی نے اس کو منوا دیا ۔ بلکہ انھوں نے تو اسے جنت کا زینہ ہی جان رکھا تھا جس طرح کہ سے میں گیلیلیو (Galileo) کے جوڑا (Gallileo) نے جو ایک عیسائی پادری تھا ۔ ۔ نہیں سے کلمۂ لا الہ الا اللہ کی تلقین شروع کی تھی ۔

مسلمانوں نے تو تمام دنیا کے مقابلے میں اسی شہر کو "القدس" کہا تھا جبکہ عبدالملک نے یہاں ایک پتھر کا گنبد بنایا تھا ۔ یعنی دنیا کے تین بڑے مذاہب کا یہ شہر دلوں سے لگا ہوا دی ۔ یا ہے اور اسی کی گھاٹیوں ۔ پہاڑیوں اور میدانوں میں تینوں مذاہب خوب پھلے اور پھولے بلکہ وہاں پہونچکر دنیاوی گناہوں کے دُھل جانے کا عقیدہ سب کے یہاں یکساں طور پر مانا گیا تھا ۔ لہذا اُسکی ملکیت کی خواہش جیسی کسی کو بھی ہو بیجا نہیں ہے اور در اصل تو کل فلسطین کی عزت بیت المقدس کے باعث سب ہی کے دلوں میں ہے وہاں کا فلاح تک تو اپنے کو کسی نہ کسی پیغمبر ہی کی نسل میں ہونا کہتا ہے ۔

یونان اور روما کی حکومت کے وقتوں کا نام فلسطین و پیسٹین (Palestine) او ۔۔

لہ دیکھو دیباچہ "فلسطین" از جکیب و ڈی ہاس ۔ دیکھو صفحہ ۸ کتاب ہسری برٹش وڈھم مذکور ۔

ٹائیٹس (Titus) نے غارت کیا تھا اور گویا ہیراڈ (Herod) اور اس کے جانشینوں کے
ایک بنائے ہوئے شہر و قلعوں وغیرہ کے بجائے ایک جدید شہر آباد کرا دیا تھا۔ مگر ہیڈرین (Hadrian)
کی جنگوں نے اس کو بھی مٹا دیا۔ پھر چوتھی صدی عیسوی میں سلطنت بازنطینیہ کے ہاتھ میں وہی شہر آ گیا
جس کو بیت المقدس کہا جاتا ہے اور عربوں کی فتح کے بعد سے وہی شہر ایک بڑی ہی تجارت کی منڈی
بن گیا۔ سلطان صلاح الدین کی فتوحات نے وہاں کے گرجوں، کلیسوں اور خانقاہوں سے بت پرستی
کا نام و نشان تک اڑوا دیا۔ پھر سلطان سلیمان ذیشان نے ۱۵۲۷ء و ۱۵۴۲ء کے درمیان شہر
کے گرد ایک عظیم الشان چار دیواری بھی بنوا دی۔ اور موجودہ شہر تو اب تین صدیوں کی یادگار ہے۔ مورخین
کا اس پر اتفاق ہے کہ ہیراڈ کے زمانہ کا کل فلسطین سرسبز زرخیز اور خوب آباد تھا۔ مگر بازنطینوی تسلط
کے وقت سے تمام برائیوں اور بدکاریوں کا مرکز بھی ہو گیا تھا۔ حضرت عمر فاروق رض کے فتوحات کے بعد سے
ترکوں وغیرہ سے بھی زیادہ اس کی ترقی تھی۔ بلکہ بنی امیہ کے عہدوں میں تو ایسا تمدن اور علم وہاں پھیلا تھا
کہ جس کا جواب ہی نہیں ہو سکتا۔ اگر عیسوی مذہبی جہادوں نے تو فلسطین کو بار بار پامال ہی کر ڈالا اور واقعہ
تو یہ ہے کہ یہود کے مغضوب ہونے کے وقت سے بیت المقدس یہود کے علاوہ دوسرے ہی مذاہب
اور اقوام کے قبضہ میں رہا۔ اب سے انیس صدی قبل رومن حکومت نے یہود کا نہایت مقابلہ کر کے انھیں زیر
کیا تھا اور اب تو کوئی شخص بھی فلسطین بھر میں اصلی فلسطینی نہیں باقی رہا ہے بلکہ کل آبادی باہر کا خون ہے
اور نسلی خلط ملط سے شاہ و غلام، مشرقی و مغربی سب ہی قسم کی نسلوں اور مذہبوں کا میل جول ہو کر رہ گیا
ہے۔ یہ متعدد نسلوں کے حکمران بھی ہو چکے ہیں۔ یہود کے زمانہ میں بیت المقدس ہی فلسطین کا
دار السلطنت تھا۔ رومن و بازنطینوی حکومتوں کے وقت میں سیزریا (Caesarea) کو دار الخلافت
بنا دیا گیا تھا۔ عیسوی اور فاطمی عربوں نے ریمیلہ (Romaleh) کو دار الحکومت بنایا مگر عباسیوں نے بغداد
سے [illegible] سلطنت کی اور ترکوں نے پیشتر دمشق کی گورنری کے ماتحت اس کو رکھا اور
دو بار یہودی الاصل اشخاص ہی کو گورنر مقرر کیا لیکن ۱۸۶۰ء سے قسطنطنیہ ہی سے براہ راست متعلق کر دیا گیا
تھا۔ چنانچہ ایک زائر کا بیان ہے کہ سترھویں صدی عیسوی میں یہاں ستتر (۷۷) زبانیں بولی جاتی تھیں۔ اور
در اصل تو بیت المقدس کو اگر مغرب کی مشرقی سرحد اور مشرق کی غربی سرحد کہا جاوے تو بیجا نہ ہو گا۔
[illegible] (Zamolna) [illegible] شاہ روما کو ملکہ زینوبیہ (Zenobia) نے
[illegible]

اپنے شوہر کے قتل کے بعد اپنا شریک تخت و تاج کر لیا تھا اور دونوں نے پرٹبیس (Pro-bi-atus) کو شکست دیکر فلسطین و مصر کا سفر کیا اور دونوں عیش و عشرت میں جب مشغول ہو کر سلطنت سے غافل ہو گئے تو پال سیموسٹائی (Paul of Samosata) کا ملکہ پر بیحد اثر ہو گیا۔ یہ اینٹیاک (Antioch) کا بشپ تھا اس پادری نے رسم ختنہ کو بھی رواج دیا تھا نیز حضرت عیسیٰؑ کو ایک محض انسان جن پر وحی آتی تھی۔ کہنا شروع کیا تھا کہا جاتا ہے کہ اسی زمانہ سے یہاں عیسائیت کی گویا ابتدا ہوئی تھی۔ پھر تو ۲۲۸ء میں آریجن (Origen) کے دورۂ فلسطین نے عیسائیت کو پورا رواج دیدیا۔ یہ شخص قلم کا بڑا زوردار تھا۔ چھ ہزار تصنیفات اس کی کہی جاتی ہیں۔ اسی نے فلسطین میں عہد عتیق یا قدیم انجیل (Old Testament) کو چھ قسم کی ترکیبوں سے چھ مقابل خانوں میں علیحدہ علیحدہ لکھا تھا۔ یعنی (Hexapla Editions)۔

ایک تاریخ کی رو سے فلسطین میں عیسائیت کی پوری بنیاد تو ظالم شاہ کانسٹنٹائن (Constantine) کے عہد سے کہی جاتی ہے اسی بادشاہ نے اپنی ایک بیوی۔ بچہ اور خسر کا گلا اپنے ہی ہاتھ سے گھونٹا تھا۔ اس نے ۳۲۵ء سے ۳۳۷ء تک حکومت کی تھی لیکن فلسطین کی قسمت بھی اس وقت سے خوب ہی طرح جاگی تھی جبکہ روما کے شاہ تھی اوڈوسیس (Theodosius) نے ۳۹۵ء میں اپنی سلطنت کے دو ٹکڑے کر کے اپنے دو بیٹوں پر تقسیم کر دی اور پانچویں صدی عیسوی سے لیکر ڈھائی سو سال تک تو گویا بیت المقدس ہی کی حکومت سلطنت روما کے مشرقی حصہ تک میں رہی۔ اور تمام مغربی دنیا نے بھی گویا عقیدت مندی سے اسکے سامنے اپنا سر جھکا رکھا تھا۔ مگر ۳۲۵ء سے حرام کاری و ہر قسم کی بدکاری کا تنزل بھی یہ مقام بن گیا تھا۔ چنانچہ ۶۱۴ء کے قریب شہنشاہ ہرکلیس (Heraclius) نے یہود کے لئے بیت المقدس میں اونکی بد اعمالیوں کے باعث قیام تک کی ممانعت کر دی تھی۔ اور تقریباً ۶۲۷ء میں اُسنے بیڑا اٹھا دعیسائیت کی حمایت میں خسرو ثانی شاہ ایران کے مقابلہ میں کیا۔ جس کے واسطے گرجاؤں تک سے قرض لیا گیا تھا۔ اور عیسائیوں کی فتح ہوئی تھی۔ چنانچہ یہود پر ایسے مظالم ہرکلیس نے کئے تھے کہ جسکی کوئی انتہا نہ تھی۔ اور پھر جب شاہ فوکس نے مظالم کی دنیا میں حد کر دی۔ تو پھر خسرو ثانی نے بھی جی کھول کر ایسا بدلا لیا کہ یورپ بھر چیخ اوٹھا۔ ۶۳۶ء میں خلیفہ اوّل اسلام

نے چوبیس ہزار مجاہدین کی اسلامی فوج سے فلسطین کو فتح کرایا۔ پھر ۱۳۶ھ میں خلیفہ ثانی ایک معاہدہ صلح کے بعد بیت المقدس میں خود داخل ہوئے۔ بنی امیہ کی حکومت کے دور میں عبدالملک کا زمانہ وہاں بیحد ترقی علوم و فنون و تمدن کے لئے مشہور رہے۔ یعنی ۶۸۵ء سے ۷۰۵ء تک اسی خلیفہ کے حصے میں مسجد اقصی اور گنبد خضرا کی تعمیر آئی تھی۔ اسلامی خلافت کبری اور بنی امیہ کے عہد میں فلسطین بھر میں بڑی رونق تھی اور تمام حکمران اسکی ترقی میں دلچسپی لیتے رہتے تھے۔ عباسیوں نے بیشک آپس میں لڑ لڑ کر اسلامی اتحاد کا ستیا ناس لگا دیا تھا۔ اور انکو تو عموماً ایرانیوں اور فراتسیسیوں کی امداد سے تخت سلطنت بھی نصیب ہو رہا تھا۔ بلکہ اکثر ترک و سلجوقیوں کی تلوار پر بھی اُن کو بھروسا کرنا پڑا تھا۔ جس سے تمام فلسطین میں چھوٹے چھوٹے بادشاہ بننے لگے تھے۔ جو لڑ لڑ کر حکومت کو سب ہی طرح برباد کرتے رہے۔ مگر چھٹی صدی عیسوی کے آخر میں جسطرح قسطنطنیہ میں جلد جلد بادشاہ بدلتے رہے اوسیطرح فلسطین میں برابر جلد سے جلد ایک آیا اور دوسرا گیا۔ ساتویں صدی کی ابتدا سے بیت المقدس میں بیشک خوب ترقی ہوئی تھی۔ ہر جگہ کے لئے یہ شہر تجارت کی منڈی ہو گیا تھا۔ اور ہر مذہب کی عبادت گاہ ہونے کے باعث نیز تجارت اور مال تجارت کی حفاظت بلکہ ہر قسم کی آسائش و آرام کے سبب دولت و زر و جواہر بھی یہاں پھیلا پڑا رہا تھا۔ فلسطین سے شراب کی برآمد بکثرت تھی۔ جس سے اور بھی دنیا بھر کا سرمایہ یہاں آتا تھا۔ علاوہ یورپ سے یہاں دولت آنے کے ہندوستان تک سے زمرد موتی۔ اور سونا وغیرہ بکثرت آگیا تھا۔ لیکن خلیفہ منصور نے جب ۷۶۲ء میں بغداد کو جغرافیائی دائرں کے مطابق اپنا دارالخلافت بنایا اور اوسکی تعمیر کی تب سے بیت المقدس کی رونق و اقتدار میں کمی ہونے لگی۔ اسوقت کے عباسی خلفاء کی حکومت کی ہر شان کیا ظلم کیا انصاف۔ کیا لوٹ مار و قتل و غارت کیا خیری اور کیا بھلائی سب ہی کچھ تو گویا مغرب کے ہمعصر حکمرانوں کے مائل ہی بہت کچھ تھا بس صرف اتنا فرق ضرور تھا کہ ذاتی جوہر قابلیت۔ علوم و صنعت و حرفت سے دلچسپی تھی اور اونکی قدر اور بعض اوقات مذہبی خوبیاں تھیں۔ اپنے یورپ کے ہم عصروں سے اونہیں ممتاز کر دیتی تھیں۔ اس سب کے ساتھ ساتھ مساوات۔ حریت اور اسلامی اخوت کے اصولوں کے باعث اوسوقت دنیا بھر اونکے یہاں اُمڈی پڑتی تھی اور سب ہی کو کسی نہ

کسی طرح کی اقتصادی منفعت کی نہ صرف امید تھی بلکہ کامیابی بھی نصیب ہوتی تھی۔ تجارت کو باوجود بعض فتنوں کے کشت و خون کے برابر فروغ ہی ہوتا رہا۔ اور ۳۷ خلفائے عباسیہ نے یکے بعد دیگرے حکومت کرلی تا وقتیکہ ۸۶۸ء کے بعد سے جب کہ احمد بن طولون نے جو ایک ترک نژاد شخص تھا مصر و فلسطین کو عباسیوں سے آزاد نہیں کرالیا۔ [۱]

بعض مورخین کا اسپر اتفاق ہے کہ باوجود عباسیوں کی دو صدیوں کی آپس کی جنگ و جدال کے فلسطین میں رعایا کو آرام و حفاظت سے بسر اوقات اور تجارت کا پورا موقع رہا۔ نیز زراعتی حالات بھی کامیابی سے ترقی پذیر رہے جو اسلام کی اصلی خوبیوں کا نتیجہ تھا۔ اور اسی بنا پر عیسائی بھی اسلام کو بطیب خاطر قبول کرتے چلے جاتے تھے۔ حالانکہ اوسوقت میں کسی قسم کا اسلامی مشن تک نہ تھا۔ نیز اوسوقت کے عیسائیوں کو خلفاء اسلام کی رعایا ہونا منظور تھا۔ مگر بازنطینوی عیسوی حکومت کی رعایا ہونا قبول نہ تھا بلکہ اوس سے گریز ہی تھا۔ [۲]

شاہ فرانس ہی نے پہلی سفارت خلیفہ ہارون الرشید کے زمانہ میں فلسطین میں بھیجی تھی۔ اور اسی زمانہ سے مغرب کے لوگوں کو فلسطین سے زائد دلچسپی بھی بڑھی تھی۔ پھر خلیفہ معتصم کا باڈی گارڈ ترک سپاہیوں سے بنا بلکہ سلجوقی ترک ہی اب افسران فوج زائد ہونے لگے۔ [۳]

خلیفہ المتوکل نے بیشک فرق کے واسطے یہودیوں اور عیسائیوں کو زنار پہننے کا حکم جاری کردیا تھا جس سے مسلم و غیر مسلم کی تمیز میں آسانی ہوگئی تھی۔ ورنہ غیر مسلم دھوکا دے کر سخت نقصان کا باعث ہو رہے تھے۔ سلجوق کے پوتے الطغرل نے ۱۰۵۵ء میں ایران کو فتح کرنے کے بعد امیر الامرا یا کمانڈر انچیف کا خطاب خلفائے عباسیہ ہی سے حاصل کیا تھا۔ گو اوسوقت کے خلفاء بھی محض صرف مذہبی خلافت کے حامل رہ گئے تھے۔

۱۰۶۳ء میں جبکہ الپ ارسلان نے ایشیائے کوچک کو فتح کیا اور گو اسکو ایک خوارزمی نے

---

[۱] دیکھو صفحہ ۱۵۴ تاریخ سر رابرٹ ونڈھم مذکور

[۲] دیکھو صفحہ ۱۵۶ تاریخ سر رابرٹ ونڈھم مذکور

[۳] دیکھو صفحہ ۱۶۰ تاریخ ونڈھم مذکور۔

وہاں قتل بھی کرا دیا تاہم اسکے بیٹے ملک شاہ نے اپنا سکہ مصر سے ہندوستان تک جما لیا۔ اور اپنی کل حکومت کے بارہ دورے اُسنے کر ڈالے۔

۱۰۸۵ء میں مستنصر باللہ کی خلافت کے زمانے میں شام و فلسطین پر خراسانی سلجوق ترکوں نے حملہ کیا اور فاطمین کے عہد حکومت کو ختم کرنے کی خدمت ترکوں ہی کے سپرد ہو گئی۔

اور جب ۱۰۹۵ء میں ترکوں اور فاطمی خلفا کے مصر سے جنگیں شروع ہو گئیں تو عیسائی اور یہودیوں نے یورپ کے مجاہدین کو بیت المقدس کی طرف پھر متوجہ کیا اور یہ شہرت دی کہ دنیا قریب ختم تھی۔ اور مسیح کے ورود فلسطین کا وقت قریب آگیا تھا۔ پھر کیا تھا عیسائی مجاہدین ہر طرح سے بیت المقدس کے گرد خیمے ڈیرے ڈالنے لگے اور ہر جگہ عیسائی زائرین میں مسلمانوں کے برے برتاؤں کے قصے بھی پھیلائے جانے لگے۔[۱]

چنانچہ عیسائی مجاہدین نے ۱۵ جولائی یوم جمعہ ۱۰۹۹ء کو پہلی فتح بیت المقدس میں حاصل ہی کر لی۔ اور مسلمانوں نیز یہودیوں کے خون کی ندیاں بہہ گئیں۔ اب تو بیت المقدس کے گرد و پیش ننانوے سال تک عیسائیوں کی حکومت ہی قائم رہی بلکہ مسلمانوں اور یہودیوں سے جزیہ بھی حکام وصول کرنے لگے۔ یورپ کی اقتصادی ترقی بھی اسی وقت سے انہیں عیسائی مجاہدین کی بدولت شروع ہو گئی تھی۔ اور مسلمانوں ہی کی بدولت ہر قسم کے علوم و فنون بھی یورپ نے حاصل کرنا شروع کر دئے تھے۔ مثلاً شیشہ کو گلا کر بڑھانا۔ ریشم کے کارخانے جاری کرنا۔ فرانس کا حافہ کے مقام سے مٹی کے ظروف کی ساخت سیکھنا۔ غرضکہ ہر طرح کی صنعت و حرفت یورپ والے فلسطین سے سیکھ کر مغرب کی طرف لے گئے۔[۲]

دوسرا جہاد ۱۱۴۴ء میں عیسائیوں نے یورپ میں تیار کیا مگر امیر ایوب نے جو سلطان صلاح الدین فاتح کا باپ تھا۔ ۱۱۴۸ء میں ان روما و فرانس وغیرہ کی متفقہ افواج کو شکست دی اور اسی جہاد میں فرانس کی ملکہ کا انٹیاک (Antioch) کے گورنر ریمانڈ (Rey mond) کے ساتھ

---

۳. دیکھو صفحہ ۸۸ کتاب سیرابیرٹ دنام مذکور

۴. دیکھو صفحہ ۲۱۹ کتاب تاریخ دنام مذکور

بھاگ جانے کا واقعہ بھی پیش آیا تھا۔ جس سے کہ اوس وقت کے یورپ کے اخلاق کا بھی پتہ ایشیا کو بہت کچھ چل گیا تھا۔[1]

۱۸ جنوری ۱۱۶۹ء کو شیرکوہ نامی ایک شخص نے جو سلطان نورالدین دمشق کا وزیر ہوگیا تھا۔ سلطان کو قتل کر کے اپنے کو سلطان مصر و دمشق کی جگہ بادشاہ ہونے کا اعلان کر دیا مگر تھوڑے ہی عرصے کے بعد سلطان صلاح الدین فاتح نے اوسکو شکست دیکر نورالدین کی بیوہ کے ساتھ خود عقد کر لیا اور مصر و دمشق کی سلطانی بھی حاصل کر لی۔ اسوقت بیت المقدس کی عیسائی حکومت کی بد اخلاقیوں اور خلاف معاہدگیوں کے واقعات کی بدنامی کی کوئی حد نہیں رہی تھی۔ مگر چونکہ مسلمان اپنے صلحناموں کے نہ توڑنے کے لئے اتبک خوب مشہور تھے اسلئے تدارک نہ کیا گیا لیکن اسی درمیان میں شاہ رنیلنڈ (Remand) نے مدینہ طیبہ پر حملہ کا رخ کیا۔ تب تو مسلمانوں کی بھی کو تاب نہ رہی اور جون ۱۱۸۳ء میں جب کہ صلاح الدین کو الیپو (Aleppo) کی بادشاہت بھی مل گئی تو ۲ جولائی ۱۱۸۷ء کو اوسنے لاطینی عیسائی حکومت سے جنگ چھیڑ دی اور فلسطین کو فتح کر کے بادشاہ اور امرائی سلطنت کو قید تو کر لیا مگر پھر بھی کسی کے ساتھ کوئی برا برتاؤ نہیں کیا۔[2]

اس زمانہ میں عیسائی امرا وغیرہ عربی پڑھنے لگے تھے اور مسلمانوں کی تقلید میں یورپ تک میں یونیورسٹیاں بھی قائم ہو چلی تھیں۔ چنانچہ ۱۱۵۰ء میں پیرس کی یونیورسٹی اور ۱۱۶۷ء میں آکسفورڈ کی یونیورسٹی اور ۱۲۱۸ء میں کیمبرج کی یونیورسٹی قائم ہوئی۔ اور گو فریڈرک ثانی و الکامل کی صلح نے عربی کی تعلیم کو یورپ میں ممنوع قرار دیا تھا تاہم سینٹ لوی نے فلسطین ہی کی نقل پر یورپ میں کتب خانے جمع کرانے شروع کرا دئیے تھے۔[3]

۲۰ ستمبر ۱۱۸۷ء کو جب صلاح الدین کی فوجیں بیت المقدس کے مغربی دروازے پر پہنچیں

---

[1] دیکھو صفحہ ۱۲۲ کتاب تاریخ دولتھم مذکور۔

[2] دیکھو صفحات ۱۲۳-۲۲۵ و ۲۳۴ تاریخ دولتھم مذکور۔

[3] دیکھو صفحہ ۲۲۹ تاریخ دولتھم مذکور۔

تو خود سلطان نے یہ خطبہ دیا تھا۔ "یہ بیت المقدس خانہ خدا ہے اور یہ میرا ایمان ہے۔ میں از خود اور خوشی سے اوس پر حملہ نہ کروں گا۔ اگر مفاہمت اور صلح سے وہ حاصل ہو جاوے" اور بڑی جدوجہد و گفت و شنید کے بعد سلطان بیت المقدس میں بطور فاتح کے داخل ہوا تھا۔ اور عیسائیوں نے ۲ر اکتوبر کو شہر کو خالی کرنا شروع کر دیا تھا۔ اوسکے معاوضہ میں سلطان نے سبکو جان بخشی عطا کی بلکہ بعید رحم و کرم کرکے سبکو آزاد کر دیا اور خیرات دے دلا وہاں سے ہزاروں کی خاطرداری والد و کی[1] دنیا نے اوسیوقت عیسائیوں کے اون مظالم کا جو انہوں نے اپنے جہادوں کے بعد مسلمانوں اور یہودیوں پر کئے تھے اور اسلامی رحم و کرم کا خاصا مقابلہ کر لیا اور اسلامی رواداری کا پورا ثبوت پھر مل گیا۔

تیسرا جہاد عیسائیوں نے بہ سرکردگی ریچرڈ Richard شاہ انگلستان ۱۱۹۱ء میں شروع کیا۔ مگر جب ۹ر ستمبر ۱۱۹۲ء کو شطرنج کی چالوں کی طرح بعد میں دونوں عاجز ہو گئے تو صلح ہو کر ہاتھ ملائے گئے۔ اور ریچرڈ بھی جہاز پر سوار ہو کر گھر کو واپس گیا۔

لاطینی سلطنت کے برباد ہونے کے وجہ اوسوقت یورپ میں عام طور پر اوسکی بداخلاقیاں اور ہر قسم کی برائیاں ہی باقی جاری تھیں۔ اور نہ لوگوں نے اون سے سبق بھی بہت کچھ حاصل کیا بلکہ نیکوکاری اور برائیوں سے بچنے کی طرف عام طور پر لوگ متوجہ ہو گئے۔[2]

چوتھے جہاد ۱۱۹۵ء کے لئے ہنری ششم شاہ جرمنی نے بیڑہ اوٹھایا اور صلیب کو ہاتھ میں لے کر حملہ کر دیا۔ اب صلاح الدین کی وفات ہو چکی تھی اور اسکا بھائی العادل تخت پر تھا۔ عادل نے بھی فتح پائی اور ۱۱۹۸ء میں تین سال کے لئے صلح ہو گئی۔

پانچواں جہاد جب اوٹھا تو وہ فلسطین تک نہ پہونچ سکا۔ تاہم دو فرانسیسی امیر بیس ہزار فوج کو لے کر وینس میں پہونچ گئے۔ تاکہ اُدھر سے فلسطین پر حملہ کر سکیں مگر پیسے کی کمی نے وینس کے لوگوں کی خواہش پر سواحل کے لینے کے بعد یونانی مسیحی قسطنطنیہ پر حملہ میں شرکت کی دعوت

---

[1] دیکھو صفحہ (۲۴۱)، کتاب ونڈھم مذکور۔
[2] دیکھو صفحہ (۲۶۱)، کتاب ونڈھم مذکور

اونکو دی اور وینس ہی والوں کے خرچ سے اس مہم کو سر کرنے کی طرف دونوں کو مجبور کیا گیا چنانچہ ۱۰ اپریل سنہ ۱۲۰۴ء کو قسطنطنیہ پر قبضہ حاصل ہو گیا۔ اور بالڈون فلینڈر Baldwin of Flanders ہی پہلا بادشاہ اس حکومت بازنطینی کا بنایا گیا۔ لیکن بکثرت یہودی اب عیسائیوں کے مظالم سے بیت المقدس میں پھر آکر آباد ہو گئے۔ بالخصوص شاہ انوسینٹ سوئم (Innocent III) نے تو اونپر وہ مظالم کئے کہ جسکی حد نہ رہی تھی۔ برعکس نہند نام زنگی کافور

چھٹا[1] جہاد سنہ ۱۲۱۷ء میں ہنگری کے اینڈریو ثانی Andrew II کی سرکردگی میں مرتب ہوا جبکہ سلطان صلاح الدین کے خاندان میں خانہ جنگی زوروں میں ہو رہی تھی۔ یہانتک کہ مجاہدین جبل طبور Tabor تک بلا مقابلہ پہونچ گئے مگر ایک زور کے طوفان کے سبب کچھ واپس گئے اور جو باقی رہے وہ دریائے نیل کے طوفان میں ڈوب گئے۔

عیسائیوں نے پھر بھی جہادوں کی تیاریاں کرنا چاہیں مگر سب ہش پش ہو کر رہ گئے۔ اور مجاہدین بھی خروج کرتے رہے تاہم ۱۸ مئی سنہ ۱۲۵۸ء تک سب کے سب شکست ہو گئے اور مقابلہ ٹھنڈا پڑ گیا۔ مسلمانوں نے بھی بیت المقدس میں عیسائیوں اور یہودیوں دونوں کو آزادی سے عبادت کرنے کی اجازت اب دیدی تھی۔

سنہ ۱۲۰۶ء میں جب چنگیز خاں کے حملے شروع ہوئے اور خوارزم شاہی کا دور آیا جسمیں ہر طرف کشت و خون ہونے لگا۔ یہانتک سنہ ۱۲۴۴ء تک اونکا خود خاتمہ ہو گیا فلسطین تو بیشک اب مصریوں کے قبضے میں پہونچگیا۔ اور نجم الدین مصری کی حکومت وہاں ہو گئی۔ مگر سنہ ۱۲۴۵ء میں اوسکی پامالی کی حد ہی نہ رہی سنہ ۱۲۵۸ء میں ہلاکو خان نے ایران و بغداد پر حملے کر کے آخری خلیفہ عباسی مستعصم تک کو مار ڈالا۔ اور واقعی خلافت اسلامی کا پورا خاتمہ ہی گویا کر دیا گیا تا آنکہ ترکوں نے قسطنطنیہ میں اوسے پھر زندہ کیا۔ ان تاتاریوں نے تو خوب جی کھول کر فلسطین میں لوٹ مار و قتل و غارت گری کی یہانتک کہ سلطان بیبارس بندقداری Bibars نے سنہ ۱۲۶۰ء میں اونکو مار نکالا اور سنہ ۱۲۶۴ء میں

---

[1] دیکھو صفحہ (۲۶۶) کتاب ہذا دفعہ نمبر مذکور۔

[2] دیکھو صفحہ (۲۶۸) کتاب ہذا دفعہ نمبر مذکور۔

عیسائیاں فلسطین کی بھی خاصی خبرلی اور انکی عمارات تک کو ڈھا کر سنگ مرمر جتنا بھی ملا نکال کر اور مصر میں لے جا کر ایک عالیشان مسجد اپنے نام سے بنوادی۔ اسی سلطان مصر نے قاہرہ میں المستنصر عباسی کو خلیفہ اسلام بھی بنا دیا۔ سنہ ۱۲۶۶ء اور سنہ ۱۲۶۹ء میں وہ خود بیت المقدس گیا اور تب عیسائیوں کے قتل میں کسی وقت بھی تلوار کو میان میں اس نے نہیں رکھا۔ برابر لڑائی کرتا رہا اور انکو مارتا رہا۔ سلطان بیبارس نے ڈاک کا انتظام بھی خوبی سے کرایا تھا۔ حالانکہ بغداد میں آٹھویں صدی عیسوی سے گھوڑے و ہیرا اور کبوتروں کے ذریعہ سے خطوط وغیرہ بھیجے جانے کا طریقہ تھا۔ اور شاہی خط و کتابت بغداد ہی کے بنے ہوئے کاغذ پر ہوتی تھی۔ اور سونے کی روشنائی کا استعمال ہوتا تھا

۱۸ مئی سنہ ۱۲۹۱ء میں سلطان الاشرف خلیل نے جب عکرہ اکری (Acre) کو فتح کیا تب گویا فلسطین عیسائیوں سے بالکل ہی پاک ہو چکا تھا۔ اور بیت المقدس کے تمام قلعے جو انھوں نے بنائے تھے سب ہی ڈھا دئے گئے تھے۔ ارمنیوں سے بھی اسی سلطان نے خراج لینا شروع کیا تھا۔

کہا جاتا ہے کہ اوس وقت کی دنیا میں ہلال کی فتح اور صلیب کی شکست کی دھوم تھی حالانکہ تقریباً کچھ دو صدیوں تک فلسطین میں عیسائیوں نے حکومت کرلی تھی۔

شام میں اسوقت بھی جبکہ لاطینی حکومت کا دور تھا۔ درمیانی طبقہ کے حقوق کی حفاظت کے لئے اتحادات یا کمونس (Communes) بنائے جا چکے تھے۔ اور فلسطین میں ان ہی کے عہد میں گاڈفریز (Godfreys) کے پیروں نے کلام پاک کے ٹکڑے ٹکڑے کرکے مسلمانوں کے دلوں کو سخت صدمہ پہنچایا تھا۔ لہ

سلاطین مصر کی قہر آلودہ اور متشدد حکومت کے علاوہ اب فلسطین پر آسمانی آفات بھی نازل ہونے لگی تھیں۔ سنہ ۱۲۹۳ء میں زلزلہ آیا۔ طوفان آئے اور تاتاریوں کے پھر حملے ہونے لگے سنہ ۱۳۴۸ء میں تو ایک دوسری آفت آگئی۔ جسکو سیاہ موت "Black death" کہتے تھے اور جسمیں لاکھوں مرگئے سنہ ۱۳۲۲ء میں چونکہ بکثرت یہودی پھر آکر فلسطین میں عیسائیوں کے مظالم کی بنا پر آباد ہوگئے تھے اور جن کو شاہ فلپ دی فیر (Philip the fair) نے فرانس سے نکلوا دیا تھا۔ لہذا یہ سب

لہ دیکھئے صفحہ ۲۹، کتاب ونڈھیم مذکورہ۔

آفات اُنھیں کے قدموں کی برکت کہی جاتی تھی۔ اُسوقت وہاں کے مسلمانوں کی پوشاک سفید تھی۔ عیسائی تو نیلی رنگ کی پوشاکیں پہنتے تھے۔ اور یہودی زرد رنگ کی۔ سامرتی قوم کے لوگ سرخ رنگ کی پگڑی حکماً باندھتے تھے۔ تاکہ ایک دوسرے سے سب کا فرق علٰحدہ علٰحدہ معلوم ہوتا رہے۔

۱۴۹۵ء تک مصری میلوکون کی حکومت بیحد کمزور ہوگئی تھی۔ کیونکہ اُنمیں خانہ جنگیاں ہوکر سب ایک دوسرے سے لڑ مرٹے تھے۔ اُسوقت اسپین سے بھی یہودیوں کا اخراج ہوا تھا مگر بیت المقدس میں اب یہودیوں نے اپنی باقاعدہ تنظیم کرلی تھی۔ ۱۵۱۷ء میں سلطان سلیم جب فتوحات کرتا ہوا فلسطین پہونچا تھا۔ تو بیت المقدس بھی زیارات کے واسطے گیا۔ اور دیوار بکا (Wailing Wall) کے قریب ہی اُسنے قیام کیا تو ایک صبح کو کسی عیسائی عورت نے ہڈی گڈی اور پس خوردہ وغیرہ دیوار بکا کے قریب پھینک دیا۔ تحقیقات سے یہ ثابت ہوا کہ عیسائی لوگ بطور رسم کے ایسا ہی کیا کرتے چلے آتے تھے۔ تاکہ کوڑے کرکٹ وخاک دھول وغیرہ سے دیوار کو توپ سکیں۔ اُسوقت سلطان سلیم نے حکماً اس قبیح رسم کی ممانعت کی۔ چنانچہ ۱۵۱۹ء سے پھر بیت المقدس میں امن وامان ہوگیا تھا۔ اور یہی وہ وقت ہیں کہ جب مختلف قسم کی زبانیں وہاں بولی جاتی تھیں۔ اور سب لوگ خوش حال تھے۔ بالخصوص یہودی تو جوق جوق اسپین سے بھاگ کر یہاں آباد ہوگئے تھے۔ صوبہ کے گورنروں کو سنجک کا خطاب تھا۔ اور ۱۹۰۱ء تک یہاں کا آئین لگان ومال گذاری سلطان سلیم ہی کے روزنامچہ کے مطابق جس کو محمود چلپی نے تیار کیا تھا جاری رہا۔ اور اُسی کے مطابق ضربہ یا پول ٹیکس بھی مقرر ہوا۔ [۱]

بیت المقدس کی تعمیر میں سلطان سلیمان ذی شان نے بہت کچھ صرف کیا۔ عیسائیوں اور یہودیوں کو ہر قسم کی آزادی اور آسانی بھی دی۔ یہاں کے عیسائیوں کا تو یہ عقیدہ تھا کہ اگر دیوار بکا کی جس کو کہ ٹائبیریس (Tiberias) نے بنایا تھا پھر تعمیر ہوگئی تو اسلام کا زوال لازمی تھا۔ چنانچہ جب سلیمان ذی شان نے اُسکی تعمیر کی اجازت پھر یہود کو دیدی اور جو ۱۵۶۵ء تک ختم ہوگئی تو اُنکا

---

[۱] دیکھو صفحات ۳۴۴، ۳۴، ۱۳ کتاب وتذکرہ مذکور

عقیدہ باطل ہی ثابت ہوا

فلسطین میں ترکوں کی حکمت عملی وہی رہی جو شہنشاہیت کے قیام کے لئے ہر جگہ اس ۱۹۴۳ء میں ضروری ہے۔ یعنی یہ کہ دوسروں کو لڑوا کر خود حکومت کرنا۔ حالانکہ اوسی پالیسی نے اٹھارویں صدی میں ترکوں کو مٹا بھی دیا

جب سے کہ ۱۵۱۷ء میں ترکوں نے فلسطین پر قبضہ پایا تھا تقریباً تین صدی تک یورپ بلکہ تمام متمدن دنیا بالکل ہی فلسطین سے غافل رہی کیونکہ امریکہ و دیگر نو آبادیات وجزائر بحرالکاہل کی طرف سب کے سب بیحد مصروف رہے اور تجارت کا رخ بھی اودھر ہی یعنی جنوبی حصہ امریکہ اور مغربی انڈیز Indies کی طرف زائد رہا۔ جہادوں کی خواہش بھی ٹھنڈی پڑ چکی تھی۔ کیونکہ عیسائی سلطنوں میں زیادہ تر پراٹسٹنٹ Protestant خیال پھیل چکا تھا اور معجزات وغیرہ سے بھی بسبب ترقی علوم وفنون بہت کچھ انکار ہو چکا تھا۔

صلح پسیرووچھ (Passarowitch) جو جولائی ۱۷۱۸ء میں ترکوں اور آسٹریا کے درمیان ہوئی تھی اس سے ترکوں نے اپنے مغربی حصص ملک آسٹریا کو دیدئے تھے اور تو جوان لوئی پندرہ شاہ فرانس کے حق میں بھی بذریعہ ایک شاہی فرمان کے مزار مقدس (Holy Sepulchre) پر قبضہ کرنے کی اجازت دیگئی تھی جس سے کہ در اصل کیتھالک عیسائی فرقہ کو مزار کا باقاعدہ مالک بنادیا گیا تھا۔ میں انھیں تمام رعایات وعنایات کی بنا پر عیسائی مغربی دنیا فلسطین کی طرف سے گونہ مطمئن یا غافل ہو رہی تھی۔ مگر ان تمام رعایات کا نتیجہ یہ بھی ہوا کہ شاہان وامرائے یورپ کے بہا لئے بیش بہا جواہر اور بکثرت نقد واجناس نذرات کے طور پر بیت المقدس میں آنے لگے۔ اور گو یا سلاطین ترکی ہی بطور متولی کے اونکے مالک ہوتے تھے۔ کہا تو جاتا ہے کہ عیسائی اہبین و پادری وغیرہ ایک طور پر سلاطین کے واسطے سونے کی چڑیا سمجھے جانے لگے تھے۔ تاہم یہ ضرور ہوا کہ سلاطین کی طرف سے اونکے اعمالوں کو بیت المقدس میں رشوتوں اور جبر وتشدد وغیرہ کی بھی سخت ممانعت تھی۔[1]

---

[1] دیکھو صفحات ۲۱۶۳ و ۲۰۳۴، کتاب سر رابرٹ وٹدھم مذکور

یکم جولائی ۱۷۹۸ء کو جب نپولین بونا پارٹ شاہ فرانس اسکندریا میں داخل ہوا تھا اور ابراہیم پاشا گورنر مصر کی کمان میں مملوکان مصر کو شکست دی تھی تو مسلمانوں کو اپنا بنانے کے لئے نپولین کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ اوس نے اپنے کو مسلمان ہونا ظاہر کیا تھا بلکہ اپنے فرامین شاہی و اعلانات میں اسلامی تاریخ و سنہ تک لکھوانا شروع کردیا تھا۔ دراصل تو اوسوقت ترکوں اور مختلف دول یورپ سے جنگ ہو رہی تھی۔ مگر برطانیہ و روس سے ایک طرح پر صلح ہو چکی تھی جس سے صرف فرانس نے فلسطین کی طرف رخ کیا اور دسمبر ۱۷۹۸ء میں شہر سویز پر قبضہ کرتے حملہ کا ارادہ بھی کرلیا اور علاوہ مصر کے ڈروزیوں کے امیر بشیر پر بھی نپولین نے اپنی اسلام کی طرف رغبت کا اظہار کیا۔ حالانکہ اسی جانفہ میں فرانس نے خاصا کشت و خون بھی کر ڈالا تھا۔ جب ایکری (عکا) کی فتح کی باری آئی اور نپولین کو ناکامی ہوئی اور جسکے بابت اوس کا یہ خیال تھا کہ ایکری ہی کی جنگ پر مشرق کی قسمت کا دارومدار تھا تو وہ لڑتے لڑتے تباہ و برباد کرتا ہوا غازہ سے ہوتا ہوا ۲۲ اگست ۱۷۹۹ء کو جہاز پر سوار ہو کر فرانس کو یہ کہتا ہوا واپس ہو گیا۔ (شعر)

یوں نہ انسان کا برگشتہ مقدر ہو جائے ہیں اگر پھول اٹھاؤں تو وہ پتھر ہو جائے

مصر بھی ترکی سلطنت کا ابھی تک جزو تھا اور یہاں کے تمام ترکی پاشاؤں میں خود ہی جنگ چھڑی ہوئی تھی۔ اسوقت تو دراصل ترکی سلطنت بہت تیزی سے کمزور ہو رہی تھی۔ شام۔ عراق۔ طرابلس میں خاصی خونریزی کا دور تھا۔ اور کوئی انتظام بن نہ پڑتا تھا۔ جس سے دوسروں کی ہمت ہر طرف بڑھی ہوئی تھی۔ غرضکہ ابتدائے انیسویں صدی سے ترکی حکومت بیحد کمزور مان لی گئی تھی جس سے بیت المقدس کے لئے بھی سب کی نیت میں فساد آچلا تھا۔

بیت المقدس کے سب سے بڑے گرجے میں ۱۸۰۸ء میں کسی نے آگ لگادی اور اوسکا بھی بڑا چرچہ یورپ میں ہو گیا۔ ۱۸۲۲ء میں تو شام میں بھی سخت زلزلہ آیا اور ۱۸۳۱ء میں مسٹر ڈزرائیلی (Disraelis) وزیر برطانیہ نے فلسطین کی سیاحت کی اور مشرق قریب کے حالات سے بیحد متاثر ہوئے اور جس کا اثر بعد میں خوب ہی نمایاں ہو کر رہا۔ اب ترکی میں یہ وہ زمانہ تھا کہ سلطان سلیم کو تخت سے معزول کر کے محمود ثانی کو جو نپولین کی معشوقہ بیوی جوزفائن کی چچیری بہن کا لڑکا تھا اوس کو بادشاہ بنا لیا گیا تھا۔ اور مصر میں تو ۱۸۰۵ء سے محمد علی گورنری پر تھا۔

محمد علی نے ۱۸۰۷ء میں برطانیہ تک کو شکست دیکر آزادی کا اعلان کر دیا تھا۔ بلکہ ۱۸۱۱ء میں تو اس نے مصر سے وہابیوں کا کامل طور پر استیصال کر کے تمام ملوکی شاہی خاندان کو دعوت دیکر قتل تک کرا دیا تھا۔ اور خود مصر میں تجارت صنعت و حرفت کی خوب بنا ہو گئی تھی۔ جس سبب کہ اوس نے عمارات اور بندرگاہوں کی خاصی تعمیر بھی کرا دی تھی۔ ایک بیڑہ جہازات بھی بنوا لیا تھا۔ قومی اصولوں کے مطابق تعلیم کی بھی بنیاد ڈالدی گئی تھی اور اسیوقت اسکندریہ اور قاہرہ کو از سر نو تعمیر کرا دیا تھا۔ صنعتیں کے زور کی قدر کر کے اوس کا تجربہ بھی کرایا۔ روئی۔ نیل ریشم۔ کافی اور قہوہ وغیرہ کی تجارت کو بھی دنیا کی بازاروں میں خوب فروغ دیا۔

امریکہ و مینچسٹر تک میں روئی کے کاروبار کا مقابلہ دوسروں سے کیا اور دراصل اُس وقت کے دیگر ہمعصر بڑے لوگوں میں محمد علی کا بھی شمار تاریخوں میں کیا گیا ہے سلطان ٹرکی تو اُس سے خائف تھے ہی بلکہ ۱۸۲۲ء میں جب سلطان ٹرکی نے یونان کے مقابلے میں اُس سے امداد کی خواہش کی تو شام و فلسطین کی گورنری اُس کو دیدینے کا معاہدہ بھی کر لیا تھا اُسکا لڑکا ابراہیم بھی اُس وقت ایک مشہور جنرل فوج سمجھا جانے لگا تھا۔ جب سلطان نے وعدہ خلافی کی تو ابراہیم نے فلسطین دمشق اور الیپو کو فتح کر لیا اور کہا جانے لگا کہ محمد علی خدیو مصر کے لڑکے نے تو اوسوقت ترکی حکومت کا گویا خاتمہ ہی کر دیا تھا جب کہ بمقام قونیہ ۲۰ دسمبر ۱۸۳۲ء کو ابراہیم نے ترکوں کے مقابلہ میں فتح حاصل کی تھی۔ اگر یوروپین سلاطین کی مداخلت سے ۴ مئی ۱۸۳۳ء کو صلح نہ ہو گئی ہوتی تو ترکی سلطنت ختم ہی ہو چکی ہوتی۔ اس صلح سے شام۔ فلسطین اور مصر کی پھر گورنری بلکہ ایک طرح پر بادشاہت محمد علی کو دلوا ہی دی گئی۔ بس صرف یہ ہوا کہ سلطان ٹرکی کی شہنشاہیت اور اُن کو خراج دینا محمد علی نے منظور کر لیا۔ اس کے بعد محمد علی نے شام میں بھی روئی۔ تیل اور شکر کی کاشت کو خوب ترقی دلوا دی

یوروپین اقوام کو پھر بیت المقدس کے معاملات میں خاصی مداخلت کا حق پیدا ہو چلا اور پہلا برطانوی کانسل بھی ۱۸۳۹ء میں وہاں مقرر ہو گیا۔ عیسائی اور مسلم رعایا میں مساوات تکمیل میں فرق کھلا پڑنے لگی بلکہ جس مسلم خاندان نے ذرا بھی مخالفت کی اوسکا خاتمہ ہی کر دیا گیا۔ ۱۸۳۷ء میں سخت زلزلوں اور ۱۸۳۸ء کی وبائی بیماریوں نے بیشک فلسطین کو بالکل ہی تباہ بھی کر دیا۔ جبریہ فوجی بھرتی نے ملک میں ناراضگی بھی زیادہ پیدا کر دی۔ اوس وقت ٹرکی کی تقسیم کا مسئلہ یورپ کی سلطنتوں

میں پھر چھیڑ دیا گیا تھا جس سے برطانیہ کے وزیر پامرسٹن (Palmerston) کی تمنا کے بر آنے کے سامان پیدا ہونے لگے اور مشرق قریب پر برطانیہ کا دانت اب پورے طور پر محسوس ہو رہا تھا مگر یورپ کے آپس کے حسد کے باعث کچھ بن نہ پڑتی تھی۔

جرمنوں نے ترکوں سے میل بڑھا کر فن سپہ گری کے جدید اصولوں پر انھیں تعلیم دینا شروع کر دیا تھی اور فرانس نے مصر و شام کو شاگرد بنا لیا تھا اور تجارتی رشک کے سبب محمد علی کی تخریب پر بھی یورپین اقوام تیار ہو گئی تھیں۔ چنانچہ ۱۸۴۰ء میں محمد علی سے اور سب سے جنگ ہو گئی تھی جس سے شام و فلسطین سے اس کا مکمل اخراج کر دیا گیا تھا۔

بیت المقدس میں اب عیسائیوں میں آپس میں جنگ جاری ہو گئی تھی۔ یونانی عیسائیوں کی امداد روس کرتا تھا۔ اور ارمنی و لاطینی عیسائی بھی لڑتے جھگڑتے رہتے تھے۔ کیونکہ ہر ایک فرقہ کلیسا پرستی اور معابد کی حفاظت کے حق کا دعویدار بنا ہوا تھا۔ ۱۷۴۰ء میں تو سلطان کی طرف سے فرانس کو عیسائیوں کے آپس کے معاملات کے طے کرنے نیز اُن کی حفاظت کا حق حاصل ہو چکا تھا مگر جب ۱۸۵۱ء میں فرانس نے ترکی کو یہ نوٹس دیا کہ بغیر اس کی منظوری کے ایک پتھر بھی سب سے بڑے اور مقدس گرجے کا نہیں ہلایا جا سکتا تب تو ترکوں کی آنکھیں کھل گئیں روس اور فرانس میں بھی آثار قدیمہ مقدسہ کی ولایت کے باب جھگڑے اب بڑھ رہے تھے کہ ترکوں اور یونان سے جنگ ہو گئی۔ بس اسی وقت تمام عیسائی حکومتیں یکدل و یکخیال ہو کر یونان کی آزادی کے طالب ہو گئیں۔

نومبر ۱۸۴۷ء میں لاطینی اور یونانی عیسائیوں میں چاندی کے اس ستارے کے غائب ہو جانے پر جو حضرت عیسٰی کی پیدائش کے مقام کو بتلاتا تھا سخت جنگ ہو گئی تھی۔ فرانس تو لاطینیوں کا طرفدار بن گیا تھا اور اس نے نکولس (Nicholas) یونانی فرقہ کی جانبداری کی تھی اور اسی واقعہ کو بیت المقدس میں جنگ کریمیا کا سبب تک لوگ خیال کرتے تھے کیونکہ ۱۷۷۴ء کے صلحنامہ کوچک ہی کے ذریعہ سے روس کو تمام ترکی عیسائی رعایا کی حفاظت کا حق حاصل ہو چکا تھا اور وہ کسی دشمن سلطنت کی مداخلت کو گوارا نہیں کر سکتا تھا۔ انھیں واقعات سے بالآخر ۱۸۵۶ء میں سلطان ترکی نے خود اپنے ذمہ تمام اپنی غیر مسلم رعایا کی حفاظت کا بھی مجبوراً اعلان کر دیا اور جب ۳۰ مارچ ۱۸۵۶ء کو کریمیا کی جنگ ختم ہوئی تو سلطان ترکی ہی کے حقوق اُن کی رعایا پر قرار رکھے گئے۔ اور بجز مسٹر گلیڈ اسٹون Gladstone (… سے تمام برطانوی وزراء کا

ملکہ معظمہ قیصرۂ ہند تک نے سلطانی حقوق کے برقرار رکھے جانے کی رائے انگلستان میں ظاہر کردی [1]

اسی کا نتیجہ تھا کہ بیت المقدس میں اپریل ۱۸۵۶ء میں "ہتی ہمایوں" یعنی فرمان شاہی کے ذریعہ تمام مسلم وغیر مسلم رعایا کے حقوق برابر کر دئے گئے تھے اور آراضیات تک کی خریداری کی اجازت غیر مسلموں کو عطا ہو گئی تھی۔ اسی کے بعد لاکھوں یہودی اور نصاری باہر سے زمینوں کی خریداری کے لئے وہاں آکر پھٹ پڑے اور ۱۸۵۵ء میں بکثرت یہودی مشرقی یورپ سے آکر بس گئے۔ ۱۸۵۹ء میں خود سلطان وقت بیت المقدس کی زیارت کے واسطے آئے اور شاہ ایڈورڈ ہفتم انجہانی بھی ۱۸۶۲ء میں بزمانہ ولیعہدی فلسطین کی سیر کو تشریف لے گئے تھے۔ اسی طرح ۱۸۹۸ء میں شہنشاہ ولیم ثانی جرمنی بھی زیارت کی غرض سے وہاں گئے۔ ان واقعات کے بعد کسی کا یہ کہنا کہ ترکوں نے یہودیوں پر ظلم کئے کون صحیح مان سکتا ہے جبکہ کسی کو بھی رومن ویسپیسین (Vespasian) یا ٹائٹس (Titus) کے عہد کے مظالم کے واقعات یا حال کے جرمنی سے ہٹلر یا اسپین کے یہود کے ساتھ برتاوؤں کا حال معلوم ہو وہ اس کا انصاف کرسکتا ہے کہ ترکوں نے یہود پر ظلم کیا یا نہیں۔

۱۸۶۰ء میں دروزوں نے بغاوت کردی تھی تب برطانیہ۔ فرانس۔ آسٹریا۔ پرشیا۔ روس اور ترکی میں معاہدہ لبنان (Lebanon) کے ذریعہ اونکا استیصال طے پایا تھا کیونکہ فرقہ میرونائٹ (Maronite) جو عیسائی تھے اور شام میں آباد تھے اون سے بھی دروزوں سے جنگ تھی اس لئے عیسائی سلطنتیں ترکوں سے متحدہ ہوگئیں۔ فرانس نے فوجی امداد بھی دی۔ نتیجہ میں دروزوں کو منتشر کیا گیا مگر شام کو بھی اب فلسطین سے علحدہ کرنے ہی پر سب نے زور دیا نیز فرانس نے بیروت میں ایک بندرگاہ تک بنالیا جس سے کہ شام میں اوسکی پوری مداخلت ہوگئی اور چونکہ ۱۸۸۳ء میں فلسطین کے بجائے شام کا دمشق ہی سے الحاق کرادیا گیا تھا لہذا اب ترکوں نے بھی ۱۹۱۱ء سے ۱۹۱۴ء تک فلسطین و شام کو آئین جدید دے کر اون کی خود اختیاری حکومت تسلیم کرلی۔

۱۹۱۲ء تک ترکوں اور اٹلی سے جنگ رہی پھر ۱۳-۱۹۱۲ء تک بلقان میں ترک الجھے رہے۔ تب بھی تو اوس درمیان میں فلسطین میں بکثرت یہودی پھر آکر آباد ہوگئے کیونکہ یہود کو ہمیشہ سے فلسطین

---

[1] دیکھو صفحات ۲۱۱ و ۳۱۴ کتاب سیدنا فرمودہ ...

ہی سے حاصل کر لینے کی چوٹ رہتی تھی۔ جب ۱۹۱۴ء میں جنگ چھڑ گئی اور باوجودیکہ جرمنوں نے ایشیائے کوچک میں چار ہزار کیلو میٹر تک بغداد ریلوی کے نام سے پٹڑی بچھا رکھی تھی۔ نیز فرانس نے ۱۹۱۲ء (Ra-yah) سے بیت المقدس تک ریل کے جاری کرنے کا پروانہ قبل جنگ سلطان سے حاصل کر لیا تھا۔ اور مورائٹ عیسائیاں لبنان بالکل ہی فرانس کے ہاتھ میں تھے اور فلسطین کو بھی اب شام ہی کا ایک جز سمجھنے لگے تھے مگر قسمت کا پانسہ فرانس کے موافق نہ تھا۔ فلسطین کے قبضے کی دولت تو برطانیہ ہی کے لئے ازل سے مقدر ہو چکی تھی۔ اس لئے سب ہی منہ دیکھتے رہ گئے۔ اور یہودیوں کی قسمت بھی برطانیہ کے ہاتھوں جاگ گئی۔ علاوہ اس کے جو قدرتی اور انتظامی ذرائع برطانیہ کو اوس وقت حاصل تھے کسی کو بھی نہ تھے۔ اور ۱۴؍ جولائی ۱۹۱۵ء کے ارل گرے (Earl Grey) کے اس قول کی کہ ترکی حکومت میں اندرونی پیچیدگیاں ہی پیدا کر کے فلسطین کو حاصل کیا جا سکتا تھا۔ اور در اصل عربوں ہی کے ذریعہ سے سیدھا راستہ فلسطین کے لینے کا تھا جو برطانیہ نے حاصل ہی کر لیا تھا فلسطین کی زمین بھی تو ہر جگہ زرخیز مانی ہوئی ہے۔ صرف آبادی کر کے پھل حاصل کر لینا ہے اور وہ دولتمند یہود سے بہتر کوئی کیا دوسری قوم نہیں کر سکتی تھی۔ ؎۱

سائکس پیکوٹ معاہدے (Sykes Picot Pact) کے ذریعہ سے جو مارچ ۱۹۱۶ء کی پیرس کانفرنس میں طے ہوا تھا فلسطین کو بین الاقوامی اقتدار بظاہر دیگر یہود کی نوآبادی وہاں تسلیم کر لی گئی تھی اور برطانیہ کا انتداب بھی منظور ہو گیا تھا تب ۹؍ دسمبر ۱۹۱۷ء کو بیت المقدس کے گورنر نے ترکوں کی ہار کا خط برائے کو لکھ دیا جس سے ۱۱؍ دسمبر ۱۹۱۷ء کو جنرل ایلن بی (Gen. Allenby) بحیثیت ایک فاتح کے پا پیادہ بیت المقدس میں داخل ہو گئے اور یکم جولائی ۱۹۲۰ء کو برطانیہ کا پھریرا مستقلاً بیت المقدس پر لہرانے کے واسطے چڑھایا گیا اور ۷؍ جولائی ۱۹۲۰ء کو شاہ انگلستان کا وہ فرمان شاہی ایک دربار میں پڑھا گیا جس میں کہ بیت المقدس۔ حائفہ۔ حبران۔ غازہ اور بیرشیبا کے نمائندے بھی بڑے تزک و احتشام اور شان و شوکت کے ساتھ شریک کئے گئے تھے۔ اس اعلان کو ہائی کمشنر سر ہربرٹ سیموئل نے پڑھ کر سنایا تھا۔ آئین فلسطین کو یہودیوں کے قومی وطن قرار دئے جانے اور انتداب کے ساتھ

؎۱ دیکھو صفحہ ۱۴۰-۱۴۱ کتاب سر ولیم ونڈھم مذکور

حکومت کرنے کا ذکر کیا گیا تھا۔

اکتوبر ۱۹۲۱ء میں بیت المقدس میں برطانیہ نے ایک مجلس شوریٰ بنانے کا ارادہ کیا جس میں یہود بھی شریک کئے جاتے مگر عربوں نے اوسکی مخالفت شروع کر دی۔ انہی مسائل سے عربوں نے تین اجلاس عرب کانگریس کے منعقد کئے نیز تمام حافہ عربوں اور یہودیوں میں کشت وخون بھی ہو گیا تمام مسلم وعیسائی کا ایک اتحاد قائم ہوا اور اُن کا متفقہ وفد ۱۹۲۲ء میں لندن بھیجا گیا۔ [1]

سچ تو یہ ہے کہ برطانیہ کی خوش قسمتی سے حافہ ہندوستان تک ریل کا سلسلہ ملا دینا اب اوس کے امکان کی بات ہو گئی ہے۔ یوں تو سب ہی کو فلسطین پر قبضہ کرنے کی فکر تھی۔ فرانس نے بھی صلح کی کانفرنس تک اوسی کی فکر کی شریف حسین بھی شام وفلسطین کی امارت کے لئے جان دئے ہوئے تھے۔ اٹلی کو بھی بندرگاہ بندر فلسطین کے حاصل کرنے کی جوٹ تھی۔ امریکہ کے مشنری اصحاب نے تو چالیس ملین پونڈ کی دولت تعلیمی و مذہبی وخیر وخیرات کے اداروں میں مشرق قریب وغیرہ میں اسی دن کے واسطے لگا رکھی تھی۔ یہود بھی ۱۸۳۵ء سے اُسکے حاصل کرنے کی ہر طرح کی کوشش میں تھے۔ جرمنوں نے گرجے اور خانقاہیں بنا رکھی تھیں اور ٹیمپلارس (Templars) یعنی ازمنہ متوسط کے مذہبی فوجی مندروں کے ممبروں نے سا بستیاں بھی پھیلا رکھی تھیں روس سے ۱۹۱۷ء کے انقلاب نے بیشک اُس کو کٹے کنکوے کی طرح عرصہ سے الگ ہی کر رکھا تھا مگر برطانیہ کی حکمت عملیوں نے بالآخر یہود کو کامیاب ہی کر دیا۔ اور در اصل تو عربوں کی غداریوں نے بالخصوص مکہ و بغداد کو ترکوں کے ہاتھ سے نکلوا دینے نے سب ہی کے خوابوں کو پریشان کر دیا۔

جنیوا کے دستور میں جس کے مطابق فلسطین کا انتداب (Mandate) طور میں آیا تھا یہ تحریر تھا ابتدائی حکومت کا انتخاب کرنے میں اُن قوموں کی جن کے زیر انتداب ہونے کا سوال ہو خواہشات کی پابندی لازمی ہوگی۔ دفعہ آرٹیکل نمبر ۲۲ دستور جینوا لیکن فلسطین کے باشندوں کی مرضی کے خلاف یہ انتداب برطانیہ عظمیٰ کے لئے مقرر کیا گیا تھا۔ اور فوجی طاقت سے عربوں اور عیسائیان فلسطین کو مرعوب کیا گیا تھا اور نہ جینوا ہی کے دستور کی پابندی کی گئی نہ کسی کی کچھ چلی حالانکہ کارڈینل گاسری پاپائی مذہبی سکریٹری آف اسٹیٹ نے اپنے بیان مورخہ ۱۵ مئی ۱۹۲۲ء میں فلسطینی انتداب کے خلاف

[1] دیکھو تعلیقات صفحہ ۸م - ۹۹م کتاب ونڈھم مذکور

صدائے احتجاج بھی بلند بھی کی تھی تب تو برطانیہ کی منفرت رساں پالیسی نے عربوں اور یہودیوں کو بغاوت پہ آمادہ کر ہی دیا۔ مسلمانان عالم کو برطانیہ نے تو یہ یقین دلایا تھا کہ اُن کے مقامات مقدسہ کی حرمت برقرار رہے گی نیز خلیفۃ المسلمین کی سرزمین پاک کے باشندوں کے حقوق کی نگہداشت کی جائے گی[۱] اور زبان بھی تھا کہ ہندوستان کے مسلمانوں کو یقین رکھنا چاہیئے کہ ہم یا ہمارے اتحادی اس جنگ میں کوئی ایسی بات نہ کرینگے جس سے اُن کے مذہبی احساسات کو ٹھیس لگنے کا اندیشہ ہو۔ مقامات مقدسہ اسلامیہ کو ہرگز کوئی صدمہ نہیں پہونچایا جائیگا۔ بلکہ اُن کی حرمت کا پورا پورا خیال رکھا جائیگا مقام خلافت کی مقدس سرزمین پر کوئی جنگ نہ ہوگی۔ حکومت برطانیہ نے نہ صرف اپنی طرف سے بلکہ اپنے اتحادیوں کی طرف سے بھی ان تمام باتوں کی ذمہ داری اپنے سرلی ہے۔ لیکن افسوس کہ جنگ کے بعد مقام خلافت پر قبضہ کیا گیا اور جزیرہ العرب میں برطانوی اور فرانسیسی انتداب ہی صرف نہیں قائم کرایا گیا بلکہ غیرملکی یہودیوں کو ہر طرح فلسطین پر قابض ہو جانے میں امداد دی گئی مسجد اقصٰے کی حرمت صرف خانہ کعبہ ہی سے کم ہے اور عرصہ تک مسلمان اسی مسجد کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے۔ تا آنکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کے حکم سے خانہ کعبہ کی طرف رخ کرانیکا حکم دیا۔ اور دراصل تو مسلمانوں پر اُن مقامات کی نگرانی اور قبضہ از روئی مذہب اسلام لازم ہے۔ لہذا اُن کے خیال میں کسی طریقے پر بھی یہودیوں کو فلسطین میں داخلے اور قبضے کا حق کسی انصاف پسند کی نگاہ میں نظر نہیں آسکتا۔ اعلان بالفور اور یہودیوں کی غلط وطنیت کی تحریک ہر طرح بجز جبر و تشدد اور زیادتی کے کچھ نہیں کہی جاسکتی ہے۔ جیسے کہ اعلان بالفور ہوا ہے۔ یہودی قدیم اکثر مقامات مثلاً جرمنی و اسپین وغیرہ سے نکالے جا رہے ہیں یا خود ہی دوسرے مقامات سے آکر فلسطین میں بس رہے ہیں۔ بلکہ اسقدر تیزی سے وہاں آکر بس رہے ہیں اور آراضیات کی خرید وغیرہ شروع کر دی ہے کہ جس کی حد ہی نہیں۔ عرب اور یہودی جو وہاں کے باشندے تھے وہ ہر قسم کا احتجاج وغیرہ تک کر رہے تھے مگر کچھ شنوائی نہیں ہوئی تھی اسوقت سے برابر عربی اور عیسائی ادارے جلسے ہو ہو کر تنسیخ انتداب اور یہودیوں کی آمد کی بندش کے مطالبات برابر کئے جا رہے تھے اور ہائی کمشنروں کے وفد جاتے رہے۔ مارچ سنہ ۱۹۲۱ء میں مسٹر چرچل کی آمد پر نقص

---

[۱] دیکھو نومبر سنہ ۱۹۱۴ء کا برطانیہ کا اعلان ترکی کے خلاف آغاز جنگ عظیم یورپ کے وقت۔

منعقدہ دمشق نے شام اور فلسطین کی آزادی کا اعلان بھی کر دیا۔ پھر تیسری عربی فلسطینی کانفرنس منعقدہ حیفہ میں فلسطین کے لیے ایک قومی ذمہ دارانہ حکومت کے قیام اور وطنیت یہود کی تنسیخ نیز یہودیوں کی آمد کی بندش پر تجاویز بھی منظور کی گئیں۔ دسمبر ۱۹۲۳ء کی فلسطینی عربی کانگریس کی مجلس منتظمہ نے یہ اعلان کیا کہ اُس کا اصلی مقصد جسے کسی طرح پس پشت نہیں ڈالا جا سکتا آزادی حاصل کرنا ہے۔ اسی طرح ۱۹۲۳ء میں ایک عربی وفد انگلستان گیا اور اپنے مطالبات مذکورہ پیش کئے اور دستوری حکومت کے قیام کی تجویز بھی پیش کی۔ جو عرضداشت بھی ۱۹۲۳ء میں انتدابی کمیشن کے سامنے پیش ہوئی اور ایک عربی وفد بھی اسی وقت گیا تھا۔ انتداب کے آرٹیکل نمبر (۲) کے مطابق حکومت کا یہ بھی فرض تھا کہ ملک میں خود مختار اداروں کو ترقی دیجائے۔ اور ہائی کمشنر نے ذمہ دار حکومت کے قیام کی سفارش بھی کی مگر برطانیہ نے کچھ منظور نہیں کیا۔ چنانچہ اوسپر ہائی کمشنر اور دوسرے انگریز افسروں نے استعفے بھی دیدیے۔ دراصل تو اعلان بالفور ایک جنگی اقدام تھا اور جس کا مقصد یہ تھا کہ دنیا کے یہودیوں کو بحیثیت مجموعی اتحادیوں کا طرفدار بنا لیا جاوے۔ تعجب تو یہ ہے کہ عراق کا برطانوی انتداب عرصہ ہوا ختم ہو چکا نیز شام میں بھی فرانسیسی انتداب کے بجائے وہاں ایک ذمہ دار مقامی حکومت قائم کر دی گئی۔ مگر افسوس کہ فلسطینی انتداب کو تقویت ہی دی جا رہی ہے اور وہ بہ جبر قائم ہے۔ اعلان بالفور کا تو یہ مقصد تھا کہ صرف اُن یہودیوں کو فلسطین میں آنے اور آباد ہونے دیا جائے گا جن پر جنگ عظیم کا اثر پڑا تھا مگر موجودہ طرز عمل تو بالکل ہی اوس کے خلاف ہے۔ سرمایہ دار اور مزدور پیشہ یہودی سب ہی اطراف سے آ رہے ہیں اور اقتصادی و صنعتی کاروبار میں سے زوروں میں عربوں وغیرہ کو نکال کر داخل ہو رہے ہیں۔ بلکہ ان کی نو آبادیوں میں عرب مزدور گھسنے تک نہیں پاتے۔ زمینوں کی قیمت بہت بڑھ گئی ہے۔ اور اعراب تو اپنی آراضیات تک کو قیمتوں کے بڑھ جانے اور ٹیکسوں کی [illegible] لگے ہیں۔ یہودی بھی آراضیات [illegible] فروخت کے بغیر روپیہ نہیں دیتے تب کی حیلوں سے [illegible] ہی تو عرب لوگ آراضیات کی فروخت پر مجبور ہوتے ہیں۔ بلکہ محصلین ٹیکس غریب عربوں کو اوس وقت تک چھوڑتے نہیں جبتک کہ وہ یہودیوں کے ہاتھ زمین نہ فروخت کر دیں۔ اس طرح گویا فلسطین کے اصلی

دیکھو اخبارات لندن اگست ۱۹۲۲ء اور صلح کانفرنس پیرس کی تاریخ۔

باشندے جبراً اپنی ملکیت سے محروم و بیدخل کئے جا رہے ہیں۔ ؎۱

اعلان بالفور جنگ عظیم یورپ کے زمانہ میں کیا گیا تھا۔ اور ۲ نومبر ۱۹۱۷ء کو بذریعہ ایک خط کے رائٹ آنریبل اے۔ جے۔ بالفور (Rt Hon'ble A.J. Balfour) کی طرف سے جو اس وقت کے شعبہ خارجہ حکومت انگلستان کے سکرٹری آف اسٹیٹ (Secretary of State) تھے بنام بیرن راتھس چائلڈ (Rothschild) شائع کیا گیا تھا اور گو برطانیہ کے دارالعوام نے بعد میں اسے منظور نہیں کیا۔ تاہم اس کی اشاعت حکومت برطانیہ نے منظور ضرور کر لی تھی اور وہ اعلان حسب ذیل تھا۔

"ہز مجسٹی کی حکومت یہودیوں کے لئے فلسطین میں اُن کا قومی گھر بنا دینے کو نظر تحسین دیکھتی ہے اور اپنی پوری کوشش اس کی تکمیل کے واسطے استعمال کرے گی۔ یہ بھی صاف طور پر سمجھا گیا ہے کہ کوئی ایسی بات نہ کی جائے کہ جس سے فلسطین کی موجودہ غیر یہودی جماعتوں کے ملکی یا مذہبی حقوق کو نقصان پہنچے۔ یا یہودیوں کے حقوق اور سیاسی مرتبہ کو جو انہیں دوسرے ممالک میں حاصل ہوں کوئی نقصان ہو"

بس اسی اعلان سے یہودیوں نے فلسطین میں اپنی جدید نوآبادی کے لئے اپنا حق سمجھ لیا۔ اور عربوں و عیسائیوں نے بھی اسی وقت سے احتجاج شروع کر دیا۔ اس وقت مسلم آبادی چھ لاکھ تھی۔ نصاریٰ بیاسی ہزار تھے اور یہودی اسی ہزار۔ اور فلسطین کا رقبہ بھی نو ہزار مربع میل تھا۔ ۱۹۳۱ء میں آبادی دس لاکھ پینتیس ہزار ہوگئی اور ۱۹۳۵ء میں گیارہ لاکھ اکہتر ہزار تک پہنچ گئی تھی۔

وائسرائے ہند نے اپنے اس جواب میں جو کہ مسلمانوں نے وفد کو بمقام شملہ ۲۸ ستمبر ۱۹۳۷ء دیا تھا فرمایا تھا کہ برطانیہ کے انتداب فلسطین کے شرائط خود اس بات کی ضمانت ہیں کہ فلسطین میں مقامات مقدسہ کی حرمت برقرار رہے گی اور ہر قوم کو اپنے مدرسے جاری کرنے کی پوری آزادی ہوگی اور مذہبی اور خیراتی اداروں میں کسی قسم کی مداخلت نہیں کی جائے گی۔۔۔ اور اعلان بالفور جنگ عظیم کے خاص حالات کے ماتحت کیا گیا تھا لیکن آپ مجھ سے اتفاق کریں گے کہ اس اعلان کا عمل در آمد، وسعت اور قیام کا لحاظ کرتے ہوئے کسی طرح نہیں کہا جا سکتا کہ وہ صرف زمانہ جنگ تک کے لئے محدود تھا اور نہ یہ واقعہ ہے کہ اس وقت اعلان بالفور کے سلسلہ میں جو شرائط ہوئے تھے اُن کی رو سے یہودیوں کی قومیت یا نسل پر کوئی پابندی

؎۱ دیکھو وہ میموریل جو مسلمانوں کے وفد نے وائسرائے ہند کو ۲۸ ستمبر ۱۹۳۷ء کو دیا تھا جس کا ترجمہ الجمعیت میں شائع ہوا تھا

عائد ہوتی ہے۔ نیز یہودیوں کو فلسطین میں آباد ہونے کی اجازت دی گئی تھی" اور پھر یہ فرمایا کہ "عربوں
کی آبادی میں ۱۹۲۲ء سے ابتک تقریباً پچاس فیصدی زیادہ اضافہ ہوا ہے۔ عربوں کی نارنگیوں کی کاشت
۱۹۳۱ء سے ۱۹۳۶ء تک (۵۹۰۰) ڈیونم سے (۱۲۵۰۰) ڈیونم ہوگئی ہے اور اسی عرصہ میں یہودیوں کی تعداد
(۶۶۰۰۰) سے (۱۶۰۰۰۰) ہوگئی ہے" گورنمنٹ برطانیہ کا یہ خیال ہے کہ یہودیوں کے فلسطین میں آنے
سے ملک کی عام اقتصادی حالت پر بہت اچھا اثر ہوگا۔ اور معزز دل ہز مجسٹی اک معظم ایڈورڈ ہشتم کی
۱۹۳۶ء کی ٹرکی کی سیر نیز مصر کی آزادی وغیرہ سے بھی اس کا پتہ دیا گیا تھا۔ کہ برطانیہ کو عام طور پر مسلمانوں
سے ساتھ خوشگوار تعلقات قائم رکھنے کے لئے ان کے مذہبی جذبات کا بھی پورا خیال تھا اور اسی
بنا پر عرب بادشاہوں اور رئیسوں کی اس دوستانہ آمادگی کو جس سے کہ وہ اپنے اثر سے کام لے کر عرب اور یہود کیا
باہمی مصالحت کی کوشش کریں گے اچھی نظر سے دیکھا تھا اور عربوں کی جائز شکایت کو رفع کرنے کے لئے
ایک شاہی کمیشن کے تقرر کا اعلان بھی کیا تھا۔ اور انتداب کے شرائط کے ماتحت تو برطانیہ کی حکومت
اگر ایک طرف وطن یہود قائم کرنے میں آسانی مہیا کرنے کی ذمہ دار ہے تو دوسری طرف غیر یہودی
آبادی کے شہری اور مذہبی حقوق کی حفاظت کی ذمہ دار ہے۔ اور الفاظ "وطن یہود" کے معنے برطانیہ
نے یہ بیان کئے ہیں کہ "یہودیوں کے لئے ایک ایسا مرکز مہیا ہو جائے جس پر یہودی بحیثیت مجموعی اپنے مذہب
اور قومیت کی بنا پر فخر کر سکیں" اور وہ وطن فلسطین ہی میں ان کے واسطے قائم کرانے کے لئے حکومت
برطانیہ نے طے کر لیا ہے اور کیوں نہ کرتی۔ عرب سی کمزور اور روپیہ کی خواہش مند اور کون قوم دنیا
میں برطانیہ کو مل سکتی تھی۔ نیز یہود سے زیادہ کون دولتمند قوم برطانیہ کو خدمت گذاری کے واسطے
نصیب ہو سکتی تھی۔ بس ہر طرف سے اسکے لئے دونوں میٹھے ہی میٹھے ہیں۔ اب دیکھئے جو یہ عرب قوم
نرم چارہ معلوم ہوا!

ڈاکٹر میکنزی Dr. Mackenzie نے بمقام گلاسگو اپنی تقریر میں یہ کہا تھا کہ "فلسطین کے چھوٹے
سے حصہ ملک میں تین لاکھ پچاس ہزار کی آبادی ہے مگر خیال ہے کہ دس سال کے اندر اندر تیرہ
لاکھ تک آبادی بڑھ جائے گی۔ اور تعجب کا تو مقام یہ تھا کہ یہ یہود افزائشی صنعتوں ہی میں سیدھے داخل
کئے جا رہے ہیں۔ اور بدقسمتی تو یہ ہے کہ انھوں نے اپنے باپ دادا کے مذہب کو بالائے طاق رکھ دیا
ہے۔ انجیل کو منسوخ کر دیا ہے۔ اور فلسطین میں آکر بسنے والے یہودی ایک نئے قسم کے کفر والحاد ایجاد

کی بنیاد ڈال رہے ہیں اور فلسطین تو یہودیوں کا مسکن ہو جائے گا۔ [1]

افسوس تو اس بات کا ہندوؤں کو ہوگا کہ باوجودیکہ تقریباً تمام دنیا میں یہودیوں سے نفرت بڑھ رہی تھی اور جرمنی و اسپین وغیرہ سے تو وہ نکالے ہی جا رہے تھے مگر برطانیہ عظمیٰ کو ان کی محبت زوروں پر بھی چڑھ رہی ہے اور اپنی دس کروڑ مسلم رعایا کی دل شکنی کا مطلق خیال نہیں رہا ہے۔ بیشک عربوں و عیسائیوں کی اشک شوئی کے لئے ایک شاہی کمیشن بصدارت آنریبل وائی کونٹ پیل (Viscount Peel) مقرر ہوا ہے اور جس کے ممبر ریجینالڈ کوپلینڈ (Reginald Coupland) سر ولیم برڈ ووڈ (Sir William Birdwood) اور سر ہارس رم بولڈ (Sir Horace Rumbold) کئے گئے ہیں۔ اس کمیشن کا مقصد یہ ہے کہ فلسطین کی بدامنی کے بابت تحقیقات کرکے رپورٹ کرے۔ مگر عام طور پر دنیا کا خیال یہ ہے کہ چونکہ فلسطین ہی کو انگلستان نے ہندوستان پہونچنے کا اپنے ہوائی پرواز کا راستہ مقرر کیا ہے اور جب کہ اٹلی و جرمنی سے بحیرہ میڈیٹرینین میں پوری مداخلت کا اندیشہ ہے تو فلسطین کے قبضے سے مشرقی حصہ بحیرہ اور نہر سویز پر پورا قابو حاصل رہے گا۔ نیز بندرگاہ حیفہ کے درمیان ریل جاری کر لینے سے ہندوستان تک بڑی فوج بھی آ جا سکے گی اس لئے فلسطین پر برطانیہ کا پورا اقتدار قائم رکھنا ضروری ہے اور ان تمام خواہشات و ارادوں کی تکمیل اسی وقت ممکن ہے جب کہ یہودی مالدار قوم وہاں آباد ہو جاوے۔

مگر عربوں کی ہائی کمیٹی کو فلسطین کے واسطے کامل آزادی طلب کرکے برطانوی انتداب کی خاتمہ پر برابر زور دینا شروع ہی سے طے کر دیا تھا۔ اور اس لئے در اصل تو عربوں اور یہودیوں میں جنگ نہ ہونا چاہیئے کیونکہ اگر دار العوام انگلستان میں کمانڈر لیمپسن (Commander Lampson) کے بیان کو صحیح سمجھا جاوے تو عربوں اور یہودیوں میں لڑائی واقعی نہیں جائے گی۔ بلکہ برطانوی شہنشاہیت کی حکمت عملی سے کل مشرقی ممالک میں جس طرح کی ہلچل مچی ہوئی ہے اسی طرح فلسطینی عرب بھی اگر متاثر ہو رہے ہیں تو کیا بعید بات ہے اعراب فلسطین نے تو مختلف قسم کے احتجاج کے بعد سخت سے سخت باوے بھی کر دئے تھے اور جان دینے اور لینے پر تیار ہو گئے تھے برطانوی طیاروں اور فوجوں

---

[1] دیکھو صفحہ ۱۳ اخبار ہندوستان ٹائمس مورخہ ۱۳ مئی ۱۹۳۶ء۔

وہ مقابلہ کر رہے تھے چنانچہ ۷؍ اگست ۱۹۳۶ء تک لارڈ پیل کے کمیشن نے فلسطین میں کوئی کام شروع نہیں کیا تھا اور کہا جاتا تھا کہ جب تک وہاں امن نہ ہو جائے گا کام شروع نہ ہوگا نیز اسکا بھی اندیشہ تھا کہ امن کے بعد بھی غالباً اعراب عام طور پر شرکت عمل نہ کرینگے کیونکہ جو وفد عربوں نے بہ سرگردگی جمال حسینی لندن بھیجا تھا اور جس نے وہاں کے پریس یا اخباری دنیا کو کچھ ہموار کیا تھا اور اس سے یہ بھی ظاہر ہو گیا تھا کہ علاوہ اعلان بالفور سے اختلاف کرنے کے عربوں کو یہ بھی دعویٰ تھا کہ ۱۹۱۵ء ہی کے دوران جنگ کے زمانہ میں سر ہنری میکموہن (Sir Henry Mucmo ham) برطانوی ہائی کمشنر نے شریف مکہ کو تحریراً یہ لکھ دیا تھا کہ "برطانیہ عظمیٰ عربی ممالک کی آزادی کو تسلیم کرنے اور انکی امداد کے واسطے تیار ہے" اور اسی بنا پر عربوں نے اونکی امداد کی تھی۔ پھر ۱۹۱۸ء میں فرانس و برطانیہ نے متفقہ طور پر اعلان کر کے یہ بھی وعدہ کیا تھا کہ "وہ لوگ جو اسوقت ترکوں کی رعایا تھے انکو اپنے بااثر طریقہ حکومت طے کرنے کا خود ہی مکمل اختیار ہوگا۔ اور اس کا آخری فیصلہ بھی خود وہی کر سکینگے" نیز اپنی اپنی قومی حکومتوں کے قیام اور اسکے انتظام کے لئے بھی مقامی آبادیوں کو آزادی سے حق حاصل رہیگا جو کہ وہ نمائندگی کے اصول پر طے کرینگے اور یہی وعدے آرٹیکل ۲۲ معاہدہ لیگ اقوام میں بعد کو تحریر میں آگئے تھے اب تو عرب یہ کہہ رہے ہیں کہ برطانیہ نے نہ صرف ان تمام وعدوں کو اعلان بالفور کے ذریعہ نہ صرف مسترد کر دیا ہے بلکہ خود اعلان کو اس درجہ پامال کیا ہے کہ ۱۹۲۵ء تک یہود کی تعداد (۱۲۰۰۰۰) کرادی تھی جب کہ ۱۹۲۲ء میں وہ صرف ۸۳۷۹۴ تھی اور یہ تکثیر آمد یہود برطانیہ کے ۱۹۲۲ء کے اس صریح و صاف بیان کے بالکل ہی منافی تھی کہ فلسطین کی اقتصادی قابلیت ہی کے اعتبار سے یہود کی آمد کی اجازت وہاں دیجائیگی

دوسرا عذر عربوں کا یہ تھا کہ باوجود سب کمیٹیوں اور کمیشنوں کے فیصلوں کے ۱۹۲۵ء کی تعداد آمد یہود ۱۹۱۴ء کے معیار مقررہ سے بہت زاید ہو گئی تھی ۱۹۳۲ء میں ان کی تعداد (۲۰۰۰۰۰) ہو گئی اور ۱۹۳۵ء میں ان کی تعداد (۳۰۰۰۰۰) تک پہنچادی گئی اور عرب جو ۱۹۲۳ء میں (۹۳) فیصدی کل آبادی کے تھے ۱۹۳۶ء میں صرف (۷۰) فیصدی رہ گئے [1]

افسوس تو یہ بھی تھا کہ فلسطین میں عربوں کے دو گروہ سمجھے جاتے تھے۔ ایک حسینی اور دوسرا نشاشیبی

---

[1] دیکھو اخبار ہندوستان ٹائمس مورخہ ۷؍ اگست ۱۹۳۶ء۔

مگر جسوقت سے کہ حسینیوں کا نمائندہ مفتی اعظم مقرر ہوگیا تھا اُسوقت سے حسینیوں کا سیاسی اثر ملک میں زاید ہوگیا تھا۔ مگر حکومت برطانیہ نے اُسیوقت سے نشاشبی خاندان کی سرپرستی شروع کردی تھی۔ نشاشبی اُس کے سرگروہ تھے اور وہ مدتوں بیت المقدس کے میئر (mayor) بھی رہ چکے تھے۔ لڑائی بھی دراصل مسلمانوں اور یہودیوں کی نہیں ہے بلکہ عرب اور اُن غیر از عربوں کے درمیان ہے جو اعلان بالفور کے بعد فلسطین میں آکر آباد ہو رہے ہیں اور جن میں سے ہر ایک کے واسطے یہ شرط ہے کہ ایک ہزار پونڈ کا وہ مالک ہو۔ چنانچہ پاکا کمیٹی (یعنی فلسطین کی وہ جماعت جو بیرن راتھس چائلڈ (Baron Rothschild) نے یہودی نوآبادی کے واسطے فلسطین میں قائم کرادی تھی) کی قائم کردہ نوآبادی یہود سے اور اُن کے ہمسایہ عربوں سے بھی کسی قسم کی جنگ نہیں ہے بلکہ سب مل جلکر رہتے ہیں۔

فلسطین کے نوآباد یہودی یا زیانسٹ (Zionists) تو یہ چاہتے ہیں کہ جلد سے جلد اُن کی آبادی روز افزوں ترقی کر جاوے۔ تاکہ ۱۹۲۹ء کی طرح کی بغاوت سے جسقدر نقصان اُنہیں پہونچا تھا وہ آئندہ نہ پہونچ سکے۔ عرب قوم کا یہ خطرہ ہے کہ اس کا تناسب آبادی کم سے کمتر نہ ہو جاوے۔ ۱۹۱۸ء میں تو یہودیوں نے علانیہ یہ کہنا شروع کر دیا تھا کہ وہ بغیر اپنی اکثریت کو بڑھائے ہوئے نہ مانیں گے اور اُسی سے عربوں نے اعلان بالفور کی مخالفت پر زور زیادہ بڑھ گیا تھا کیونکہ اپریل ۱۹۲۰ء میں اتحادیوں کی اعلیٰ کونسل نے بمقام سین ریمو (San Remo) فلسطین کا انتداب مکمل طور پر برطانیہ کو بخش دیا تھا۔ اور پھر اُسکو صلحنامہ سیوار یز میں اگست ۱۹۲۰ء میں تحریر کیا گیا اور جولائی ۱۹۲۲ء میں لیگ اقوام نے بھی منظوری دیدی تھی۔ حالانکہ مصطفیٰ کمال نے صلحنامہ سیوار یز کو مسترد کر دیا تھا اور اُس کی جگہ صلحنامہ لارزن کو جولائی ۱۹۲۳ء میں طے کرالیا تھا۔ مگر پھر بھی صلحنامہ سیوار یز ہی پر فلسطین کے لئے عمل کیا جا رہا ہے۔

برسٹل (Bristol) کے مقام پر ایک کانفرنس ۲۷ر اکتوبر میں منعقد ہوئی تھی اور جو سال بہ سال ہوتی تھی اور جس میں بذریعہ ایک تجویز کے یہ طے کیا گیا تھا کہ برطانیہ کی فوجوں کو فلسطین سے واپس طلب کر دیا جاوے اور عربوں کے لئے اُن کے واسطے ایک جمہوریت کے اصولوں پر خود انتخاب شدہ حکومت کے بنا لینے کے حق کو بھی تسلیم کیا جاوے" نیز انتداب فلسطین کو ورخض ایک

بہانا برطانیہ کی شہنشاہی منافعوں کے لئے بنا کر اُس پر ناجائز قبضہ کر یا جانا بھی بیان کیا گیا تھا۔ اور اسی تجویز میں انتداب کو ختم کر ایک طلب کیا گیا تھا اور یہ کل خبر اخبار مانچسٹر گارڈین ویکلی (Manchester Guardian Weekly) مورخہ ۲۳ اکتوبر ۱۹۳۸ء کے صفحہ ۳۲۹ کے کالم (۳) میں شایع ہو گئی تھی۔

اب اس واقعہ کے بیان کرنے کی بھی یہاں ضرورت ہے کہ تاریخ کی ابتدا کے وقت سے عرب قوم فلسطین میں آباد چلی آ رہی ہے۔ اور ان کی نسلوں نے دنیا میں حکومت بھی کی ہے اور اب بھی گو برائے نام ہی سہی وہ کہیں نہ کہیں حکمران ہیں۔ مگر یہودیوں کو باوجود دنیا میں دولتمندی کے کہیں بھی حکومت یا بادشاہت آج تک نصیب نہ ہوئی ہے قرآن پاک کی پیشین گوئی بحمد اللہ کہ ابھی تک تو اس کے بابت صحیح ثابت ہو رہی ہے۔ جہاں کہیں بھی وہ بڑے چڑھے تو بس ایک دولتمند قوم سے زائد اور کچھ نہ ہو سکے۔ بیشک دنیا کی سلطنتیں بیشتر اُن کی مقروض رہا کی ہیں اور اب بھی وہ اپنی دولتمندی سے نہ صرف اُن کو مقروض بناتے ہیں بلکہ دنیا کے بڑے بڑے موجودہ جھگڑوں پر پردہ ہیں بادی در پردہ بعض میں بہت کچھ خرابا لگا سکتے ہیں۔ سنہ ۱۹۰۳ء کی بیسل (Basle) کی یہود کانفرنس کی اس تجویز کو کہ "فلسطین کو یہود کا دینی اور دنیاوی مرکز بنوا دیا جاوے"، دنیا کی عیسائی حکومتوں سے انھوں نے اپنے مالی اثر سے منوا لیا تھا مگر واقعہ یہ ہے کہ عیسائی حکومتوں نے اُن کو ایک ایشیائی قوم ہی بنوا کر چھوڑا۔ اور مسلمانوں سے ہم آویزش ہونے کے لئے پھر انتظام کرا دیا۔ اور یہودیوں نے یہ نہ سمجھا کہ دوست نا دشمن اور سچے محسنوں میں کیا فرق ہے یہ مسلمان ہی تھے کہ جنھوں نے اُن کو بھائی بنا کر ہر جگہ پہلو بہ پہلو جگہ دی تھی انجیلی مقدس کے قصوں میں تو اُن کی عیسائیوں کے ہاتھوں جو گت بنتی رہی۔ وہ سب کو معلوم ہی ہے مگر عیسائی اسپین کے مظالم سے جب یہودی بھاگے ہیں تب مسلمانوں ہی نے اُن کو اپنے یہاں پناہ دی تھی۔ یمن۔ شام۔ فلسطین مصر۔ میسوپوٹیمیا اور ٹرکی کی حکومت میں تو ہر جگہ اُن کی کثیر آبادی ترکوں کی بے تعصبی سے ہمیشہ بڑھتی اور پھلتی پھولتی رہی ہے مگر اب تو خدا سلامت رکھے برطانیہ کی حکومت کی سرپرستی اسی لئے نصیب ہو گئی ہے کہ عربوں سے تا بہ زیست میدانِ پیکار جاری ہے اور مدتوں تک دنیا اُس کا تماشہ دیکھے اور ممکن ہے کہ فلسطین ہی آکر ان کی دلی آرزو وہاں دفن ہونے کی پوری ہو جاوے۔ نیز جس طرح کہ جرمنی وغیرہ سے وہ یہاں آ رہے ہیں ممکن ہے کہ روس اور پولینڈ کی طرف سے بھی وہ نرغہ کر کے فلسطین ہی کو اپنا مرکز

اور مدفن بنالیں۔ مگر میری دعا تو یہ ہے کہ جب نصاریٰ و مسلمان اور یہود سب ہی فلسطین کو مقدس جانتے ہیں تو اس تکلاطم کی بساط جم کر خدا کرے کہ بین الاقوامی اتحاد کا یہ نمونہ بن کر دنیا کی ہر قوم کی جائے امن فلسطین ہی بنجائے۔

حال کی تحقیقات سے اس کا بھی پتہ چلا ہے کہ تقریباً ۶ ملین یہودی اور ۲۱۰ ملین مسلمان دنیا بھر میں اعداد و شمار سے معلوم ہوتے ہیں۔ مگر جس طرح کہ فرداً فرداً اور مجموعی طور پر یہودی دولتمند تعلیم یافتہ ہیں اوسی طرح مسلمان مفلس اور جاہل ہیں۔ اور باوجود اس کے کہ مسلمانوں کے پاس سلطنتیں بھی ہیں مگر وہ نہ اپنی اقتصادی حالات ہی کو درست کر سکتے ہیں اور نہ اتحاد سے شیرازہ ملت کو مستحکم کر سکتے ہیں۔ جس کا سبب خدا ہی بہتر جانتا ہے۔

اخباروں نے ۲۴ جون ۱۹۳۷ء کو ہندوستان میں یہ خبر پہونچائی تھی کہ ۲۲ جون ۱۹۳۷ء کو فلسطین کے کمیشن نے اپنی رپورٹ پر دستخط کر دیے تھے اور شہنشاہ جارج ششم کے سامنے وہ پیش ہو کر وزارت کے غور کرنے کے واسطے رکھ دی گئی تھی اُسی کے ساتھ یہ خبر بھی تقریباً دوسرے ہفتہ جون میں اخباروں نے دی تھی کہ ایران افغانستان عراق اور ٹرکی کے درمیان معاہدہ اتحاد عمل وغیرہ مکمل ہو چکا ہے اور ممکن ہے کہ اثر رپورٹ کے نتائج کے غور پر پڑتا۔ لیکن ایسا نہیں ہوا

لکھنؤ کے پائنیر اخبار مورخہ یکم و مورخہ ۶ رجولائی ۱۹۳۷ء سے یہ خبر معلوم ہوئی تھی کہ شاہی کمیشن برطانیہ نے تین حصوں میں فلسطین کو تقسیم کرنے کی سفارش کی ہے یعنی عرب[1] ۔ یہودی[2] ریاستیں اور برطانوی[3] (انتدابی) رقبہ یہودی[1] ریاست میں کل گلیلی کی گھاٹی۔ سمندر کے کنارے کے میدان اور کچھ حصہ جنوبی ضلع کا ہے جافہ سفید۔ ایکری۔ اڈبیرد کے شہروں کے۔ برطانوی[2] رقبہ میں بیت المقدس بشمول نیز بیرتھ اور کچھ حصہ بیت المقدس اور جافہ کی سڑک کا جس سے کہ عرب قوم جافہ پہونچ سکے۔ باقی ملک عربوں کی ریاست ہوگی۔ مگر مذکورہ تجاویز سے عربوں اور یہودیوں دونوں کو سخت اختلاف ہے اور اسی لیے بحری جنگی جہاز "ریلس" مالٹا سے جافہ کو برطانیہ کے حکم سے پہونچ گیا تھا عربوں اور بادشاہان حجاز۔ عراق جزیرۃ العرب۔ مصر وغیرہ سب ہی کو تو رپورٹ مذکور سے عربوں کا صریحی نقصان نظر آگیا اور غالباً سب مل کر عراق و فلسطین کا ساتھ اُن کے احتجاج میں دیں گے۔ نیز یہود اور اُن کی صہیونی جماعت کو بھی رپورٹ پر سخت اعتراض ہوا تھا۔ کیونکہ کروڑوں روپیہ اُن کا اب ملک میں پھیل چکا ہے

اور اُس کے اعتبار سے کافی حصہ ملک اُن کو نہیں ملا ہے۔ چنانچہ برطانیہ کے دارالعوام و خواص میں بھی اُس کو نہیں مانا گیا ہے اور جدید تحقیقات پھر ہوگی۔

یکم جولائی ۱۹۳۷ء کو اخباروں سے یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ امریکہ کے یہودیوں کی کمیٹی نے ایک وفد بسرکردگی مسٹر اسٹیفن وائز (Stephen Wise) منتخب کر کے لندن بھیجنا تجویز کیا تھا تاکہ امریکہ کے یہود کی طرف سے یہ تجویز پیش کی جاوے کہ "فلسطین کی تقسیم کی کوئی تجویز بھی پسندیدہ نہ ہوگی" ہندوستان میں بھی احتجاجی جلسے کئے گئے اور یقین تو ہے کہ پھر حکومت انگلستان تقسیم فلسطین کے مسئلہ پر مزید غور کرے گی۔ چنانچہ مزید غور ہو رہا ہے۔

۳۱ رجولائی ۱۹۳۷ء کے اخبارات سے ہندوستان میں یہ اطلاع ملی تھی کہ جدید بادشاہ مصر شاہ فاروق کی تخت نشینی کی تقریب ۲۹ رجولائی ۱۹۳۷ء کو بمقام قاہرہ کی گئی اور یہ پہلے خودمختار شاہ مصر فراعنہ کے بعد ہوئے ہیں۔ اس سے بھی امید ہے کہ فلسطین کے معاملات میں شاید مصر کا بھی کچھ اثر قبول کیا جائے۔

مصطفےٰ کمال پاشا نے بھی ایک تقریر میں جو حال ہی میں بمقام انکارہ کی تھی اُس میں برطانیہ کو اس کے فیصلہ تقسیم فلسطین پر دوبارہ غور کرنے کا مشورہ دیا تھا اور یہ بھی بتلایا تھا کہ ورنہ تمام دنیائے اسلام بھڑک اٹھیگی۔[۱]

۵ راگست ۱۹۳۷ء کے اخبار پانیر لکھنؤ کے صفحہ ۸ پر مسٹر آرتھر مور (Arthur Moore) نے فلسطین موجودہ کا حال یوں لکھا ہے:-

"(۱) یہودیوں کی قومیت کی اصلیت کا صاف منظر تو اب ہر جگہ نظر آرہا ہے۔ (۲) ایک چھوٹے سے حصہ ملک کا قربت سے دولتمندی کی صورت اختیار کر لینا۔ (۳) وہ ایک ایسی قوم بن چکی ہے جہاں غریبی معدوم نظر آتی ہے اور برطانوی حکمبرداری کے ماتحت ایک کمیشن کی طرح ہر کس و ناکس میں موجود پائی جاتی ہے اور علمی جامہ پہن گئی ہے۔ اور جس کی یہودی قومی سرمایہ سے پوری امداد ہوئی اور اسی کا اثر نتیجہ میں ظاہر ہوا۔

---

[۱] دیکھو اخبار بیدار کانپور مورخہ ۳۰ جولائی ۱۹۳۷ء

اپنی سوسائٹی کی عام معاشرت کی بنیاد نوجوانوں نے ڈالی تھی۔ اور مرد و عورت کی ہر قسم کی برابری اب نظر آتی ہے جو اپنی جسمانی قوتوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ دھوپ میں علانیہ غسل کو ترجیح دی جاتی ہے۔ گاؤں اور قصبات تک میں اس کا رواج ہو رہا ہے جیفہ تو ایک طرز کا نرالا مقام ہی دکھلائی دیتا ہے۔ اور جو ملیگیز بنا رہا کو بھی تھوڑے دنوں میں آباد کر دیگا۔ غرضکہ ہر طرح کی زمانۂ حال کی ترقی دکھلائی پڑتی ہے۔ کیا عمارات کیا سڑکیں کیا ہوٹل اور کیا طرز ماند و بود۔ قہوہ خانوں کی مستورات تک مارکس کی تعلیم سے بہرہ اندوز ہو رہی ہیں۔ برنارڈ شا اور اس کی کمیونسٹ پارٹی کے تمام خیالات سے سب کے سب متاثر ہو رہے ہیں اور نہ صرف یہودیوں کے فارغ البالی سے بسر کرانے کی طرف یہود قوم کی نظر ہے۔ بلکہ اعراب کی امداد کر کے زرعی ترقی کی پوری کوشش ہو رہی ہے۔ زمانہ حال کے تجربات اور تخم و آلات کشتاورزی وغیرہ کو بھی رواج دیا جا رہا ہے"۔

اسی طرح بلکہ اسی کے مقابل عونی بے عبد الہادی لیڈر استقلال پارٹی فلسطین کا وہ بیان جو انھوں نے یورپ سے واپسی پر مصر میں دیا تھا اور جو ہندوستان کے اخبار اردو میں ۱۹۳۷ء میں شائع بھی ہوا ہے قابل غور ہے اور اس کا خلاصہ یہ ہے کہ "وہ بھی جنیوا کے وفد کے ایک ممبر تھے مگر انگلستان میں ان کے داخلے تک کی ممانعت ہو گئی تھی۔ اب ایسا کیوں ہوا۔ وہ کچھ نہیں کہہ سکتے بجز اس کے برطانوی حکام عربوں کے نقطہ نظر کو سننا نہیں چاہتے... ان کو فلسطین میں داخلے کی ممانعت ہے..... اس غلط پالیسی کی بدولت اب فلسطین میں کوئی بھی ایسا نہ رہیگا جو عربوں کے نقطہ خیال اور حالات کو آئندہ حکومت کو کچھ بھی بتلا سکے۔ اب پیل کمیشن کی یہ رائے ہے کہ انتداب موجودہ کسی طرح نہیں کافی تھا۔ لہذا تقسیم ضروری ہے۔ مگر جس طرح یہ صحیح ہے کہ برطانیہ نے یہود کے واسطے فلسطین میں قومی گھر بنوا دینے کا وعدہ کر لیا ہے اوسی طرح یہ بھی صحیح ہے کہ انتداب کے شرائط کے بموجب برطانیہ کا یہ بھی فرض ہے کہ فلسطین میں حکومت خود اختیاری قائم کرا دے لیکن اعلان بالفور کی پابندی تو کی گئی مگر کوئی بھی قدم حکومت خود اختیاری کے قیام کے واسطے نہیں اوٹھایا گیا... نیز رائل کمیشن کی تجویزات تو کسی طرح صحیح نہ تھیں۔ اوس نے تو شہر آن اور جزیل کے کل زرخیز میدانوں کو یہود کو بخش دیا ہے اور پہاڑی

چٹبل جنگل کو جو آزادی جاڑون ہے۔ جانب مغرب وہ عربوں کو دیا ہے اس طرح چارلمین ڈیوئم جو پچاسی فیصدی عرب کا تقریبًا رقبہ اراضی تھا وہ یہود کو دیا گیا۔ اور اوس کے عیوض یہود قوم کو بیس لاکھ پونڈ اوس پہاڑی جنگل حصہ کی آبادی و درستی کے واسطے دلوایا ہے جو ہر طرح بے حقیقت ہے۔ اور ہر طرح عربوں کی آزادی کے لئے مضرت رساں ہے۔ حالانکہ یہود کو اب بھی یہ شکایت ہے کہ اون کی ریاست اب بھی بہت تھوڑی ہے کاش عربوں کو حکومت خود اختیاری دیدی جاتی اور اوس میں قلیل تعداد یہود کے حقوق کی ہر طرح ضمانت کرالی جاتی جس طرح کہ عراق۔ شام اور مصر میں کیا گیا ہے۔ اور آزادی دیگئی ہے.... دوسرے برطانوی کمیشن نے اگر تقسیم فلسطین کی سفارش نہ کی تو اُمید ہے کہ امن ہوسکے،،۔ لیگ کونسل کا تو تصفیہ اب یہ ہوا ہے کہ فلسطین کا جدید کمیشن کوئی اس چپقلش کا حل نکالے۔ مگر افسوس تو یہ ہے کہ اب فلسطین میں فوجی کارروائیاں ہورہی ہیں۔ ایک معمولی مچھلی والے عرب کو محض اس گناہ پر کہ اوس کے پاس پسٹول پایا اور تنہا۔ سزائے موت کا حکم دیدیا گیا اور اوس کے آٹھ عزیزوں کو مدت العمر کی قید۔ پولیس اور فوج سے ابتو عربوں کا مقابلہ ہورہا ہے۔ اور ۱۶ دسمبر ۳۷ء کے اخباروں تک سے یہ معلوم ہوا تھا کہ ٹلکارم کے قریب کی پہاڑیوں میں چار عربوں کو مارڈالا گیا اور بہت سے زخمی ہوئے تھے۔ نیز ۸ دسمبر ۱۹۳۷ء کے اخبار ہندوستان ٹائمس دہلی سے تو یہ خبر معلوم ہوئی تھی کہ شام فلسطین کی کمیٹی کی مجلس عاملہ نے ایک بیان شائع کیا ہے جس میں سخت سے سخت برتاؤ کی برطانیہ عظمٰی کی طرف سے شکایت ہے کہ "عربوں کو ہر طرح برباد قتل اور جلاوطن کیا جارہا ہے جس سے درحقیقت عربوں کی زبان بندی ہی مقصود ہے۔ تقریبًا آٹھ سو ایسے عربوں کو جیلخانہ میں بند کردیا گیا ہے جن پر نہ الزام لگایا گیا ہے اور نہ اونکو عدالت میں پیش کیا گیا ہے۔ اماموں مفتیوں اور مبلغین اسلام وغیرہ کو بھی اسی طرح یا تو مقید کیا گیا ہے یا شہر بدر۔ کل کے کل مواضعات پر معمولی جرمانے عائد کئے گئے ہیں اور وہ پولیس کے ذریعہ وصول کرائے جارہے ہیں،،....... العظمت للّٰہ

چنانچہ عرب اور یہود دونوں لڑلڑکر کٹ رہے ہیں۔ اور کسی کو بھی تقسیم فلسطین سے اتفاق نہیں ہے۔ چنانچہ ۱۶ جنوری ۱۹۳۸ء کی لندن و نیویارک کی خبریں جو ہندوستان ٹائمس مورخہ ۱۹ جنوری ۱۹۳۸ء میں شائع ہوئی ہیں۔ اون سے پتہ چلتا ہے

کہ امریکہ کی یہودی جماعت کو بھی تقسیم فلسطین پر سخت اعتراض ہے اور ایک ایسی یہودی حکومت جو برطانیہ کے زیر سایہ عاطفت قائم ہو سکے اوس کا وہ خیر مقدم بھی کرتے ہیں۔

اب اگر اس تمام حکایت کے بعد ہم مسٹر لاتھراپ اسٹاڈرڈ کی کتاب (The new world of Islam) دی نیو ورلڈ آف اسلام مطبوعہ ۲۱-۲۹ء ۳۰ کے صفحات (۳۸- ۶۵) یا اون سے کچھ قبل و بعد کو پڑھیں تو ہم کو صاف نظر آجائے گا کہ عیسائی اقوام دنیا کا اسلام اور اسلامیوں کی جانب کیا خیال ہے۔ اور اوس خیال کو ایک دو فرد کی رائے نہ سمجھنا چاہیئے بلکہ سب اسی میں رنگے ہوئے ہیں۔ اور وہ درج ذیل ہے:۔

"اسلام کی مضبوطی اوس کے دو اصلی اداروں پر ہے۔ حج اور خلافت۔۔۔۔۔ حج کے سیاسی اثرات ظاہر ہیں۔ وہ ایک بین اسلامی کانگریس ہے۔ جہاں کہ مذہب کے تمام مقاصد اور امورات اون مشوروں کے ذریعہ زیر بحث لائے جاتے ہیں۔ جو تمام اسلامی ممالک دنیا سے حج میں جمع ہوتے ہیں۔ اور جہاں اسلام کی حفاظت اور اوس کی ترویج کے تمام مراتب طے پاتے ہیں۔۔۔۔۔۔ ۔۔۔۔۔ پین اسلامزم کی تحریک کی اصلی قوت خلافت کے متعلق نہیں ہے بلکہ حج کے مواقع پر نظر آتی ہے۔ ہم کو موجودہ حالات کو دیکھکر اسکانی خطرات کی اہمیت سے چشم پوشی نہ کرنا چاہیئے۔۔۔۔۔۔۔ خلافت تو مٹ چکی ہے اب حج کی طرف توجہ کرنا چاہیئے"

مصر

مصر کے حالات پیشتر بھی موقع موقع سے بیان کئے جا چکے ہیں مگر یہاں بھی کچھ ذکر اس وجہ سے
مناسب ہے کہ ترکی کے جدید حالات سے اُس کا تعلق بالکل ہی جاتا رہا تھا اور یورپ کے مشرق
قریب میں کس طرح سے برطانیہ عظمیٰ کی بدولت حالات وہاں نمایاں ہوئے تھے۔ ہزار ہا سال
سے مصر میں جو جمود پیدا ہوگیا تھا اور وہاں کے تمدن میں کسی قسم کی ترقی نہ ہوسکی تھی اُس کا اصلی
سبب اور جو کچھ بھی ہو مگر یہ ضرور معلوم ہو سکتا تھا کہ ترکوں سے علیحدگی کے باعث وہ بھی ایک
محکوم قوم کی طرح ہر قسم کا شکار ہوگئے تھے۔ لیکن جب سے کہ وفد یا عوام کی پارٹی نے اپنی تنظیم
کر لی تھی اور سول آبادی نے آئینی طریقہ جنگ اختیار کر کے سالِ ۱۹۱۲ء سے مصریوں کو اُن کے جائز
حقوق مانگنے کا سبق پڑھایا تو اُس وقت ہی سے ایک بہر میں خاصی بیداری ہوگئی تھی۔ جنگ عظیم یورپ میں
برطانیہ کی امداد کے صلہ میں مصر کی آزادی کا خاصا چرچا بھی ہوگیا تھا نیز برطانوی سپاہ اور اُس کے
افسروں کا وہ رعب و دبدبہ و وقار مصریوں کے دلوں سے اُٹھ گیا تھا جو کہ جنگ سے پہلے تھا یا
جنرل گارڈن (General Gordon) کے وقت سے چلا آتا تھا جبکہ سوڈان
کی بغاوت سنہ ۱۸۸۳ء کے وقت میں برطانیہ نے گارڈن کو بغاوت رفع کرنے کے لئے وہاں بھیجا تھا
مصریوں کو انگریزوں سے جو شکایت پیدا ہوئی تھی اُس کا سبب یہ تھا کہ جنگ عظیم کے
شروع ہوتے ہی انگلستان نے مصریوں سے یہ وعدہ کیا تھا کہ اگر مصر اُن کا ساتھ دیگا تو وہ مصر
کو خالی کر دیگا۔ چنانچہ مصریوں نے اپنا وعدہ پورا کیا مگر صلح عارضی (Armistice) کے
بعد بھی برطانیہ کی فوج مصر میں موجود رہی۔ تب زغلول پاشا جو وفد کے سرگروہ تھے اُنھوں نے
مصریوں کی ترتیب شروع کر دی اور بغاوت سے آزادی کا مطالبہ کر دیا جس پر اُنکو قید کیا گیا اور
بعد میں جلاوطن کر کے جزائر سیشیلز (Seychelles) کو پہونچا دیا گیا۔ تب تو بغاوت اور
بڑھکر عام ہوگئی یہاں تک کہ بہت سے انگریز افسر مارے گئے۔ برطانیہ نے مشین گن لگا دی
اور مصریوں نے اُن کے ذرائع آمد و رفت برباد کرنا شروع کر دیے۔ طالبعلموں نے بھی ملک کا پورا
ساتھ دیا اور ہر قسم کی قربانی کی۔ مگر بعد میں مصالحت ہوگئی اور بجائے سلطان حسین کے شاہ فواد

بادشاہ بنائے گئے۔ اور اندرونی انتظام ملک مصریوں کے سپرد کر دیا گیا۔ بس صرف حقوق تجارت و دیگر قسم کے معاہدات جن کو کہ کیپیٹولیشن (capitulation) کہتے تھے یا اسی قسم کے دیگر امور وہ صرف برطانیہ کے ہاتھ میں رہنے دیے گئے۔

مصر میں نہر سویز کے باعث بڑے بڑے جھگڑے رہے۔ اس کے بنانے کی اجازت ترکی وائسرائے سعید مصر نے ۱۸۵۶ء میں عطا کی تھی۔ اور ایک کمپنی پیرس میں قائم ہو کر چار لاکھ حصص مقرر کئے گئے تھے جن میں سے مصر کو (۱۷۶۶۰۲) حصص دیئے گئے تھے اور پندرہ فیصدی منافع کی رقم میں سے بھی اس کے علاوہ دینا طے ہوا تھا۔ اور ۱۸۶۹ء میں نہر سویز کھول دی گئی۔ اور ننانوے (۹۹) سال کے لئے رعایات منظور کی گئی تھیں۔ پھر ۱۸۷۵ء میں برطانیہ نے مصر کے کل حصے کمپنی والے خرید کر لئے۔ تب ہی نہر سویز پر ہر قسم کا اختیار برطانیہ کو ہو گیا تھا جب عربی پاشا نے ۱۸۸۲ء میں بغاوت کی تو برطانیہ نے اپنی فوج محض نہر ہی کے بچاؤ کے واسطے وہاں اتار دی تھی۔ رعایات کے ذریعہ صرف تجارتی جہازات کے عام طور پر اس سے گذرنے کی اجازت دی گئی تھی بلکہ ۱۸۷۰-۱۸۷۱ء کی جرمنی و فرانس کی جنگ میں ہر فریق کے جنگی جہازوں کے واسطے بھی آمد و رفت کی اجازت تھی۔ لیکن ۱۸۸۸ء میں قسطنطنیہ میں ایک معاہدہ کے ذریعہ سے کثرت سے دول یورپ کو اس کے عام طور پر ہر وقت اور ہر کام کے استعمال کے لئے کھلا رکھنا منظور کیا گیا تھا تاہم اس کے قریب یا آس پاس جنگ کے ہر فعل کی ممانعت ضرور کر دی گئی تھی۔ یہ نہر بحر قلزم اور بحر روم کے درمیان ہے۔

۸۔ اپریل ۱۹۰۴ء میں جب اتانتی کارڈیل (Entente cordial) پر دستخط ہوئے اور جو جنگ عظیم کا بہت کچھ باعث ہوا تھا تب ہی جنگ کے زمانہ میں جرمن اور اسکے حلیفوں کو نہر کے استعمال سے قطعی محروم کیا گیا تھا۔

مصر تو در اصل ترکی حکومت کا ایک صوبہ تھا اور اسکا ایک وائسرائے بھی وہاں رہتا تھا۔ محمد علی وائسرائے نے خود مختاری کا خواب ۱۸۳۱ء میں دیکھنا شروع کیا اور اس کے جانشین اسمٰعیل پاشا نے تو ۱۸۶۲ء میں سلطان (یا خدیو مصر) ہونے کا لقب بھی اختیار کر لیا تھا پھر نہر سویز ہی کے کھل جانے سے مصر کا زیادہ تعلق برطانیہ اور فرانس سے ہو گیا تھا۔ اسمٰعیل پاشا ہی نے اسراف

کر کے فرانس و برطانیہ سے قرض لیا تھا اور انہی نے نہر سویز کے حصے برطانیہ کے ہاتھ فروخت کئے تھے مگر جب پورا قرض نہ ادا ہو سکا تب مصر کے محکمہ مال کی نگرانی ان کے سپرد کر دی گئی تھی

سنہ ۱۸۸۲ء میں جب عربی پاشا نے برطانیہ اور فرانس کے نکالنے کی زبردست تحریک کی تو برطانیہ نے اسکو اپنا محفوظ ہونا ظاہر کر دیا اور اپنے ہی زیر نگرانی لے لیا۔ اور لارڈ کرومر (Cromer) کو کانسل جنرل مقرر کر دیا۔ جب سنہ ۱۸۸۳ء میں سوڈان (Sudan) نے مصر سے بغاوت کی اور مہدی موعود بن کر ایک مسلمان نے خروج کیا تو جنرل گارڈن کو وہاں کی بغاوت کو روکنے کیلئے مقرر ہوئے تھے مگر وہ بھی وہاں قتل ہوئے تب عرصہ تک سوڈان خود مختار رہا پھر سنہ ۱۸۹۸ء میں لارڈ کچنر نے سوڈانی فوج کو اُمدرمان (Omdurman) میں شکست دی اور برطانیہ و مصر دونوں کی مشترکہ حکومت وہاں مانی گئی۔

سنہ ۱۹۱۴ء کی جنگ میں عباس حلمی سلطان مصر نے ٹرکی کا ساتھ دینا شروع کیا جو برطانیہ کا مخالف تھا۔ چنانچہ برطانیہ نے عباس کو تخت سے اتار کر حسین کامل کو خدیو مصر بنایا اور ایک ہائی کمشنر مقرر کر دیا۔ ختم جنگ عظیم کے بعد سنہ ۱۹۲۲ء میں مصر کو برطانیہ نے آزاد کر دیا۔

آزادی کے بعد سے مصر میں بھی ہر قسم کی ترقی ہوگئی ہے اور مصری کی بنی ہوئی چیزوں کا استعمال اب تو اہل ملک بالخصوص طلبا زیادہ کرتے ہیں۔ در اصل تو وہاں مستورات ملک نے آزادی کی تحریک میں بڑا حصہ لیا تھا خاص پاشا کی وزرات میں قاہرہ میں پارلمنٹ کا اجلاس ہو کر سنہ ۱۹۳۰ء سے تمام سیاسی مجرموں کو بجز قتل عمد کے مجرموں کے عام معافی دی گئی ہے۔

حال ہی کے جون یا جولائی سنہ ۱۹۳۵ء کے پرچہ اخبار ہندوستان ٹائمس، دہلی میں ایک چھوٹا سا مضمون "اسلام۔ ڈیوس اور ڈیوک" کی سرخی سے شایع ہوا ہے جسمیں شیخ مصطفےٰ المراغی کا جو مسلمہ یونیورسٹی قاہرہ کے رکٹر ہیں یہ بیان درج ہے کہ "تم اہل مغرب اپنے کرنل ٹی۔ ای۔ لارنس عرب والے کو خوب سراہتے ہو۔ ترکوں کے خلاف عرب کی بغاوت کا سہرا بالکل اوسی کے سر رکھتے ہو تم کو اس کا علم نہیں ہے کہ تنہا لارنس بھی عربوں کو اُن کے خلیفہ یعنی سلطان ٹرکی کے خلاف نہیں ابھار سکتے تھے اگر لارنس انتہا درجے اندار سونے کی اُن اشرفیوں سے کام نہ لیتا جو اُس کے اختیار میں دیدی گئی تھیں۔ روپیہ کے عوض سے بد دکیا نہ کر گذرینگے" یہ مثال شیخ مذکور نے لیبیا کے مسلمانوں

سے اس بیان کی تائید میں پیش کی تھی۔ جبکہ انھوں نے بنیٹو مسولینی کے طرابلس میں ایک فاتح کے شکل داخلہ پر اسکو "محافظ اسلام" ظاہر کیا تھا اور جو فقرہ کہ ۲۲ مارچ ۱۹۳۷ء کے اخبار ٹائمس نے رپورٹ کیا ہے اور کسطرح ایک مکار کا فر کی خوشامد ہیں وہ کہا گیا تھا۔ "ہمارے مذہب نے اس کو کسی طرح بھی ہمارے واسطے جائز نہیں کیا ہے کہ ہم کسی غیر مسلم حکمران کی حکومت مان لیں تم کو سولہ کروڑ مسلم رعایا برطانیہ میں سے ایک ہزار بھی ایسے نہ ملیں گے۔ جو اس کی حکومت سے بیزار نہ ہوں اور یہی حالت اٹلی و فرانس کے ساتھ ہے۔ میری بات یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ اسے نمازی کو معاف کر دیگا۔ مگر اُس مسلمان کو معاف نہ کرے گا جو اپنے بھائیوں کو غیر مسلم حکومتوں کے پنجے سے چھوڑوا دینے میں سعی نہ کرے"۔

مصر میں اسمٰعیل پاشا کی بدولت برطانیہ کا اثر بڑھا تھا۔ جنگ عظیم کے زمانہ میں جب عباس حلمی کو تخت سے اتارا گیا۔ اور سلطان حسین حلمی کو تخت دیا گیا اسی وقت سے مصر انگریزی محفوظہ بھی مانا گیا۔ حسین کے بعد فواد کو تخت ملا اور اب شاہ فاروق بادشاہ ہیں۔

مصر کا سب سے پہلا بادشاہ فواد ہوا۔ جو سیاست دانی سے بالکل بے بہرہ تھا گو آدمی بلند خیال تھا۔ اس کی پرورش و پرداخت ترکی حکومت کے زیر سایہ ہوئی تھی جب کہ وہاں کی حالت بیحد ابتر ہو چکی تھی۔ اس کی تخت نشینی کے وقت سب طرف جالبازی کا جال بچھا ہوا تھا۔ اہل ملک تو حقوق طلبی کے نشہ میں اس کے زمانہ میں چور ہی رہے۔ اور غیر مطمئن۔ عام رائے کا زور تھا فواد کو عباس ثانی نے ۱۸۹۲ء میں جلا وطنی سے رہائی دے کر بلا لیا تھا۔ یہ اسمٰعیل پاشا کا بیٹا تھا جن کو جلا وطن کیا گیا تھا۔ اس کا پردادا محمد علی ایک البانی بہادر تھا مگر فواد تو ایک کمزور قسم کا اور معمولی دماغ کا آدمی تھا۔ بیوی کو طلاق دے کر عرصہ تک شادی نہیں کی تھی مگر خواہش اولاد نے پھر مجبور کر دیا تھا۔

مصر کا تعلیم یافتہ گروہ جنگ آزادی کا اب حامی ہو گیا۔ تھا اور ۱۹۱۷ء میں جبکہ شاہ فواد کی تخت نشینی برطانیہ عظمیٰ نے کرائی ہے تو ملک کا طبقہ اعلیٰ قومیت میں ڈوبا ہوا مقابلہ کیواسطے پورا تیار تھا۔ امریکہ کے طرز کی رہنمایاں ان کا نمونہ تھا۔ زاغلول پاشا سا فدائے ملک و قوم اب مصر میں زور پکڑ چکا تھا۔ اور مصر کی مکمل آزادی کا بھی بیڑہ اٹھا چکا تھا۔ قوم نے بادشاہ کو مجبور

پایا جس سے قوم کی نگاہ میں وہ ہر طرح ذلیل و خوار تھا۔ تب زاغلول کو گرفتار کیا گیا اور وہ مالٹا بھیج دیئے گئے۔ بلوے بھی ہوئے کشت و خون بھی ہوا۔ طلبا اور وکلا نے مدارس اور عدالتوں سے کنارہ کشی بھی کی اور بیرونی مال کا مقاطعہ۔ ہڑتالیں۔ بلکہ ہر قسم کی ستیاگرہ بھی کی گئی۔ مستورات تک بجائے زنانہ فوجوں کے سامنے آگئیں۔ اور مردوں کو اپنے پیچھے رکھکر گولیاں تک کھائیں۔ فواد نے تب ہی زاغلول کی رہائی کوشش کی اور وہ ۱۹۲۰ء میں رہا کیے گئے۔ برطانیہ نے اسوقت ایک وفد بھی عام رائے ملک کے لحاظ سے لندن آنے کے لئے منظور کیا تھا۔ مگر زاغلول نے نہیں مانا جس سے دو گروہ ملک میں ہو گئے ایک وفدی اور دوسرا زاغلولی۔ اب عدلی پاشا وزیر اعظم تھے پہلے تو زاغلول سے اور ان سے نہیں بنی مگر بعد میں زاغلول پاشا یکبارگی عدلی کی زیر ہدایت کام کرنے لگے مگر اسوقت ترکی میں مصطفیٰ کمال کے کارناموں نے دوسرا نمونہ پیش کر دیا تھا۔ جس سے دوسری انقلابی صورت مصر میں بھی رونما ہوگئی۔ اور زاغلول نے ترکی ہی کے نقش قدم پر چلنا چاہا جس سے وہ پھر گرفتار کرلئے گئے۔ پھر جب شاہ فواد کو سلطان مصر بنایا گیا اور مصر کو برطانیہ نے حکومت خود اختیاری بخشی تو زاغلول کو بھی چھوڑ دیا گیا۔ لیکن ادھر تو شاہی توپیں سلطانیت اور کمل آزادی کے اعلان پر سلامی دے رہی تھیں۔ دوسری طرف بلوے اور لوٹ تک شروع ہوگئی تھی وفد والے اور زاغلولی دونوں اب حیران تھے کیونکہ سلطان کا ایک قدم محل میں تھا تو دوسرا برطانوی ریذیڈنسی میں چونکہ تمام تر طاقت کا سرچشمہ تھی نہ قانون تھا اور نہ قاعدہ۔ صرف مارشل لا ہی کام کر رہا تھا۔ اور فواد نے بھی بالکل ہی خود مختارانہ طریقہ اختیار کر لیا۔ سرلی اسٹیک ( ) کے ساتھ اور بھی بہت سے فرنگی مارے گئے تھے۔ جسپر لارڈ ایلنبی نے نہ صرف ملک کو دھمکایا ہی بلکہ ایک الٹیمیٹم بھی مصریوں کو دیدیا۔ اور فواد کو بھی اس کی زیادتیوں کی بدولت آئین کی پابندی یاد دلائی۔ خود زاغلول پاشا ہی آئین کی ترمیم کے موید ہوگئے۔ تب جدید انتخابات ہوکر زاغلول ہی کی وزارت ہوگئی اور برطانیہ نے بھی آزادی کمل دیدی مگر اس نے لندن جاکر اور وہاں سے واپس آکر عام رائے کو پھر فواد کے خلاف کردیا۔ اور خفیہ جماعتیں بھی بنگئیں۔ تب برطانیہ نے پھر کروٹ بدلی۔ اور زاغلول مستعفی ہوگئے۔ نیز فواد نے یہ کہنا شروع کردیا کہ ابھی تک مصر پارلامنٹری طرز حکومت کے لئے تیار نہ تھا۔

زاغلول پاشا اب علیل ہو گئے اور جبکہ شاہ فواد یورپ کے مناظر کا لطف اٹھا رہے تھے تو زاغلول کی وفات ہو گئی۔ اور کل ملک نے اسکا سخت ماتم اور غم کیا برطانیہ بھی اوسوقت متعدد اور مختلف قسم کی دقتوں میں مبتلا تھا۔ اب تو شاہ فاروق تخت پر ہیں۔

اخبار پاینیر مورخہ ۳۱ دسمبر ۱۹۳۷ء سے یہ خبر معلوم ہوئی تھی کہ شاہ فاروق مصر نے ۳۰ دسمبر ۱۹۳۷ء کو نحاس پاشا کی وزارت کو حکماً برطرف کر دیا۔ اور اپنے مکتوب میں وزارت پر سخت اعتراضات بھی کئے نحاس پاشا وزیر اعظم نے علی مہر پاشا کو جو شاہی کیبنٹ کے افسر اعلیٰ تھے بذریعہ تحریر اپنے احتجاج کی اطلاع کی تھی کیونکہ بادشاہ نے اختلافات کے تصفیہ کے واسطے خود ہی ایک کمیشن مقرر کر دیا تھا۔ جسپر وزارت کی مجلس نے یہ طے کیا تھا کہ آپس ہی میں مباحثہ ہوکر اختلافی معاملات طے کر لئے جاویں۔ مگر بادشاہ نے اوسکو منظور نہیں کیا۔ اور محمود پاشا کو جدید وزارت بنانے کو طلب کر لیا۔ اور بجائے نحاس پاشا کی وزارت کے اب محمود پاشا کی وزارت ہو گئی جنہوں نے کہ آتے ہی تمام رنگین قمیصوں کی افواج کو بے ہتھیار کرنے اور توڑ دینے کا حکم جاری کر دیا۔ ان کی وزارت میں وفد کا کوئی بھی ممبر نہیں ہے۔ در اصل تو حقوق شاہی کا جھگڑا اور علی مہر پاشا کا تقرر اب جنگ کی بنیاد ہے۔ چونکہ نحاس پاشا نے جگہیں اپنے احباب کو نہیں دی تھیں اس سے وفد والے بھی خلاف ہیں۔ طلبا نے بھی احتجاجوں میں بڑا حصہ لیا اور جب نحاس نے روکنا چاہا تو انکو ڈکٹیٹر کہا جانے لگا ہے۔ اوسوقت کیبنٹ اور وزارت منتخبہ کی مضبوط برقراری کے لئے کچھ تجاویز نحاس پاشا نے کی تھیں تاکہ محل شاہی کے حملوں سے وہ محفوظ رہ سکیں یہی شاہ فواد سے جھگڑا تھا اور یہی فاروق سے ہے۔ محمد محمود پاشا جو لبرل آئینی پارٹی کے لیڈر ہیں انہوں نے وزارت مرتب کی ہے۔ اور وفدی پارٹی کے بیزار ممبران بھی شاہی پارٹی میں شامل ہو گئے ہیں۔

باب پنجم

احوال کورد قوم و عرب وغیرہ

قزل باش کورد جو درسم ر[illegible] سنہ [illegible] کے پہاڑی باشندے ہیں ہمیشہ قانون شکنی کیلئے مشہور تھے۔ اور ڈاکے و شبخون مارنے کے عادی۔ سلطان سلیمان عزیز کی بنا پر تو اُن کی طلب آزادی ترکوں کے واسطے سخت مصیبت ہو گئی تھی۔ اور اس سے پیشتر بھی وہ ترکوں کو ہمیشہ ستاتے رہے تھے اور لوٹ مار کرتے رہتے تھے۔ قبل جنگ عظیم یورپ کچھ کورد قبیلے ایران کی رعایا تھے کچھ ترکوں کے اور کچھ روس کے اب برطانیہ کی رعایا بھی ہو گئے ہیں۔ اُن کی کل آبادی تقریباً تیس لاکھ ہو گی۔ جن میں قریباً چھ لاکھ سے ایرانی رعایا ہیں۔ سترہ لاکھ ترکوں کے اور چھ لاکھ کے قریب اب برطانیہ کے عراق میں انکی زبان بھی خاص ہے جو عراق کی حکومت نے تسلیم کر لی ہے۔ اس واقعہ نے ایران اور ترکی میں کھلبلی بھی مچا دی ہے۔ ترکوں سے مذہبی اختلاف کے سبب بھی سخت عداوت ہے۔ بغاوت ۱۹۲۴ء کی سخت سرکوبی نے ان کے عداوت کے زخموں کو ہمیشہ تازہ رکھا۔ اب عراقی ریشہ دوانیاں [illegible] کے ذریعہ سے ترکوں کو سکھ سے آرام سے بیٹھنے نہ دیں گی اور ان ریشہ دوانیوں کی چھیڑ چھاڑ بھی ناک میں دم کرتے رہینگے۔ اور برطانیہ ضرور ذرا دیکھا تماشہ دیکھے گی

ترکوں کو شمال و مشرق کی سرحد پر روسیوں سے اب گویا کسی قسم کا خطرہ نہیں رہا ہے کیونکہ ترکوں نے روس کی ایسے گاڑھے وقت میں امداد کی تھی جبکہ وہ بیمار تھا۔ آرمینیا اور آذربائیجان وغیرہ ماورائے قاف کی طرف لڑائی میں الجھا ہوا تھا اور شمالی مغربی و جنوبی سرحد پر سمندر تھا ہی مگر پھر بھی باوجود دسمبر ۱۹۲۵ء کے موصل اور جون ۱۹۲۶ء کے شام کے معاہدات کے ترکوں کو پھر عراق و شام کی طرف اپنی جنوبی اور مشرقی سرحد ایران سے کوردوں کے باعث ہر وقت خطرہ ہی لگا رہتا ہے مگر یہ ممکن کہ عراق کی بدولت روس اور ترکوں میں صلح ضروری ہے اور برطانیہ سے تصادم کا اندیشہ ہر وقت ہے برطانیہ بھی اپنے [illegible] نفع کو جو شام سے لیکر کل عربستان اور سواحل و صحرائے فلسطین اور جزیرہ ایران

تک حاصل ہے کسی وقت بھی نظر انداز نہیں کر سکتا۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ شام و فلسطین میں بھی مصطفےٰ کمال کو ایک مافوق ہستی سمجھ لیا گیا ہے۔ اور یہ آرزو ہو گئی ہے کہ انھیں کی طرح کا کوئی شخص اونکے یہاں بھی پیدا ہو تا جو انکی بھی آزادی و ترقی کا رہبر ہو سکتا ۔!

۱۹- جون ۱۹۲۶ء کے اخبار اسٹیٹس مین (Statesman) صفحہ ۹ پر یہ خبر شایع ہوئی تھی کہ استنبول کے ترکی اخباروں سے ٹائمس Times اخبار کے نامہ نگار کو یہ خبر معلوم ہوئی ہے کہ (۳۰) ہزار ترکی فوج کو کردوں کی بغاوت کے فرو کرنے کے واسطے بھیجا گیا ہے۔ ڈرسم (Dersim) کے حصہ ملک میں فوج کی آمد و رفت وغیرہ کے مشکل ہونے نیز باشندوں کی پسماندگی پستی اور جہالت میں مبتلا ہونے کے حالات کے سبب سے جدید ترقیات کو وہاں بھی کچھ کچھ جاری کیا گیا ہے جس طرح کہ زور رفتہ رفتہ کے تمام ترکی حکومت میں پھیلایا جا رہا ہے۔ پیشتر تو کردوں نے مقامات مجہول سے احتجاج کیا مگر بعد میں علانیہ بغاوت کر دی اور ایک فوجی مقام پر حملہ بھی کر دیا نیز ایک پل کو توڑ ڈالا اور پانچ ہزار باغیوں نے حکومت ترکیہ کو آخری پیغام جنگ تک بھیج دیا تھا۔ جس سے ترکوں نے اپنی باقاعدہ (۳۰) ہزار فوج بھیج کر کل ضلع کا محاصرہ کر لیا اور طیاروں کی مدد سے باغیوں کو گھیر کر ان کے گرفتاری شروع کر دی تھی۔ حالانکہ پہاڑی کیفیات ملک کے باعث انھیں دقتیں ضرور پیش آئی تھیں کیونکہ باغی عموماً دروں اور غاروں میں چھپ جاتے تھے مگر ترک سیڑھیوں کے ذریعے ان تک پہنچ کر ان کو نکالتے تھے اور ان کے سرداروں و سرغناؤں کو تو انھوں نے حکومت کے دوسرے مقامات پر منتقل کر دیا ہے۔ تب بھی کردوں نے اپنا ذریعہ معاش ابھی تک ترکوں کو لوٹ مار کر اور ان کی حکومت کی غارتگری ہی کو صحیح سمجھ رکھا ہے۔

عرب

حجاز میں عموماً عرب قوم آباد پائی جاتی ہے۔ اور ترکوں کے زمانہ حکومت میں اگر کل حجاز مسلمان شمار ہوتا تب بھی اکثریت وہاں تو ضرور انھیں کی رہی ہوں تو عرب قوم ابتدائے اسلام سے پانوں سے بیشتر ترکوں سے بیش بلکہ افریقہ و چین تک پہونچکر وہیں بس گئی تھی۔ اور ہندوستان وغیرہ سے بھی تجارت

کے تعلقات رکھتی تھی۔ آخری سلاطین ٹرکی کے عہد میں ترکوں نے جسقدر خدمات حرمین شریفین و مقامات مقدسہ اسلامی کی کرکے دکھلائی ہیں اُنسے دنیا کے مسلمان بخوبی واقف ہیں۔ بلکہ یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ وہ اپنی اِن خدمات میں اسقدر اندھے ہوگئے تھے کہ بالکل ہی عربوں کے حالات سے آنکھیں بند کرلی گئی تھیں۔ ہر طرح سے اُن کے حالات پر اُن کو چھوڑ دیا تھا۔ نہ تو ان کی تعلیم ہی کرائی۔ نہ اُن کی تہذیب کی طرف توجہ کی۔ اور نہ سرزمین حجاز کے اقتصادی حالات کے درست کرنے کا خیال ہی کیا۔ بس صرف یہ کیا کہ جو کچھ ہو سکا حرمین شریفین اور دیگر مقامات مقدسہ کی ہر طرح کی مالی اور انفرادی خدمت اپنا فرض سمجھا۔ دراصل تو خود ترک قوم کے واسطے بادشاہوں نے وہ نہیں کیا جو اُنکا فرض تھا۔ آخری دور میں ریلوے بناکر کچھ کچھ ملک کی مادی ترقی کی طرف خیال ہو چلا تھا۔ مگر پھر تو وہ خود ایسی بلاؤں میں مبتلا ہوگئے تھے کہ دوسروں کا خیال تک کرنا ان کے امکان کی بات نہیں رہی تھی۔ بیشک عام طور پر مکہ۔ مدینہ۔ کربلا۔ اور دیگر اسلامی مقامات مقدسہ و حجاز و عراق پر ترکوں کی آمدنی کا بہت بڑا حصہ عقیدتاً صرف ہوتا تھا۔ اور عوام عرب فاقہ کشی سے بچے ہوئے تھے کسی قسم کی ممانعت یا سخت قواعد و قوانین سے اُن کے ہاتھ پاؤں بندھے نہ تھے نہ ٹیکس ہی یا لگان اراضی وغیرہ کی زیادتی کی شکایات عربوں کو تھیں۔ عوام عرب محنت و مزدوری کرکے اپنی زندگی آرام سے بسر کرلیتے تھے۔ اور بدویت ضرور انمیں باقی تھی۔

سلجوقی اور عثمانی فتوحات پر اگر نگاہ کی جاوے تو عربوں کا یہ کہنا صحیح ہوگا کہ ترکوں ہی کی بے پناہ تلوار نے اُن کے ایک وقت کے مسلمہ تمدن کو بہت کچھ مٹایا تھا۔ حالانکہ یہ بھی کہنا صحیح ہوگا کہ جب از بس خانہ جنگیوں سے کمزوری بڑھتی گئی اور عرب سلطنت کرنے کے اہل نہیں رہے تو جسطرح عیسائی اقوام حملہ آور ہو کر ان پر قابو حاصل کرتی تھیں اسیطرح ترکوں نے اونپر قبضہ کرکے حکومت کی لیکن یہ بھی صحیح ہے کہ مدت دراز تک ترکوں نے عربوں کی پرورش کی بلکہ عزت بھی کرتے رہے اور حفاظت جان و مال کے ساتھ ہر طرح کفیل رہے عربوں کی زبان اور تمدن وغیرہ نے ترکوں پر بھی خاصا اثر کرلیا تھا۔ اور مذہبی نقطہ نظر سے تو ہر ترک عربوں کی عزت اور خدمت اپنے آخری وقت تک اپنا فرض سمجھتا رہا۔

سب جیسے کہ اب بھی تمام دنیا کے مسلمان اپنے رسول عربی کے جوار اور قوم کے اعراب کی خدمت اپنا فرض سمجھتے ہیں۔

تاریخ تو یہ بتلاتی ہے کہ ترکوں نے آخری جنگ یورپ میں اپنا خون بہتا ہوا دیکھا مگر عربوں کا خون مدینہ و مکہ کی طرف نہ بہایا۔ اور ہمیشہ ہر قسم کے ٹیکسوں اور مطالبات سے عربوں کے ساتھ رعایات بلکہ معافی ہی دیتے رہے۔ اب تو یہ کہا جا رہا ہے کہ سلاطین اور خواص و عوام ترک نے حرمین و دیگر مقامات مقدسہ وغیرہ اور وہاں کے رہنے والوں کی وہ خدمات کیں کہ جن کو یاد کرکے اب عرب قوم رو رہی ہے۔ اُنکے زمانہ میں اشرفیوں کے ڈھیر ہر قبیلے میں لگ جاتے تھے۔ اور سال بھر تک عرب لوگ خوشی سے بسر کر لیتے تھے۔

ترکوں کے متعدد گناہوں میں سے جو کہ عرب قوم کے ساتھ برتاؤ میں بیان کئے جاتے ہیں انکا خلافت اسلامی کو لے لینا بھی ہے۔ اور اب جبکہ دنیا کے بازیگروں کے ہاتھ میں کل حجاز و عراق وغیرہ آگئے ہیں۔ تو زمانہ حال کیطرح کی ترقیات کو پیش کرکے ترکوں کے لاکھوں گناہ اور جرم بتلائے جا سکتے ہیں۔ اور خدانخواستہ اگر عیسائی مشنوں کے ہاتھوں اُنکا مذہب تک جاتا رہے تو ممکن ہے کہ ایک وقت میں اس واقعہ کو بھی اُن کی ترقی کہا جاوے۔ جیسے کہ بیروت وغیرہ میں ہو چکا ہے۔

سلطان عبدالحمید ثانی اور دیگر ترکوں کے عہد میں اسلامزم کے خواب میں بھی عرب اقوام ترکوں کا ساتھ نہ دے سکیں۔ اور کیسے دیتیں جبکہ خود اُنکو آزاد قومی حکومت کا نقشہ بندھا کر نمائندگی کے اصولوں پر خود سلطنت کرنے کرانے کا شوق دلوا دیا گیا تھا۔ اور ایک غریب قوم کو بیک وقت سونے اور چاندی کے ڈھیروں سے جو کچھ لالچ بھی نہ پیدا ہو جاتی کم تھی۔ بس صرف سلطان عبدالحمید ثانی ہی کی دماغی قوت کے سامنے کسی کا بھی زور نہ چل سکا تھا۔ مگر جیسے ہی کہ خود ترکوں میں کمزوری آئی عربوں کو خاصا شکار بنا لینا متمول اقوام کے لئے کوئی بڑی بات نہ رہی تھی جنگ عظیم یورپ کے زمانہ میں تو عرب خوب ہی کھل کھیلے۔ بلکہ پیچھے سے ترکوں کے قرولی بھونکنے اور انکو قتل کرکے انکے خون بہانے میں خاصی مشاقی دکھلائے گئے۔

حکومت فرانس نے جنگ عظیم یورپ سے قبل ہی رایاح (Payah) سے بیت المقدس

تک ریل جاری کرنے کا پروانہ سلطان وقت سے حاصل ہی کر لیا تھا۔ اور سینٹ رائٹ عیسائیان لبنان تو بالکل ہی اوسکے ہاتھ میں آچکے تھے بلکہ فلسطین کو بھی وہ اپنا موقعہ شام ہی کا ایک حصہ سمجھنے لگا تھا۔ اور یوں تو عرب کے قدرتی ذرائع اور زرخیزیوں کی چوٹ تو سب ہی کو تھی۔ پہاڑوں میں سونے کی کانوں کے خزانے جزائر اسلامی مرکزیت [illegible] پورا پورا اختیار رہے وہ جزیرے گویا سب ہی کے واسطے سونے کی چڑیاں تھیں۔ مگر تقدیر [illegible] مجبور رکھے۔ برطانیہ کا ستارہ عروج پر تھا اور اسی کی قسمت میں عربوں پر بھی حکومت مقدر ہو چکی تھی۔

برطانیہ کے ایک فوجی کرنل نے جن کا نام [illegible] تھا اپنی [illegible] میں وہ کارنامے کر دکھائے کہ جن کا جواب ہی مشکل تھا۔ جنگ عظیم سے قبل ہی وہ عربوں کا دوست بن چکا تھا کہ ۱۹۱۶ء میں اسکی [illegible] ایک محکمہ برطانیہ کے قاہرہ آفس کا بمقام جدہ قائم کیا تھا جس کا مقصد یہ تھا کہ عرب قوم ترکوں سے [illegible] بغاوت کرے اور اپنی خود مختار حکومت قائم کرلے۔ امیر عبداللہ، امیر علی، اور امیر فیصل [illegible] جو حرمین کے شریف تھے سب نے جدہ میں لارنس سے ملاقات کی۔ اور لارنس نے امیر فیصل کو اپنا آلہ کار منتخب کر لیا۔ اور فیصل ہی نے لارنس کو پورے طور پر ہر قسم کی عیاری کا سبق پڑھایا۔ اسکو شریف [illegible] کا مترجم [illegible] عربی پوشاک پہنوا دی اور چونکہ لارنس نہایت عمدہ عربی بول لیتا تھا یعنی ویسی ہی جیسی کہ خود اطراف کے عرب بولتے تھے اس لئے خالص عربی بنا کر لارنس صاحب کو قوم کے سامنے فیصل نے پیش کیا۔ کہا جاتا ہے کہ بعض اوقات تو کرنل صاحب نے نمازوں کی امامت تک کر دی۔[1] — تب ہی سے امیر فیصل زیر ہدایات و امداد [illegible] کرنل لارنس حجاز کے مالک بنتے گئے۔ اور دمشق تک حکومت حاصل کرنیکی سعی کرلی[2] — اور اگر فرانس مخالفت نہ کرتا تو فیصل اپنے خیال میں پورا کامیاب ہو جاتا۔ عربی زبان میں پورے ماہر ہونے کے سبب حکومت جنگ عظیم نے لارنس کو یمن و عرب بھر میں گویا ترکوں کے خلاف سازش کرنے [illegible] روپیہ پیسہ وغیرہ سے لالچ دلا کر پورے طور پر کھڑا کرانے کے لئے مقرر کیا تھا۔ دمشق [illegible]

---

(۱) دیکھو اخبار پانیر مورخہ ۲۲ مئی ۱۹۳۵ء مطبوعہ لکھنؤ۔ و کتاب سر ہربرٹ [illegible] مذکورہ
(۲) دیکھو اخبار [illegible] مورخہ ۲۴ اگست ۱۹۳۳ء صفحہ [illegible]

اور اسلحہ سے عربوں کی سب بخواہ کرنل صاحب نے ہر طرح کی امداد کی۔ اور انہوں نے ایک عرب بیورو (Bureau) بھی قائم کر دیا۔ جہاں سے تمام قسم کی امداد عربوں کو ترکوں کے خلاف دیگئی۔ ۲۲ر فروری ۱۹۱۸ء کو تو کرنل لارنس ایکمرتبہ اکیسو میل اونٹ پر سفر کر کے بیرشیبا (Beersheba) پہونچے تھے۔ بلکہ ان کی پیدل دوڑ دھوپ سے عرب بھی اکثر حیران ہو جاتے تھے۔ بغاوت کی اشاعت میں پچاس میل تک روزانہ سفر کر لینا انکے واسطے کوئی بڑی بات نہیں سمجھی جاتی تھی۔ ترکوں نے تو لارنس کے سر کے واسطے دس ہزار پونڈ دینا منظور کیا تھا مگر لارنس نے اسلحہ صرف جنرل ایلنبی (General Allenby) ہی سے دو لاکھ پونڈ علاوہ اسلحہ بم بازی و باربرداری کے سامانوں وغیرہ کے حاصل کر کے ترکوں کے خلاف عربوں میں خوب تقسیم کر دئے تھے۔ کرنل لارنس کی وفات ۱۲ر مئی ۱۹۳۵ء کو ہوئی تھی اور برطانیہ نے اپنے نامور ہیرو کا بہت بڑا ماتم بھی منایا تھا۔ [1]

عربوں میں سازش کے سلئے ڈاکٹر ڈاؤٹی (Dr. Doughty)
مس گرٹروڈ بل (Miss Girtrude Bell)
کی سی شخصیتیں بھی دستیاب ہوگئی تھیں۔ جو بھی ہر طرح پر عربی زبان اور طریقوں سے ماہر تھیں۔ یہ سب ہستیاں مسلمانوں ہی کی ہیئت اور شکلوں میں دوران جنگ عظیم عرب بھر میں بغاوت پھیلانے کا کام ترکوں کے خلاف کرتی رہی تھیں۔ اور شریف حسین و انکا خاندان ہر طرح انکا مددومعاون رہا۔ اُن کے ساتھ عدن کے اعرابی امرا اور مصری افواج بھی برابر شریک کار رہیں۔ یہ امرا تو عرصہ سے ماہانہ تنخواہیں تک ہندوستان کے خزانے کے ذریعہ سے لیکر برطانیہ کے ہاتھ اپنے ایمان کو فروخت کر چکے تھے۔ عدن کے سولہ عرب سردار پانچ ہزار نو سو روپیہ ماہوار مدتوں سے لے رہے تھے اور سب خطابات بھی حاصل کر چکے تھے۔ جب وہ برطانیہ کے سفارت خانہ عدن میں آتے تو اُن کی وہ عزت ہوتی کہ جسکا جواب ہی نہ ہو سکتا۔ جس کے صلہ میں وہ ایکدوسرے کے گلے تک کاٹنے میں دریغ تک نہ کرتے۔ مگر بعد میں برطانیہ نے

---

[1] دیکھو اخبار پانیر لکھنؤ۔ مورخہ ۲۲ر مئی ۱۹۳۵ء۔

انھیں منہ تک نہ لگایا اور صرف شریف حسین ہی سے تمام معاملات طے کر لئے۔ کیونکہ اس سے زید سیاسی میدان میں کوئی خطرناک نہ سمجھا جاتا تھا۔ حالانکہ بعد میں انکی بھی قوت خاصی طرح توڑ دی گئی اور سب طرف سے اوسکے پر و بازو کاٹ ہی دیئے گئے۔ اور اوسکو بھی ایک کٹھ پتلی کی طرح نچایا گیا۔ چنانچہ ۱۴ر جولائی ۱۹۱۵ء کو شریف حسین نے لارڈ کچنر کو خط کے ذریعہ عرب کی آزادی کے بابت لکھا۔ جسکا جواب ۲۴ر اکتوبر ۱۹۱۵ء کو سر ہنری میک موہن (Sir Henry Mac Mohan) نے یہ دیا کہ برطانیہ عظمیٰ نے خود ہی مقامات مقدسہ کی تمام بیرونی وغیرہ مداخلت سے حفاظت کرنیکی ذمہ داری لے لی ہے اور اونکی ذاتی حیثیت کو بھی تسلیم کر لیا ہے اور جو بھی ضرورت کسی یوروپین حاکم کی بغرض عمدگی انتظام کے وہاں کی مخصوص حکومت کو ہوگی اوس کے واسطے صرف برطانوی حکام جائینگے۔ مارچ ۱۹۱۶ء میں پیرس کانفرنس ہوکر سائکس پیکٹ (Sykes Picot) کا خفیہ معاہدہ روس۔ انگلستان اور فرانس نے تو کر ہی لیا تھا جس سے روس کو بحیرۂ حمریس کافی مداخلت کا موقع بھی دیدیا گیا تھا۔ ایشیائی کوچک کے نقشہ پر نیلے رنگ کے خط سے فرانس کا انتداب کرا دیا گیا اور شام وغیرہ اوسکی سیادت میں آگیا تھا اور سرخ رنگ کے اندر برطانیہ کے انتداب کی تجویز ہوگئی تھی فلسطین کو بھی بظاہر طور پر بین الاقوامی اقتدار میں دیکر برطانیہ ہی کے سپرد کر دیا گیا تھا مگر یہود کی ایک طرح کی نوآبادی کرانا بھی اس میں مان لیا گیا تھا۔ نیز جہاں جہاں عرب قوم کی کثرت آبادی ہوتی وہاں انھیں میں کا کوئی تاجدار بنانا بھی منظور کر لیا گیا تھا۔ بلکہ ترکوں نے خود ہی اسوقت مذکورہ معاہدہ پیرس کی اطلاع شریف حسین کو کرادی تھی کیونکہ نوجوان ترکوں کا اقتدار اوسوقت ترکی میں تھا۔ یعنی جمال پاشا۔ انور پاشا۔ اور کاظم پاشا کا۔ مگر ۲ر نومبر ۱۹۱۷ء کو تو تمام دول یوروپ اور امریکہ کی منظوری سے مشہور اعلان بالفور کی نوعیت کو دنیا نے بھی جان لیا تھا۔ جس سے یہود قوم کو فلسطین میں آباد کرا دینے کا مسئلہ طے ہو چکا تھا۔ شامیوں کو بھی عربوں کی طرح ترکوں سے ایک قسم کی نفرت سی پیدا کرادی گئی تھی اور انور پاشا کی بدولت کفار کی بھرتی نے تمام ترکی فوج میں مختلف قسم کی کارروائیوں کا سب ہی کو موقع بھی حاصل کرا دیا تھا۔ لہذا برطانیہ نے حجاز و عراق پر قبضے کا پورا سامان کر ہی لیا۔ گو ہندوستان سے بعد میں لارڈ ہارڈنگ وائسرائے

وقت سے ترکی حکومت کے حصے بخرے اور فلسطین کے متعلق مسلمانوں کے احتجاج کی اطلاع
حکومت انگلستان کو خاصی طرح کر دی تھی۔ مگر برطانیہ عظمیٰ نے اوسوقت عربوں اور ان ہندی
مسلمانوں کے تمام حقوق کی حفاظت کی ذمہ داری اپنے سر اوڑھ لی تھی جو عرب و عراق میں تھے
جیسے کہ روسی حکومت نے اپنی شہنشاہیت کے دور میں دنیا بھر کے لئے عمل کیا تھا۔

حملہ مدینہ کی ناکامی

فیصل کی شرکت سے کرنل لارنس نے عربوں کی فوجیں تیار کرائی تھیں اور عربوں کے ہر جگہ
کے قبیلوں کو زر پاشی کرا کے پورا پورا اپنی مٹھی میں کر لیا تھا۔ ترکی فوجیں اب عرب میں بہت
کم رہ گئی تھیں۔ مگر پھر بھی فیصل کو وادی صفرا کے سرے پر جب شکست ہوئی اور پہلا حملہ مدینہ
پر وہ ناکام ہوا تو فیصل حمرا میں پہونچا اور طائفہ وخلافت کے قبیلوں کی مدد سے پھر کوشش کی تو
گر انکی امداد کے واسطے مصری فوج جو بسرکردگی نافی بے (Nafi Bey) سوڈان سے
آئی تھی پڑی تھی ہی گئی نیز مولد مخلص بھی اپنے قومیت کے خیال سے شریف مکہ کی بغاوت کی خبر
پاتے ہی آ گیا اور فیصل کا اے۔ ڈی۔ سی بن گیا تاہم فیصل ہراسان ہو گیا مخلص تو ترکی فوج میں دو بار
تنزلی پا چکا تھا اور بددل ہو گیا تھا لہذا بغاوت میں شریک ہو گیا تھا۔ اسکا بیان تھا کہ ترکوں کے پاس کافی
سامان جنگ نہ تھا کیونکہ بمقام شیبار (Shaiba) جہاں کہ وہ سواروں کی فوج تھا اور انگریزی فوج نے
اوسے قید بھی کر لیا تھا وہاں اوسکو ترکوں کی اصلی حالت کی اطلاع مل چکی تھی تب فیصل نے کرنل لارنس کو یوں سمجھایا کہ پہلا
حملہ جو مدینہ طیبہ پر کرنل صاحب نے کرایا تھا اوسکی ہار اور ناکامی کا سبب صرف یہ تھا کہ عربوں
کے پاس ہتیار اچھے نہ تھے اور ترکی فوج کافی تعداد میں وہاں موجود تھی نیز ترکوں نے
عربوں کو دیوار حصار سے نکل آنے دیا تھا اور اوسیوقت توپوں کی باڑھ لگا دی تھی عقیل
اور عتیبہ کے قبیلے یہ حال دیکھ کر واپس بھاگ گئے تھے۔ بلکہ قبیلہ بنی علے کے کچھ لوگ ترکوں کے
پاس ہتھیار ڈالنے کے واسطے اور اپنی ہار تسلیم کرنے کے لئے چلے گئے تھے تاکہ انکے مواضعات
وغیرہ غارت سے بچے رہیں۔ دوسرے فخری بے نے جو اوسوقت ترکی فوج کی کمان میں تھا اوسنے

بھی دھوکا دیا تھا اور صلح عارضی کرکے اوالی (Awali) کے گرد و پیش کے مواضعات کو گھیر لیا
تھا۔ مگر پھر بھی کوئی گھبراہٹ کی بات نہ تھی کیونکہ فخری کے مظالم کی کافی شہرت دیدی گئی تھی اور
جسکے باعث عرب بھر میں ایک تہلکہ سا مچ گیا تھا۔ اور یہ بھی مشہور کرا دیا گیا تھا کہ عربوں کے
اصول جنگ کیخلاف فخری نے بدعت مچا دی تھی۔ اسنے عورتوں کو بے حرمت کرا دیا تھا۔ بچوں کی
جان کو محفوظ نہ رکھا تھا اور جو مال کہ لوٹ کر نہ لے جا سکتا تھا اسکو صحیح و سالم نہ چھوڑا تھا اور
اسلیئے تمام عرب اقوام گرد مکہ و مدینہ نے ترکوں کے خلاف اپنا طرز جنگ بدلنے کا ارادہ کر لیا تھا
اور ہر طرح ترکوں سے خون بہا لینے کے واسطے عرب تیار ہو گئے تھے۔ نیز مشہور کیا کہ بندوقوں سے
اب انکا کام نہ چلیگا اور اب جنگ بھی عرصہ تک چلیگی۔ اسلیئے عرب مدینہ کے میدان
سے ہٹ کر پہاڑیوں میں جا چھپینگے" علی اور فیصل نے اب اپنے اپنے سوار بھی رابغ کو بھیجدئیے جو
انکا سمندر کا مرکز تھا تا کہ وہاں سے رسد اور ہتھیاروں کے بابت خبر لادیں۔ مگر اس مدینہ کی
شکست سے فیصل خود گو نہ بد دل ضرور ہو گیا تھا اور اسکی فوج بھی کچھ تھک سی گئی تھی۔ آدمی گھوڑے
اور اونٹ بھی بہت مارے جا چکے تھے اور فیصل خود بھی افکار کے باعث بوڑھا سا معلوم ہونے
لگا تھا۔ گو اسکی عمر ۳۱ سال کی تھی پھر بھی اپنی فوج سے وہ کچھ کچھ جا بجا حملہ کر لیتا تھا۔ اور جبکہ علی و زید نے
رابغ سے اور عبداللہ نے مکہ سے اپنے حملوں میں تاخیر کر دی تو اوسنے بھی ہر قبائل عرب کو ترکوں پر
حملے کرکے انکی رسد اور خبر رسانی کے سامانوں کو روکنے کے لیئے چھوڑ دیا۔ تب تو
مولد المخلص نے انگریزوں کی گفت و شنید سے عاجزی ظاہر کر دی اور ایکدن یہ کہا کہ تم
لوگوں کی تاریخ نہ بنائے اور نہ قصہ و کہانی لکھواؤ بلکہ لڑو اور ترکوں کو ختم کر دو۔ اوسنے ایک
بار توپوں اور مشین گن کی دیدو تو وہ اسکے واسطے ترکوں کو ختم کر دیگا۔ ہم لوگ تو یہاں
بک بک کرتے ہیں اور کچھ نہیں۔ امیر فیصل نے سب سنا اور خاموش ہو گیا۔ وہ ترکوں کی فوجی
ملازمت میں خود رہ چکا تھا اور چال باز بھی تھا۔ ترکی پارلامنٹ کی ممبری نے قسطنطنیہ کے قیام
میں یورپین معاملات سے بھی گو نہ واقف کرا دیا تھا۔ اور آدمیوں کو اب پہچان بھی چلا
تھا کرنل لارنس نے جب ان تمام باتوں کا اندازہ کر لیا تو فیصل کو اپنی مرضی کے موافق آدمی
پاکر وہ مراد پا گیا کیونکہ اسکے خیال میں عربستان کی بغاوت کی تحریک پوری کامیاب ہو سکتی تھی

شریف مکہ تو فوج کے ہر سپاہی کو دو پونڈ ماہوار اور چار پونڈ فی اونٹ دے ہی رہے تھے۔ اور سپاہیوں کے بچوں تک کی پرورش کا ذمہ اپنے ہی سر لے لیا تھا اور یہ کارروائی پانچ ؟ سے جاری تھی اور دراصل صرف یہی ترکیب قبائل کو قابو میں رکھنے کی تھی۔ افسوس کہ اخلاص کا یہی نتیجہ ہے!

دوسری طرف ترک اور جرمن یہ سمجھ چکے تھے کہ پہاڑیوں کے درمیان سے جنگ کرنا تھی اسلئے جرمنوں نے ہر طرح کا عمدہ سامان جنگ وغیرہ وہاں لڑائی کے واسطے ترکوں کے لئے مہیا کر دیا تھا۔ ترک چونکہ نہایت نادر اندازی سے گولیاں چلاتے تھے اور ان کے پاس سامان بھی تھا اس سے عرب ابتک مجبور رہتے۔ حالانکہ بہادری و ہمت میں وہ بھی کم نہ تھے لیکن ہر عرب بچہ توپ کا خواہشمند نظر آتا تھا اور لڑائی کے واسطے بھی تیار

بعد کو جب لارنس نے ینبوع میں سامان جنگ و رسد خوب جمع کر دیا اور محصورین جنگ عظیم میسوپوٹیمیا وغیرہ میں سے رضاکار یا والنٹیر بھی دینے کا وعدہ فیصل سے کیا نیز مع توپیں اور مشین گن وغیرہ مہیا کئے جانے کے انتظام کے ساتھ ساتھ انگریزی فوج کے آزمودہ کار افسر صلاح کے واسطے دئے اور ینبوع سے سامان پہنچانے کا شرفائی عرب سے بندوبست ہو گیا۔ اور خرطوم میں سر ریجنل ونگیٹ Sir Reginal Wingate سے ہر قسم کا مشورہ کرنل لارنس لیکر امیر فیصل کو مطلع کرنے لگا تو ونگیٹ کو جو وقت عرب کی حالت امید افزا معلوم ہونے لگی تب اُسنے بھی توڑوں کا منہ کھولدیا اور ہر قسم کے اسلحہ وغیرہ سے امداد کر دی۔ ایک عربی بولیٹن یعنی روزنامچہ بھی قاہرہ سے جاری ہو گیا اور خود لارنس "نخل مبارک" میں جو خاص قسم کی کھجوروں کا باغ جنوبی حصہ میں جو ینبوع کا ہے فیصل سے ملنے پہونچ گیا مگر وہیں اوس کو یہ معلوم ہو گیا کہ ترکوں نے وادی سفرا میں پہونچکر عربوں کی فوجی کمک کے پہنچنے کو بند کر دیا ہے۔ اور قبیلہ حرب وہاں سے بھاگ نکلا تھا کیونکہ ترکوں نے فیصل کے سوتیلے بھائی زید کے قبیلہ حرب ہی کے مختصر فوج کو گھیر کر ختم کر دیا تھا جبکہ زید مع اوس فوج کے بیر سعید میں ٹھہرا ہوا تھا۔ اونکو یا اب تک ان کے واسطے ینبوع کا راستہ بھی صاف ہو گیا تھا۔

اسیوقت فیصل نے لارنس کو عربی پوشاک پہنوائی تھی اور اسکے غلام نے جسکا نام ہجرس تھا
(Hejras) تھا اتفاق سے وہی ریشمی پوشاک بیش کی تھی جو کہ فیصل کی پھوپھی نے اوسے مکہ سے
اوسی زمانے میں بھیجی تھی۔ کرنل لارنس اوسی وضع میں بدرالدین شفیعہ کے ہمراہ ایک کمیلا اونٹنی
پر روانہ ہو کر چھ گھنٹہ میں ینبو پہونچگیا اور سو رہا۔ جب شریف زید کی آٹھ سو عربوں کے ہمراہ
وہاں پہونچنے کی اُسے اطلاع کی گئی تو لارنس فوراً اُس سے ملا اور کپتان بوائل (Captain
Boyle) کو جو بحیرہ احمر میں برطانیہ کی بحری فوج سے لئے پڑا تھا ینبو کے خطرے کی اطلاع
کی۔ اور اسے طلب کر لیا کیونکہ ترکوں نے اسی درمیان میں ہیر سید سے جا کر "نخل مبارک"
میں فیصل کو شکست دی اور امیر فیصل وہاں سے بھاگ نکلا۔ اور اسکے ہمراہ دو ہزار عرب کی
فوج بھی تھی لارنس کی رائے میں قبیلہ جہینیا کی غداری سے یہ شکست ہوئی تھی جسکا کہ وہم بھی عربستان
میں کسی کو نہیں رہا تھا۔ ینبو میں چونکہ بوائل نے پانچ جنگی جہاز مشین گنیں اور تار برقی وغیرہ
موقع موقع سے نصب کر دی تھی اور فیصل ہی کے توپچی اونیز حتی الامکان مقرر کر دئے تھے۔
لہذا ترکوں نے جب وہاں سمندر کے کنارے روشنی وغیرہ دیکھ لی۔ اور بڑے زور کا سامان
جنگ تو خفیف سی مٹھ بھیڑ کر کے واپسی ہی کو مصلحت وقت سمجھا۔ تب تو امیر فیصل نے وادی
آیس کی طرف جہاں پانی کے تالاب(؟) ہیں اور جو مدینہ طیبہ سے ایک سو کیلو میٹر ہے پہونچنے کا
ارادہ کر لیا تاکہ ترکی سپہ کی آمد کو اب وہاں روک سکے۔ ادھر لارنس نے جواب مدینہ آگیا
تھا۔ ریاضکلی کو عبداللہ کے پاس اسی طرح پر ترکوں کے روکنے وغیرہ کے پیغام سے روانہ کیا اور
فیصل خود وہاں سے وجہ کو روانہ ہو گیا۔ کیونکہ عربوں نے وجہ کو لینے کا اب قصد ہی کر لیا تھا۔
فیصل کے ساتھ دس ہزار فوج اسوقت تھی انگریزوں نے ینبو کو خالی کر کے ایک ہندوستانی جہاز
ہارڈنگ نامی پر سامان وغیرہ لاد دیا اور خود کپتان بوائل نے بحیرۂ احمر میں اپنے نصف بیڑہ
جہازات سے امداد کا وعدہ کیا جسپر مقام ابوزنیبت (Abu Zenibat)
میں جو سمندر میں ہے عربوں کا اجتماع ہونا طے پا گیا تاکہ وجہ کو کسی طرح لے ہی لیا جاتا۔ حادث اور
جہینیا کے قبیلوں کے کئی سو عرب کو بھی سمندر سے وہاں پہونچانے کا انتظام کپتان بوائل نے
کر دیا۔ اور آگے ابوزنیبت ہی میں پانی بھی مل سکتا تھا۔ اور اسی سے یہ وہاں جمع طے ہوا۔

احمد توفیق بے گورنر ترکی نے اُسی دن ترکی فوج کو خطبہ دیکر یہ کہا کہ آخری قطرۂ خون تک وجہ کے بچانے کے لیے ترکوں کو بہا دینا چاہیئے مگر مجبوراً شب ہی میں خود وہاں سے روانہ ہوگیا کیونکہ وجہ کو سمندر کے عربوں نے بھی لیا تھا۔ اور اب کہا تھا عربوں کی ہمت ہر طرف اس واقعہ سے بڑھ گئی تھی تاہم کچھ ترکوں نے ادھر اُدھر لڑائی بھی لڑی عرب تو جنگ میں اوپر کے لضعت جسم کو برہنہ کر دیتے تھے کیونکہ اُن کے یہاں یہی دستور تھا تاکہ زخموں کا پتہ صاف صاف چل سکے۔ مگر ترک اپنی وردیوں ہی میں شہادت کو فخر جانتے تھے۔

قاہرہ سے ہر قسم کی امداد بھی اب نقدی۔ آلات اور سواری وغیرہ کی عربوں کو ملنے کی امید ہوگئی۔ مگر پہاڑی توپیں کسی طرح نہ مل سکیں۔ جعفر شاہ بغدادی جو ترکی فوج کے ایک افسر تھے وہ بھی عربوں سے اب ساز کر گئے۔ اور مدینہ کے گرد کی ایک سپاہ اونکے ساتھ بھی تھی۔ وہ خندق بنائے ہوئے پڑے رہے۔ جس سے کہ عربوں کے امکانیں مدینہ پر گولہ باری نہ ہو سکی۔ مگر اب مدینہ و تبوک کے درمیان جسقدر بھی پانی کے مقامات تھے ریل کی پٹری کے قریب قریب اکثر عربی فوجیں تقسیم کر دی گئیں۔ اور راستوں کی حفاظت بھی عرب ہی کرنے لگے۔ میجر گارلینڈ (Major Garland) اور کرنل نیوکومب (New-Comb) جنوب و مشرق اور شمال و مشرق کی طرف سے چلتی ریلوں اور پلوں کے برباد کرنے اور بارود کی کانوں کے رکھنے میں وہاں پہونچکر مصروف ہوگئے۔ فیصل نے بلی (Billi) عربوں کو اب خوب بھرتی کرنا شروع کر دیا تھا اور جو بھیا کو عبداللہ کے پاس وادی ایس میں بھیجا کیونکہ اس کے ایس ایسے قبیلے رہتے تھے جو امیر روولا (Ruwalla) نوری شعلان کے قابو کے تھے اور نوری کا اثر شریف مکہ یا ابن سعود یا ابن رشید سے اور اُنکے بعد امرائے عرب میں اس طرف کسیطرح کم نہ تھا۔ نوری ایک معمر شخص تھا۔ اور قبیلہ انازح (Anazeh) پر تیس سال سے حکومت کر رہا تھا اور اس حکومت کو اُسنے اپنے دو بھائیوں کو قتل کر کے حاصل کیا تھا۔ چنانچہ وجہ کو عربوں نے جب لیا تھا تب ہی لارنس نے اپنی جنگ کا مرکز اسی کو بنا لیا تھا اور فیصل نے بھی قرآن پاک پر حلف دلوا کر سبکو ذیل کی باتوں کا پابند کر لیا۔ یہ کہ (۱) سب اوسکا ساتھ دینگے اور حکم مانیں گے۔ (۲) ترکوں کا ساتھ چھوڑ دینگے۔ اور عربی زبان بولیں گے۔ (۳) آزادی کے لئے جان و مال و خاندان تک تصدق کر دینگے۔ اسی کے ساتھ اُسنے عربی قبائل کی آپس کی خصومتوں اور دشمنی کو دور کرنے کی سلسلہ وار سال

یک شبانہ روز کوشش ہی کی، تاکہ اس وقت سب شیر و شکر ہوکر ساتھ دیں۔ چنانچہ آخر میں بھی وہ کامیاب ہو گیا۔ اور عرب کی کل اقوام گویا ایک رشتہ اتحاد میں گوندھ کر ترکوں کے مقابلہ میں تیار ہو گئیں۔ بلکہ مغربی حصہ عربستان کے واسطے تو فیصل ہی گویا ایک قسم کی عدالت العالیہ (اپیل) بن گیا۔

جنرل النبی نے اس کی زمانہ میں دو درجن راکس موٹر کار بھی جنگی قسم کی فیصل کو بھیجدی تھیں جو کہ بالوبر بخوبی چل سکتی تھیں۔ اب عربوں نے ینبو (Yenbo) اور رابغ (Rabigh) میں فوج ہٹالی ہوائی جہاز بھی وہاں پہنچنے لگے۔ اور فیصل نے ایکدن ایکا یک عودا (Auda) سے آنکی لارنس کو خبر دی۔ اور کہا کہ اب عقابہ (Akaba) پر پہنچنے کا پورا سامان ہو گیا ہے۔ یہ کہتے ہی وہ فوراً ان تقریر اٹھ کر اوٹھا اور خیمہ کے باہر جاکر اپنے منہ کے مصنوعی دانتوں کو پتھر سے توڑنے لگا اور کہنے لگا کہ میں بھول گیا۔ جلالت مآب پاشا نے یہ بخشے ہوئے تھے اور میں اللہ کی دی ہوئی روٹی انہیں ترکی ہی دانتوں سے کھاتا تھا" اور اسکو وہیں پڑے رہنے دیکر بغیر دانتوں کے اڑا دیا۔ چنانچہ جب عقابہ لیلیا گیا تو سر آر۔ ونگیٹ (Sir R. Wingate) نے مصر کا ایک دندان ساز بھیجکر اسکے دانت تیار کرائے جو انگریزوں کی طرف سے بطور تحفہ کے دئے گئے تھے۔ عودا توبیلا ہو۔ ہویتات (Howeitat) کا پورا نمونہ تھا۔ جسکو عرب میں جنگ آزمائی کرتے ہوئے عمر صدیاں گذر چکی تھیں اور اپنے بدوی ہونے پر پورا ناز تھا۔ وہ بڑا مخیر اور مہمان نواز تھا۔ وہ اٹھائیس نکاح کر چکا تھا اور تقریباً چوبیس قتل بھی کر چکا تھا بلکہ (۷۵) آدمیوں کو جنگ میں خود اپنے ہاتھ سے مارا تھا۔ اب لارنس اور عودا وغیرہ سب کے مشورے سے مدینہ کو اور عقابہ سے علٰحدہ کرنے کا ارادہ فیصل نے کر لیا تاکہ وہاں کی فوج سے ہتھیار ڈلوائے جائیں اور آگے سے تبوک تک ریلوے لائن شریف شرف وغیرہ کے ذریعہ (Maadhamman) کے ذریعہ پہنچکر اور اس کے اسٹیشن و قلعہ کے لینے کا ارادہ کر لیا گیا اور وہاں سے فیصل کی فوج کو لیکر تبوک سب کا آگے بڑھنے کا ارادہ تھا کہ میدان صالح تک پہونچ جاوے اور ریل کی پٹری پر قبضہ کرکے مدینہ کو علٰحدہ کر دے مگر اب اوکو ترکوں کی اس غلطی کا علم ہو گیا کہ وہاں ترکی فوج تو کسی طرح عربوں کو نقصان نہ پہونچا سکنے ہی پر تلی ہوئی تھی۔ اسلئے انکے خیال میں مدینہ کا لینا ہی فضول تھا اور غیر مناسب۔ وہاں کے ترکوں کا جب یہ بھی خیال معلوم ہوا کہ انہیں خود بھی دھوکا تھا کہ

وہ اپنے عہدوں پر قابض تھے تب تو ۹ مئی ۱۹۱۷ء کو شریف ناصر کی سرکردگی میں عرب فوج تندحبیل ([illegible]) پر ٹھہر گئی جہاں مصری حجاج ہمیشہ پانی لیتے تھے۔ یہ شریف شرف فیصل کا چچیرہ بھائی تھا اور شریف مولود ترکی فوج کا ایک عرب افسر تھا جو بغاوت کے وقت تک ملازم رہا تھا۔

وجہ سے سفر کر کے پہاڑی راستوں سے لارنس اور فیصل کی فوج نے ماآن (Maan) کی شہر کے قریب پہونچکر ریل کا پل اڑا دیا۔ اور قبیلہ ہوویتات کے یہاں کے اپنے سامان سے چھ ہزار پونڈ نذر شاہان کے نذر کئے جنکی عنایت سے مقام سرہان میں سب ہی جاکر ٹھہرے [illegible] کے پاس بھیجا گیا تھا وہاں سے قبیلہ فینتار (Yetenna) کے سردار کے یہاں [illegible] اور ۱۸ مئی ۱۹۱۷ء کو پھر وہاں سے روانہ ہو کر قبیلہ ابوتائی (Abu Tayi) کے ہمراہ روانہ ہوگئے۔ اس گھاٹی سرہان میں سانپوں کی بڑی کثرت تھی۔ جب اگیلا (Agaila) کے قریب پہونچے تو وجہ سے چلے ہوئے سب کو پانچ ہفتہ گذر گئے تھے جس سے ۱۹ جون ۱۹۱۷ء کو پانچسو سانڈنی سواروں کی فوج لیکر اقابہ کی طرف سب روانہ ہوئے۔

عربوں کو اقابہ کے گرد و پیش کے قبیلوں کی امداد کی بڑی ضرورت تھی جسکے بغیر کامیابی غیرممکن تھی چنانچہ [illegible] طریقہ پھیلایا گیا۔ اجنر (Aghagha) کی ریل کی پٹری کو [illegible] کر کے نگھالستر (Neghal Shah) اور آن (Maan) سے گذر کر گویرا (Gueira) کے [illegible] پہنچے اور آبا اللسان (Aba Lisan) پر حملہ کا عربوں نے ارادہ کیا [illegible] دیواریں گرا دی تھیں اور مختلف مقامات کے کنوں کو [illegible] تھا تاکہ پانی [illegible] (Bair) [illegible] عمل انھوں نے کر دیا تھا لیکن ان [illegible] قبیلہ [illegible] (Khumrani) سے اور ان سے جنگ ہوگئی تھی جس سے [illegible] کے لوگ بہت مارے گئے۔

[illegible] (Gadi ul haj) کا ریلوے اسٹیشن [illegible] ریل کی پل اڑا دیئے

مگر اتفاق سے آبار اللسان (Abaal lais ana) میں ترکوں کی کمک آ گئی تھی اور ان کی طرف سے
یہاں عودا نے عربوں کو بترا (Batra) اور آبار اللسان کے درمیان کے پہاڑوں کی چوٹیوں پر
جمع کر رکھا تھا اور جیسے ہی ترکی فوج گھاٹی میں پہونچی اوسپر نشانہ بازی شروع کر دی اور جلد ہی
ہوٹیٹ کی امداد سے ترکی فوج کو شکست دیدی۔ ایکسو ساٹھ (١٦٠) ترک قید ہوئے اور
تین سو (٣٠٠) کے قریب مارے گئے۔ خود عودا کے چھ گولیاں کپڑوں میں نکلیں مگر اسکے جسم پر
ایک بھی زخم نہ تھا۔ حالانکہ اوسکی گھوڑی تک ماری گئی تھی۔ عودا نے اوسکی وجہ یہ بیان کی تھی
کہ اوسکے پاس ایک حمائل شریف قرآن پاک کی تھی جسکو وہ بطور تعویذ کے باندھے ہوئے تھا
اور اوسی کی یہ برکت تھی۔ [1] اسی مقام سے عربوں نے ترکوں کی آتی ہوئی ریل کو لوٹا
نیز ان کا پڑاؤ بھی۔ اور ان کی چمکتی ہوئی وردیوں کو دوسرے دن پہن لیا۔ اور بیحد خوش تھے
کیونکہ اسکا ان کو بڑا ارمان تھا کہ دشمن کی پوشاک تک پہن سکتے۔ گویا دوسرے دن
عربوں کی وہ فوج نہ معلوم ہوتی تھی بلکہ ترکی ہی فوج دکھلائی دینے لگی۔ یہ واقعہ ٢ جولائی ١٩١٧ء
کو پیش آیا اور ترکوں کو شکست ہوئی۔

اب جو ترک کہدرا (Khadra) میں جمع تھے تاکہ سمندر کے حملے کو روک سکتے اونسے
لارنس نے صلح کی کوشش کی اور سفید جھنڈیاں بھی دکھائیں مگر ترکوں نے شب کے وقت
حملہ ہی کر دیا۔ گو پھر دوسرے دن چونکہ وہ گھر گئے تھے اسلئے انہوں نے ہتھیار ہی ڈالدئے
اور سات سو (٧٠٠) کے قریب ترک اسیر ہو گئے تھے۔ عربی فوج کی تعداد تو صرف
اسوقت پانچسو تھی مگر دو ہزار کے قریب اور عرب امداد دینے والے تھے۔

اب لارنس نے اونٹوں پر پندرہ سو میل کا سفر کر کے مصر میں جنرل ایلنبی سے ملاقات
کی۔ نہر سویز سے بھی اس سفر میں پار ہونا پڑا اور پچاس پچاس میل تک ایک ایک دن میں اسنے سفر کیا
اور جنرل موصوف کو ملکر اسپر راضی کیا کہ فیصل کو جو اب اپنی کل فوج اقابہ میں لے آ چکا تھا۔
مصر میں کسی فوج کا افسر کر کے فوجی کام سکھوا دیا جاوے۔ شریف حسین بھی اس تجویز سے متفق

---

[1] از ڈائری کرنل لارنس مطبوعہ ١٢ جولائی ١٩٣٥ء اخبار السٹریٹڈ ویکلی آف انڈیا۔

ہو چکے تھے۔ میجر جنرل لٹلٹن (Littleton) کے ہاتھ میں لارنس کو یہ بھی معلوم ہوا کہ
اونٹ اور سامان رسد وغیرہ بھی بھیجا ہے میجر کلیٹن (Clayton) نے سونے کے
دس ہزار پونڈ [illegible] اس لئے بھیجے تھے کہ امیر ناصر کو [illegible] سے پاک کر دیا جاوے
کیونکہ وہ رقم ناصر نے عربوں کو دینے رکھی تھی کہ اس نے اپنے رفقاء کو مقامات
[illegible] اور [illegible] وغیرہ پر قبضہ [illegible] کر عربوں کو دیئے تھے جنکو کہ وہ ترکوں سے
چھینا چاہتے تھے۔ اور اب [illegible] گویا تھے۔ جیسے آقابہ وغیرہ سب جگہ عربوں نے ترکوں سے پائی۔
فیصل بھی [illegible] فوج [illegible] اور اسکے ہمراہ جعفر پاشا اور کرنل جوائس
(Joyce) تھے اور مصری [illegible] کے ساتھ کپتان گاسلٹ (Goslett)
[illegible] بھی [illegible] ترکوں نے تھی اب دو ہزار پیدل فوج [illegible] پہنچا دی
اور قلعہ [illegible] کر لی۔ کچھ سوار فوج بھی [illegible] بھیج کر لیا تاکہ وادی موسیٰ سے عربوں کے
[illegible] لیا تھا [illegible] نے اپنے [illegible] کے
تحت میں ایک [illegible] ترکوں کے سامان رسد وغیرہ
چھپا کر [illegible] میجر [illegible] (Delgh[illegible]) [illegible] انگریزی
امداد [illegible] میجر جنرل سالمنڈ (Salmond)
نے ہوائی جہازوں سے [illegible] ترکوں کا [illegible] نقصان ہوا۔ پھر جب [illegible]
دو سال [illegible] سے تعلیم کے واسطے [illegible] گئے [illegible] بھی [illegible] تو [illegible]
[illegible] اور [illegible] ۱۹۱۸ء میں عرب پہنچ گئے۔ یہاں لارنس
صاحب بھی [illegible] نے زمین کھود کر [illegible] وغیرہ لگا کر بم کے گولے
بچھا دیئے۔ اور [illegible] فیصل کا غلام تھا [illegible] کو [illegible] سب [illegible] دیا تھا۔
جس سے وہ ریل [illegible] کی فوج اور سامان رسد آ رہا تھا اڑا دی گئی۔ [illegible]
گاڑی [illegible] تھی۔ بم سے انجن وغیرہ [illegible] گیا
[illegible] (Mudawwara [illegible]) اسٹیشن سے [illegible] ترکی فوج [illegible]
اور [illegible]
بندی کر اسٹیشن [illegible] کر لیا گیا۔

اس درمیان میں کرنل نیوکومب کو جن کے سپرد ترکوں کی ریل کے اکھاڑنے کی خدمت
تھی اُون کو ترکوں نے گرفتار بھی کر لیا تھا۔ مگر وہ ترکیب سے بھاگ نکلا تھا۔ اکتوبر ۱۹۱۸ء
میں علی ابن الحسین کو جو جمال پاشا کا دمشق میں مہمان تھا اور جس کو شام کا حال پورا پورا
معلوم تھا وہ فیصل کے پاس آگیا اور وہ ہندی رضاکاروں کے سواروں کی فوج جو
کپتان برے (Bray) نے فرانس میں تیار کی تھی جمعدار حسن شاہ کی ماتحتی میں وہ
بھی لارنس کے پاس پہونچ گئی۔ اس فوج نے ترکوں کی کمک کے واسطے جو جدید دستے
آرہے تھے اُن کو مشین گنوں کے ذریعہ سے خوب ہی روکا۔ امیر عبدالقادر الجزیری
(Algeirs) بھی اسی درمیان میں امداد کے واسطے پہونچ گئے اور وہ تو دریائے
یارمک (Yarmuk) کے شمالی کنارے کے رہنے والوں کی امداد کا وعدہ فیصل
سے کرکے آئے تھے اور جب کہ عرب اب دوسرے پلوں کے توڑنے اور ریل کی پٹریوں
کے اکھاڑنے میں لگے تھے کہ کرنل بریمانڈ (Bremond) کا تار لارنس کو مل گیا کہ عبدالقادر
تو ترکوں کا ایک جاسوس اور اُن سے تنخواہ پاتا تھا لہذا اوس کی طرف سے جو امید تھی
وہ گو جاتی رہی۔ تاہم اب ترکوں کو مدد نہ پہونچ سکی اور ۲۴ اکتوبر کو اذرک (Azrak)
کے لئے عرب روانہ ہو گئے وہاں شیخ عین السید ھا نے لارنس کی فوج کی خدمت کی در اصل
تو جنرل ایلنبی کی ہدایت کے مطابق ۵ نومبر تک اونکو دریائے یارمک (Yarmuk)
پر ریل کے ایک بڑے پل کو غارت کر دینے کی ضرورت تھی جس سے عرب اور لارنس اب
جا رہے تھے۔ لہذا قبیلہ سراہم بہ سرکردگی عبدالقادر وادی خالد کی طرف روانہ کر دیا گیا
مگر وہ دھوکا دیکر جبل دروز کی طرف چلتا ہوا تو خود عربوں نے اپنا بند و بست کر لیا
اب وہ مصر ترکوں کو درا (Deraa) جنکشن ریلوے سے جہاں کہ مدینہ دمشق اور عمان سے لائنیں
آکر ملتی تھیں اور جو ترکی فوج کا قلب تھا بھگانے کے لئے جنرل ایلنبی نے امیر فیصل کو دو ہزار باربرداری کے
اونٹ نذر کئے۔ جس سے کہ اوس نے اپنے بہادر اور ہوشیار عربوں کو پلوں کے توڑنے اور گولہ بارود
سے اوڑانے کی تدبیر نکال لی۔ اور اب ترکوں کی جنوب سے مدد کی کوئی امید نہ رہ سکتی۔ اودھر مغرب میں درا
سے شیخ سعید تک انگریزوں نے مسلح موٹریں پہونچادیں جنہوں نے کہ ریلوں کی پٹریاں اکھاڑ دیں اور تار

برقی بھی کاٹ دی۔ فیصل کی فوج تو سب ضرورت تھی نہیں۔ تھا تو تنہا غائب ہو جاتی۔ اور ترکوں سے شمالی حجاز شام آزاد نک تجویز ریل کی پٹریاں فیصل نے ترکیبوں سے اکھڑوا دیں اور اسکے آدمی مواضعات میں جاکر یہ شہرت دیتے تھے کہ یہ سب کچھ تو اوس بڑی زبردست فوج کا پیش خیمہ ہے جو انگریزوں کی معیت سے آرہی تھی۔ اسی طرح سے دھوکے دیکر فیصل نے ترکوں کی ہار کرادی۔

عربوں کے دمشق پہنچ جانے پر فیصل نے وہاں اپنی سول حکومت بھی قائم کرلی اور مصطفیٰ کمال نے بھی وہاں جو کچھ جرمنی جنرل ون سانڈرز سے کہا افواج لیکر شمال کی طرف ہٹ چکے تھے۔ ادھر بجائے اسکے ترک تنہا صلح پر مجبور ہو رہے تھے۔ فلسطین میں بھی عربوں کی مدد سے برطانیہ کو کامیابی ہوئی۔ کیونکہ فیصل کی ذات سے عربوں میں میل رہا اور یہودیوں کی دشمنیوں اور رقابتوں کے اونکی اتفاقی طاقتوں سے دور رہیں باندھا۔ دیکھو سب کو قومیت کی دھن میں لگائے رکھا۔ یہانتک کہ انگریزوں نے اوسے عراق کا بادشاہ بنادیا۔

دراصل تو فرانس و برطانیہ کے خفیہ معاہدات کی فیصل کو اطلاع نہ تھی اور نہ اوس کے رہنما و ہادی راہ کرنل لارنس کو۔ وہ تو یہ امید بھی رکھے ہوئے تھا کہ اوسے تمام عرب کی حکومت بھی ملیگی۔ ستمبر ۱۹۱۸ء میں ترکوں کے ستارہ اقبال کو مشرق میں وہ گرا چکا تھا جبکہ ہندوستان سے تازہ دم فوج دو لاکھ کی فوج بھیجے گئے رنگروٹوں کے لشکروں اور جہاز انگریزوں کے ہاتھوں میں پہونچ چکا تھا۔ اسوقت حیفہ۔ درعا ریلوے جرمنوں کے لئے قتل مجاز بنا چکے رسد رسانی بھی کر رکھی تھی۔ تاہم فیصل کی یہی توڑ کوششوں سے برطانیہ کی پوری مدد کرکے ترکوں اور جرمنوں دونوں کو حیران کردیا اور ترکوں سے نو عربستان حجاز شام وغیرہ سب ہی کو خالی کرالیا۔ جب فیصل کی آرزو پوری نہ ہوئی تو لارنس صاحب بھی کراہ کی کلاہ ترشتا ایکر ہوائی پرواز کی مشق کرنے لگے۔ فرانس کو شام ملا۔ برطانیہ کو فلسطین اور ورزیریا۔ میسوپوٹیمیا۔ گو برطانیہ نے پہلے کل میسوپوٹیمیا اور موصل پر قبضہ لے لیا لیکن شام میں فیصل نے ایک کانگریس منعقد کراکے اپنے کو بادشاہ ہونے کا اعلان بھی کرادیا۔ اور اس کا بھائی عبداللہ اب شاہ عراق ہوگیا

فرانس نے پھر جب فیصل کو شام دینا نامنظور کیا تو کونسی قوت تھی جو اسے مدد اسکی نسبت برطانیہ نے اپنی زبردست حکمت عملی سے سید طالب پاشا کو ایک سلون میں بٹھوا کر نظربند کرکے بصرہ کے قریب بھیجدیا۔ اور باوجودیکہ عراق میں زیادہ آبادی شیعہ ہے اور فیصل سنی تھا تب بھی فیصل کو عراق

کا بادشاہ بنوا دیا۔ فیصل کا دعویٰ یہ تھا کہ اب سے بیس سال قبل وہ بطور ایک فاتح کے دمشق میں اپنا اقتدار قائم کر چکا تھا۔ اگست ۱۹۲۱ء میں تب فیصل مجبوراً شاہ عراق بن بیٹھا۔ حالانکہ کردستان کے باشندوں نے فیصل کے داخلہ بغداد پر بڑے شور مچائے مگر برطانیہ کی فوجی قوت کے سامنے کیا ہو سکتا تھا۔

شاہ فیصل اپنی قابلیت اور میانہ روی کی بدولت ہمیشہ کامیاب رہے اور جب سے انگریزی پوشاک وطرز تمدن اختیار کر لیا تھا۔ تب سے تو یورپ کی نظروں میں سب طرح کی قابلیت انکی کوٹ کوٹ کر آگئی تھی۔ مگر اسکے پہلو میں ہر جا گیر اور اس سے عہدہ داری کرنے کے طریق کی مالی مدد دکھ مقبولیت حاصل کر گئی کہ گویا پارلیمنٹری طریقہ حکومت بعد ازیں عراق کو دیا گیا تھا۔ تاہم فیصل کی بادشاہت کی پہلی برس سالگرہ کے دن بھی شاہی کے دورانیہ پر سخت احتجاج کیا گیا۔ کردستان میں بغاوت ہو گئی اور کئی شیعہ آبادی نے باہم انتخابات تک کو بائیکاٹ کیا لیکن اس کی سیاست دانی فراست اور اس کے اخلاق نے دس سال کے اندر عراقیوں کو اپنا گرویدہ کر لیا۔ اور برطانیہ کو بھی پورا اطمینان ہو گیا۔ اگرچہ تین سال تک خوبی سے فیصل نے کام چلایا۔ یہاں تک کہ ۱۹۳۲ء میں عراق کو انگریزوں سے آزاد حکومت دلوا دی۔ حالانکہ اسی درمیان میں حجاز کے ابن سعود نے فیصل کے باپ حسین کو خارج بھی کرا دیا تھا۔ مگر امیر عبداللہ اب بھی ماوراء اردن کے بادشاہ بنے بیٹھے تھے۔ نیز ابن سعود کو اپنے پیچھے سے ہر وقت خطرہ رہا کرتا تھا۔ نیز عراقیوں اور عربی بدوؤں میں چراگاہوں پر جھگڑے کے اندیشے تھے کیونکہ عراقی بھیڑ پالتے تھے اور عرب اونٹ۔ مگر سب کی جڑ کا اب بھی ناکہ ایک بنتا تھا۔ آخر کار ۱۹۳۰ء میں ابن سعود اور فیصل دونوں کی ملاقات ایک برطانوی جہاز پر کرائی گئی اور یہ طے ہو گیا کہ ہر تنازعہ فیہ معاملہ کو ایک پنچایت کے سپرد کر دیا جایا کرے گا۔ اب دونوں ہمسائے بادشاہ اور اچھے ہمسائے ہو کر اپنے اپنے مقام پر چلے گئے۔

شاہ فیصل کو عراق کے تیل کے چشموں کی ایسی بات دلائی گئی تھی اور اس کی مالی حالت بہت اچھی تھی۔ اور کیوں نہ ہوتی جب کہ ستاسی لاکھ پچاس ہزار پونڈ کی آمدنی صرف تیل سے امریکن سرمایہ سے کھلا کر ملک کے بجٹ کو پورا کر کے دکھلا دیا تھا۔

عراق میں فیصل کو اس امر کا التزام ہے کہ کسی کو شکایت کا موقع نہ دے جیسے کہ سلطان ابن سعود ہیں سے بہتری سے پہلے سیاسی تعمیر چاہتے ہیں کے قریب اس سنہ ۱۹۳۱ء میں [illegible]

کا زمانہ تھا کہا جاتا ہے کہ ان کے دس ہزار مردوں کو برطانیہ سے بکور دادرسے حفاظت کے لئے اسلحہ دلوائے تھے۔ مگر فیصل نے اون کو ہر طرح سے راضی ہی کے چھوڑا۔

عرب اور عراق میں اُس وقت بھی رواج ملکی ہی کو قانون کا مرتبہ دیا ہوا تھا۔ چنانچہ ایک دفعہ ڈار کٹر جنرل وزارت اندرونی عراق نے ایک لڑکی سے شادی کرلی جو غیر کفت تھی۔ لڑکی والوں نے ڈائرکٹر صاحب کو گولی سے ہلاک کر دیا۔ جب عدالت میں معاملہ پیش ہوا تو اُن دستور کی شہادت دی گئی کہ غیر کفو میں شادی کی سزا یہی تھی اور ملزم رہا کئے گئے۔ شاہ فیصل آخر آخر غفلت سے عاجز آکر بغداد چھوڑ کر سوئٹرلینڈ کے پہاڑوں میں تندرستی کے لئے چلے گئے تھے اور وہاں پہونچکر ایک ہی ہفتہ زندہ رہے

شام کے متعلق جو اسکیم عربستان سے لارنس نے بنائی تھی وہ غلط نکلی۔ کیونکہ فرانس نے شام پر قبضہ کرلیا تھا اور امیر فیصل موتھ دیکھتے ہی رہ گئے تھے بالفور کے اعلان نیز ٹرنس جارڈن ([illegible]) کے انتداب نے تمام کارروائیوں کو بالآخر ختم ہی کر دیا اور امیر ابن سعود کی عقل رسا کا کسی کو بھی پتہ نہ چلا جبکہ اُس نے شریف وغیرہ کی پرواہ نہ کر کے حجاز پر قبضہ کر لیا اور بعد میں یمن کے امام یحییٰ سے بیس سال کے لئے دوستی کا معاہدہ کرکے با اختیار بادشاہ بن بیٹھا۔ حالانکہ دراصل تو ایشیا میں برطانیہ عظمیٰ ہی کے زیر سیادت عرب حکومتوں کا ایک جھرمٹ ترکوں کی شکست کے بعد بنگیا تھا اور بن رہا ہے۔

کہا تو یہ جاتا ہے کہ بنی اُمیّہ کے وقت سے جس طرح جزیرۃ العرب اور اوس کے صحرا اقتصادی نا امیدیوں میں گھرے ہوئے تھے اب اُن کو سرسبز و زرخیز بنانے کا خیال سب کو ہے اور غالباً کوئی بھی تدبیر اُس کے واسطے نہ اوٹھا رکھی جائیگی اور برطانیہ کی تمام تر امداد عربوں کے لئے موجود ہے۔ کھجور کی کاشت۔ افزائش نسل جانور ۔ کانوں کی تلاش وغیرہ وغیرہ سے بیچارے بدو اعراب کو جامہ انسانیت میں لانے کی پوری کوشش ہوگی۔ موٹروں کی سڑکوں سے صحرائے عرب میں ایک ہلچل ڈالدی جائیگی اور ہزاروں عرب اونٹوں کی پرورش چھوڑ کر موٹروں کے چلانے مشینوں کے کاموں کے سیکھنے میں لگ جائیں گے۔ چنانچہ ریل گاڑی چلانے کے لئے بھی پیمائش ہو رہی ہے۔ ابن سعود نے بتوں اور مقابر کو مسمار کرکے دنیا میں وہابیت کی شہرت بھی دیدی ہے۔ مگر یقین تو ہے کہ زمانۂ حال کی تعلیم سے عربوں

کے بھی سوان کھل جائینگے اور دماغ روشن ہو جائیگا۔

شریف حسین اور اوس کی اولاد کا وہ خواب کہ دمشق، البیو، فلسطین اور کل حجاز و عراق میں وہ خلیفۂ اسلام بنکر بیٹھ سکتے افسوس کہ پورا نہ ہو سکا۔ اور یورپ کی عیسائی حکومتوں نے خلافت اسلامی کے خیال تک کو کسی کے دماغ میں اپنی حکمت عملیوں سے گذرنے کا موقع نہیں باقی رکھا ہے۔ بس صرف مسلمانوں کا موقع صحیح صرف رہ گیا ہے جہاں کہ اتحاد اسلامی وغیرہ کا اندیشہ اون کو اب بھی ستاتے ہوئے ہے۔ اور جس کا ذکر اوپر آچکا ہے شریف حسین کو تو ہر قسم کی امیدیں یورپ کے اتحادیوں نے دلوادی تھیں اور امیر فیصل کو برائے نام دمشق کا گورنر بھی مقرر کر دیا گیا تھا۔ اور ۱۱ دسمبر ۱۹۱۸ء کو لندن میں جب فیصل کو ٹرکی کا نقشۂ تقسیم دکھلایا گیا اور یہود کی چالیس پچاس لاکھ کی آبادی کی گنجایش صرف فلسطین میں بتلائی گئی تو اوس کی آنکھیں کھلیں۔ پریسیڈنٹ ولسن امریکہ نے جب پھر ۶ر فروری ۱۹۱۹ء کو لندن کی کانفرنس کے دوران میں امیر فیصل سے سوالات کئے گئے تو اونکے جواب میں فیصل نے عربوں کی آزادی اور اپنے لئے اون پر حق سیادت و حکومت کی خواہش ظاہر کی بلکہ یہ کہا جاتا ہے کہ فیصل نے کانفرنس کی مثال ایک ایسے اونٹوں کے کاروان کی بیان کی کہ جس کا نکیل ایک گذشتہ کے ہاتھ میں ہو۔ اور مایوس بھی ہو گیا۔ شامیوں نے مجبوراً سے بھی کر دئیے تھے اور ۱۱ مارچ ۱۹۲۰ء کو فیصل تو شام کا بادشاہ بھی بن بیٹھا تھا۔ مگر ۲۴ جولائی کو فرانس نے اوسکو تخت سے محروم ہی کر دیا۔ تاہم ۱۱ جولائی ۱۹۲۱ء کو فیصل کو برطانیہ نے عراق کا بادشاہ بنائے جانے کا اعلان کر دیا۔

ابن سعود اور مصر کی حکومت کے درمیان سیاسی تعلقات بعد میں خراب ہو گئے تھے شاہ فواد مصر اور عبد العزیز ابن سعود شاہ حجاز کی طرف سے مصالحت کی کوشش بھی کی گئی اور دو سال سے مکہ اور قاہرہ کے درمیان متعدد قسم کے جھگڑے رہے محمل شریف کے مکہ جانے کے جھگڑے سے در اصل تمام باتوں کی ابتدا ہوئی تھی کیونکہ غلاف کعبہ کے مصر سے پہنچنے اور وہاں سے اوس کے لیجانے کا حق اہل مصر کو ایسے وقت سے بیان کیا جاتا ہے کہ جو انسان کی یاد سے بھی باہر ہے۔ اس محمل کے ہمراہ ایک کمپنی بھی فوج کی حکومت مصر سے جاتی تھی اور جس کا یہ دستور تھا کہ جھنڈا باجہ بجاتا ہوا ایک اونٹ پر غلاف کعبہ وغیرہ مع تحائف کے جدہ سے مکہ لیجاتا تھا۔ غلہ بھی خیرات

کے واسطے کافی مقدار میں مصری حکومت اور وہاں کے اوقاف کی طرف سے اسی محمل کے ہمراہ بھیجا جاتا تھا۔ لیکن ۱۹۲۶ء میں جبکہ سلطان ابن سعود نے اپنی بادشاہت حجاز کا اعلان کیا تھا تو وہابیوں نے باجہ وغیرہ بجتے ہوئے محمل شریف کے جانے پر اعتراض کردیا۔ بلکہ عام طور پر مقامات مقدسہ میں باجوں کے بجنے تک کے وہ مخالف تھے سلطان بھی اپنی قوم سے مجبور ہوگئے۔ اور جبکہ محمل کا اونٹ بعد حج کے واپس ہوا اور قافلہ عرفات سے لوٹا تو مکہ میں اس پر حملہ کردیا گیا۔ اور بگل بجتے ہی دونوں طرفوں سے گولی چلنے لگی۔ اور جبتک کہ فیصل ابن عبدالعزیز سعود امیر مکہ اپنی فوج لیکر موقع پر پہونچے ایک مصری افسر اور پچیس وہابی مارے جاچکے تھے۔ اور گو جنگ توفی الوقت رک گئی مگر جبکہ حکومت سعودیہ نے یہ اعلان کیا کہ مصر کا غلہ اور نقد جو خیرات کے واسطے آیا تھا وہ بھی حکومت کی طرف سے تقسیم ہوگا تو معاملات زائد بڑھ گئے۔ مگر ابن سعود نے فیصل اپنے بیٹے کو مصر بھیجکر تعلقات کی خرابی کو رفع بھی کرنا چاہا تا ہم نزاعات رفع نہ ہوئے جس سے حجازیوں کا سخت نقصان ہوا سعودیوں کا یہ بھی خیال تھا کہ شاہ فواد کے دماغ میں خلافت اسلامی کا بھی ولولہ تھا اور اس بنا پر اُن کو میل کرنا مشکل ہوا۔ مگر امید کی جاتی تھی کہ ۱۹۳۶ء تک معاملات صاف ہوجاتے۔ در اصل علی مہر پاشا مصری کی کوشش سے امید بھی بندھ گئی تھی

اس مقام پر عربوں کے ان علمی اور فنی کارناموں کا ذکر بھی مناسب ہے جو کہ مسٹر ایچ۔ جی ویلز (H. G. Wells) نے کلکتہ کے اخبار اسٹار آف انڈیا (Star of India) میں ۱۹۳۶ء کی اپریل یا مئی کی اشاعت میں شائع کرائے تھے۔

"(حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے قبل کئی نسلوں سے عربوں کا دماغ ناکارہ ہو رہا تھا۔ وہ شاعری اور مذہبی مباحث میں مبتلا تھے۔ مگر پیغمبر اسلام کے مبعوث ہوتے ہی اُن کی قومی اور نسلی کامیابیوں میں وہ ولولہ پیدا ہوگیا کہ تھوڑے ہی دنوں کے اندر اُن کے ذہن و دماغ میں وہ روشنی اور چمک دمک پیدا ہوگئی جو یونانیوں کے بہترین دور کے قریب پہونچ گئے یعنی انھوں نے ایک نئے زاویۂ نگاہ اور تروتازہ قوت کے ساتھ علم کے اُس ذخیرہ کو باقاعدہ نشوونما دینا شروع کردیا جسکا کام کہ یونانیوں نے شروع کیا تھا۔ اور پھر چھوڑ بیٹھے تھے۔ سائنس کی تحقیقات کا اعلی سہرہ سب سے پہلے عربوں کے سر ہے۔ اگر یونانی حقائق کی زندگی کو سائنس کی روشنی میں پرکھنے کی تحریک کے موجد تھے تو انکی جگہ عربوں ہی نے انکے بعد اور موجودہ دنیا کو تعلیمی کیتیں عربوں ہی کے ہاتھوں نصیب ہوئی ہیں۔ عربوں نے اپنے

فتوحات سے یونانیوں کی علمی تحقیقاتوں کو شامیوں کے ترجموں کے ذریعہ حاصل کیا تھا۔ بنی امیہ اور عباسیوں کے زمانہ میں تو عرب ہی کے دماغوں نے اعلیٰ سے اعلیٰ فلسفہ اور بہترین ادب کی تصنیفات کر ڈالی تھیں نویں اور دسویں صدی تک بڑی بڑی لغتیں اور قواعد زبان کی بھی تصنیفات ہو گئی تھیں"

۲ر ستمبر ۱۹۱۱ء کو امام یمن نے بھی سلطنت اٹلی سے ایک معاہدہ کر لیا تھا جس سے ہوائی پرواز کا نمک سنگ وغیرہ اور سڑکوں کی دریافت و تعمیر کے اجارے اطالیہ نے امام سے حاصل کر لئے۔ نیز حبشہ ریلوے بحیرہ بندرگاہ بنانے کا اس نے ارادہ کر لیا ہے۔ اسی کے واسطے ملک حبشہ کو بھی فتح کیا ہے۔

ابن سعود اور سعودی حکومت

شروع اٹھارویں صدی میں محمد ابن عبدالوہاب نجد میں پیدا ہوا۔ اور اسی نے وہابیت کی بنیاد ڈالی۔ اور عرب سے شام تک وہابی سلطنت قائم کر دی۔ ۱۸۰۳ء میں مکہ و مدینہ بھی وہابیوں کے ہاتھ آگیا تھا۔ یہ آلِ سعود خاندان سے تھا۔ مگر ۱۸۱۳ء میں ترکی سلطان محمود ثانی نے وہابیوں کی حکومت کو مٹا دیا۔

موجودہ سعودی خاندان یعنی عبدالعزیز شاہ حجاز پانچویں پشت امیر محمد ابن سعود سے ہیں۔ امیر محمد ہی نے در اصل شیخ محمد ابن عبدالوہاب کی تعلیمات کی بہت بڑی تائید کی تھی۔ اس کا اصلی مقام درعیہ تھا۔ شیخ محمد نے وہیں سے وہابیت کی تلقین شروع کی تھی۔ ان کی تعلیم میں شریعت اسلام کی انتہائی سادگی اور سختی سے پابندی تھی۔ امیر محمد کے پالیس سال بعد اس کے پوتے کو جو ابن سعود کہا جاتا تھا اپنی حکومت اور اثر شام کی سرحد سے شمال میں اور سینا تک جنوب میں بلکہ بحر عمان کے کنارے سے بحر احمر تک قائم کر لی تھی۔ اور اصلی اسلامی حکومت کی تمام خوبیاں اس میں بھی موجود تھیں۔ اسی زمانہ میں مصر میں محمد علی پاشا نے سر اٹھایا تھا اور سلطان ترکی نے ان دونوں کو ستا رکھا تھا، بیچ بیچ ترکیب سے لڑوا بھی دیا تھا ان کی جنگ پانچ سال تک قائم رہی تھی۔ اور نتیجہ میں ابن سعود کو محمد پاشا نے گرفتار کر لیا تھا اور ۱۸۱۵ء میں درعیہ کو مسمار کرا دیا۔ بلکہ کھجوروں کے درخت تک کٹوا دئے گئے اور وہابیوں کو منتشر کر دیا گیا تھا۔ اگر چہ وہ برابر بڑھتے ہی رہے یہاں تک گذشتہ صدی میں وہابیوں ... امارت ...

اختیار کی مگر ۱۲۳۱ھ میں ادریس کے چچیرے بھائی نے اوسے قتل کر دیا۔ تب شاہ عبد العزیز کے دادا
نے جس کا نام بھی فیصل تھا باپ کا بدلا لیا اور ۱۲۵۰ھ میں اپنے کو امیر کہلایا حالانکہ قبائل میں جنگ جاری
رہی یہانتک کہ خورشید پاشا مشہور مصری جنرل نے فیصل کو گرفتار کر کے اوس کے دوسرے چچیرے بھائی
کو امیر بنا دیا۔ اور فیصل کو سات سال تک قاہرہ میں مقید رکھا گیا۔ جہاں سے وہ بھاگ نکلا اور نجد
پہونچکر پھر اوس نے جنگ چھیڑ دی۔ اور امیر بن گیا۔ اس کی وفات پر اوس کے دو بیٹوں میں جنگ
ہو گئی۔ تب ترکوں نے ۱۲۸۸ھ میں نجد کی حکومت کو ختم ہی کر دیا۔ شاہ عبد العزیز کے والد کو جب ریاض میں زندگی
بسر مشکل معلوم ہوئی تو کویت میں جا کر ۱۳۰۹ھ میں اُس نے پناہ لی۔ اور ترکی حکومت نے کل خاندان
کا گذارا ساٹھ پونڈ مقرر کر دیا۔ اسوقت عبد العزیز کی عمر دس سال کی تھی۔ جب ۱۳۱۹ھ میں وہ پندرہ
سال کا ہوا تو شیخ مبارک الصباح کویت میں مشہور ہو چکا تھا یہانتک کہ ترکوں سے اور شیخ مبارک
سے جنگ ہو گئی۔ اوس وقت عبد العزیز نے فوج جمع کر کے [illegible] ریاض فتح کر لیا اور اپنا
قبضہ قائم رکھا۔ ۱۳۲۱ھ میں پھر صرف چالیس سعودیوں اور [illegible] کے ساتھ ریاض فتح
کر لیا تب تو سلطان ترکی نے اوس کے خاندان کا گذارا بھی بند کر دیا۔ اور [illegible] قبائل کی [illegible]
کی امیر اس کے باپ اور دیگر امراء نے اسکو منع کیا اور روکا۔ مگر اوس نے کسی کی [illegible]
دیگر سعودی اوس کے ساتھ مرنے اور مارنے پر متفق ہو گئے۔ اوس نے ساتھ [illegible] جمع
کرتے اور ایک شام کو ریاض کی سرحد پر پہنچکر نصف کو کچھ دور کے باغ میں اپنے بھائی محمد کی کمان
میں چھوڑا اور ایک کھجور کے درخت کو کاٹ کر اور ساتھ [illegible] شہر پناہ کی دیوار سے لگا دیا۔ باقی
ساتھیوں میں سے بیس کو وہاں کی حفاظت کے لئے چھوڑ کر [illegible] کے ذریعہ شہر
پناہ میں داخل ہو گیا وہاں بھی چار آدمیوں کو متعین کر کے چھ جانباز عربوں کے ہمراہ
ترکی گورنر امیر عجلان کے محل کے قریب ترکمان پر جا کر رک گیا۔ دروازے کو کھٹکھٹی دی۔ تو ایک
عورت نے اندر سے پوچھا کہ کون ہے؟ جواب دیا گیا کہ گورنر امیر عجلان [illegible] تمہارے شوہر کو
بلانے آئے ہیں۔ عورت نے کہا کہ بھلے مردک تو کوئی وقت ہے [illegible] رات کو کھٹکھٹاتا ہے۔ امیر عبد العزیز
نے کہا کہ "اے نیک بخت میں یقین دلاتا ہوں کہ میرے ارادے بد نہیں ہیں اور میں مجبور ہوں کہ تجھکو
یہ بتلا دوں کہ اگر تیرا شوہر بغیر دیر کئے ہوئے گورنر کے پاس نہ گیا تو صبح کو [illegible] کوئی بھی بچا نہیں

سکتا تھا۔ اسپر عورت کا شوہر یہ سن کر دروازے پر آیا اور اس ہنگامے کا سبب دریافت کیا۔ یہ شوہر سعودیوں
کا قدیم ملازم تھا۔ اسی بنا پر ابن سعود نے اوسکے مکان پر دستک دی تھی اور جیسے ہی کہ وہ دروازے پر آیا اور
کھولا تو جیسے ہی عبدالعزیز نے جس سے اوس کے مکان میں کہا کہ خاموش رہو اور ہٹا کر اندر ہو گیا۔ عورت
نے فوراً پہچان کر کہا کہ آہا ہمارا مالک عبدالعزیز ابن سعود ہے۔

اب مستورات کو یکجا کر کے عبدالعزیز نے ایک کمرہ میں بند کر دیا اور خاموشی کا حکم دیدیا جس کی
سب نے تعمیل کی۔ اپنے سابق ملازم کو ہمراہ لیکر اب وہ گورنر کے باغ کی دیوار پر چڑھا اور محل میں داخل
ہو گیا۔ وہاں سنتریوں کو سوتا پاکر انہیں کے کمبلوں میں لپٹوا کر اور باندھکر ایک کمرے میں انہیں بھی بند
کر دیا۔ اور اپنے ساتھیوں کو بھی اب بلا لیا۔ سب نے گورنر کے محل کے کمروں میں تلاشی شروع کر دی۔
ایک لالٹین سے جیسے ہی ایک سونے والے کا منہ دیکھا تو وہ گورنر کی ایک بیوی نکلی اور وہ ابن سعود کو
پہچانکر ہنسی اور پوچھا کہ کیا چاہتے ہو۔ اوس نے کہا "عجلان" عورت نے کہا "بیٹا اپنی جان پر نہ کھیل۔ رات
ہی میں بھاگ جا ورنہ قضا کے منہ میں ہوگا۔ عبدالعزیز نے کہا کہ میں مشورے کے واسطے نہیں آیا ہوں
بلکہ یہ جاننے کے لئے کہ عجلان کس وقت صبح کو برآمد ہوتا ہے" عورت نے جواب دیا کہ "سورج
نکلنے سے ایک گھنٹہ بعد"۔ دراصل اس بیوی کو عجلان سے رنج تھا۔ اور بیچاری امیدوں سے مایوس
ہو چکی تھی۔ اب عبدالعزیز نے جو بھی مستورات وہاں تھیں انہیں بھی کمرے میں بند کر دیا تھا۔ صبح ہوتے
ہی جیسے ہی محل کا اصلی دروازہ کھلا اور گھوڑوں کو لیکر عجلان کے غلام باہر نکلے ویسے ہی فوراً عجلان نے
آکر حسب دستور گھوڑوں کو تھپتھپایا۔ اسی دم دیواروں کی آڑ سے عبدالعزیز اور اوس کے ساتھی عجلان
وغیرہ پر گولیاں چلا بیٹھے۔ گورنر کے ملازمین نے بھی گولیاں چلائیں۔ اور گورنر کے گولی لگی تھی مگر شکست میں
لگنے کے باعث وہ عبدالعزیز ہی کی طرف لپکا اور اسے گرا دیا تب عبداللہ اوسکا چچیرا بھائی بڑھ گیا
اور ایک ہی گولی سے اوس نے عجلان کا کام قریب ہی ختم کر دیا۔ عبدالعزیز کے ہمراہیوں نے
جو سب اب آگئے تھے سب طرف گولیاں چلانا شروع کر دیں۔ محل کی فوج نے یہ سمجھکر کہ عبدالعزیز
کے ہمراہ غالباً بڑی فوج ہے۔ ہتھیار ڈالدئے اور جان بخشی کی درخواست کر دی۔ ابن سعود کے بھی
دو آدمی مارے گئے۔ اور چار زخمی ہوئے۔

دوپہر کے قریب ابن سعود کے ریاض کے حاکم ہونے کا اعلان کر دیا گیا۔ تب وہ اپنے

ایک عزیز یا ذر کا چارج دیکر خود باہر نکل آیا۔ اور اب جہاں جہاں گیا اپنے کو حاکم منواتا گیا۔ مگر کہیں بھی قیام نہیں کیا۔ کیونکہ ترکی فوج اوس کے پیچھے پیچھے ہر جگہ پہونچتی رہتی تھی۔ اسیطرح الخرج اور پھر نجد کا کل جنوبی حصہ اپنے قبضہ میں کر کے امیر ہونے کا اعلان کر دیا۔ ایسے ہی سنہ ۱۹۰۵ء میں ابن سعود نے سلطانی افواج کو بہت کچھ مٹا دیا۔ اور اب اسکی فوجی قوت بھی خاصی ہو گئی تھی۔ اور مکہ کے قریب تک وہ آ گیا تھا۔

سنہ ۱۹۱۰ء میں اوس کا چچیرا بھائی اخارق اوس سے انتقام لینے کے لئے جنوب میں مقابل آ گیا۔ تب ترکوں نے کاسم پر اور سیر حملہ کر دیا اور شریف حسین مکہ بھی ترکوں کے ساتھ ہو گئے۔ جس سے گویا وہ تین طرف سے گھر گیا مگر پہلے وہ ترکوں سے نپٹا اور شکست دی مگر اون کو قتل نہیں کیا بلکہ اس شرط سے انہیں جان بخشی دی کہ وہ بغداد یا مکہ کی طرف لوٹ جائیں اور اُن کے اونٹ تک واپس دیدئے۔ ترکوں نے منظور کر لیا اور واپس گئے۔ تب وہ اخارق کی طرف متوجہ ہوا اس نے بھی معافی مانگ لی۔ اب جب کہ وہ حسین کی خبر لینے کو چلا تو معلوم ہوا کہ حسین پیشتر ہی سے حجاز میں پہونچ چکا تھا۔ اور اس طرح وہ فاتح بن کر امیری کرتا رہا

سنہ ۱۹۱۲ء میں جب ترک بلقان میں مبتلا ہو گئے تو احصار اور القالف کو بھی اس نے اپنی حکومت نجد میں شامل کر لیا۔ مگر پھر بھی ترکی فوج کو تہ تیغ نہیں کیا بلکہ سامان سمیت سمندر پار ہو جانے کی اجازت دیدی۔

سنہ ۱۹۲۱ء میں حائل پر قبضہ کر کے ال راشد نجدی کی والیت ختم کی اور اسکے کل خاندان کو ریاض پہونچوا دیا جہاں کہ وہ اسوقت تک آرام و آسائش سے بسر کر رہے ہیں۔ جب سنہ ۱۹۲۴ء میں اوس نے حجاز کی فتح کا بیڑا اوٹھایا تو اُسے بھی ایک ہی سال کے اندر فتح کر لیا پھر سنہ ۱۹۲۶ء میں حجاز اور نجد کی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔

سنہ ۱۹۱۳ء کی احصار کی فتح سے وہ خلیج ایران تک پہونچ گیا تھا اور وہاں برطانیہ سے دوستی کئے بغیر اسے کام چلانا مشکل نظر آیا۔ چنانچہ فتح حجاز کے بعد ہی لندن میں اوس نے سفیر مقرر کر دیا۔ اور ایک صلحنامہ بھی انگریزوں سے کر لیا اور یوں موجودہ سعودی عرب کی سلطنت قائم ہو گئی۔ —

سنہ ۱۸۰۳ء میں بھی وہابیوں نے مکہ پر قبضہ کر لیا تھا مگر درمیان میں وہاں سے حکومت جاتی رہی تھی۔ دوران جنگ میں عبدالعزیز بالکل ہی بغیر جانب دار رہا گو ترکوں نے الرشید کو شریف حسین کے خلاف

دیا۔ اکھڑا کیا تھا مگر اس سے اور عبدالعزیز سے کوئی واسطہ نہ تھا اور نہ وہ اوسے روک ہی سکتا تھا۔ اب تو امام یحییٰ یمنی اور دیگر عربی حکمرانوں سے معاہدہ ہو کر حکومت کر رہا ہے۔ بلکہ کل عربی بولنے والی حکومتیں ہیں ان سے باہمی امداد اور دوستی کے تعلقات بڑھا رہی ہیں۔

عبدالعزیز ابن سعود ایک چھ فٹ سے زائد قد و قامت اور چوڑے چکلے سینہ اور شانوں کا تنا ہوا مضبوط جسم کا بادشاہ ہے۔ شکار اور سواری کا شائق ہے۔ نشانہ بازی اور تلوار کے فن میں ماہر ہونے کے علاوہ وہ بہت رحم دل بھی ہے۔ نرم گفتاری اور شریفانہ برتاؤ اس کا مسلک ہے۔ نماز فجر سے قبل تو بعد قرآن پاک کی تلاوت اوسکا معمول ہے۔ حدیث کا بھی چرچہ بعد نماز اوسکے یہاں ہوتا ہے۔ تب آرام کرنے غسل کے بعد کپڑے بدل کر ناشتہ کرتا ہے اسیوقت پریوی کونسل کے اجلاس کی نشست ہوتی ہے اور سلطنت کا بھی کام ہوتا ہے۔ پھر شیوخ سے ملاقات کر کے دربار عام میں ہر کس و ناکس سے ملتا اور داد رسی کرتا ہے۔

[illegible] میں اوسکی محبوب بیوی کا انتقال ہوا اور دو لڑکے محمد اور خالد اوسنے چھوڑے تھے جن سے وہ بہت محبت کرتا ہے۔ اور چونکہ خود غربت اور فاقہ کشی کا مزا چکھ چکا ہے۔ اس لیے کسی محتاج اور غریب کو محروم نہیں کرتا ہے۔ مخیر ہے تیز خوشامد و مکر سے متنفر۔ اگر اسے اس کا علم ہو جاوے کہ کوئی تھوڑا اوس کے باورچی خانہ سے بھوکا واپس ہو گیا تو ملازمین کی خاصی مرمت کرتا ہے اور پوری سزا دیتا ہے۔ اسوقت تک تو اوس نے دشمنوں کے ساتھ بھی بدسلوکی نہیں کی ہے۔ عرب کی آزاد اور جاہل قوم کو خود اوسکی موروثی حکومت قائم کرنے کا سبق پڑھا رہا ہے اور نئی زمانہ اسلامی اصولوں پر سلطنت کو چلانا جب مشکل کہا جا رہا ہے تو وہ اسے چلا کر دکھلا رہا ہے۔

روزانہ شیوخ کو اور اپنے اہل خاندان کو جمع کر کے اعتراضات سنتا ہے۔ کہا تو یہ جا رہا ہے کہ قدیم روایات کی پابندی ہی اوس کی قوت کا سبب ہے۔ یہانتک کہ جب علمائے ملت نے اوسکی تخت نشینی کی سالگرہ کی تقریب تک کی ممانعت کی تو اس نے اوسے منظور کر لیا۔ لیکن ملک میں تار کی خبر رسانی کے آلات اور زمانہ حال کی علمی ترقیوں کے انتظام کے معاملات میں وہ علما کی پرواہ نہیں کرتا ہے۔

اب سے چالیس سال قبل تو عرب کی تقسیم یوں تھی کہ حجاز پر شریف مکہ کی حکومت تھی۔ نجد پر

الراشد کی اور باقی حصص پر الصباح کی۔ جس سے قبیلوں میں رشک و حسد۔ مار پیٹ خون خچر قافلوں کی لوٹ مار یک روز مرہ تھی۔ بدو خیموں میں رہتے تھے اور جہاں بھی انکو جانوروں کی چرائی اور پانی ملتا وہیں ٹھہر کر پڑ رہتے۔ اور اس کو ختم کر کے پھر آگے چلتے۔ اسی میں اگر کوئی جنگ کے واسطے بلاتا تو مزدوروں کی طرح جا کر کام کرتے اور لوٹ مار سے جو ملتا وہ لیکر اگر زندہ رہتے تو قبیلوں میں واپس آجاتے۔ ابن سعود نے اب باقاعدہ مواضعات کی ترتیب کرا دی ہے۔ مکانات بھی وہاں تعمیر کرا دیے ہیں جہاں پانی ہے اور بدوؤں کو وہیں بسایا بھی جا رہا ہے تاکہ مارے مارے پھرنے کی عادت موقوف ہو۔ علما کو انکی مذہبی تعلیم و تربیت کے واسطے بھی مقرر کیا ہے تاکہ بعض اسلامی اور اخلاق محمدی سے ان کو واقف کیا جا سکے۔ انکے ہر قسم کے فرائض و ذمہ داریوں سے بھی انھیں آگاہ کرایا جا رہا ہے۔ کاشتکاری کی طرف توجہ دلانے سے تو اب بدوؤں کو بڑے فوائد نظر آرہے ہیں جس سے انمیں قوت ارادہ اور اپنی حقیقت انسانی کا احساس بڑھ رہا ہے ساتھ ہی اسکے انھیں یہ بھی بتلایا جا رہا ہے کہ وہ سلطنت کا جزو ہیں ملکیت اراضیات کے حقوق سے آگاہی کے سبب وہ بجائے ڈاکو ہونے کے اپنی اور دوسروں کی ملک کی حفاظت کی قدر کرنے لگے ہیں۔ جہاد اور بہشت میں پھر ملنے کی اصلی قدر اسکے دلوں میں کچھ ایسی مرکوز ہو رہی ہے کہ جنگ کے وقت انھیں کا نعرہ اب لگانے لگے ہیں۔ اور ملک و قوم کی حفاظت کے خیال نے اخوت اسلامی کی طرف اچھی طرح متوجہ کر دیا ہے۔ نجد میں تو زمانہ حال کی طرح کے ہسپتال کھولدے گئے ہیں۔ ٹیکہ وغیرہ بھی جاری ہو گیا ہے۔ گھوڑوں کا بھی اسپتال قائم کیا گیا ہے۔ مذہبی تعلیم کے ساتھ ساتھ سائنس کی بھی تعلیم مدراس میں ہوتی ہے۔ طلبا کو اسی لئے باہر بھیجا گیا ہے کہ مصر و شام سے جو اس وقت معلم بلائے گئے ہیں آئندہ انکے بجائے خود ملک کے لوگ باہر سے تعلیم حاصل کر کے اپنے ملک کے معلم بن سکیں۔ اونٹوں کے بجائے موٹریں اب بہت کچھ کام کرنے لگی ہیں۔ اسی لئے پانی کے کنویں بھی برابر بنائے جا رہے ہیں اور پانی کے سوتوں کی دریافت کی طرف خاص توجہ ہے۔ معدنیات کے دریافت کا بھی حکومت کو بے حد خیال ہے۔ سونے کی کان تو مل گئی ہے اور خیال ہے کہ تیل بھی کہیں ملجائیگا۔ آبپاشی کے واسطے بھی زمانہ حال کے آلات استعمال کرانے کے لئے خود عبد العزیز نے منگوائے ہیں۔ انکی مانگ نجد و حجاز میں بے حد بڑھ رہی ہے۔ اب جو کوئی بھی

قانون شکنی کی ہمت کرتا ہے اوس کو سخت سے سخت سزا دیجاتی ہے۔ موٹروں سے ہوائی جہازوں اور وائرلیس نے تو عربوں کی ہر جنبش اور ارادے نے تدبیرات کو توڑ دیا اور گویا نعمت غیر مترقبہ معلوم ہو رہے ہیں - اور مردوں کو اُن کی حفاظت میں وہ کچھ اور مزا ملگیا ہے کہ جنگلوں اور ریگستانوں کی دوڑ بھولے جا رہے ہیں -

باہتمام چودھری عاصم رضا فاروقی پرنٹر طبع ہوئی